مسلمانوں کا عروج وزوال
کتابوں کے آئینے میں

خالد ایم ابوالفضل
ترجمہ محمد یحییٰ خاں

مشعل

مسلمانوں کا عروج وزوال
کتابوں کے آئینے میں

خالد ایم ابوالفضل

ترجمہ: محمد یحییٰ خاں

مشعل بکس

آر۔بی۔۵، سیکنڈ فلور،
عوامی کمپلیکس، عثمان بلاک، نیوگارڈن ٹاؤن، لاہور۔54600، پاکستان

MashalBooks.org

مسلمانوں کا عروج وزوال

کتابوں کے آئینے میں

خالد ایم ابوالفضل

ترجمہ: جاوید اقبال

کاپی رائٹ اردو (c) 2004 مشعل بکس

ناشر : مشعل بکس

آر۔بی۔۵' سیکنڈ فلور'

عوامی کمپلیکس' عثمان بلاک' نیوگارڈن ٹاؤن' لاہور۔54600' پاکستان

فون وفیکس 042-35866859

E-mail: mashbks@brain.net.pk

http://www.mashalbooks.org

MashalBooks.org

فہرست

عرض مترجم	7
اظہار تشکر	10
دیباچہ	12
''دی کانفرنس آف بکس''	21
رات کا ملاقاتی	27
ذہانت کے ڈاکو	32
امریکہ نسل پرستی کے چنگل میں	39
کتابوں کی تہذیب	42
لامتناہی کانفرنس	49
کچھ دغا بازی کے بارے میں	52
ایک دعا	56
کتابیں اٹھانے والے گدھے	60
روح کا قتل...........ایسی بیٹیاں کہاں جائیں؟	64
زیادہ جاننے والا کون؟	68
عورت......قانونی موشگافیوں کی زد میں	72
طاقت کا صحیح اور غیر صحیح استعمال	75
فرمانبرداری کی حدود	78

MashalBooks.org

اولاد کا دکھ	82
دہشت گردی کی اقسام	87
فون کیجیے......فتویٰ حاضر	90
طلب العلم اور مسلمان	93
نیویارک سٹی کے "بم دھماکے"	97
گناہ سے بچنے کا "نسخہ"	100
کتابوں کا قتل عام	103
حق والدیت	106
مکھیوں کا قتل؟	110
خطبہ ایک جمعے کا	113
ایک نسل کا بوجھ	116
معافی کی منطق	120
فرد اور جماعت کا توازن	124
تلاشِ جمال	127
دہشت گردی بمقابلہ بالا دستی	130
آرزوئے اخوت	134
تہذیب "ممنوعات"	137
گرفتارِ محبت	141
حسن و قبح پر ایک لیکچر	145
ایک رات قلم کے ساتھ	150
ابن رشد کو خراجِ تحسین	155
محبوب کی سنّت	162
نکاح ناموں کی آڑ میں	166
کتابِ تاریخ کا ایک صفحہ	170
جنونی گروہ......بھڑوں کا چھتہ	174

MashalBooks.org

خاموشی کی راست گوئی	178
وحشی خاوند	182
بیویوں سے وحشیانہ سلوک......2	194
ستائشِ گوشہ نشینی	207
نغمۂ محبت	210
میرے شیخ کی الوداعی نصیحت	213
استعماریوں کا تعصب	220
ایک شیخ کامل سے مکالمہ	228
یدِ بیضاء لئے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں	235
’’کتاب الارجاء‘‘......معطل فیصلے	245
نبیؐ کے خواب دیکھنا	256
عورتیں بطور نوآبادی	269
محبوب کا نقشِ پا	276
شادی ذریعۂ قربِ الٰہی	280
حسن کے موتی	293
ذہین بھگوڑا	309
اور جب شیطان بول اٹھے گا	315
کتاب اللہ میں تحریف	320
ایک یاددہانی	335
اہل علم کی راہ	359
ہائے مظلوم بچے	374
کارگزاریٔ شب	377
آخری منزل اور گوہر مقصود	382
شخصی خاکے	388

MashalBooks.org

عرضِ مترجم

ڈاکٹر خالد ابو لفضل، مصری ہیں اور آج کل امریکہ کے شہر لاس اینجلس میں مقیم ہیں اور پیشے کے لحاظ سے یونیورسٹی میں استادِ قانون ہیں۔ انہیں محض ''استادِ قانون'' کہنے سے ان کا تعارف مکمل نہیں ہوتا کیونکہ وہ اس سے بہت بڑھ کر ہیں۔ انہوں نے دینی علوم کے ساتھ دنیوی علوم میں بھی گہری دسترس حاصل کی ہے اور فلسفہ، تاریخ، تفسیر، فقہ اور سیرت کے موضوعات کے سمندر میں گہری غواصی کر چکے ہیں۔ وہ جس قوم کے فرد ہیں، اس کے غم و عیش دونوں میں دل و جان سے شریک ہیں۔ وہ اسبابِ عروج کے ساتھ ساتھ اسبابِ زوالِ امت سے بھی باخبر ہیں۔ دونوں زمروں کے اسباب کا مرکزی نقطہ، ان کے نزدیک مسلمانوں کا علوم قرآنی سے شغف رکھنا اور بعد میں ان سے گریز کا رویّہ اپنا لینا تھا۔ یعنی جب تک وہ تحقیق و جستجو کی راہ پر گامزن رہے ان کے شب و روز اور تھے اور جب وہ علمی تگ و دو سے کنارہ کش ہو گئے تو معاند قوتوں کے نرغے میں پھنستے چلے گئے۔

جسدِ اجتماعی میں پیدا ہونے والی خرابیاں معاشرے میں عدم توازن پیدا کرتی ہیں اور شدید قسم کا عدم توازن معاشرتی اکائی یعنی خاندان میں پیدا ہوا جہاں مرد نے عورت کو اپنی غلام بنا لیا اور اس کا جواز قرآن میں تلاش کیا۔ مصنف کتاب ہذا کو امریکہ میں آباد مسلمانوں میں پیدا ہونے والی اس خرابی سے شدید رنج پہنچا، چنانچہ اس نے نہ صرف کئی خاندان میں طلاق اور نان نفقہ کے متعدد مسائل سلجھائے بلکہ حقوق زوجین کے بارے میں پھیلی ہوئی غلط فہمیوں کو دور کرنے کے لیے کئی مناظرے بھی کئے۔ مردوں نے اپنی برتری کے بے جا زعم کے تحت ''**الرجال قوامون علی النساء**'' کی آیت کو غلط معنی پہنانے کی جو کوششیں کیں

مصنف نے اس پر ان کی سخت گرفت کی ہے۔

اس ضمن میں ان کے علم میں خاندانوں کے اندر عورت کے جنسی استحصال کی سنگین وارتیں بھی لائی گئیں۔ جنہیں سن کر انسان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ وہ مرد جو اجتماعی سطح پر ظلم کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتا ہے اور کمزور قوموں پر طاقتور قوموں کی طرف سے بالادستی قائم کرنے کو ظلم عظیم قرار دیتا ہے اپنے خاندان کے اندر جہاں وہ خود بالادست ہے بدترین آمریت قائم کر لیتا ہے اور اس کا جواز قرآنی تعلیمات میں سے ''برآمد'' کرتا ہے۔ فاضل مصنف نے مسلمانوں کو حضور اکرمؐ کی خاندانی زندگی کی طرف توجہ دلائی ہے اور کہا ہے کہ جن آیات قرآنی سے تم اپنے مطلب کی بات اور اپنی آمریت کا جواز نکالتے ہو' وہ جس ہستی پر نازل ہوئی تھیں وہ تو اپنی ازواج مطہرات کے لیے سراپا رحمت اور شفقت تھے اور تم اسی قرآن کے احکامات کو زیردست آزاری کے لیے سند جواز بنا رہے ہو۔ ایک نافرض شناس شوہر کو مطیع فرمان الٰہی بیوی پر فوقیت کیسے حاصل ہو سکتی ہے۔؟

مصنف نے اپنی ''کانفرنس آف بکس'' کے ذریعہ جو اس کی شب بیداریوں کی معمولات کا حصہ ہے' ماضی کے مصنفین سے ''شرف کلام'' حاصل کیا اور انہیں ان کے وقت کے حکمرانوں اور معاصرین کے ہاتھوں جو اذیتیں پہنچیں اس پر انہیں پرسہ دیا یہ مصنف کا ایک زبردست تخیلاتی کارنامہ ہے کہ وہ پوری پوری رات' کتابوں سے بھرے ہوئے اپارٹمنٹ میں یہ گرانقدر تصانیف اپنے سامنے رکھ کر ان کی روحوں سے گفتگو کرتا ہے' جس طرح مرید ہندی (اقبال) اور پیر رومی (مولانا رومؒ) آپس میں محو کلام رہتے تھے۔

ہم یہ دیکھ کر حیران رہ جاتے ہیں کہ آج ہم جن بڑی بڑی شخصیات کے علمی کارناموں سے مستفید ہوتے ہیں اور جن کا ذکر آنے پر ہی ہمارے سر ادب سے جھک جاتے ہیں' وہ اپنے دور میں کن کن اذیتوں کا شکار رہے تھے۔' انہیں نہ صرف قید و بند کی صعوبتوں میں سے گزرنا پڑا بلکہ سرعام پٹائی' کوڑے زنی اور پھر جلاوطنی تک نوبت آ گئی۔ امام ابوحنیفہ' امام احمد بن حنبل' امام شافعی' امام مالک' امام نسائی' امام ابن تیمیہ' ابن قیم' امام نووی' الطبری' البیضاوی' ابن کثیر اور دیگر سینکڑوں نام گنوائے جا سکتے ہیں جنہیں معاصرین کی چیرہ دستیوں سے سابقہ پڑا۔ فاضل مصنف نے ان کی ابتلاؤں کا سرسری جائزہ لیا ہے تاہم اہلِ ذوق حضرات ان کے تفصیلی حالات جاننا چاہیں تو کئی کتابیں موجود ہیں۔

MashalBooks.org

ڈاکٹر خالد ابوالفضل نے آج کی مظلوم قوموں بالخصوص مسلمانوں کے ناگفتہ بہ حالات پر روشنی ڈالتے ہوئے دنیا کی متمدن اقوام کے اس رویے پر شدید احتجاج کیا ہے کہ وہ دوسروں پر اپنی بالادستی قائم کرنے کے لیے ظلم کی ہر شکل کو جائز سمجھتی ہیں اور مظلوموں کے ردعمل کو دہشت گردی قرار دیتی ہیں۔ یہ غیر منطقی رویہ ہے اور ''بھیڑیئے اور میمنے'' کی کہانی کا اعادہ ہے۔ کاش کہ دنیا کو تہذیب سکھانے کی دعویدار اقوام خود بھی مہذب رویہ اختیار کر سکتیں۔

مجھے یقین ہے کہ قارئین کرام اس کتاب کو جو سینکڑوں کتابوں پر بھاری ہے' نہایت مفید پائیں گے۔

محمد یحییٰ خان
ایم اے ایل ایل بی
20 مئی 2004ء

MashalBooks.org

اظہار تشکر

یہ مضامین عرصہ پانچ سال میں لکھے گئے' ان میں سے تقریباً نصف 1994ء سے اب تک رسالہ ''THE MINARET'' میں چھپ چکے ہیں' باقی کہیں بھی شائع نہیں ہوئے۔ میں ان کی اشاعت پر اس رسالے کی انتظامیہ کا شکر گزار ہوں۔ ان میں سے زیادہ تر مضامین مسلمانوں اور غیر مسلموں سے بحث مباحثے کے نتیجے میں وجود میں آئے۔ میں نے ان خواتین و حضرات کے نام استعمال نہیں کئے۔ اس مقصد کے تحت بعض واقعات میں بھی معمولی سا رد و بدل کرنا پڑا ہے تا کہ ان لوگوں کی شناخت نہ ہو سکے۔ نام سامنے نہ لانے پر ان کی دل آزاری ہوئی ہو تو میں ان سے معافی چاہتا ہوں۔ علاوہ ازیں میں نے بعض نام ان کی سکیورٹی کے خیال سے تبدیل کئے ہیں۔ میری خواہش تھی کہ میں ان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے ان کے پورے اور معروف نام لے سکوں مگر ایسا نہ ہو سکا تاہم یہ بات باعث اطمینان ہے کہ وہ جانتے ہیں کہ ان کا ذکر کیا گیا ہے۔ میں دعا کرتا ہوں کہ وہ دن جلد آئے جب مسلمان بلا خوف و خطر زندگی گزارنے کے قابل ہو جائیں۔

اس مواد کو کتاب کی صورت میں پیش کرنے میں مجھے یونیورسٹی پریس آف امریکہ (U.P.A) کے ایڈیٹروں اور ریڈروں کا سرگرم تعاون حاصل نہ ہوتا تو میری یہ خواہش کبھی پوری نہ ہو سکتی۔ میں یو پی اے کی انتظامیہ کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے اس کو قابل اشاعت سمجھا اور اسے زیور طباعت سے آراستہ کیا۔ مجھے یونیورسٹی آف کیلیفورنیا لاس اینجلس (UCLA) لاء سکول اور انسٹی ٹیوٹ فار ''اصولی تھاٹ'' (Usuli Thought) سے بھی مفید تعاون حاصل تھا جس کی وجہ سے میں نے اپنے تمام خیالات کو کاغذ پر منتقل کرنا شروع کر دیا' میں ان کے زیرِ بار احسان ہوں۔ میں بک ایڈیٹر جیمز واویل کا بھی بے حد شکر گزار ہوں جن کی پیشہ وارانہ استعداد قابل ستائش ہے۔ میں ان تمام افراد کا تہہِ دل سے ممنون ہوں

جنہوں نے مجھے اس کام کے لئے وقت دیا' میرا ہاتھ بٹایا اور میری بھرپور حوصلہ افزائی کی۔

میں سب سے زیادہ اپنے والدین مدحت ابوالفضل اور عفاف النمر اور اپنے اساتذہ اور شیوخ کا شکرگزار ہوں کہ جنہوں نے مجھے موجودہ صورت میں ڈھالا' میرے دل میں علم اور حُسن سے محبت پیدا کی اور مجھے یہ درس دیا کہ حُسن کی معراج خداوند تعالیٰ کی ذاتِ اقدس ہے۔ مجھے اپنی رفیقۂ حیات گریس کا شکریہ ادا کرنے کے لئے الفاظ نہیں ملتے جو میری مدد بھی کرتی رہی اور میرا حوصلہ بھی بڑھاتی رہی۔ وہ میرے دل کی دھڑکن بن گئی جس نے مشکلات اور رکاوٹوں کے باوجود اس منصوبے کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ میں اس کا بے حد شکرگزار ہوں۔ میں ناہید فکور کی دوستی اور بے حد مفید تعاون کا بھی شکرگزار ہوں کہ اس نے اشاعت کے پورے عمل میں میرا بھرپور ساتھ دیا۔ میں ارم عباسی' انور ایمن' انجم میر' ہشام محمود' معراج سید اور جہاد ترک کا بھی سپاس گزار ہوں جنہوں نے اس مسودے کی ریڈنگ اور ایڈیٹنگ میں دِقتِ نگاہ اور بصیرت سے کام لیا۔ معراج سید نے اشاریہ مرتب کرنے' ہشام محمود نے فہرستِ عنوانات اور معانی اصطلاحات کے ضمن میں میرا ہاتھ بٹایا' جبکہ انور ایمن نے سوانحی مندرجات کے سلسلے میں تعاون کیا' میں ماذن اصجی' لینہ شاہندر' عاصم محمود اور ان کے اہل خاندان کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے شکاگو میں "اس کتاب" کی "ریڈنگ" کی تقریب میں میزبان کا کردار ادا کیا۔ میں الفی اور ایمن کے اہل خاندان کا لاس اینجلس "ریڈنگز" کی میزبانی کرنے پر شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اورینج کاؤنٹی اسلامک سنٹر نے اروائن میں اور میر فیملی نے کیہوگا فالز (اوہائیو) میں "ریڈنگز" کی میزبانی کی۔ جبکہ قریشی فیملی نے سان فرانسسکو میں "ریڈنگ" کا اہتمام کیا۔ میں ان سب کا دلی طور پر سپاس گزار ہوں۔ میں مسٹر عبدالسلام قریشی کا خصوصی طور پر شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے "اس کتاب" کی افادیت کو تسلیم کرتے ہوئے دست تعاون بڑھایا۔ میں خاص طور پر ان بہت سے قارئین کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے مجھے اپنی آراء اور تبصروں سے نوازا اور "کتاب" میں پیش کردہ خیالات اور مضامین کو یکجا کرنے میں مجھ سے تعاون کیا۔ یہ قارئین سال ہا سال میرے لئے ایک مستقل منبع فیض بنے رہے۔ آخر میں میں "ان کا" شکریہ ادا کرنا بھی نہیں بھول سکتا' جو اگر موجود نہ ہوتیں تو "کتاب" بھی وجود میں نہ آسکتی' وہ ہیں میری "کتابیں" جو طویل عرصہ سے میری راتوں کی رفیق رہیں اور آئندہ بھی تا دمِ زیست ان کا اور میرا ساتھ رہے گا اور پھر میرے زندگی بھر کے رفقاء وہ فقہائے اسلام ہیں جن کی انمول آراء مجھے حسن کی جستجو میں مدد دیتی رہیں میں ان کا شکریہ ادا کرنا کیسے بھول سکتا ہوں؟

MashalBooks.org

دیباچہ

وَقَا لَ ارْکَبُوْا فِیْھاَ بسمِ اللّٰہ مَجْرِھَا و مُرسٰھَا

(اور کہا: سوار ہو جاؤ اس میں اللہ ہی کے نام سے ہے اس کا چلنا بھی اور اس۔ کا ٹھہرنا بھی)

سورہ ہود آیت ۴۱

یہ کتاب...... ''دی کانفرنس آف دی بکس'' ......اسلام کے عقلی مزاج اور جدید دور کے مسلمانوں کے رویوں کے تحقیقی مطالعے کا خلاصہ ہے۔ میں نے اس میں جو کچھ پیش کیا وہ بطور ایک قانون دان (فقیہہ) اور بطور استاد امریکہ اور متعدد دیگر ممالک کے مسلمانوں سے تبادلہ خیال سے حاصل ہونے والے نتائج پر مبنی ہے۔ یہ مضامین مسلمانوں کو شب و روز پیش آنے والے مسائل کے حوالہ سے لکھے گئے اور ان کا حل پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ مسائل ''سیاسی جبر''، ''دہشت گردی''، ''سنسر شپ''، ''حجاب''، ''عورتوں کے ساتھ مردوں کا عمومی سلوک''، ''والدین کے حقوق''، ''اسلامی قانون کا کردار''، قانون اور اخلاق کا باہمی تعامل'' اور ''حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی تعلیمات'' کے عنوانات سے زیرِ غور آئے جو لوگوں سے ملاقاتوں اور تبادلۂ خیال سے سامنے آئے اور میں نے اپنی اخلاقی اور روحانی تربیت کی روشنی میں سوالوں کے جواب دے کر حاضرین کو مطمئن کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس میں مجھے کہاں تک کامیابی ہو سکی ہے اس کا جواب اپنے قارئین پر چھوڑتا ہوں۔

یہ مضامین کسی خاص نتیجے پر پہنچانے کے لئے سپردِ قلم نہیں کئے گئے اور نہ ہی عصر حاضر کے مسلمانوں کی زندگی کے حقائق کے بارے میں عالمانہ مقالات کی صورت میں لکھے گئے ہیں۔ ان میں وہ معروضیت بھی نہیں پائی جاتی جس کا عملی مباحث میں خصوصی اہتمام کیا جاتا

MashalBooks.org

ہے۔ان میں ایک قاری کو میرے موڈ کا اتار چڑھاؤ بھی ملے گا' محبت اور خوشی' اور غم و غصے کی کیفیات بھی ملیں گی اور بعض اوقات طنزیہ انداز سے بھی سابقہ پیش آئے گا۔ مضامین میں جتنی کتابوں کے حوالے آئیں گے وہ سب میری ذاتی لائبریری کا حصہ ہیں جس میں اسلامی تعلیمات پر مبنی کتابوں کے علاوہ یہودیت اور عیسائیت' قانون فلسفہ اور عالمی لٹریچر سے متعلقہ کتابیں بھی موجود ہیں۔ان سب کتابوں میں مسلمانوں کے مسائل کا کسی نہ کسی طرح ذکر آتا ہے۔ان کے مصنفین نے اپنے اپنے انداز میں ان مسائل پر بھی اظہار خیال کیا ہے اور دنیا بھر کے انسانوں کی ذہنی سرگرمیوں کا جائزہ بھی لیا ہے۔

کلاسیکی اسلامی کتابیں ماضی کے ذہنی سرمائے اور عقل و تدبّر کا مجموعہ ہیں' یہ میرا ایمان و یقین ہے کہ خداوند تعالیٰ کی حیرت انگیز تخلیقات میں سے عقل (INTELLECT) اہم ترین تخلیق ہے جبکہ کتاب ایک عطیۂ خداوندی ہے جو سرمایۂ فکر و تدبّر کو اپنے اندر محفوظ کر لیتی ہے اور آئندہ آنے والی نسلیں اس سے ہمیشہ مستفید ہوتی رہتی ہیں۔ میں اسی بات کو ذہن میں رکھ کر ماضی کے ذہنی افکار کو جدید دور کے اہل فکر کے سامنے لا رہا ہوں اور آج کے مسلمان سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ اپنے مسائل سے عہدہ برآ ہونے کے لئے میری اس کاوش کو ''ایک مسلمان'' قانون دان کے وصیت نامے'' (TESTAMENT OF A MUSLIM JURIST) کے طور پر پیش نظر رکھے۔ کوئی غیر مسلم چاہے تو وہ اس سلسلۂ مضامین کو اس کی سماجی اہمیت کے خیال سے پڑھ سکتا ہے۔ اس سے اسے قانون اور مذہب کے دوائر کے بارے میں آگاہی ہو سکے گی۔ جہاں تک اسلام کے پیغام کا تعلق ہے اس میں جُملہ انسانیت کو مخاطب کیا گیا ہے۔ میں نے یہ مضامین مسلم اور غیر مسلم دونوں کے لئے لکھے ہیں۔

اس کتاب کا ہر مضمون اپنی الگ حیثیت رکھتا ہے' اس لئے قاری جسے بھی چاہے اپنی سہولت کے مطابق پڑھ سکتا ہے۔ مضامین میں کوئی ترتیب ملحوظ رکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تاہم کتاب کے اندر وحدتِ افکار موجود ہے جو غور و فکر کا خاصا سامان فراہم کرے گی' قاری از خود ہی ایک سے دوسرے اور پھر تیسرے اور چوتھے مضمون تک پہنچتا رہے گا۔ اس طرح اسے میرا سارا پیغام پہنچ جائے گا۔

میری اس کتاب کا مقصد دور جدید کے مسلمانوں کو اسلام کے مخصوص مزاج' علم (Knowledge) اور ''حُسن'' (Beauty) سے آگاہ کرنا اور ماضی کے اسلامی ورثۂ دانش

MashalBooks.org

وبصیرت کا دورِ حاضر کے مسلم افکار کے درمیان رشتہ اور تعلق جوڑنا ہے۔ بدقسمتی سے آج کے مسلمان اپنے قدیم علمی ورثے اور اس کی روایت سے اپنا رشتہ توڑ چکے ہیں' جس کے نتیجے میں وہ ایک بہت بڑی دولت سے محروم ہو چکے ہیں' جس سے اخلاقِ عامہ اور ان کی ذہنی سطح دونوں پر برا اثر پڑا ہے۔ اسلامی پیغام کا آغاز ایک واحد کتاب......قرآن مجید...... سے ہوا جو اخلاقی بصیرت اور حسن کا ایک دائمی خزانہ ہے۔ اسی کتاب نے ہمیں حسن اور عظمت کے ایک سرچشمے سے آشنا کیا تھا' میں امید کرتا ہوں کہ ''دی کانفرنس آف بکس'' مسلمانوں میں اس کتاب سے پھر سے دلچسپی پیدا کر دے گی اور ان کا اپنے ماضی کے بیش قیمت افکار سے از سرِ نو تعلق پیدا ہو جائے گا۔

عظیم فقیہہ اور ممتاز عالم دین امام الحرمین الجوینی (متوفی ۴۷۸ھ/ ۱۰۸۵ء) نے لکھا ہے کہ حصول علم کے لئے ''چھ بنیادی لوازمات ہیں: ذہانت' مستعدی' محنت' استاذ' سفر اور وقت' ان کے بغیر علم حاصل نہیں ہو سکتا۔'' علم کے لئے مستعد رہنا پڑتا ہے' محنت کرنا پڑتی ہے' استاد کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرنا پڑتا ہے۔ سفر بھی اختیار کرنا ہوتا ہے۔ خواہ اندرون ملک ہو یا باہر جانا پڑے۔ دورِ اوّل سے ہی مسلمانوں میں حصول علم ایک کلچر بن گیا تھا' اس دور میں ایک مقولہ تھا کہ ''جھد النفس'' اور ''بذل القاربہ'' (ذہنی کاوشوں اور جسمانی عرق ریزی) کے بغیر علم تک رسائی نہیں ہو سکتی۔ کلاسیکی مسلم سکالرز اکثر کہا کرتے تھے کہ تلاش علم (طلب العلم) منشائے الٰہی کا جزوِ لازم (Essential Component) ہے اور یہ بھی کہا جاتا تھا کہ خدا کے نزدیک تلاشِ علم' حاصلِ تلاش سے زیادہ پسندیدہ چیز ہے۔

میں جس ذہنی رویّے کا ذکر کر رہا ہوں وہ علم کے ''مشکل الحصول اور گریز پا'' (Difficult & Elusive) ہونے پر یقین کا رویہّ ہے۔ یعنی یہ یقین رکھنا کہ علم کا جو شعبہ جتنا زیادہ ''اہم'' ہو گا' اتنا ہی زیادہ ''محنت طلب'' ہو گا' بہ الفاظ دیگر علم کی ''گریز پائی'' (Elusiveness) اور اس کی ''نارسائی'' (Inacessibility)' خدا کی منشاء اور اس کے منصوبے کے عین مطابق ہے۔ یہ یقین بھی اس رویّے کا حصہ ہے کہ علم میں مشغول رہنا عبادت بھی ہے اور عینِ اخلاق بھی۔ اس ''مشکل اور ناقابل رسائی'' علم کا تعاقب کرتے رہنے سے خدا کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے۔ مسلمان طلباء' حصول علم کو ایک تدریجی عمل سمجھتے تھے اور اپنے افکار کی تعمیر اساتذہ سے حاصل ہونے والی بصیرت پر کرتے تھے۔ اعلیٰ تعلیمی

اداروں میں بحث ومناظرہ کی مجلسیں اسی کوشش کا نتیجہ ہوا کرتی تھیں۔علم کے سارے خزانوں کا مالک خدا ہے اور چونکہ وہ ہمہ دان (All-knowing) ہستی ہے اس لئے وہ اپنے بندوں سے توقع رکھتا ہے کہ وہ حصول علم کے لئے پیہم کوشاں رہیں گے۔تاہم یہ ایک حقیقت ہے کہ بندہ اپنی تمام صلاحیتوں کو محنت کی بھٹی میں جھونک کر بھی ''حقیقی سچائیوں'' (God`s truth) کے ایک ''حقیر'' سے حصے سے زیادہ نہیں پا سکتا۔لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ سچائی ایک اضافی اصطلاح (Relative Term) ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم تک پہنچنے والا سچ' اصل حقیقت کا محض ایک جزو ہے۔ہم اپنی سخت محنت' پیہم کوشش اور انتھک بحث وتکرار کے ذریعے خدا کے بے انتہا (Infinite Knowlege) علم کا کچھ نہ کچھ ادراک ضرور حاصل کر سکتے ہیں۔گویا اتنی زیادہ سعی اور محنت بروئے کار لا کر بھی حاصل ہونے والا علم ......جزوی اور نامکمل......ہوگا۔

طلبِ علم کے لئے کوشاں رہنا خدا کے نزدیک ایک نہایت پسندیدہ رویہّ ہے جسے رسول اکرمؐ نے ایک ''مستقل عبادت'' طلب العلم عبادۃ دائما) قرار دیا ہے۔بعض احادیث میں دین کا علم سیکھنے کو نوافل پڑھنے سے افضل قرار دیا گیا ہے۔یہاں تک کہا گیا ہے کہ علماء' انبیاء کے وارث ہیں' متعدد احادیث میں یہ کہا گیا ہے کہ ایک متقی عالم (سکالر) ایک ''متقی مگر جاہل عبادت گزار'' (Pious but ignorant Worshipper) پر فضلیت رکھتا ہے۔ایک اور مقام پر آتا ہے کہ ایک عالم کو جاہل پر جو فوقیت ہے وہ تقریباً اتنی ہی ہے جتنی پیغمبر کو جاہل ترین لوگوں پر حاصل ہے۔دیگر روایتوں میں آتا ہے کہ بہترین سفر وہ سفر ہے جو حصول علم کے لئے کیا جائے۔یہ ایک قسم کا ''سفرِ ہجرت'' ہے جو کبھی بھی ختم نہیں ہوتا۔ایک اور روایت میں فرمایا گیا ہے کہ مسلمانوں کو علم کی خاطر زمین کے آخری سرے تک بھی سفر کرنا چاہئے یعنی یہ سفر زندگی کے آخری سانس تک جاری رہنا چاہئے۔

کلاسیکی مسلم سکالرز نے اس رویےّ (Ethos) کے کئی جواز پیش کئے ہیں۔ان کا کہنا ہے کہ علم اللہ تعالیٰ کی حکمتوں اور اس کی تخلیق کے کمالات کو جاننے کا واحد ذریعہ ہے۔وہ منشائے خداوندی (Divine Will) کی لطافتوں کو معلوم کرنے کے لئے درکار محنت کو ''ذہنی عبادت'' اور اس کے بنائے ہوئے قوانین پر عمل کرنے کو ''جسمانی عبادت'' قرار دیتے تھے۔اگر علم ''مشکل الحصول'' اور ''گریز پا'' نہ ہوتا پھر بندہ جسمانی عبادت تو کر سکتا تھا' ذہنی عبادت

نہیں کرسکتا تھا۔ اس طرح انسان کو ''ذہن'' عطا کرنے کے پیچھے کارفرما مقصد ناکام ہوجاتا۔ اورسارا اجروانعام کند ذہن اور غبی لوگوں کے لئے مخصوص ہوجاتا۔

مسلمان دانشوروں کا کہنا یہ بھی ہے کہ علم اختلافِ رائے سے بڑھتا ہے۔ اہل علم کا اختلافِ رائے انہیں اور زیادہ محنت پر آمادہ کرتا ہے۔ وہ ایک دوسرے کو اپنے مؤقف پر لانے کے لئے جو کوششیں کرتے ہیں' اس سے علم کا دائرہ مزید وسیع ہوتا رہتا ہے۔ اس طرح ان کا اختلاف' عام مسلمانوں کے لئے باعث رحمت بن جاتا ہے (**اختلافُ اُمتّی رحمةً...... الحدیث**) کیونکہ اس طرح انسانی معاملات میں آئے روز پیدا ہونے والا تنوع' دائرہ اسلام کے اندر ہی رہتا ہے۔ گویا' اختلاف علم ہی کا ایک حصہ ہے جو مسلمانوں کے لئے ایک فرض بھی ہے اور ایک آزمائش بھی۔ وہ بے شک آپس میں اختلاف کریں مگر اختلاف کو دشمنی میں تبدیل نہ ہونے دیں۔ (آدابِ اختلاف کو ملحوظ رکھیں اور اسے فتنہ نہ بننے دیں)۔

اسلام کے کلاسیکی کلچر میں اس رویّے کے ظہور کی کئی تاریخی اور سماجی وجوہ تھیں' ایک وجہ تو بلاد اسلامیہ میں آئے روز وسعت پیدا ہو رہی تھی' توسیع سلطنت کے باعث الگ الگ رسم ورواج اور سوچیں رکھنے والے لوگ ایک دوسرے کے قریب آرہے تھے' ان مختلف جغرافیائی مکاتب فکر کو ایک بڑی وحدت کے اندر سمونے کے لئے ایسے اصول (Doctrines) وضع کرنے کی ضرورت تھی جو انہیں ایک دوسرے کے قریب لا سکتے۔ مزید برآں اسلام کے اولین تین سو سالوں میں قانون دانوں (فقہا) کا بھی ایک طبقہ ابھر آیا جس کے ارکان اپنی مخصوص فنی زبان اور الگ الگ اداراتی ساخت وشناخت رکھنے کے باوجود ایک بڑے مقصد کے تابع تھے۔ اس طبقے نے سیاسی' سماجی اور تجارتی خواص (اشرافیہ) کے درمیان مصالحتی کردار ادا کیا اور انہیں عام مسلمانوں (عامتہ النّاس) کے اندر سمونے میں مدد دی۔ خدا کی اطاعت اور علم کی لگن کی وجہ سے جو رویہّ (Ethos) پیدا ہوا اس سے طبقۂ فقہاء کو اپنا وجود برقرار رکھنے میں بھی مدد ملی۔ اس کے مصالحتی کردار نے مختلف تہذیبی پس منظر رکھنے والے گروہوں کے مابین قربت پیدا کی اور انہیں ایک دوسرے کے لئے قابل برداشت بنایا۔ بالآخر یہ رویہّ مسلمانوں کے دینی اخلاق کی عمارت (Fabric) کا جزو لازم بن گیا۔ جس کی بدولت مسلم تہذیب کی اس ذہنی پیداوار (Intellectual product) کا معیار بھی بلند سے بلند تر ہوتا رہا۔

مگر مختلف تاریخی عوامل کے باعث ترقی کا یہ سفر برقرار نہ رہ سکا۔ ایسی تبدیلیاں رونما ہونے لگیں کہ اختلاف رائے کو برداشت کرنے کا رویہّ کمزور ہوتا گیا۔ مسلم دنیا میں علوم کا چرچا کم سے کم تر ہونے لگا اور روشنی پھیلانے والے چراغوں میں تیل ختم ہوگیا' انحطاط کا عمل تیز ہوگیا اور بالآخر ترقی کا عمل بالکل رک گیا جو آج واضح طور پر محسوس ہو رہا ہے۔

اس زوال کے کئی اسباب سامنے آئے ہیں۔ جن میں نو آبادیاتی نظام کے اثرات' کٹر مذہبی طبقے کا ظہور' عدم رواداری' اقتصادی بدحالی' دینی مدارس کی مالی امداد کرنے والے اوقاف کا ٹوٹ جانا اور اطلاعات (انفارمیشن) کے نظام پر اجارہ داری' خاص طور قابل ذکر ہیں۔ ان سے بھی بڑی بدقسمتی یہ تھی کہ مسلم معاشرے میں مصالحتی کردار ادا کرنے والے علماء اور فقہاء کے گروہ کمزور یا ناپید ہوگئے۔ علمی رویے کی جگہ علم دشمنی نے لے لی۔ امت ایک ذہنی فالج کا شکار ہوگئی۔ زوال نے مسلم دنیا کو اندر باہر' ہر طرف سے گھیر لیا۔ اس ذہنی فالج نے مغرب میں رہنے والے مسلمانوں کو بھی بیمار کر دیا۔

جدید دور کے مسلمانوں کا اپنے ''ذہنی ورثے'' (Intellectual Heritage) کے وسائل اور ثمرات سے تعلق ٹوٹ چکا ہے' نہ صرف تعلق ٹوٹا بلکہ وہ اس قابل ہی نہیں رہے اس سے کچھ استفادہ کر سکیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ہمارا یہ ورثہ بالکل مثالی ہے یا وہ ہر سقم سے پاک ہے۔ بلکہ یہ کہتا ہوں کہ اس کی اخلاقی (Ethical) اور امکانی (Potential) قوت اور ہر اس چیز سے بلند و برتر ہے جس نے اس کی جگہ سنبھالی۔ مزید برآں ہمارا یہ ذہنی ورثہ (Intellectual Heritage) اس اسلامی پیغام کی اخلاقی سپرٹ سے قریب تر ہے جو قرآن اور حیاتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے منعکس ہوتی ہے۔ اس طرح یہ ورثہ نہ صرف اپنے اندر استناد (Authenticity) کی خصوصیت رکھتا ہے بلکہ کوالٹی کے لحاظ سے بھی آج کے مسلمانوں کی سوچ کی بہ نسبت بہتر ہے۔ یہ بات بھی نوٹ فرما لیجئے کہ میں اس ''ورثے'' کو مثالی (Ideal) نہیں کہہ رہا ہوں' بلکہ اسے قابل ستائش کہہ رہا ہوں' آگے چل کر ہمارا ایک قاری (Reader) دیکھ لے گا کہ میں کئی معاملات میں کلاسیکل مسلم فقہا کے موقف پر تنقید کروں گا۔ ہم نے جس طرح ماضی میں ہونے والی ان کی کامیابیوں سے سبق حاصل کیا ہے اسی طرح ہم نے ان کی ناکامیوں اور غلطیوں سے بھی بہت کچھ سیکھنا ہے۔

یہ مضامین اسلامی علوم کے قدیم طریق کار (Methodologies) کو نہ صرف تقویت

دینے کیلئے لکھے گئے ہیں بلکہ ان کے ذریعے انہیں نئی سمت دینے (Re-Orientation) کی بھی کوشش کی گئی ہے۔ میرا ایک مؤقف تو یہ ہے کہ علم کے "روایتی اسلامی طریق کار" میں بے پناہ خوبیاں اور حُسن کا کثیر سرمایہ پایا جاتا ہے اور دوسرا مؤقف یہ ہے کہ اس طریق کار کو نئی جہت دے کر اسلامی اقدار کا حقیقی جوہر...... "حُسن"...... تلاش کرنے کی کوشش کی جائے۔

جرمن مستشرق جوزف شخت (Shacht) کا کہنا ہے کہ اسلامی قانون' اسلامی افکار کا لب لباب (Epitome) اور اسلام کا گودا (Core) اور مرکزہ (Kernal) ہے۔ (نوٹ: موصوف نے یہ بات اپنی کتاب "An introduction to Islamic Law" میں لکھی ہے جو 1964ء میں آکسفورڈ یونیورسٹی پریس میں چھپی تھی) اس بیان کی صداقت کا انحصار اس بات پر ہے کہ ہمارے نزدیک اسلامی قانون کی تعریف کیا ہے؟ اگر اس سے ہماری مراد ان تمام مثبت احکامات یا قواعد کا مجموعہ ہے تو یہ بیان قطعی طور پر غلط ہے۔ لیکن اگر ہم شریعت اسلامیہ سے مراد قانون سازی کا طریق کار اور اس کی معیاری اقدار لیتے ہیں تو پھر یہ بیان بالکل درست ہوگا۔ غالب گمان یہ ہے کہ جوزف شخت کی مراد اول الذکر مفہوم سے متعلق ہے' لہٰذا ہم اس کے بیان کو غلط قرار دیتے ہیں۔

خدا کا قانون (شریعت) ایک طریق کار' ایک ضابطہ اور ایک نظام اخلاق (Morality) ہے جس کی بنیاد...... حُسن ہے...... فقہ کے بارے میں بطور انسان ہماری سوچ یہ ہے کہ یہ ایک طریق کار ہے جو شریعت کی معیاری اقدار (Normative Value) کی چھان بین کرتا ہے لیکن انسانی سوچ' خدا کے پیدا کردہ "حسن" کی مادی صورت یا اس کی تجسیم (Embodiment) نہیں ہے۔ مزید برآں قواعد (احکام) کو "حسن" کی سمجھ بوجھ پانے کی کوشش تو قرار دیا جا سکتا ہے مگر وہ خود اس "حسن" کی نمائندگی نہیں کرتے۔ جیسا کہ میں نے اس کتاب میں کہا ہے' مثبت احکامات (Commandments) یا قواعد "مناسب رویّے کی بیرونی چار دیواری کی مانند ہوتے ہیں لیکن وہ "اسلامی اخلاق" کے "مادّے اور روح" کے نمائندے یا ترجمان نہیں ہیں۔ قواعد اس "اخلاق" کی جھالر' اس کا حاشیہ اور اس کا بیرونی خول تو ہو سکتے ہیں مگر یہ نہ تو اصل مادے کو پیدا کر سکتے ہیں اور نہ اس کا مظہر کہلا سکتے ہیں۔ قواعد' چہار دیواری ہوتے ہیں اور چہار دیواریاں کسی خاص اخلاق کو وجود میں لانے کی کوششوں کا مجموعہ ہوتی ہیں یا وہ ان حالات کا مجموعہ ہوتی ہیں جن کے تحت ہم اپنی سہولت کی

خاطر دیواریں کھڑی کر دیتے ہیں۔قواعد اگرچہ ''اخلاقی بصیرت'' (Moral Vision) کے باعث وضع کئے جاتے ہیں لیکن وہ خود ''اخلاقی بصیرت'' نہیں ہوتے۔ یہ الفاظ دیگر احساس تقویٰ کے تحت قواعد بنائے جاتے ہیں لیکن ایسے قواعد تقویٰ پیدا نہیں کر سکتے۔ تاہم ان قواعد پر نیک نیتی سے عمل کیا جائے تو تقویٰ کو یقیناً فروغ دے سکتے ہیں۔ اگر اخلاقی بصیرت اور ارادۂ تقویٰ موجود ہی نہ ہو تو قواعد بالکل بے معنی اور بیکار ہو جاتے ہیں۔

میں نے اس مجموعۂ مضامین میں عصر حاضر کے اسلام میں حسن کے تہذیبی اور ثقافتی رویّے کو اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے۔ میرا ایمان ہے کہ اسلام کا اصل مقصد اور لب لباب خدا کے حسن......اور اس کی تخلیقات میں مضمر بے پناہ حسن ...... کے خزانے کی تلاش اور جستجو ہے۔ خدا کے قانون کی تحقیق کا بھی یہی مقصد ہونا چاہئے۔ ظاہر ہے کہ پھر ہم خود کو قوانین تک محدود نہیں رکھیں گے بلکہ ان سے ماوراء ہو کر اصل حقیقت تک پہنچنے کی کوشش کریں گے۔

اس امر کا اعتراف کئے بغیر چارہ نہیں ہے کہ قواعد کی بجائے حُسن کی جستجو شروع کر دینا موجودہ دور کے اسلامی کلچر سے کوئی مناسبت نہیں رکھتا۔ میں اس حقیقت پر پردہ نہیں ڈالتا کہ آج کے مسلمانوں میں بہت سی ناپسندیدہ باتیں پائی جاتی ہیں۔ ان کی تحریروں اور مکالموں میں یا تو معذرت خواہانہ انداز نمایاں ہوتا ہے یا تحکمانہ ضابطہ پسندی یا شعائر پرستی جھلک رہی ہوتی ہے۔ ان کے مقالات اور مضامین میں اخلاقی یا معیاری اقدار کی تلاش کی بجائے قانونی موشگافیوں اور نمائشی الفاظ کی بھر مار ہوتی ہے۔ تحقیقی کاموں میں نتائجیت (Result-orientation) پیش نظر ہوتی ہے۔ حتیٰ کہ نام نہاد مصلحین یا لبرل کہلانے کے شوقین حضرات بھی ''عوامی مصلحت'' جیسے موقع پرستانہ تصورات پر انحصار کرتے ہیں۔ قدامت پرستوں کی طرح لبرل مسلمان بھی اسلامی روایات پر تحقیق کرنے میں بد دیانتی سے کام لیتے ہیں اور انہی کی طرح حقیقی اخلاق کی تلاش کے لئے ''اصولی طریق تحقیق'' (Systematic methodologies) اختیار کرنے سے گریز کرتے ہیں' مسلمان دانشوروں میں علم کے تحکمانہ تصورات کی مقبولیت بڑھ رہی ہے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ فکری بد دیانتی' سنسر شپ اور عدم برداشت کا رویہ عام ہو گیا ہے۔ حتیٰ کہ صدیوں پرانا کلاسیکل لٹریچر بھی ممنوعہ قرار دیدیا گیا ہے اور جن کلاسیکل کتابوں کی اجازت دی گئی ہے ان کے متعدد پیراگراف ''قابل اعتراض'' قرار دے کر حذف کر دیئے گئے ہیں۔ مسلمان معاشروں میں عورتوں سے بدسلوکی کے واقعات آئے دن

MashalBooks.org

بڑھ رہے ہیں۔ کٹر مذہبی طبقوں کو غلبہ حاصل ہو رہا ہے' حکمت و دانش کے اسلامی ورثے کا احترام ختم ہو رہا ہے۔ اسلام کے بارے میں ایسا رویہ اختیار کر لیا گیا ہے جسے اگر ''تاریخ دشمنی'' نہیں تو ''تاریخ بیزاری'' ضرور کہا جا سکتا ہے۔

میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ تاریخ اسلام کا یہ مرحلہ یا دور جلد ختم ہو جائے اور مسلمانوں میں بیداری' ذہنی نشوونما اور روشن خیالی کی شمع جلد روشن ہو۔ میں نے یہ مضامین نہ تو ''باہر کے آدمی'' کی طرح لکھے ہیں اور نہ آرام دہ کرسی پر نیم دراز ہو کر لکھنے والے تنقید نگاروں کے ذہن سے سپرد قلم کئے ہیں۔ بلکہ ایک پروفیسر اور ٹیچر کی حیثیت سے نہایت دردمندی اور شب و روز کی محنت سے عالم اسلام کے سلگتے ہوئے مسائل پر نشتر زنی کی ہے۔ میں بطور ایک مسلمان خود ان مسائل سے دوچار ہوا ہوں۔ میں اسلام کے پیغامِ حسن اور اس میں دوبارہ ابھرنے کی صلاحیت پر پختہ ایمان رکھتا ہوں۔ میں نے یہ مضامین اسلام کے اس عظیم الشان حُسن کا متلاشی ہونے کی حیثیت سے لکھے ہیں اور بڑی عاجزی اور انکسار سے آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں اور پرانے مسلمان فقہا کے انداز میں کہتا ہوں کہ...... ''یہ میری حقیر مساعی ہیں اگر میں نے ٹھیک قلم اٹھایا ہے تو خدا کی عنایت اور مہربانی ہے۔ اگر کچھ غلطی ہو گئی ہے تو میں خدا سے معافی کا خواستگار ہوں...... واللہ اعلَمُ بالصواب''

ڈاکٹر خالد ایم ابوالفضل
لاس اینجلس کیلی فورنیا۔ جولائی 2000ء

باب ا

''دی کانفرنس آف بکس''

پہلا اعتراف

سلامٌ قولاً مِن ربّ الرحیم

(رب رحیم کی طرف سے انہیں سلام کہا گیا ہے) سورہ یٰسین آیت ۵۷

نیو جرسی (امریکہ) کے ایک چھوٹے سے شہر پرنسٹن سے باہر ایک چھوٹا سا پُر ہجوم اپارٹمنٹ ہے جہاں بے شمار کتابیں اپنے اندر مختلف علوم وفنون کا خزانہ سمیٹے ہوئے پڑی ہیں اور یہ در اصل اسلامی تہذیب کی نمائندگی کر رہی ہیں۔ یہاں آپ لازوال عظمتیں، انمٹ روسیاہیاں، یادگار فتوحات اور ان گنت سرمستیاں پائیں گے۔ یہاں فرطِ طرب بھی ہے، عاجزانہ التجائیں، بہتے ہوئے آنسو، حسین خواب، انسانی حماقتوں کے نتیجے میں حاصل ہونے والا بہت سا سامانِ عبرت، اور الہ العالمین سے کئے ہوئے بے شمار عہد ناموں کا ریکارڈ بھی آپ کو ہر رات یہاں موجود ملے گا۔

ان میں حوصلوں کو بلند کرنے اور عزم کو ناقابل تسخیر بنانے والی کتابیں بھی قطار در قطار پڑی ہیں جو ہمارے ماضی کی گواہی دے رہی ہیں۔ کیا ہمارے رب نے ہمیں پڑھنے اور گواہ بننے کا حکم نہیں دیا تھا؟ اس چھوٹی سی پُر ہجوم جگہ پر ''کانفرنس آف بکس'' ہو رہی ہے۔ جو ہر وقت جاری رہتی ہے، اس کی سرگوشیاں اور بُڑ بڑاہٹیں سدا سنائی دیتی رہتی ہیں، وہ کون احمق تھا جو کہتا تھا کہ ایک ماضی ہوتا ہے اور ایک حال ہوتا ہے۔ زمانے کو اس طرح تقسیم نہیں کیا جا سکتا۔ یہاں تو تمام اوقات ہمیشہ موجود رہتے ہیں۔ زمانے کو تو پڑھے لکھے اور ان پڑھوں میں تقسیم کیا جاتا ہے، اولی الذکر طبقے تو ہر زمانے میں حاضر رہتے ہیں۔

MashalBooks.org

آپ یہاں آ کر رات کے سناٹے میں کتابوں کی آپس میں سرگوشیاں بھی سن سکتے ہیں اور بحث مباحثہ میں بھی حصہ لے سکتے ہیں۔ یہاں آپ کو خدا کے متلاشی بھی ملیں گے اور رقت انگیز مناجات بھی سنائی دیں گی۔ یہ ''کانفرنس'' پہلے کب منعقد ہوئی تھی؟ یہ معلوم کرنے کے لئے آپ یاد کریں کہ رسول اللہ نے فرمایا تھا۔ ''خدا نے سب سے پہلے عقل کو پیدا کیا تھا''۔ یہ لائبریری عقل ہی کا نتیجہ ہے۔ دنیا میں بے شمار کتابیں وجود میں آ چکی ہیں جو خدا کی عظمتِ تخلیق کی گواہ بنی ہوئی ہیں۔ اس سے کئی رویوں نے بھی جنم لیا ہے' یہاں ان رویوں کا بھی ریکارڈ موجود ہے۔

کیا کسی تہذیب نے ہم سے بڑھ کر کتاب کا احترام کیا ہے؟ اور کیا کسی تہذیب نے ہم سے بڑھ کر کتاب سے بے وفائی کی ہے؟ ہمارے نبیؐ نے بہت پہلے کہا تھا۔ ''چند ساعتوں کی سوچ بچار' سال بھر کی عبادت سے بہتر ہے''۔ ہم نے حیران ہو کر پوچھا...... ''یا رسول اللہ کیا قرآن پڑھنے سے بھی بہتر ہے''۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا۔ ''کیا قرآن علم کے بغیر فائدہ مند ہو سکتا ہے۔'' آپؐ کے شاگرد اور صحابی حضرت علیؓ (متوفی ۴۰ھ/ ۶۶۱ء) کا کہنا ہے ''خدا نے اپنے بندوں کو ذہانت سے زیادہ قیمتی کوئی چیز عطا نہیں فرمائی''۔ جب اسلام میں اور اسلام کے لئے ''کانفرنس آف بکس'' از سر نو منعقد ہوئی تو وہ کتنا خوش نما منظر تھا کہ دنیا بھر کی کتابیں سرخوشی کے عالم میں آپے سے باہر ہو گئیں اور سرزمین کعبہ کے گرد جمع ہو گئیں۔ زبردست بحث مباحثہ شروع ہو گیا۔ جس کے نتیجے میں اور کئی کتابیں قطار در قطار وجود میں آ گئیں۔ اس طرح ایک نور کا ظہور ہو گیا' جسے ہم الٰہیات (Divinity) کہتے ہیں۔

وہ کانفرنس کب ملتوی ہوئی اور پرنسٹن (نیو جرسی) کے باہر اس پُر ہجوم اپارٹمنٹ میں دوبارہ کب منعقد ہوئی؟ جب تعریف و توصیف اور داد عیش و نشاط کا شور تھم گیا' اس کی لہریں کتابوں پر جمے ہوئے گرد و غبار سے آ لپٹیں تو علم نے ایک بار پھر انگڑائی لی' اس وقت یہاں ایک کانفرنس منعقد ہوئی' اس کے بعد سے اب تک مسلسل ہو رہی ہے۔

میں یہاں اس کی شان و شوکت سے بے نیاز اور دم بخود ہو کر بیٹھتا ہوں۔ کانفرنس میں ہونے والی گفتگوؤں اور باہمی مکالموں میں محو ہو جاتا ہوں اور عالم خود سپردگی میں بڑی عاجزی کے ساتھ اپنی کایا پلٹنے (Transformation) کا منتظر رہتا ہوں۔ یعنی چاہتا ہوں کہ میں خود کتاب میں ڈھل جاؤں...... آپ سب جو اس کانفرنس میں موجود ہیں ایک زمانے

MashalBooks.org

میں ''ذہانت'' ہوا کرتی تھیں لیکن آپ غیر متشکل حالت میں یعنی "Intellect without form" تھیں۔ جس نے بالآخر کتاب کا روپ دھار کر لیا اور اس کے مصنف کو دفن کر دیا۔

میں تمہاری طرف دیکھتا ہوں تو مجھے تمہارے مصنف کی ایک جھلک دکھائی دے جاتی ہے جس نے کبھی تم پر اپنا قلم چلایا تھا۔ اس کے خیالات بہت اونچے اور دلائل متاثر کن ہیں سوائے اس امر کے کہ ان کے پیچھے اُس دور کا ایک خطا کار انسان کھڑا تھا۔ مگر ایسا کیوں ہوتا ہے کہ جب اس کے خیالات کتاب کی شکل اختیار کر لیتے ہیں تو اس میں سے شخصی وجاہت، خوشی کے لمحات، مایوسیاں اور احساساتِ درد و غم سب کچھ زائل ہو جاتا ہے۔ کیا ایسا ہے یا نہیں؟ میری اپنی انفرادیت، میرا مزاج اور میرے وراثتی اثرات (Legacy) سب کچھ تم جیسا ہے اور تمہارے ساتھ اپنی دوستی اور رفاقت کا واضح شعور رکھتا ہے۔ وہ دن دور نہیں جب میری طرح تم سے دوستی اور محبت کرنے والے لوگ میری باقیات کو ان صفحوں کی زینت بنا دیں گے اور پھر ان صفحات کے لفظوں کے درمیان میرے قہقہوں کو سنا کریں گے۔

میں تمہارے اندر اپنے آپ کو تلاش کر رہا ہوں۔ میں الجاحظ (متوفی ۲۵۵ھ/۸۶۹ء) کی تصانیف کھولتا ہوں ...... اس نے اپنے دور کی عورتوں کے حقوق کے تحفظ اور دفاع کے لئے جو دلائل دیئے ہیں، میں ان سے مسحور ہو گیا، پھر اس مکتبۂ فکر...... ''الجاحظیہ'' پر کیا بیتی؟ اس کی کتابیں اب کہاں ہیں؟ مجھے پتہ ہے کہ اس کی کتابوں کا بے پناہ اثر ہوا تھا اور وہی اثر اس کے لئے جان لیوا ثابت ہوا۔ وہ اس وقت اپنے افکار سے اتنا مسحور ہو گیا تھا جتنا اس وقت میں مسحور ہوں۔

پھر میری نگاہیں ابن تیمیہؒ (متوفی ۷۲۸ھ/۱۳۲۸ء) پر جا ٹکیں۔ وہ بھی اپنے زمانے کے کچھ کم متنازعہ عالم نہیں تھے۔ بہت ہی مناقشہ جُو شخص تھے مگر اپنے دور سے کافی مختلف اور منفرد شخصیت کے مالک تھے۔ پھر بھی آج ہر کوئی اپنی بات منوانے کے لئے ان کی کتابوں کے اقتباسات لا رہا ہے۔ مگر انہیں سمجھ سکنے والوں کی تعداد بہت کم ہے۔ اپنی زندگی میں دوست دشمن سب کو چکرائے رکھا۔ ناقدین انہیں خبطی اور عقل سے عاری کہتے تھے۔ پھر انہیں مرنے کے لئے جیل ہی میں چھوڑ دیا گیا۔ اپنے عقائد کی وجہ سے انہوں نے کئی بار لوگوں سے سرِ عام مار کھائی۔ میں ان واقعات کو یاد کرتا ہوں تو کانپ اٹھتا ہوں۔ مگر وہ ان ایذاؤں پر خوشی کا اظہار کیا کرتے تھے۔ کیا خندہ پیشانی سے سزائیں قبول کرنا کسی کے خلوص کا سرٹیفکیٹ

MashalBooks.org

نہیں بن سکتا؟ کیا اپنے نظریات جرأت سے پیش کرنا اور بندوں کے ہاتھوں اذیتیں پہنچنے کے باوجود اپنے موٴقف پر ڈٹے رہنا بہادری اور روشن ضمیری نہیں؟

اتنے میں میری چھاتی میں شدید درد اٹھتا ہے اور آنکھیں جلنے لگتی ہیں' اب میری نظر ان کتابوں پر پڑتی ہے جن کے مصنفین کو ایذائیں دے دے کر مار دیا گیا تھا' میں اپنے آپ پر جبر کر کے ان میں سے ایک ایک کے حالات پر غور کرتا ہوں۔ جامع احادیث' النسائی (متوفی ۳۰۳ھ/ ۹۱۵ء) کو اس لئے تشدد کا نشانہ بنایا گیا تھا کہ انہوں نے معاویہؓ (متوفی ۶۰ھ/ ۶۸۰ء) کی تعریف کرنے سے انکار کر دیا تھا' اس تشدد کے فوراً بعد وہ وفات پا گئے تھے۔ ابو بکر سرخسی (متوفی ۴۸۳ھ/ ۱۰۹۰ء) قابل ذکر حنفی فقہا میں سے تھے۔ انہوں نے اپنی مشہور کتاب المبسوط جیل میں لکھی تھی۔ الشیخ علیش (متوفی ۱۲۹۹ھ/ ۱۸۸۲ء) کو بیماری کی حالت میں شدید زدوکوب کر کے جیل میں ڈال دیا گیا اور وہ اسی حالت میں وفات پا گئے۔ ابن قیم (متوفی ۷۵۱ھ/ ۱۳۵۰ء)' ابن تیمیہ (متوفی ۷۲۸ھ/ ۱۳۲۸ء) کے شاگرد رشید تھے انہیں بھی مار پیٹ کر جیل میں بند کر دیا گیا۔ انہیں اتنا مارا گیا کہ ان کا جسم خون سے تر بتر ہو گیا۔ انہیں اسی حال میں گدھے پر بٹھا کر پورے شہر میں پھرایا گیا۔ مگر کیا ہوا؟ کیا ابن قیم اپنی سوچ' اپنے عقیدے یا نظریّے سے منحرف ہو گئے تھے؟ نہیں مزید پختہ ہو گئے۔ انہیں اپنی کتابوں سے بے پناہ محبت تھی۔ کتابوں کے حصول کے لئے ان کی محنت اور قربانیاں' ضرب المثل بن گئیں۔ خدا جانتا ہے کہ اسلامی تہذیب میں کتنے محبانِ کتاب تھے اور انہوں نے کتابوں کے حصول کے لئے کتنے کتنے پاپڑ بیلے تھے' اس کا کوئی ریکارڈ دستیاب نہیں اور یہ بھی پتہ نہیں کہ علم تاریخ میں کتنی "بک کانفرنسیں" منعقد ہوئیں۔ بے پناہ مظالم اور سختیوں کے باوجود کتاب نے اپنے مصنف کو کسی نہ کسی طرح بچا لیا۔

اب میرے سینے میں مزید درد اٹھا ہے کیونکہ مجھے چالیس سال قبل کی' اپنے والد کی درد کی چیخیں سنائی دینے لگی ہیں' میں جلدی سے ممتاز فقیہہ الامیدی (متوفی ۶۳۱ھ/ ۱۲۳۳ء) اور چیف جسٹس تاج الدین سبکی (متوفی ۷۷۱ھ/ ۱۳۷۰ء) کی طرف دیکھنے لگتا ہوں۔ دونوں بے حد ذہین اور بے باک افراد تھے لیکن افلاس کے مارے ہوئے طفیلیوں نے انہیں سخت اذیتیں دے کر مارا' یادوں کا یہ سلسلہ بہت درد انگیز اور کربناک ہے۔ چھوٹے دماغوں والے اور تنگ نظر لوگوں کے ہاتھ میں اس کے سوا کیا ہے کہ جب عقل اور فرزانگی کی آوازیں بلند ہونے لگیں

اور وہ کانفرنس آف بکس میں اپنی مستقل جگہ بنانے لگے تو یہ ان کا گلا گھونٹ دیں اور ان کی تذلیل کا سامان پیدا کر ڈالیں۔

میں اپنے اطمینان قلب کے لئے ہمیشہ ابو حیّان التوحیدی (متوفی ۴۱۴ھ/۱۰۲۳ء) کی طرف رجوع کرتا ہوں جس کی تحریروں نے آج کی رات کی طرح میری ڈھارس بندھوائی اور میرے غم آلود خیالات سے نجات دلا کر مجھے مسحور کن تصورات سے سرشار کر دیا۔ یہ کتنی ستم ظریفی کی بات ہے کہ جس شخص کی کتابیں کئی راتیں میری رفیق رہیں' وہ کسی سے بھی میل جول نہیں رکھتا تھا۔ وہ جب تک زندہ رہا سماجی اچھوت کی طرح زندگی گزارتا رہا اور اس نے اسی حالت میں اپنا مرنا بھی پسند کیا۔ وہ کسی کو بھی اپنے قریب نہیں پھٹکنے دیتا تھا' یہی اسی کا انتقام تھا۔ اسے یقین تھا کہ کند ذہن اور کور ذوق لوگ اس کی بصیرت افروز باتوں کو ہضم ہی نہیں کر سکتے۔ اس لئے اس نے اپنی ساری کتابیں نذر آتش کر دیں۔ اس نے کیسے یہ سمجھ لیا کہ وہ اس معاملے میں پوری طرح بااختیار ہے۔ اسکی کتابیں بہرحال منظر عام پر آ کر رہیں' جنھوں نے اس کے نام اور کام دونوں کو دوام بخش دیا' میں بہت ضبط کرنے کے باوجود مسکرائے بغیر نہ رہ سکا' اس کی خواہش کے برعکس اس کی کتابیں ابن دقیق العید (متوفی ۷۰۲ھ/۱۳۰۲ء) کی تحریروں کے بعد دوسرے نمبر پر رہیں۔ وہ اپنے بے پناہ تبحر علمی کے باوجود اپنی خوش طبعی اور ظرافت کے لئے مشہور تھا۔ العید بہت ملنسار شخص تھا لیکن اس نے کوئی زیادہ نہیں لکھا۔

''کانفرنس آف بکس'' ہمیشہ ستم ظریفیوں سے بھرپور رہی ہے' کیونکہ ایک ستم ظریفی دوسری ستم ظریفی کو جنم دیتی ہے' مجھے جب فخر الدین رازی (متوفی ۶۰۶ھ/۱۲۱۰ء) کا خیال آتا ہے تو میں مسکرائے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ان کے پاس دولتِ دنیا بھی بہت تھی اور انہیں مفسر قرآن ہونے کی وجہ سے بھی بہت شہرت ملی تھی۔ اس کے باوجود وہ مفلسی میں شہرت یافتہ عالم ابو اسحاق الشیرازی (متوفی ۴۷۶ھ/۱۰۸۳ء) سے دوسرے نمبر پر رہے۔ اول الذکر جتنے اپنی دولت کی وجہ سے خوش تھے' مؤخر الذکر اتنے ہی اپنی غربت پر نازاں تھے۔ الشیرازی کو ایک مکتب فکر ملا' الرازی کو باڈی گارڈ ''نصیب'' ہوئے' اور مجھے...... مجھے دونوں چیزیں عطا ہوئیں۔

اب نماز فجر کا وقت ہوا چاہتا ہے۔ صبح کی روشنی کھڑکیوں میں سے جھانک رہی ہے۔ جو اس کانفرنس کے اختتام کا اعلان ہے۔ میں ہمیشہ کی طرح آخری نگاہ ''ابن الکتب'' (کتابوں

کے بیٹے) جلال الدین سیوطی (متوفی ۹۱۱ھ/ ۱۵۰۵ء) پر ڈالتا ہوں۔ جنہیں یہ نام اس لئے ملا کہ وہ کتابوں کے ڈھیر پر پیدا ہوئے تھے۔ اسی وقت سے یہ نام ان کے ساتھ چپک کر رہ گیا اور ان کی قسمت بن گیا۔ وہ جب تک زندہ رہے یکے بعد دیگرے کتابوں ہی کو "جنم" دیتے رہے۔ انہوں نے متعدد بلند پایہ تصانیف چھوڑی ہیں۔ انہیں کئی اعلیٰ مناصب کی پیشکشیں ہوئیں مگر انہوں نے سب ٹھکرا دیں۔ حتیٰ کہ تحائف بھی قبول نہیں کرتے تھے۔ ان چیزوں کے لئے ان کے دل میں کوئی جگہ نہ تھی۔ انہوں نے چالیس سال کی عمر میں سب سے تعلق منقطع کر لیا اور باقی ماندہ زندگی کتابوں کے ساتھ گزار دی۔ وہ ہر رات کتابوں کے اسی ڈھیر کے پاس سوتے اور وہیں سے صبح بیدار ہوتے۔ "ابن الکتب" کیا اچھا نام ہے جو انہیں کتابوں کی اسی تہذیب کی جانب سے ملا جو واحد عظیم ترین کتاب...... کتاب اللہ...... کے احکامات اور پند و نصائح کے نتیجے میں تشکیل پائی ہے۔

اب دن کی روشنی کانفرنس روم...... اپارٹمنٹ کے ہر کونے کھدرے اور کتابوں کی ہر شیلف میں پہنچ رہی ہے۔ دلائل اور بحث مباحثے کا شور تھمتے تھمتے ایک ابدی سرسراہٹ اور بڑبڑاہٹ میں تبدیل ہو رہا ہے۔ مجھے اب اٹھ جانا چاہئے اور لوگوں کو یاد دلانا چاہئے کہ "خدا نے سب سے پہلے ذہانت کو تخلیق کیا تھا"۔ میں کتابوں سے اس بات پر معذرت چاہتا ہوں کہ میں آج رات یہاں ان کی خدمت میں حاضر نہیں ہو سکا۔ اس سے فی الواقعہ کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کیونکہ مناجات تو پہنچنے والی جگہ پر پہنچ ہی جاتی ہے خواہ جہاں سے بھی کی جائیں۔ میں کمرے کو صاف کر کے اسے اگلے سیشن کے لئے تیار کرتا ہوں مگر ایسا کیوں ہے کہ کہیں نہ کہیں میرا آنسو ٹپک ہی پڑتا ہے۔ میں خود سے سوال کرتا ہوں کہ کل میرے ساتھ اس "کانفرنس" میں کون کون شریک ہو گا۔ میں دعا اور عاجزانہ التجا کرتا ہوں کہ اسلامی تہذیب کی یہ "کانفرنس" کل پھر پرنسٹن (نیو جرسی) کے اسی چھوٹے سے پُر ہجوم اپارٹمنٹ میں منعقد ہو۔

دسمبر ۱۹۹۴ء

باب 2

رات کا ملاقاتی

پرنسٹن' نیو جرسی کے باہر ایک چھوٹے سے پُر ہجوم اپارٹمنٹ میں اسلامی تہذیب اب بھی موجود ہے' جو اپنے کٹر مدعیانِ اصلاح (Puritan Reformers) کے فریبِ خیال' نام نہاد دعویدارانِ روحانیت کے فریبِ نظر (Hallucination) کے باوجود اور اپنے متعصب موَرخوں کی ترمیم پسندی (Revisionism) اور اپنے مطلق جاہل عوام کی سادگی اور بھولپن کے باوجود اپنی جگہ پر ٹھہری ہوئی ہے۔ یہ تہذیب صالحیہ کے متروک مدرسوں میں' قاہرہ کی سنسان سٹوڈنٹ مارکیٹوں میں' بحیرۂ روم کے شکستہ و بوسیدہ قلعوں میں اور سر بفلک میناروں والی مسجدوں میں اپنی عظمتوں' اپنی تنہائیوں اور اپنی خلوتوں سمیت کھڑی ہے لیکن اس کا زیادہ تر حصہ کتابوں کے اندر براجمان ہے جس کا ارتعاش اس ''کانفرنس آف بکس'' میں واضح طور پر محسوس ہو رہا ہے۔

آج سوموار کی ایک نہایت سرد رات ہے' دنیا بھر کے گرم مشروبات میں سے نکلنے والی بھاپ گرمی کا محض ایک تاثر ہی دے سکتی ہے' سردی کی شدت کو کم نہیں کر سکتی۔ میں سوچتا ہوں کہ کئی صدیوں کے مسلمان گرم کمبلوں میں لپٹے ہوئے یہاں آ جمع ہوئے ہیں۔ کیا انہیں بالآخر امن و سلامتی نصیب ہو گئی ہے؟۔ اتنے میں میرے کان میں دو آیتوں کی بیک وقت تلاوت شروع ہونے کی آواز پڑنے لگی ہے۔ ترتیل کے ساتھ پڑھی گئی ان آیتوں میں ایک یہ تھی ''یا ایُّھا المزمّلُ O قُمِ الّیلَ اِلّا قلیلاO (اے اوڑھ لپیٹ کر سونے والے رات کو نماز میں کھڑے رہا کرو مگر کم ...... (۷۳:۱۔۲) اور دوسری آیت یہ تھی۔ یآ َیُّھا الُمدثِرُO قُمْ فَاَنْذِرْ O (اے اوڑھ لپیٹ کر لیٹنے والے' اٹھو اور خبردار کرو ...... (۷۴:۱۔)

یہ آواز ہمیشہ رات کے وقت آتی ہے۔ تمہیں صرف اسے سننے کا فیصلہ کرنا ہے۔ میں یہ سنتے

ہی اپنے کپڑوں کو ڈھیلے کرتا ہوں تا کہ سردی کی لہر اندر داخل ہو کر میرے اعضاء پر حملہ آور ہو جائے۔

میں اس کانفرنس میں اکیلا' تم سب میں گھرا ہوا بیٹھا ہوتا ہوں۔ تم ہمارا سرمایۂ دانش و بصیرت ہو۔ ہماری کامیابیوں' ہماری ناکامیوں اور ہمارے اوہام کا صحیح ترین اور بے حد احتیاط سے مرتب شدہ ریکارڈ ہو۔ تم ماضی کو حال کے ساتھ اور حال کو حقیقتِ حال کے ساتھ جوڑتی ہو۔ لہٰذا اے میری پیاری کتابو؟ تمہارے ملاقاتیوں' تمہارے قدر دانوں اور مہمانوں کی تعداد اتنی قلیل کیوں ہے؟ تم نے اس واحد کتاب' خدا کی کتاب سے ایک بڑی تہذیب کو جنم لیتے ہوئے دیکھا ہے۔ ایک الہام سے تم نے ایک تصور کو تخلیق کیا پھر ایک خیال کو کئی خیالات میں تبدیل کیا' بعد ازاں ایک نظام وجود میں آ گیا' پھر ایک گاڑی بنائی جس کے بعد تم نے سڑکیں اور نشانات دریافت کر لئے۔ اچھا یہ بتاؤ کہ مسلمان ہر سفر شروع کرنے کے لئے نیا پہیہ ایجاد کرنے پر کیوں اصرار کرتے ہیں؟ کیا کوئی قوم ہم سے زیادہ منکسر المزاج ہو سکتی ہے۔ کیا کوئی لوگ خدا کے مظاہراتِ تخلیق اور اسکی تجلیات کو کسی ''واحد سنہری دور'' تک محدود کرنے کی جرأت کر سکتے ہیں؟ اور ایک فرضی تاریخ کی اس طرح غلامی کر سکتے ہیں جس طرح ہم کرتے ہیں؟ کیا ہم یہ نہیں دیکھ سکتے کہ ہر زمانہ اللہ کا زمانہ ہے اور ہر زمانہ اس قابل ہے کہ اس کا احترام کیا جائے' اس کا مطالعہ کیا جائے اور اسے اپنے اندر جذب کیا جائے' نہ کہ اسے از سر نو تخلیق کیا جائے۔

پھر میں اپنے خیالات کے مرغولے میں کھو جاتا ہوں لیکن سردی کی لہر مجھے بیدار کر دیتی ہے۔ آج رات میرے ہاتھوں میں ''ابن الملقّن'' ہے۔ اسے نظر انداز کر کے ذہن کو کسی اور طرف متوجہ کرنا بدتہذیبی ہے۔ کہا گیا ہے **اِقْرَاء باسمِ ربّک الّذی خلق ......** (۱ : ۹۶) چنانچہ ایسا ہی ہونا چاہئے آج رات اس کی'' **تحفة المحتاج اِلیٰ عَدِلَّتِ المنهاج**''(''المنہاج'' کو سمجھنے کی کوشش کرنے والوں کے لئے ایک گائیڈ)۔ یہ ایک قابل قدر کتاب ہے۔ جب آپ ایک مصنف کا مطلب و مدعا سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں تو دوسرے مصنفین اچانک خاموشی اختیار نہیں کر لیتے' وہ بھی آپ کو کچھ بتانے اور آپ کے دماغ کو منور کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں' اس نے یہ کتاب شافعی فقہ کی عظیم کتاب ''المنہاج'' مصنفہ النووی (متوفی ۶۷۶ھ/۱۲۷۷ء) میں مذکور احادیث کی جانچ پڑتال کے طریق کار کے بارے میں لکھی ہے۔ اس طرح ایک سکالر دوسرے سکالر کی کتاب کو مکمل کر دیتا ہے۔

پیارے ابن الملقن! میں جانتا ہوں کہ یہ تمہاری اہم ترین تصنیف نہیں ہے۔ کیونکہ تمہاری بہت سی کتابیں ملعون آگ میں جل گئی تھیں۔ تم نے کیا شاندار مگر افسوسناک زندگی

MashalBooks.org

گزاری تھی۔ لوگ تمہیں ''ابن الملقن'' (استاد کا بیٹا) کہہ کر پکارتے تھے' مجھے پتہ ہے کہ تمہیں اس طرح پکارے جانے سے کتنی نفرت تھی۔ تمہارا نام تو عمر ابن علی سراج الدین الشکروری تھا۔ تم ۷۲۳ھ/ ۱۳۲۷ء میں قاہرہ میں ایک شافعی خاندان میں پیدا ہوئے' تمہارا والد ایک نحوی (گرامردان) تھا۔ تم ایک سال کے ہوئے تھے کہ اس کے پُر شفقت سائے سے محروم ہو گئے۔ تمہاری ماں نے تمہارے مرحوم باپ کے ایک قریبی دوست اور ایک معلّمِ قرآن الشیخ عیسیٰ المغربی سے نکاح کر لیا۔ وہ تمہیں اپنا بیٹا اور تم اسے اپنا والد کہا کرتے تھے۔ اس نے تمہیں اچھی طرح پالا پوسا اور ایسی تعلیم و تربیت دی کہ تم اس سے علم میں بھی آگے بڑھ جاؤ اور شہرت میں بھی۔ رفتہ رفتہ لوگ یہ بھول ہی گئے کہ تم اس کا خون نہیں ہو اور تم اس کے نام سے مشہور ہو گئے۔ پھر تم اس نام سے کیوں نفرت کرتے تھے؟ کیا تمہیں اسی نے نہیں پالا تھا؟ کیا شیخ المغربی نے یہ نہیں کیا کہ جب تم جوان ہوئے تو اس نے اپنی جائیداد کا ایک حصہ تمہارے لئے وقف کر دیا تاکہ تم زندگی بھر اس سے استفادہ کرتے رہو اور فکرِ معاش سے ہمیشہ کے لئے بے نیاز ہو جاؤ۔ یہ باتیں یاد دلانے پر مجھے معاف کر دینا' اس تذکرے سے میرا یہ مطلب نہیں کہ تم احسان فراموش تھے۔ بلکہ میں یہ چاہتا ہوں کہ تمہاری زندگی کو صحیح تناظر میں پیش کروں اور تمہیں اس سے بہتر طور پر سمجھ سکوں' جتنا تم خود کو سمجھتے ہو۔

میرے دوست! تمہیں یہ تصوف کا بخار کب چڑھا؟ تمہارا دعویٰ ہے کہ تمہاری ''الخضر'' سے ملاقات ہوئی تھی اور لوگ کہتے ہیں کہ تم ہر وقت ادنیٰ لباس پہنے رہتے تھے۔ کیا اس کا سبب یہ تھا کہ تم اسے ''سنت'' سمجھ کر زیب تن کرتے تھے؟ جیسے کہ تمہارا دعویٰ تھا کہ یہ ''سنت'' ہے۔ یا تم اسے اس لئے پہنا کرتے تھے کہ تمہارے پاس جتنی بھی رقم تھی وہ تم نے کتابوں پر خرچ کر ڈالی تھی؟۔ تمہیں کتابوں کا عارضہ کب لاحق ہوا تھا؟ ایک دفعہ تم نے شادی کر لی' کیا تمہاری بیوی تمہاری قدر و قیمت سے آگاہ تھی؟ کیا وہ تمہاری کتابوں سے اتنی ہی محبت کرتی تھی جتنی اسے تم سے تھی؟ کیا وہ خود کتاب ہی تو نہ تھی؟

تم ایک غیر معمولی لائبریری کے مالک تھے' تم نے اپنا سارا سرمایہ کتابوں پر خرچ کر دیا' مؤرخین بتاتے ہیں کہ تمہارے پاس ہزاروں کتابوں کا خزانہ تھا۔ تمہارے عہد کے بعض لوگ تمہاری ذات سے زیادہ تمہاری کتابوں کا ذکر کیا کرتے تھے۔ بہت سے مؤرخین نے وہ واقعہ ریکارڈ کیا ہے کہ تمہارے دور میں جب ایک بڑے عالم کا انتقال ہوا تو اس کی کتابوں کو نیلام میں فروخت کرنے کا فیصلہ ہوا' مگر شرط یہ تھی کہ قیمت موقع پر ادا کرنا پڑے گی۔ تم دوڑے دوڑے گھر

MashalBooks.org

پہنچے' اس وقت تمہاری بے چینی قابل دید تھی۔ تم نے ہانپتے ہوئے اپنی بیوی سے کہا ''لاؤ لاؤ گھر میں جو کچھ بھی نقد ہے کوئی بھی دینار ہے' ڈھونڈو اور میرے حوالے کر دو'' جو کچھ ہاتھ لگا' تم لے کر دوڑتے ہوئے گھر سے نکل گئے' بیوی نے دہلیز پر کھڑے ہو کر تمہیں ہجوم میں گم ہوتے دیکھا اور کہا...... ''جاؤ اللہ تمہارا حافظ ہو''۔ وہ خوامخواہ پریشان ہو رہی تھی۔ اس دن تو تم نے ایک زبردست فائدے کا سودا کیا تھا' اس میں پریشانی کیا بات تھی؟۔ لوگوں کو اس واقعے کے بارے میں صرف اتنی بات یاد ہے کہ تم نے کتابیں نیلام میں خریدی تھیں۔ ایسا کیوں تھا کہ اس زمانے کے لوگ ایسی باتیں یاد رکھا کرتے تھے۔ جنہیں موجودہ دور کے لوگ خاطر میں ہی نہیں لاتے۔

تم نے چونتیس (34) اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کئے تھے۔ جن میں سے بعض بہت مشہور علماء میں شمار ہوتے تھے۔ تم نے علم کی خاطر قاہرہ سے یمن' یمن سے حجاز' دمشق اور حلب تک طویل سفر کئے' تمہاری بیوی اور بیٹا بھی ساتھ ساتھ سفر کر رہے ہوتے تھے۔ مجھے حیرت اس پر ہوتی ہے کہ تمہاری کلاسوں میں تمہارا بیٹا بھی پورے شوق سے شریک ہوتا تھا اور اس نے کتنے ہی سرٹیفیکیٹ (اجازے) تمہارے ساتھ وصول کئے۔ بالآخر تم نے معلّمی کا پیشہ اپنا لیا۔ تاریخ میں تمہارے شاگردانِ رشید کی تعداد 195 ریکارڈ کی گئی ہے جن میں سے 179 مرد اور 16 خواتین تھیں۔ مرد شاگردوں میں سے تم نے صرف 33 کو ''اجازے'' دیئے اور اس کے مقابلے میں سب خواتین کو اجازے دیدئے گئے۔ کیا اس لئے کہ تم صرف اہل ترین طالبات کو اپنے حلقۂ درس میں بیٹھنے کی اجازت دیتے تھے؟ یا اس لئے کہ ذہین ترین طالبات صرف تمہارے طریقۂ تدریس کو اولین ترجیح دیتی تھیں؟ حتیٰ کہ تمہارا ایک پوتا اور دو پوتیاں بھی معلّم اور معلّمات بنیں۔ جو فقہ اور حدیث کے ممتاز عالم اور عالمات شمار ہونے لگیں۔

اے دوست معاف کرنا' میں جانتا ہوں کہ میرے لئے بہت سی باتیں باعث حیرت و استعجاب بن جاتی ہیں' جس کی وجہ سے میں سوالات کے ڈھیر لگا دیا کرتا ہوں۔ میں ماضی کی تشکیل نو کے بغیر میں حال کو صحیح طور پر نہیں سمجھ سکتا۔ میں سمجھتا ہوں کہ میں تمہاری تشکیل نو کئے بغیر اپنی ذات کی تشکیلِ نو نہیں کر سکتا۔

تم نے ہزار ہا کتابیں جمع کیں اور 75 کتابیں تصنیف کیں۔ تمہاری زندگی کتنی خوبصورت ہو گی! لیکن اس دنیا میں کوئی بھی ''محنہ'' (آزمائش وابتلا) کے بغیر نہیں رہا۔ میرے دوست سب سے زیادہ اذیت دہ ''محنہ'' دغا بازی (Betrayal) ہوتی ہے۔ جب سلطان سیف الدین برقوق (متوفی ۸۰۱ھ/ ۱۳۹۸ء) نے تمہیں قاہرہ کے ''چیف شافعی جسٹس'' کے

MashalBooks.org

منصب کی پیشکش کی تو تاریخ کے ایک حاشیئے پر جگہ پانے والے بعض افراد نے یہ ثابت کرنے کے لئے ایک جعلی دستاویز پیش کر دی کہ تم نے یہ پیشکش حاصل کرنے کے لئے چار ہزار دینار رشوت دی تھی۔ اس پر بادشاہ نے تمہیں جیل میں ڈال دیا تو تم بڑی مشکل سے بعض بہی خواہوں کی مداخلت کی وجہ سے باہر آ سکے۔ بعض اوقات ہمیں اپنے قریب ترین افراد کی دغا بازیوں سے پالا پڑ جاتا ہے تم پر نا اہلی اور علمی سرقے کا الزام تمہارے بعض شاگردوں کی طرف سے ہی عائد ہوا تھا۔ تم نے ان پست قد لوگوں کے الزام کا جواب دینا مناسب نہ سمجھا۔ کیا واقعی تمہیں اتنا صدمہ پہنچا تھا کہ تم نے ان کم ظرفوں کی طرف مڑ کر بھی نہ دیکھا۔

ہم اللہ تعالیٰ کی حکمتوں اور دانائیوں کا کبھی احاطہ نہیں کر سکتے۔ تم اسّی برس کے تھے کہ ظالم آگ نے تمہاری لائبریری کو جلا کر خاکستر کر دیا' جس میں تمہاری کتابوں کا بہت بڑا ذخیرہ بمعہ تمہاری کئی تصانیف کے راکھ بن گیا' یہ تمہارے لئے آخری دھچکہ تھا۔ تمہارے بیٹے کا کہنا ہے کہ تم حیران پریشان بیٹھے خلاء میں گھور رہے تھے اور آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑیاں لگی ہوئی تھیں' تم چند دن اسی عالمِ بے کیفی میں رہے اور بالآخر ۸۰۴ھ/ ۱۴۰۱ء میں اس دار فانی سے چل بسے۔ لیکن کیا تم جانتے ہو کہ تم جن شاگردوں کو دنیا میں اپنے قائم مقام بنا کر گئے انہوں نے سینکڑوں عظیم الشان کتابیں لکھ دی تھیں۔ میں ان کتابوں میں تمہارا عکس دیکھ رہا ہوں اور ان سب میں تمہارے خیالات کا پرتَو پاتا ہوں۔

اب سورج جلد طلوع ہونے والا ہے۔ لوگوں کی دوڑ بھاگ' اس کانفرنس کی سرگوشیوں کو لے اڑے گی۔ بڑیں مارنے والے لوگ اصول پرستی کے دعویدار بن کر سامنے آ کھڑے ہوں گے اور ہمارے حال کا سفر جاری رہے گا' مگر اس کا ہمارے ماضی سے کوئی تعلق نہیں ہوگا۔ میں تمہاری کتابوں کے متن کو کھنگالتا رہوں گا تاکہ بین السطور مفہوم تک رسائی پا سکوں۔ جیسا کہ تم جانتے ہوا ے میرے دوست...... کتابیں صرف نظریات کے حوالے سے ہی نہیں ہوتیں' یہ صدیوں پہلے کے انسانوں کے بارے میں بھی ہوتی ہیں۔ ان حقیقی اور سچے اور کھرے آدمیوں کے حوالے سے بھی ہوتی ہیں۔ جو دوسروں کو نصیحتیں کرتے ہیں اور اچھی زندگی بسر کرنے کے مشورے دیتے رہتے ہیں۔ سچ فرمایا گیا ہے: " قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلُ "(ان سے کہو کہ زمین میں چل پھر کر دیکھو کہ پہلے گزرے ہوئے لوگوں کا کیا انجام ہو چکا ہے)............سورۃ الروم آیت ۴۲

فروری ۱۹۹۵ء

MashalBooks.org

باب 3

ذہانت کے ڈاکو

دنیا داری' روحانیت کے لئے ایک چیلنج کی حیثیت رکھتی ہے۔ دونوں کے درمیان ایک ازلی کشمکش برپا ہے' دونوں ایک توازن کے لئے کوشاں رہتی ہیں۔ یہاں ہزاروں مقالات پڑے ہیں کوئی تنظیمی کاغذات ہیں' کچھ قانونی دستاویزات اور کچھ ادبی مقالات ہیں' کچھ حکمت و دانش پر مشتمل ہیں اور کچھ حماقتوں اور فضولیات کے ضمن میں آتے ہیں۔ کچھ شیطانی منصوبے ہیں اور کچھ رحمانی بصیرت کے ترجمان ہیں' بہر حال یہاں خوب و زشت' سب کچھ پایا جاتا ہے۔ آپ شعور کی کشتی پر بیٹھ کر جب تک چاہیں کاغذات کے سمندر کی لہروں پر سوار رہ سکتے ہیں۔ مگر تیرتے ہی رہنا کافی مشکل کام ہوتا ہے۔ پناہ بخدا' فن جہاز رانی کے لئے ذہانت اور ہنر مندی کے ایک ایک ذرے کو بروئے کار لانا پڑتا ہے۔ سمندر دھوکوں اور مغالطّوں سے اٹا پڑا ہے۔ ذہنی سرمایہ لوٹنے والے' شریف ترین انسانوں کو بھی مبتلائے کرب کر دیتے ہیں' ہر سطح اور ہر پرت کے نیچے حریص اور فریب کار شارکیں ان معصوم روحوں کو شکار کرنے کے لئے گھات لگائے بیٹھی ہیں۔ پھر بھی آپ کو استقامت کا دامن نہیں چھوڑنا چاہئے۔

آج رات سمندر میں زبردست تلاطم برپا ہے۔ میں بڑی مشکل سے اپنے ذہن کو ان ہزاروں کاغذات کی لہروں کی زد میں آنے اور اپنی روح کو ڈوبنے سے بچانے میں کامیاب ہو سکا ہوں۔ کیونکہ پرنسٹن (نیو جرسی) کے باہر یہ چھوٹا سا اپارٹمنٹ اسلامی تہذیب کا قلعہ ہے جو غیر سنجیدگی اور سطحیت میں فوراً کمی لا سکتی ہے۔ یہ تہذیب اپنے بھرپور تنوع (Diversity) اور داخلی ہم آہنگی (Unified Coherence) کے ساتھ کتابوں کے اندر موجود ہے۔

MashalBooks.org

کانفرنس آف بکس کا آغاز ہوا چاہتا ہے اور زندگی کے احمقانہ مطالبات اور تقاضوں کو فی الحال انتظار کرنا ہوگا۔

ان ہزاروں کتابوں میں سے ابھرنے والے خیالات اور افکار کی لہریں میری روح پر حملہ آور ہو رہی ہیں۔ میں اپنی عاجزانہ مستعدی کے ساتھ علمی بربادی اور فکری ہنگامہ خیزیوں کا سامنا کرنے کے لئے بے تاب ہو رہا ہوں۔ لیکن ابھی تک اصل مقرر کے نام کا اعلان نہیں ہوا۔ ہم سب اس امر کے پابند ہیں کہ ہر معاملے میں منشائے الٰہی (Divine Will) دریافت کرنے کے لئے ہمیشہ کوشاں رہیں اور اپنے غور و فکر کا جو بھی ماحصل ہو اس پر عمل کرنے کا عہد پورا کریں۔ کائنات میں اللہ کی شان و عظمت کے گوناگوں مظہرات (Manifestations) ہیں آج رات ان کی نمائندگی کون کرے گا؟ اس سوال پر سب نے سوچنا شروع کر دیا' انتظار کی گھڑیاں طویل ہوگئیں اور سرگوشیوں میں تبدیل ہوگئیں اور میں نے قرآن کی اس آیت کی تلاوت کی۔ "وَخَشَعَتِ الاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلاَ تَسْمَعُ اِلّا هَمْسًا" (''اور آوازیں رحمان کے آگے دب جائیں گی' ایک سرسراہٹ کے سوا تم کچھ نہ سنو گے'')

(سورۃ طٰہٰ آیت ۱۰۸)

لیجیے انتظار کی گھڑیاں ختم ہوئیں' الجاحظ نے اپنی جگہ سے اٹھ کر ایک قدم آگے بڑھاتے ہوئے اعلان کیا...... ہر'' قرینے'' (Circumstance) کو ایک مناسب ردعمل (Response) مل جاتا ہے اور آج رات کے لئے'' قرینہ'' میں ہوں۔ کیونکہ میں اس کے سارے تقاضوں پر پورا اترتا ہوں۔ آج تک کسی نے ذہانت پر ڈاکہ ڈالنے والوں (Pirates of Intellect) کا اتنا زیادہ مقابلہ نہیں کیا' جتنا میں نے کیا ہے' عمرو ابن بحر ابن محبوب المعروف الجاحظ (آگے کو نکلی ہوئی آنکھوں والا) کٹر معتزلی تھا اور ابتداء ہی سے ایک پراسرار شخص سمجھا جاتا تھا۔ بعض لوگوں کا کہنا تھا کہ وہ ۱۵۵ ہجری میں پیدا ہوا' بعض ۱۵۹' بعض ۱۶۰' بعض ۱۶۳' بعض ۱۶۴ اور بعض ۱۶۵ ہجری کو اس کا سالِ پیدائش قرار دیتے تھے' اسی مناسبت سے اس کے افکار لازمان (Timeless) اس کی'' حدودِ افکار'' (Range) کو'' لا محدود'' (Boundless) اور اس کے نوشتوں (Legends) کو'' بے حساب'' (Immeasurable) قرار دیا جاتا تھا۔ چنانچہ اسے بیشتر'' قرینوں'' کے لئے موزوں ترین

قرار دیا گیا۔

میں مسکرا اٹھا۔ میں نے اپنے خوشی کے آنسو پونچھتے ہوئے اس سے سوال کیا۔ ''کیا یہ درست ہے کہ عباسی خلیفہ المتوکّل (متوفی ۲۴۷ھ/۸۶۱ء) نے اپنے بچوں کو پڑھانے کے لئے تمہاری خدمات حاصل کی تھیں' لیکن جب اس نے تم سے ملاقات کی تو تمہارے چہرے مُہرے کو دیکھ کر اتنا متنفر ہوا کہ اس نے تمہیں ساری رقم ادا کرنے کے بعد فوراً چلتا کر دیا تھا؟''

الجاحظ نے احتجاج کرتے ہوئے کہا...... ''کیا میرے اتنے علم و فضل کے باوجود تمہیں مجھ سے پہلا یہی سوال پوچھنا چاہئے تھا؟'' میں نے گھبرا کر کہا...... ''مجھے اس پر افسوس ہے' مگر تمہاری تحریریں مزاح سے اتنی بھری ہوئی ہیں کہ کوئی حد و حساب ہی نہیں' اپنے بارے میں یہ بات تم نے خود ہی تو لکھی ہے''

وہ بولا...... ''میرا مزاح ان لوگوں کے لئے مخصوص ہے جو میری ''معکوس دروں بینی'' (Reflective Introspection) اور میرے ''محتاط تفکر بہ ماضی'' (Considered Retrospection) کی اصطلاحات کو سمجھ سکتے ہوں' میں دیکھ رہا ہوں کہ ذہانت کے ڈاکوؤں' دوسروں کا پس خوردہ کھانے والوں اور لغو خیالات کے بل بوتے پر پلنے والوں نے تمہاری قوت فیصلہ کو مسخ کر کے رکھ دیا ہے' اگر تم نے میری مزاحیہ حکایتوں پر غور کیا ہوتا تو تمہارے منہ سے ایسی بات نہ نکلتی''

میں نے عرض کیا...... ''تم نے جانوروں اور پودوں کے بارے میں لکھا ہے جن سے کہ پوری دنیا واقف ہے' پھر بھی تمہاری تحریریں بے حد ناقابل فہم ہیں لیکن میرے دوست میں لوگوں کے بارے میں بہت متذبذب ہوں بلکہ ان کی سخاوت' ان کی کنجوسی' ان کی محبت' ان کی وفاداری اور بے وفائی سب چیزوں کے بارے میں تذبذب سے دوچار ہوں حتیٰ کہ عقل کے بارے میں بھی شبہات میں مبتلا ہوں۔

''میں نے ان سے متعلق بھی بہت کچھ لکھا ہے۔ زندگی کے تمام مظاہر خواہ وہ جانور ہوں یا پودے' کوئی بھی میرے دائرے سے باہر نہیں' میں نے تعلیم و تربیت پر لکھا ہے' مجھے ''یک سمتی ذہنوں'' (One-dimensional intellects) سے بھی بہت نفرت ہے۔ میں زندگی بھر ذہانت کے ڈاکوؤں' روایت پرستوں اور عمال حکومت کے خلاف لڑتا رہا ہوں اور حسنِ افکار اور فنِ استدلال اور مناظرہ کا دفاع کرتا رہا ہوں۔ یہ ڈاکوفنِ

MashalBooks.org

استدلال سے ہی متنفر نہیں بلکہ '' جمالیاتِ استدلال'' (Aesthetics of Reason) سے بھی نفرت کرتے ہیں''۔

میں نے کہا کہ تم نے ترک سپاہیوں کی تعریف وتوصیف پر ایک مضمون لکھ کر وزیر الفتح ابن خاقان کو دیا۔ ۲۴۷ھ/۸۶۱ء میں المتوکل کو محض اس لیے قتل کرا دیا گیا کہ وہ ترکی النسل تھا' اس کا جمالیاتِ استدلال سے کیا تعلق تھا''

'' تم نے پھر وہی بات چھیڑ دی۔ میں اگرچہ بصرہ (عراق) کا عرب تھا مگر میں عباسیوں کی روشن خیالی' ان کے معتزلی عقائد کے دفاع اور تمام تہذیبوں اور ثقافتوں کو قریب تر لانے کے اقدامات کا حامی تھا''

'' لیکن تم گیارہ عباسی خلفاء' المہدی (متوفی ۱۵۹ھ/ ۷۸۵ء) سے لے کر المعتز (متوفی ۲۵۶ھ/ ۸۶۹ء) کے ادوار تک زندہ رہے' تم ایک معروف معتزلی تھے۔ پھر ان کے اتنے قریب رہے اور تمہیں ہر ذی اقتدار کی سرپرستی حاصل رہی''

'' یہ صحیح نہیں ہے' مجھے ان سب کا احترام حاصل تھا مگر میں المامون (متوفی ۲۱۸ھ/ ۸۳۳ء) المعتصم (متوفی ۲۲۷ھ/ ۸۴۱ء) اور الواثق (متوفی ۲۳۲ھ/ ۸۴۶ء) کے قریب تھا' یہ عقل واستدلال کی حوصلہ افزائی کرتے تھے اور روشن خیال لوگ تھے۔ معتزلہ کے حامی اور مددگار تھے۔ المتوکل نے معتزلہ اور شیعوں کو ایذائیں پہنچائی تھیں''

لیکن المامون نے محدثین کو قتل کرایا اور امام احمد بن حنبل (متوفی ۲۴۱ھ/ ۸۵۵ء) کو قید کر دیا تھا''

'' ہر ایک کو اس کے کیئے کی سزا ملتی ہے۔ جہاں تک میرا تعلق ہے میں ہاشویہ جیسے محدثین کی تنگ دلانہ منطق کو مسترد کرتا ہوں' میں تو آخر وقت تک دھمکیاں ملنے کے باوجود اپنے مؤقف پر قائم رہا۔ میں نے اپنے ایک مضمون بعنوان '' تشبیب'' میں واضح اعلان کیا تھا کہ معتزلوں کے لئے دھمکیوں سے مرعوب ہونا اور حق بات دل میں چھپائے رکھنا '' حرام'' ہے۔ جس آدمی کے دل میں جو کچھ ہوا سے اس کا اظہار کرنے کا حق حاصل ہے''

تاریخ انسانی رازوں اور انہونیوں سے بھری پڑی ہے۔ کتابیں کیا ہیں؟ یہ '' لازمان'' (Timeless) زندگی کا ایک ریکارڈ ہیں' پھر بھی وہ بعض '' اسرار اور ابہام'' واضح نہیں کر سکیں۔ معتزلہ عقل واستدلال اور اظہار خیال کی آزادیوں پر اصرار کرتے تھے لیکن جب وہ

اقتدار میں آئے تو انہوں نے اپنے مخالفین پر اس سے بھی بڑھ کر مظالم ڈھائے جتنے ان پر ماضی میں کئے گئے تھے۔

لیکن میں نے شاید اپنے دوست سے غیر فیاضانہ سلوک کیا ہے۔اس کا زمانہ، میرا زمانہ نہیں۔نظریات' ''لازمان'' ہوتے ہیں لیکن ان کا نفاذ (Application) زمانے کے حالات کے ساتھ مشروط ہوتا ہے۔ مجھے شکر ادا کرنا چاہئے کہ ماضی کی غلطیاں' آج کے دور کے لئے ایک سبق بن چکی ہیں۔

کیا الجاحظ کی اپنی ''کانفرنس'' منعقد نہیں ہوا کرتی تھی؟ کیا اس کی زندگی کتابوں سے گھری ہوئی نہیں ہوتی تھی؟ کیا اسلامی تہذیب کو اس نے اپنی تقریروں اور تحریروں کے ذریعہ فائدہ نہیں پہنچایا تھا؟ وہ ایک ''معلّم اخلاق'' تھا جس نے کٹر مذہبی عقائد (Dogmatism) مسلط کرنے والوں سے لڑائی مول لی اور انہیں اعتدال کی راہ پر لانے کی کوشش کرتا رہا۔اس نے ذہانت کے لٹیروں سے بھی لڑائی جاری رکھی جن کا اپنا کوئی ذہن نہیں تھا اور وہ اپنی جہالت اور عدم رواداری کے پرچارک بنے ہوئے تھے' الجاحظ انتہا پسندوں کا سخت مخالف تھا جو زندگی کے سمندر کی متلاطم لہروں کے آگے بند باندھنے کا خواب دیکھ رہے تھے اور عوام پر اپنے عقائد کو جبراً ٹھونسنا چاہتے تھے۔ وہ اس سے بہتر کیا مثال پیش کر سکتا تھا کہ وہ عورتوں پر مظالم ڈھانے والوں کے خلاف ڈٹ گیا تھا۔ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ کیا اس کے دل میں فی الواقعہ عورتوں کا بے حد احترام تھا' یہ بحث طلب نقطہ ہے' شاید اس پر بحث نتیجہ خیز نہیں ہو گی۔ وہ مردوں کی خودغرضی' ذہنی عیاشی اور روح کی اس گندگی کا سخت مخالف تھا کہ جب تک بچوں کو دودھ پلانے اور پالنے پوسنے کی ضرورت ہو' مرد عورت کی ذہانت کی قدر کرتا رہے اور جب بچے بڑے ہو کر مرد بن جائیں تو اسے انسانیت کے اس نصف حصے میں کچھ بھی دکھائی نہ دے' اسے پبلک لائف سے الگ تھلگ کر دیا جائے گویا وہ مردوں کے صرف پرائیویٹ استعمال کی چیز ہوتی ہے۔

الجاحظ نے اپنے ایک مضمون میں لکھا ہے کہ ''ہم یہ نہیں کہتے اور نہ ہی کوئی معقول آدمی یہ کہہ سکتا ہے کہ عورتیں مردوں سے برتر یا ایک یا دو درجے کمتر ہوتی ہیں' لیکن ہم نے ان لوگوں کو دیکھا ہے جو عورتوں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں' ان سے بدزبانی کرتے ہیں اور ان کے بہت سے حقوق کو سلب کر لیتے ہیں''۔اس نے مغنیاؤں پر اپنے ایک مضمون میں لکھا

MashalBooks.org

کہ ’’عورتوں کو الگ تھلگ کر دینا‘‘ کبھی بھی اسلام کا حصہ نہیں رہا ہے مسلمانوں کی قابل ذکر شخصیات نے عورتوں سے بات چیت اور لین دین کو بالکل جائز قرار دیا ہے۔ انہیں علیحدہ کر دینے کے حق میں کوئی شہادت بھی نہیں ملتی۔ اسلام کا بنیادی اصول یہ ہے کہ ہر وہ چیز جائز ہے جس کی خاص طور پر ممانعت نہ کی گئی ہو‘ یہ کسی کے مزاج یا ذوق کا مسئلہ نہیں اور نہ ہی کسی کے ذوق کی کوئی اہمیت ہے۔ عزت کی حفاظت کرنا قابل تعریف بات ہے‘ تاوقتیکہ اللہ کی طرف سے حلال قرار دی گئی چیزوں کو ممنوع نہ سمجھ لیا جائے۔ الجاحظ نے سارے معاملے کی اس ایک فقرے میں تلخیص کر دی ہے۔ ’’یہ وہ معاملہ ہے جس میں انتہا پسند لوگ غیرت کی حفاظت کے جوش میں اتنے دور نکل گئے ہیں کہ بد ذوقی اور بے عقلی کی حدود میں داخل ہو گئے ہیں‘‘۔ مردوں کی غیرت کی عمارت عورتوں کی تذلیل کی بنیاد پر تعمیر نہیں ہونی چاہیے۔

اسے کئی اطراف سے مزاحمتوں اور مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ اس پر کئی قسم کے الزامات لگے جن میں سے ایک غالی شیعہ ہونے کا الزام بھی تھا اور اتنی زیادہ باتیں کہی گئیں کہ سچ جھوٹ کا امتیاز کرنا مشکل ہو گیا‘ لیکن اس کے الفاظ کی کاٹ اتنی شدید تھی کہ وہ کشتوں کے پشتے لگا دیتا تھا۔ جب خلیفہ المتوکل فوت ہو گیا تو اس وقت تک وہ بھی چومکھی لڑائی لڑتے لڑتے بے دم ہو چکا تھا۔ چنانچہ وہ اپنی محبوب کتابوں کو اٹھائے ہوئے بصرہ واپس چلا گیا‘ جہاں اس نے زندگی کے باقی ماندہ سال گزارے جن کے دوران وہ اپنے خیالات کے موتی بکھیرتا رہا اور اپنے زندہ گوشت کو کتابوں میں ڈھالتا رہا۔

الجاحظ! میرے قابل صد احترام دوست مجھے معاف کر دو مگر میں اپنا محاسبہ کر رہا ہوں تمہارا نہیں‘ ہم دونوں میں فرق کیا ہے؟ میں اپنے یا تمہارے بارے میں سچ یا جھوٹ اور اصلی یا نقلی میں امتیاز نہیں کر سکتا‘ پھر بھی میں محسوس کرتا ہوں کہ ’’سچ‘‘ اس محنت سے زیادہ اہم نہیں ہوتا جو اس کی تلاش کے لیے کرنا پڑتی ہے۔ ایک واضح حقیقت یہ ہے کہ سال ہا سال تک کتابوں کو سینے میں لگائے رکھنے کے بعد بالآخر کتابوں نے تمہیں اپنے سینے سے لگا لیا۔ ۲۵۵ھ/ ۸۶۹ء میں تم شدید بیماری اور کمزوری کی حالت میں تھے کہ کتابوں کا ڈھیر تمہارے اوپر آ گرا اور تم ان کے بوجھ تلے آ کر دنیا سے رخصت ہو گئے۔ یعنی تمہاری کتابوں نے تمہیں احترام سے نئی زندگی کے حوالے کر دیا۔

لیکن رات نے اپنی واپسی کے لئے قدم بڑھانا شروع کر دیئے اور دن نے اپنی آمد کا

MashalBooks.org

اعلان کر دیا۔ الجاحظ دھند لا رہا ہے کیونکہ ہر ''روشنی'' (Enlightenment) بالآخر اندھیرے کے جمود کی نذر ہو جائے گی۔ ہر صبح، میری روح اور جسم کے اندر درخشاں روشنیوں کو گل کر دیتی ہے اور دنیاداری کا غبی پن طاری ہونے کا اعلان کر دیتی ہے۔ اب مجھے اپنے ماضی کے ایقان (Certainty) کو حال کے سبز باغوں (Delusions) کی خاطر تیاگ دینا چاہئے لیکن کانفرنس آف بکس کی طرف سے وعدہ ہے کہ پُر نور اسلامی تہذیب میری روح کو ایک بار پھر اسی طرح منور کر دے گی جیسے اس نے صدیوں پہلے بہت سی روحوں کو روشنی بخشی تھی۔

اپریل ۱۹۹۵

MashalBooks.org

باب 4

امریکہ نسل پرستی کے چنگل میں

پرنسٹن (نیوجرسی) کے باہر چھوٹے پُرہجوم اپارٹمنٹ میں زندگی کے کئی کربناک حالات اور واقعات کے باوجود کانفرنس کا سلسلہ جاری رہا۔ بار ہا ایسا ہوتا رہا ہے کہ کسی نے دوسروں کو صلیب پر چڑھا کر یا دغا بازی کر کے اپنی خوشیوں کا سامان پیدا کر لیا' ایسی باتیں دیکھ کر حساس انسانوں کے دل پر غموں کا بوجھ بہت بڑھ جاتا ہے۔ ایسے واقعات کے نتیجے میں کانفرنس اپنے سامعین اور اپنے سرپرستوں سے محروم ہونا شروع ہو جاتی ہے' حتیٰ کہ اس کا منتظم بھی مایوسی سے دوچار ہو جاتا ہے۔ لیکن مسلم تہذیب نے تاریخ کی بہت سی بے ہودگیاں برداشت کی ہیں اور مختلف ادوار میں اپنی کانفرنسوں کے ذریعہ اپنے وقار کو برقرار رکھتی رہی ہے۔ یہ کانفرنسیں ہمارے اعمال اور ہماری بے عملیوں' ہمارے عقائد اور ہمارے خوابوں' ہمارے عزم اور ہماری مایوسیوں کا غیر متزلزل ریکارڈ ہیں اور بالآخر یہ ریکارڈ ہمیشہ غالب رہتا ہے۔

بہت سے لوگ پل بھر میں موت کی آغوش میں چلے گئے' ایک ڈے کیئر سنٹر میں بچے جو اپنے والدین کی واپسی کے انتظار میں خوش خوش دوڑ بھاگ کر رہے تھے انہیں وہ لمحہ دیکھنا نصیب نہ ہو سکا۔ مجھے سکول میں اپنا چھ سالہ بچہ اور اس کی وہ مسکراہٹ یاد آتی ہے جو مجھے دیکھ کر اس کے ہونٹوں پر پھیل جاتی ہے پھر وہ خوفناک منظر یاد پڑتا ہے جس نے میرے دل اور دماغ کو ڈھانپ لیا تھا' ایسے حالات میں کتابوں کی دنیا بہت بعید اور دور افتادہ محسوس ہوتی ہے۔ بوسنیا' چیچنیا' کشمیر' روانڈہ اور اوکلاہاما کے بچوں کے چہرے' مسکراہٹیں اور آنسو میرے دل کو تڑپا دیتے ہیں اور درد ناقابل برداشت ہو جاتا ہے۔ میری پیاری کتابو' مجھے معاف کر دو'

مجھے آج کی رات رونے اور ماتم کرنے کے لئے درکار ہے۔ کسی ستم رسیدہ انسان کی قومیت کوئی معنی نہیں رکھتی۔ یہ ایسی ہی بے معنی ہے جیسی کتاب کی قومیت۔ اسے اگر دکھ یا نقصان پہنچایا جائے تو میں غم و آلام میں مبتلا ہو جاتا ہوں۔

اتنے میں خبر آتی ہے کہ مشتبہ افراد کا حلیہ ''مشرق وسطیٰ کے لوگوں جیسا ہے'' کیا مطلب؟ کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اچھے دکھائی دے رہے ہیں؟ کمینے نظر آتے ہیں یا عجیب دکھائی دیتے ہیں؟ اس کنفیوژن نے سوگ کی تکریم کا ماحول ہی برباد کر دیا اور میری طبیعت مزید مکدر ہو گئی' پھر بات یہاں آ کر ٹکی کہ بعض لوگوں کو مسلمانوں پر شبہ ہے۔ بھلا کیسے؟ مجھے پچھلی کانفرنسیں یاد آنے لگیں۔ کتنی ہی کتابیں ہیں جو عام شہریوں کو ہلاک کرنے کی ممانعت پر لکھی گئی ہیں؟ جنگ کرنی ہو تو اس کے لئے پیشگی اعلان کیا جانا چاہئے۔ اہداف لازماً فوج یا فوجی ٹھکانے ہونے چاہئیں۔ حملے میں تمیز اور تناسب ہونا چاہئے۔ درختوں یا مویشیوں کو تباہ نہیں کیا جانا چاہئے۔ نہروں اور چشموں کو زہر آلود نہیں کرنا چاہئے............

بہت سی کانفرنسوں میں اعلان کیا گیا ہے کہ جو لوگ نہتے شہریوں پر حملہ آور ہوتے ہیں وہ ''محاربون'' (سب سے بڑے مجرم) ہوتے ہیں' قرآن مجید اسے ''فساد فی الارض'' کہتا ہے' پھر اس واقعہ کے مرتکب افراد مسلمان کیسے ہو سکتے ہیں؟ لیکن مجھے یاد ہے کہ تمام تہذیبوں کے اندر قاتلوں کے گروہ موجود رہے ہیں۔ اس پر میں پوری شدت سے اظہار غم کرتا ہوں۔

لیکن جلد ہی ملزموں کے چہرے سامنے آ گئے' وہ اچھے دکھائی نہیں دیتے' کمینے یا عجیب وغریب بھی نظر نہیں آتے' وہ صرف لوگوں کی طرح دکھائی دیتے ہیں' یعنی ایسے لوگ جن پر ارتکاب جرم کا الزام ہے۔ کیا سب مسلمان' مشکوک افراد کی طرح دکھائی دیتے ہیں؟ لیکن وہ ملزم مسلمان معافی مانگنے سے انکاری ہیں۔ مجھے جس سنجیدگی کے ساتھ سوگ منانا چاہئے تھا' وہ غائب ہو چکی ہے۔ بعض متعصب عناصر کا اصرار ہے کہ اس کیس کے حقائق خواہ کچھ بھی ہوں' اصل خطرہ مسلمانوں سے ہے' بہ الفاظ دیگر مسلمانوں کو اس ''جرم'' کی سزا ملنی چاہئے' خواہ ان پر الزام دھرنا ممکن ہی نہ ہو' اگر ''مسلمان تاریخ کی کانفرنسوں'' میں شریک ہوئے ہوتے تو اس شرمناک تعصب کا نشانہ نہ بنتے۔ اگر مسلمان تاریخ کا مطالعہ کریں تو یہ ''واقعہ''...... ''ڈریفس'' جیسا بن جائے گا۔

(نوٹ: الفریڈ ڈریفس (۱۸۵۹ـ۱۹۳۵) ایک فرانسیسی فوجی افسر تھا جسے غداری کا

MashaiBooks.org

مقدمہ چلا کر سزائے قید سنا دی گئی تھی لیکن بعد اسے اس انکشاف پر بری کر دیا گیا کہ اسے یہودیوں نے ایک سازش کے تحت مقدمے میں پھنسایا تھا۔)

کہا جا رہا ہے کہ مسلمان امریکہ کے لئے حقیقی خطرہ ہیں! جب ریکارڈ سامنے آئے گا تو ثابت ہو جائے گا کہ امریکہ کے لئے اصل خطرہ نسل پرستی اور تعصب ہے جو ہمیشہ اس کے سر پر منڈلاتا رہا ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا ریکارڈ سے ناواقفیت (Ignorance) تعصب کو جنم دیتی ہے' یا تعصب کسی ریکارڈ کے بغیر بھی موجود رہتا ہے؟ بہر حال ناواقفیت کی ایک قیمت ہوتی ہے جو وقار کے مجروح ہونے کی صورت میں ادا کی جاتی ہے۔ سر دست وقار کا تقاضا ہے کہ ہمیں اس واقعہ کے متاثرین کے لئے سوگ منانے دیا جانا چاہئے' ہمیں مارے جانے والوں سے ہمدردی ہے اور تعصب پر افسوس ہے۔

جون ۱۹۹۵

MashalBooks.org

باب5

کتابوں کی تہذیب

الرَّحمٰنO عَلَّمَ القُرْاٰنO خَلَق الاِنْسان O عَلَّمَہُ البَیانO (خدا جونہایت مہربان ہے' اسی نے قرآن سکھلایا' اسی نے انسان کو پیدا کیا' اسی نے اسے بولنا سکھایا ہے......سورۃ رحمان آیات ا۔۵)

قرآن خدا کی اس قدرت کا مادی مظہر ہے جس سے اس نے انسان کو بولنے' سمجھنے پہچاننے' اشیاء کی قدر و قیمت سمجھنے اور اپنے عقائد کا معقولیت کے ساتھ اظہار کرنے کی صلاحیت بخشی ہے۔اے قرآن آج رات میں تجھے اپنی گود میں لئے بیٹھا ہوں' تیری موجودگی کی وجہ سے اپنے وجود پر شرمسار ہورہا ہوں' مگر میں کہاں جا سکتا ہوں؟ میں نہ تو ایسا نوری ہوں اور نہ اتنا پاک ہوں کہ تیرے اندر تحلیل ہوسکوں' چنانچہ اب تیری الوہیّت (Divinity) کو اپنی انسانی روح کے اندر سمونے کی کوشش کر رہا ہوں۔کیا میں اس میں کامیاب ہوجاؤں گا؟ اگر اب نہیں تو کیا آئندہ کبھی کامیاب ہوسکوں گا؟

اے میرے قرآن! اے میرے محبوب کلام' اے وہ کلام جس نے سب کلاموں کو تخلیق کیا' وہ جو سب کلاموں سے مقدّم ہے اور جس نے ہر کسی کو اسلوبِ اظہار سکھایا' جب تو کسی انسان کے پاس آ جاتا ہے تو یہ اس انسان کے لئے سب سے بڑی سعادت ہوتی ہے۔ تو خدائی روحانیت کا لفظی اظہار ہے اور بندوں کے لئے خدا کو اپنے درمیان محسوس کرنے کا معتبر ترین ذریعہ ہے۔تیرا ہمارے پاس آ جانا ہمارے لئے ایک عظیم اعزاز بھی ہے اور ایک عظیم ذمہ داری بھی۔ میں تجھے سمجھنا چاہتا ہوں لیکن اپنی گونا گوں کمزوریوں' الجھنوں اور شکوک

MashalBooks.org

کی وجہ سے ایسا نہیں کر سکتا، مگر تجھ سے ایسی محبت رکھتا ہوں کہ تجھے سمجھنے کی کوشش کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ مجھے تجھ سے بے پناہ محبت ہے۔ یہ سوچنا بھی بڑی جسارت ہے کہ میں تجھ سے محبت کرتا ہوں، درحقیقت میں تجھے سمجھنا چاہتا ہوں۔

امام علیؑ (متوفی ۴۰ھ/ ۶۶۱ء) نے ایک بار کہا تھا کہ ''نیند دن کے ارادوں کو منہدم کر دیتی ہے'' اسی لئے میں نہیں سوتا، کبھی نہیں سوتا، اپنی راتیں، تیرے لفظوں اور حرفوں کو سمجھنے اور اپنے اندر اتارنے کی کوششیں کرتے کرتے گزار دیتا ہوں۔ تیرا ہی تو کہنا ہے۔

اِنَّ ناشِئَۃَ الَّیلَ ھِیَ اَشَدُّ وَطْاً وَاَقْوَمُ قیلاً O (''درحقیقت رات کا اٹھنا نفس پر قابو پانے کے لئے بہت کارگر اور قرآن پڑھنے کے لئے موزوں تر ہے...... سورۃ المزمل آیت ۶) تو پھر میں کیسے سو سکتا ہوں؟ میں سوچتا رہتا ہوں کہ اگر سو گیا تو تیرے نور کی کوئی کرن جو مجھے اندھیرے میں تلاش کرتی ہوئی ادھر آئیگی، میرا بے ہوش ذہن اس کا کیسے استقبال کر سکے گا۔ اس لئے میں جاگ کر اس کی آمد کا انتظار کرتا ہوں اور دعا کرتا رہتا ہوں کہ وہ آکر مجھے پالے۔

اے میرے قرآن جب تو مجھے پالے گا تو کیا پائے گا؟ تو ایک قاری کو پائے گا جس کی صلاحیتیں اور تجربات بہت محدود ہیں اور جہالت اور تعصّبات سے گھرا ہوا ہے۔ تو ایک ایسے قاری کے پاس پہنچے گا جو تجھے سمجھنے کی کوشش کرتے ہوئے تیرے متن اور تیرے مصنف اور خود اپنے بارے میں بھی خاک کے بنا تا رہتا ہے۔ امام علیؑ فرماتے ہیں ''قرآن تو محض ایک کتاب ہے جو دو سرِ ورقوں (Covers) کے درمیان پائی جاتی ہے...... اصل تو وہ انسان ہیں جو اسے پڑھتے ہیں، اسے سمجھتے ہیں اور اسے نافذ کرتے ہیں''۔ قرآن ایک متن (Text) ہے جو اس کے مصنف اور اس کے قاری کے مابین واسطہ بنتا ہے۔ مصنف اس قاری سے اپنے احکامات کی پیروی کرنے کا مطالبہ کرتا ہے۔ اس طرح قاری کو اس پر عمل کرنے کا پابند اور مکلّف کر دیا گیا ہے۔ وہ ذاتِ باری انسان کو مجبور کرتی ہے کہ پڑھتے ہوئے اسے سمجھنے کی کوشش کرے اور اس کے احکامات کو عملی جامہ پہنائے۔ مگر ہم نے کیا کیا؟ ہم اپنی تاریخ کے تمام ادوار میں تجھ پر بحث مباحثہ کرتے رہے کہ تو...... ''مخلوق'' (Created) ہے یا ''غیر مخلوق'' (Uncreated)؟ تیرے لفظوں سے جو مفہوم نکلتا ہے کیا وہی مطلوب ہے؟ یا یہ الفاظ بطور استعارہ استعمال ہوئے ہیں؟ تو قابل ادراک ہے یا مافوق الادراک؟ ہم اصولوں،

تاریخ' اخلاقیات اور قوانین پر بحث کرتے رہے' جبکہ درحقیقت ہم تیرے ذریعے خود اپنی تعمیر میں مصروف رہے' ہم یہ بحث کرتے رہے کہ ہم کون ہیں اور کیا ہیں؟ پھر بحثیں ختم ہو گئیں اور ''طریق کار'' (Process) کی عملیت (Dynamism) تعطل اور جمود کا شکار ہو گئی کیونکہ ہم نے یہ عقیدہ اختیار کر لیا کہ قرآن کا قاری ایسا ہی مقدس (Divine) اور غیر متبدل (Immutable) ہے جیسے اس کا مصنف۔

لیکن یہاں کانفرنس آف بکس میں بحث مباحثہ اب بھی جاری ہے اور'' حرکیاتی دریافت'' (Dynamic Discovery) کا سلسلہ اس لئے رکتا ہے کہ اسے دوبارہ شروع کیا جا سکے۔ پرنسٹن (نیوجرسی) کے باہر اس چھوٹے سے اپارٹمنٹ میں اسلامی تہذیب ......قرآنی تہذیب اب بھی موجود ہے جو ہر رات اپنے آپ کو دہراتی ہے۔ کیا دنیا کی کسی تہذیب میں کسی واحد کتاب نے اس سے پہلے ایسا مرکزی کردار ادا کیا ہے؟ کیا اس سے پہلے کوئی تہذیب ایک متن...... واحد متن پر استوار رہی ہے؟ کیا ہم'' تہذیب قرأت وخواندگی'' (Civilization of Reading) نہیں تھے؟۔ ایسا کیوں ہو؟ کہ قرأت و خواندگی پر مبنی تہذیب اپنا فنِ قرأت وخواندگی بھول گئی! ایسا کیوں ہوا کہ کتاب والے ہی کتابوں سے نفرت کرنے لگے؟۔ میرے خدا تیرا ارشاد ہے کہ'' وہ خدا کو بھول گئے جس پر تو نے ایسے اسباب پیدا کر دیئے جن کی وجہ سے وہ پھر خود کو بھی بھول گئے'' لیکن کوئی خود کو اسی وقت فراموش کرتا ہے جب وہ اپنے آپ کو پڑھنے کے قابل نہ رہے۔ کیا اسی وجہ سے ہم نے تجھے بھلایا تھا؟ اور اسی طریقے سے ہم نے فنِ خواندگی و قرأت (Art of Reading) کو بھلایا تھا؟

شاید چند احمقوں کا خیال تھا کہ ایک'' واحد کتاب'' تمام دوسری کتابوں کی جگہ لے سکتی ہے۔ شاید یہ احمق آج کے دن اور آج کے دور میں بھی یہی سمجھتے ہیں کہ چونکہ ہمارے پاس ''ایک کتاب'' ہے' ہمیں دوسری کتابوں کی کوئی ضرورت نہیں' لیکن کتابیں دوسری کتابوں کی آمد کو نہیں روکتیں۔ بلکہ مزید کتابوں کو وجود میں لاتی ہیں۔ مجھے ایک آیت یاد آ رہی ہے:

وَقالَ الّرسُوْلُ یارِبّ اِنّ قومی اتّخَذُوْ اھٰذَ القرآنَ مَھْجُوْراً O ۔(اور رسول کہے گا کہ'''' اے میرے ربّ میری قوم کے لوگوں نے قرآن کو چھوڑ رکھا تھا'' ......سورۃ الفرقان آیت ۳۰) یہ بات میری روح کو شدید کرب سے دوچار کر دیتی ہے۔ کسی کتاب سے اس سے

زیادہ لاتعلقی کیا ہوسکتی ہے کہ اس کتاب کی روح کی نفی کر دی جائے؟ ۔اگر ہم نے ''اصل کتاب'' (The Text) کو ہی ترک کر دیا ہے تو دوسری کتابوں کو ترک کر دینا چنداں تعجب خیز نہیں ہے۔

لیکن آج کی رات برکتوں والی رات ہے' کیونکہ یہ کانفرنس تیرے بارے میں منعقد کی گئی ہے' تیرا ہی فرمان ہے:...... '' طٰہٰO مَآ اَنْزَلْنا علیک القراٰن لِتَشْقٰٓیO (طٰہٰ' ہم نے یہ قرآن تم پر اس لئے نازل نہیں کیا ہے کہ تم مصیبت میں پڑ جاؤ''......سورۃ طٰہٰ ۱'۲) چنانچہ میں کسی پریشانی میں نہیں پڑوں گا اور نہ مایوسی سے دوچار ہوں گا۔ میں کیسے مایوس ہوسکتا ہوں میں تو تیری پر رونق اور بابرکت مجلس میں بیٹھا ہوا ہوں۔ جب سے اللہ نے تجھے نازل فرمایا ہے تو نے ہر سُو روشنیاں ہی روشنیاں بکھیری ہوئی ہیں۔تو نے اللہ کے کتنے ہی جلووں کو عام کیا ہے؟ کتنی ہی آہیں بلند ہوئی ہیں' کتنے ہی آنسو بہے ہیں اور کتنے ہی خیالات نے جنم لیا ہے؟ تو نے بیشمار کتابوں کو وجود بخشا ہے۔ان میں سے کچھ تیرے بارے میں ہیں اور کچھ تمہاری وجہ سے ہیں' ان کی بڑی لمبی جوڑی فہرست بن سکتی ہے۔اس فہرست کی طوالت دیکھ کر انسان بوکھلا اٹھتا ہے' ہزار ہا کتابیں تیری قواعدِ زبان (گرامر) پر لکھی گئی ہیں' ہزاروں کتابیں تیری تاریخ' تیرے اندازِ بیان' تیرے مقصدِ نزول' تیرے فلسفے اور تیرے قوانین پر لکھی گئیں' کچھ موجود ہیں' کچھ گم ہو چکی ہیں' کچھ مسودات کی شکل میں پڑی ہیں اور کچھ آج رات اس کانفرنس میں پڑی ہیں۔

شروع شروع میں لکھی گئی تفاسیر مختصر' بس ایک جلد پر مشتمل ہوا کرتی تھیں لیکن وہ محبت کا ابتدائی اظہار ہوا کرتی تھیں' اس دور جیسے مفسرین کی سی راست بازی اور دیانتداری دوبارہ واپس نہیں آسکتی' اس عہد کی تفاسیر میں سے بہت سی ناپید ہو چکی ہیں۔سفیان ثوری (متوفی ۱۶۱ھ/ ۷۷۷ء) اور عبدالرحمان السدّی (متوفی ۱۲۸ھ/ ۷۴۵ء) کی تفاسیر دیکھئے' ان کے افکار کی تازگی دیکھئے اور بے باکی کے ساتھ ساتھ حد سے بڑھی ہوئی احتیاط بھی ملاحظہ فرمائیے۔اس سے کہیں زیادہ دلیر مقاتل ابن سلیمان (متوفی ۱۵۰ھ/ ۷۶۷ء) نکلا جس کی تفسیر چھپ نہیں سکی۔ دراصل وہ ایک دفعہ چھپ گئی تھی مگر مصری حکومت نے تاریخ کے چودہ سو برسوں کو کالعدم کرنا ہی مناسب جانا اور اس پر پابندی عائد کر دی۔ مجھے آج جیسی وہ رات کبھی نہیں بھولے گی جب میرے ایک کتاب نواز دوست اور میں نے اس کے مسودے کی

مائیکروفلم حاصل کر لی اور بڑے جوش وخروش سے رات بھر میں اس کے پرنٹ اور نقول تیار کر لیں' کیونکہ ہم تاریخ کی منشا کا علم بلند کر رہے تھے۔مقاتل! تم گھبرانا مت' تم یقیناً غالب رہو گے۔کئی برس پہلے ابن جریرالطبری (متوفی ۳۱۰ھ/۹۲۳ء) کی تحریروں پر بھی پابندی لگانے کی کوشش کی گئی تھی۔لیکن آج اس کی تفسیر قرآن بکثرت دستیاب ہے' طبری نے قرآن کو اس کے تاریخی سیاق وسباق کے لحاظ سے مرتب کرنے کی کوشش کی۔لیکن اس کی بجائے وہ بہت سا اساطیری مواد دوبارہ سامنے لے آیا۔ آج بہت سے لوگ اس کی اساطیریات (Mythology) کو تاریخ سمجھے بیٹھے ہیں۔

ابوالحسن الماوردی (متوفی ۴۵۰ھ/ ۱۰۵۸ء) جیسی دیانت شاید ہی کہیں اور ملتی ہو۔اس نے ہر آیت کے معنی اور مفہوم کی وضاحت کے لئے چار پانچ آراء دے دی ہیں' تاکہ قارئین از خود منشائے خداوندی کی تہہ تک پہنچ سکیں۔اس نے ان لوگوں کیلئے جو کہتے ہیں کہ انسان اللہ تعالیٰ کے تصور کو اپنے ذہن میں نہیں لاسکتا' بڑی خوبصورت باتیں کہی ہیں۔تقریباً سو سال بعد معتزلی الزمخشری (متوفی ۵۳۸ھ/۱۱۴۴ء) اور شیعی الطبرسی (متوفی ۵۴۸ھ/۱۱۵۳ء) کی مربوط تحریریں سامنے آئیں۔دونوں حضرات اس امر کی شہادت (Testament) ہیں کہ اللہ کی ذات پر غور کرنے سے ذہنوں کو بے پناہ وسعت ملتی ہے۔تاہم طبرسی نے آج کے فرقہ پرستوں کو شرمندہ کر دیا ہے جبکہ زمخشری نے صوفیوں اور تصوف سے اپنی نفرت وعناد کو بھی ڈھکا چھپا نہیں رکھا۔ جیسا کہ فخر الدین رازی (متوفی ۶۰۶ھ/۱۲۸۰ء) اپنے حسن کی دنیا میں مستغرق ہو کر ہر قرآنی کانفرنس میں بیٹھتا ہے' اس کی تیس جلدوں پر مشتمل تفسیر الٰہیاتی نغموں کو بڑی مہارت کے ساتھ مقفّی عبارتوں میں ڈھال ڈھال کر سامنے لا رہی ہوتی ہے۔ یہ تاریخ کی کتنی بڑی ستم ظریفی ہے کہ شیراز میں رہنے والے ایک ایرانی البیضاوی کی تفسیر کو مصر اور شام میں بے پناہ مقبولیت حاصل ہو گئی اور حدیث کے ایک سکالر ابن کثیر کو قرآن کا ایک مسلّمہ مفسر تسلیم کر لیا گیا۔

سینکڑوں سکالروں نے قرآن مجید کے متن کا مطالعہ کیا' اسے اپنے اندر جذب کیا اور خود بھی اس میں جذب ہوئے۔اس نے انہیں تبدیل کیا لیکن جواب میں انہوں نے بھی اسے تبدیل کر دیا' میں نے ان کی تفاسیر ''حقیقی سچ'' (Inherent Truth) کی تلاش کے لئے نہیں بلکہ '' تبدیلی کی سچائی'' (Truth of Transformation) جاننے کے لئے

پڑھیں اور اپنی تبدیلی جاننے کی بھی کوشش کی۔ مختصر ترین لفظوں میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ جب میں تجھے پڑھتا ہوں تو اپنے آپ کو پڑھتا ہوں۔ کوئی بھی تفسیر سچائی تک پہنچنے کے لئے مشینی (خودکار) ذرائع مہیا نہیں کرتی۔ بلکہ صرف راستے کی طرف اشارہ دیدیتی ہے۔ یہ تلاش کے طریقوں کی مثالیں اور نمونے پیش کرتی ہیں' خود انکشاف (Discovery) نہیں ہیں۔ مصدقہ اور مستند سچ اس وقت منکشف ہوتا ہے جب نفس' اپنے توارث کا شعور حاصل کرنے کے بعد تبدیلی قبول کرلے اور یہ تبدیلی متنِ قرآن سے آتی ہے۔

اے خدا تو اعلان کر رکھا ہے کہ...... اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰه عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ (حکم اس کے سوا کسی کا بھی نہیں چلتا' اسی پر میں نے بھروسہ کیا اور جس کو بھی بھروسہ کرنا ہو اسی پر کرےO......سورۃ یوسف آیت ٦٧) لیکن میں اپنے نفس کے ساتھ پنجہ آزمائی کر رہا ہوں تاکہ تجھ پر بھروسہ کرنے کے قابل ہوسکوں اور اس طرح میری قلبِ ماہیت ہو سکے۔ اے خدا تو نے یہ بھی فرمایا ہے......"ما كانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الكتابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّي مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِما كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الكتابَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَO (کسی انسان کا یہ کام نہیں ہے کہ اللہ تو اس کو کتاب اور حکم اور نبوت عطا فرمائے اور وہ لوگوں سے کہے کہ اللہ کے بجائے تم میرے بندے بن جاؤ۔ وہ تو یہی کہے گا کہ سچے ربانی بنو جیسا کہ اس کتاب کی تعلیم کا تقاضا ہے جسے تم پڑھتے ہو اور پڑھاتے ہو......سورۃ آلِ عمران آیت ۷۹) چنانچہ میں کسی بھی دوسرے شخص کی اطاعت قبول کرنے اور کسی بھی دوسری کتاب کی پیروی کرنے سے انکار کرتا ہوں' تیری ہی اجازت اور تیرے ہی دیئے ہوئے اختیار کے تحت اپنے آپکو تیری کتاب پڑھاتا ہوں اور دوسری تمام کتابوں کا مطالعہ کرتا ہوں' میرا یہ عمل بھی عبادت ہے اور اس طرح میں تیرا "حکم" تلاش کرتا ہوں۔

اے میرے ربّ تیرا "حکم" فقہ کی کتابوں کے اندر نہیں ہوسکتا۔ تیرا "حکم" ان ذہنوں کے اندر ہے جو فہم رکھتے ہیں اور فقہ کی کتابوں کا مطالعہ کرتے ہیں۔ بہت سے لوگوں نے قرآن کے قوانین کے بارے میں لکھا ہے۔ ان میں سے بعض آج رات یہاں اس کانفرنس میں ہیں۔ حنفی الجصاص (متوفی ۳۷۰ھ/۹۸۰ء) شافعی الکیا الحراسی (متوفی ۵۰۴ھ/۱۱۱۰ء) اور مالکی ابن العربی (متوفی ۵۴۳ھ/۱۱۴۸ء) یہاں موجود ہیں' ان کے لکھے ہوئے مجموعہ

ہائے فقہ بھی پڑے ہوئے ہیں' تو جانتا ہے کہ یہ مجموعے مجھے کتنے عزیز ہیں' میں ان سب سے مشورے لیتا رہتا ہوں' لیکن یہ سمجھنا اور کہنا بہت بڑی جسارت کہ ان کتابوں میں درج قوانین تیرے ''حکم'' کے مساوی ہیں' کیا تیرے حکم کو کسی قانون کے اندر محدود کیا جا سکتا ہے' یا یہ قوانین تیرے ''حکم'' کو محدود (Limit) کر سکتے ہیں؟ نہیں ہر گز نہیں ۔ تیرا ''حکم'' اُس طریقِ عمل (Process) کے اندر ہے جو قانون کے معانی اور مطالب تلاش کرنے کے لئے اختیار کیا جاتا ہے۔ قوانین نہ کسی کو تبدیل کرتے ہیں' نہ کسی کی کایا پلٹ سکتے ہیں اور نہ ہی کسی کے دل و دماغ کو روشن کرتے ہیں۔ لیکن قانون کے پیچھے کارفرما معانی کایا بھی پلٹیں گے اور ضمیر کو بھی روشن کریں گے یعنی ''Transformation'' اور ''Enlightenment'' دونوں ہو جائیں گی۔

اب خاصا وقت گزر چکا ہے' رات کا کارواں گزر رہا ہے۔ کتابوں کی تہذیب کو اپنی کانفرنس کے اختتام کا اعلان کرنا چاہئے۔ لیکن کانفرنس کبھی ختم نہیں ہوتی' ملتوی ہوتی ہے۔ میں تمہیں دوبارہ شیلف میں رکھتے ہوئے دعا کرتا ہوں کہ اے خدا مجھے اپنی کتاب کو پس پشت ڈالنے پر معاف فرما' تیری اس واحد کتاب نے ہمیں کتابوں کی تہذیب میں بدل دیا ہے۔ کیا ہم اس تبدیلی کو ہمیشہ یاد رکھ سکیں گے؟ کیا اس قوم کے افراد ایک بار پھر تیری امت میں' ڈھل سکیں گے جو کہ کتابوں کی قوم کی حیثیت سے اپنی شناخت رکھتی ہے؟

فروری ۱۹۹۶

باب 6

لامتناہی کانفرنس

قرآن میں آتا ہے...... " یٰاَیُّھَاالنّاس اِنّا خَلَقْنٰکُمْ مِنْ ذَکَرٍ وَّاُنْثٰی وَ جَعَلْنٰکُمْ شعُوْباً وَّقبائِلَ لِتعارَ فُوْا اِنَّ اِکْرَمَکُمْ عِندَاللّٰہ اَتْقٰکُمْ

(لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اورایک عورت سے پیدا کیا اور تمہاری قومیں اور برادریاں بنادیں تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچانو' درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جوتمہارے اندرسب سے زیادہ پرہیزگار ہے......

(سورۃ الحجرات آیت ۱۳)

اس آیت کے حوالہ سے کانفرنس پھر شروع ہوگئی۔ یہ وہی کانفرنس ہے لیکن مختلف وقت اور مختلف مقام پر۔ یہ ایک لامتناہی کانفرنس جو کبھی ختم نہیں ہوتی' اگرچہ حاضرین کی آمدورفت جاری رہتی ہے۔

جگہ تبدیل کردی گئی ہے۔ یہ پرنسٹن نیوجرسی کے پُرہجوم اپارٹمنٹ کے بجائے آسٹن ٹیکساس کے ایک پرہجوم گھر میں منعقد ہورہی ہے۔ وقت اور جگہ کی تبدیلی کوئی اہمیت نہیں رکھتی' یہ کانفرنس اپنے وقت اور مقام پر ہورہی ہے۔ یہ اپنے مقام کا خود تعین کرتی ہے۔

میں نے سال بھر کے لئے اس کی رپورٹنگ کرنے کا سلسلہ بند کئے رکھا تھا' ایسا نہیں ہے کہ میں اس کی وجہ بتا نہیں سکتا لیکن کتابوں کی گرج دار ''تقاریر'' نے مجھے اپنی زبان بند رکھنے پر مجبور کردیا۔ اگر آپ ہر کتاب کی ''تقریر'' سننے بیٹھ جائیں تو پھر کبھی بھی بولنے کا موقع نہیں آئے گا۔ لیکن مسئلہ بے حد اہمیت رکھتا ہے یہ اسلامی کتابوں کی کانفرنس ہے۔ اس کانفرنس کی کارروائیاں سرگوشیاں اور بڑبڑاہٹیں ایسی زبان میں ہیں جو اس علاقے اور اس

زمانے کی زبان نہیں ہے۔ یہاں بولے جانے والے فقرے' جملے' بحثیں اور رموز واشارات ایک ایسی کتاب کے اندر موجود ہیں جو اس زمانے کی کتاب نہیں ہے' بلکہ ایک لافانی اور لازوال کتاب ہے' گویا ہر دور میں اسے سمجھنے والے بھی موجود ہیں اور موجود رہیں گے۔ یہ کتابوں کا ایک ناگزیر مخمصہ ہے۔ یہ بیک وقت مقدس متن بھی ہیں اور موجودہ دور کی متداول کتابیں بھی۔

اس کانفرنس میں سینکڑوں کتابیں ایک دوسری سے محوِ گفتگو ہیں' ان میں ہر قسم کی کتاب موجود ہے۔ سیرت کی کتابیں' حدیث اور فقہ کی کتابیں' تفسیر' اصول اور ادب کی کتابیں ایک دوسری کو اپنا احوال سنا رہی ہیں۔ تاہم میری کتابو...... اس ماحول میں تمہارا کوئی پرسانِ حال نہیں' تم تاریخ کے کسی اور عہد سے تعلق رکھتی ہو۔ یعنی تم ترتیبِ زمانہ کی غلطی (Anachronism) کا مظہر ہو۔

یہاں اس وقت اور اس مقام پر تم ایک نادر چیز (Show-piece) کے طور پر پڑی ہو۔ ایک ''مستشرق'' (Orientalist) تمہیں ''دوسروں'' کے پست ہونے کے ثبوت کے طور پر استعمال کرتا ہے اور ایک ''مشرقی'' (Oriental) تمہیں اس لئے استعمال کرتا ہے کہ اسے ''دوسرا'' ہونے پر قابل معافی سمجھ لیا جائے۔ جہاں تک باقی ماندہ لوگوں کا تعلق ہے ان کے لئے تم ''ناقابل فہم'' ہو۔ تمہاری زبان ان کے لئے گزرے زمانے کی دقیانوسی زبان ہے۔ تمہاری رموز اور علامات ان کے لئے ''نامانوس'' ہیں۔ تمہارے عنوانات اور اصطلاحات (Terminology) ان کے لئے عجیب وغریب ہیں اور پڑھنے والوں کے صبر کے امتحان کا درجہ رکھتی ہیں۔ اس لئے عہد حاضر کے لوگ تجھے نظر انداز کر کے آگے چل پڑتے ہیں۔

یہاں اس مقام اور اس عہد کے لوگوں کے لئے تمہاری درجہ بندیاں اور تمہاری اصطلاحات کوئی معنی نہیں رکھتیں: مثلاً ''حُسن'' یا ''قبح''، ''علل'' یا ''مقاصد''، ''عام'' یا ''مقیّد''، ''ظن'' یا ''یقین'' وغیرہ ان کے لئے نامانوس اصطلاحیں ہیں۔ ان کے پسندیدہ موضوعات یہ ہیں: ''کاروباری خسارہ''، ''حصص''، مارکیٹ کی تیزی یا گر جانا' ہیلتھ انشورنس' گروہی تشدد' جنسیت (Sexism)' لڑکی سے بوائے فرینڈ کی دست درازی' نشے میں ڈرائیونگ' نوخیز لڑکیوں کا حمل وغیرہ' اس نسل کو ایسے موضوعات سے فرصت ملے تو وہ سنجیدہ موضوعات کی طرف متوجہ ہوگی۔ اس کے باوجود میں جانتا ہوں کہ تم لازوال اور ناقابل تغیّر

MashalBooks.org

ہو کیونکہ تمہیں ہر دور کے سنجیدہ اور گھمبیر مسائل کا حل بتانا ہے۔

میری پیاری کتابو...... لوگوں کے اندر منشائے الٰہی دریافت کرنے کی شدید ترین خواہش پائی جاتی ہے، تم لوگوں کی اس خواہش کا زندہ ثبوت ہو، تم منشائے خداوندی معلوم کرنے کا ذریعہ ہو، تم مقاصد ایزدی کی تلاش وجستجو کی زندہ دستاویز اور فرمانبرداریٔ ربّ کی مثالوں کا مجموعہ ہو۔ تم اطاعت کا زندہ ثبوت ہو لہٰذا تم اسلام کا بھی زندہ ثبوت ہو۔

خدا نے کہا...... ''ہم نے تمہیں شعوب (اقوام) اور قبیلے بنایا'' لِتَعارفُوْ'' ......تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو...... لیکن لفظ ''عَرَف'' (جاننا) بہت گہرا ہے۔ اس کے اصلی معنوں کے ساتھ اضافی معنی......شفقت، لطف وکرم، جود وسخا، رواداری اور صبر کے ہیں۔ آگے اس کی مختلف شکلوں میں اس کے معنی......دریافت کرنا، تبصرہ کرنا، نشاندہی کرنا، کسی چیز کو تلاش کرنا، شناخت کرنا وغیرہ بھی ہیں۔ معنوں کے یہ تمام درجے، علم ہی کا ایک ''طریق عمل'' (Process of Knowledge) ہیں۔ جاننے کا مطلب، سیکھنا اور سکھانا...... دوسروں کے بارے میں جاننا اور اپنے بارے میں بتانا اور سکھانا ہے۔ اسی کو ''تعارف'' کہا جاتا ہے اور سیکھنا اور سکھانا، اس وقت تک مکمل نہیں جب تک اس میں شفقت، رواداری اور صبر وبرداشت شامل نہ ہو۔

اے میری کتابو......تمہاری سٹوری اور تمہارا پیغام، پھیل جانا چاہئے۔ سیکھنے اور سکھانے یعنی پڑھنے اور پڑھانے کے لئے ضروری ہے کہ ہمیں اپنی ذات کا عرفان حاصل ہو اور یہ کام تمہارے بغیر ممکن نہیں۔ پیغمبر اسلام کا ارشاد ہے '' مَن عَرَفَ نَفسَہٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہٗ'' (جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا، اس نے اپنے رب کو پہچان لیا) چنانچہ خدا کو جاننے کے لئے ضروری ہے کہ خدا کی مخلوق کو جانا جائے اور تمام اقوام اور قبیلوں کو خدا کی مخلوق سمجھا جائے۔ اپنی ذات کا علم اور پھر دوسرے کے بارے میں علم کتنا گرانقدر اور اعلیٰ وارفع طریق کار ہے کہ وہ بالآخر اللہ کے علم تک جا پہنچتا ہے اور یہ سب تمہارے ذریعے ہی ہوسکتا ہے۔

اگر تم اس ''وقت'' اور اس ''مقام'' کے لحاظ سے ''دقیانوسی'' (Outdated) یا ''غیر متعلقہ'' (Irrelevant) ہو تو اس وجہ سے ہو کہ ہم ''دقیانوسی'' اور ''غیر متعلقہ'' ہیں۔

تم مجسم سچائی (Enbodiment of Truth) نہیں ہو، کوئی اور بھی ایسا نہیں ہے لیکن تم سچائی کا مدلل ثبوت (Demonstrative proof)، علم کی لازوال صداقت اور اس کے حصول کا مدلل طریق کار ہو۔ یہ طریق کار اور صداقت پر مبنی ہے۔ شفقت پر، رواداری پر اور صبر وتحمل پر اس لحاظ سے یہ ہر دور اور ہر زمان ومکان سے ''متعلقہ'' (Relevant) ہے۔ اگست ۱۹۹۶)

باب 7

کچھ دغا بازی کے بارے میں

''وہ تو فطری طور پر ہی دغا باز تھی''۔ اس نے یہ بات اس وقت کہی جب میں نے اس سے بیوی سے علیحدگی اختیار کر لینے کے بارے میں استفسار کیا۔

''دغا باز...... کیا یہ لفظ زیادہ سخت نہیں ہے؟''

''نہیں''...... اس نے جواب دیا اور مزید وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ ''تم مسلم معاشرے کے مسئلے کو جانتے ہی ہو۔ مجھے اس کا مردوں سے بات چیت کا انداز قطعاً پسند نہیں تھا اور پھر اس کا چال چلن بھی کچھ ٹھیک نہیں تھا''۔

مجھے شدید کوفت ہوئی جسے اس نے محسوس کر لیا۔ میں بڑبڑاتا ہوا کرسی سے اٹھا...... ''اچھا' ان شاء اللہ ٹھیک ہو جائے گا''۔ میرا اٹھنا اس امر کا اشارہ تھا کہ میں اپنے معمولات سے لیٹ ہو رہا ہوں۔ ''بہتر ہے کہ اب میں اپنی کتابوں کی طرف توجہ دوں''۔ میں سوچ رہا تھا' خدا کا شکر ہے کہ انہوں نے شادی نہیں کر لی تھی۔ اتنے میں وہ باہر نکل چکا تھا اور میں نے پیچھے سے دروازہ بند کر لیا۔

اب کتابوں کی کانفرنس کا وقت ہو چکا ہے مجھے اپنے ذہن کو فارغ کر لینا چاہئے۔ مجھے اپنے ہم سخن ساتھیوں سے عزت کا سلوک کرنا چاہئے اور کتابوں پر بھرپور توجہ دینی چاہئے۔ لیکن زندگی کے امتحان سخت مشکل ہوتے ہیں۔ میرے اس دوست کے اس بیان کے پیچھے کیا چھپا ہوا ہے کہ ''مجھے اس کا مردوں سے بات چیت کا انداز قطعاً پسند نہیں تھا اور پھر اس کا چال چلن بھی کچھ ٹھیک نہیں تھا'' کیا یہ کسی بدی کا پیشگی اندازہ کر لینے کی اہلیت کا معاملہ ہے۔ یا

لوگوں کے رجحانات بھانپ لینے کی صلاحیت کا مظاہرہ ہے؟ کیا یہ گناہِ بدگمانی ہے؟ یا احمقانہ سوچ کا شاخسانہ؟ کیا یہ پدرسری پر مبنی جنسی امتیاز (Sexism) کی روایت کا نتیجہ ہے کہ مردوں کے لئے جو کام جائز اور روا سمجھے جاتے ہیں وہ عورتوں کے لئے ممنوع بلکہ قابل گردن زدنی قرار دیدیئے جاتے ہیں؟۔ میرا یہ دوست ان میں سے کس کے بارے میں کہہ رہا ہے؟ دغابازی کے بارے میں یا دغابازی کے امکان کے بارے میں؟

وہ مسلمان معاشرے کے کس مسئلے کا حوالے دے رہا تھا؟ میں اس پر بے چین ہو گیا' میں نے خود کو ملامت کیا کہ مجھے ایسی کیا جلدی تھی کہ جس کی خاطر میں نے اسے فوراً چلتا کر دیا اور یہ بات میرے دل میں رہ گئی۔ یہ واقعی پوچھی جانے والی بات تھی۔ امریکہ میں مقیم مسلمانوں میں طلاق کی شرح اتنی نامعقول حد تک زیادہ کیوں ہے؟ جبکہ دوسری اقوام میں اس سے کہیں کم ہے' لیکن کیا طلاق اپنی تعریف کے حوالے سے ''دغابازی'' ہی کی ایک قسم نہیں ہے؟ شادی کی عمارت وعدے کی بنیاد پر تعمیر ہوتی ہے' خدا نے اس وعدے کو ''مقدس عہد'' کہا ہے' طلاق اس وعدے یا مقدس عہد کو توڑ دینے کا نام ہے۔

لیکن دغابازی کی تعریف (Definition) کیا ہے؟ کیا محض وعدے کو توڑ دینا' دغا بازی ہے؟ میں نے ابن حزم (متوفی ۴۵۶ھ/۱۰۶۴ء) کی کتاب ''طوق الحمامۃ'' (The Ring of Dove) اٹھائی۔ ابن حزم ایک مشہور ظاہری مکتبۂ فکر سے تعلق رکھنے والا فقیہہ ہے' اس نے یہ کتاب ''شاطبہ'' (Jativa) اندلس میں ۴۱۸ھ بمطابق ۱۰۲۷ء میں لکھی تھی۔ مصنف نے اس کے لئے ازمنۂ وسطیٰ کے ''درباری عشق'' کا حوالہ دیا۔ اس دور میں اشرافیہ طبقے کی خواتین اور ان کے عاشقوں کے درمیان تعلق ایک مثالی محبت شمار ہوتا تھا' بعد ازاں یہ تصور یورپ پہنچا اور اٹلی اور جنوبی فرانس کے عشقیہ شاعروں (Troubadours) نے اس پر خوب طبع آزمائی کی اور اسے بے حد مقبول بنا دیا۔ میں ورق پلٹاتے پلٹاتے جب ''بے وفائی اور دغابازی'' کے باب پر پہنچا تو وہاں لکھا تھا: ''چونکہ ازدواجی وفاداری نہایت اعلیٰ و ارفع صفت ہے' اس لئے دغابازی اور بے وفائی انتہائی درجے کی کمینگی اور قابل نفرت حرکت ہے'' ...... میں نے سارا باب ختم کر لیا' مگر مجھ کہیں بھی ''دغابازی اور بے وفائی'' کی تعریف نہیں ملی' اس اقدام کا صرف ذکر کیا گیا ہے۔

میں نے قرآن مجید کھولا تو یہ آیت ملی۔ '' ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلاً لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ

نُوۡحٍ وَّ امۡرَاَت لُوۡطٍ کَانَتَا تَحۡتَ عَبۡدَیۡنِ مِنۡ عِبادِنَا صالِحیۡنِ فَخَا نَتٰھُما فَلَمۡ یُغۡنِیَا عَنۡھُمَا مِنَ اللّٰہِ شیئًا"O (اللہ کافروں کے معاملہ میں نوحؑ اور لُوطؑ کی بیویوں کو بطور مثال پیش کرتا ہے۔ وہ ہمارے دو صالح بندوں کی زوجیت میں تھیں۔ مگر انہوں نے اپنے شوہروں سے خیانت کی اور وہ اللہ کے مقابلے میں ان کے کچھ بھی کام نہ آ سکے......سورۃ التحریم آیت ۱۰)۔ پھر سوال یہ ہے کہ نوحؑ اور لُوطؑ کی بیویوں نے اپنے شوہروں سے کیسے دغا بازی کی؟ نوحؑ کی بیوی اپنے شوہر کو پس پشت "پاگل" کہتی تھی اور لوطؑ کی بیوی نے حضرت ابراہیم کے مہمانوں کے بارے میں مخبری کی تھی۔ یہاں "دغا" سے مراد لازمی طور پر وعدہ شکنی نہیں ہے بلکہ اعتماد کی خلاف ورزی ہے۔ کیا اعتماد (Trust) کی ہر خلاف ورزی' "دغا بازی" ہے؟ مجھ پر کوئی شخص بھی اعتماد کر سکتا ہے خواہ میں نے اسے اعتماد کرنے کے لئے نہ بھی کیا ہو۔ مثال کے طور پر ایک شخص مجھ سے توقع باندھ لیتا ہے کہ میں اس کا وفادار دوست بنوں گا' لیکن میں اس کی دوستی کو قبول ہی نہیں کرتا۔

میں نے اس سوال پر مزید غور کیا۔ دغا بازی محض اعتماد کی خلاف ورزی نہیں بلکہ اس اعتماد کی خلاف ورزی ہے جسے قبول کر لیا گیا ہو۔ بہ الفاظ دیگر اگر کوئی شخص اس اعتماد کو قبول کرتا ہے جو اس پر کسی مرد یا عورت نے کیا ہے تو اس طرح اس نے قابلِ اعتماد ہونے کی توقع پیدا کی ہے۔ اس طرح "پیدا شدہ توقع" (Induced Expectation) کی خلاف ورزی' دغا بازی کہلاتی ہے۔ اس مفہوم میں ہر وعدہ شکنی' دغا بازی بن جائے گی۔ لیکن ہر بڑے گناہ کا مرکزی نقطہ "دغا بازی" ہے کیونکہ اس طرح کوئی شخص دوسرے انسانوں یا خدا سے دغا کرنے سے پہلے اپنے آپ سے دغا بازی کرتا ہے۔ بہ الفاظ دیگر کوئی ایسا ٹوٹا ہوا گھر نہیں' کوئی ایسا مفلوک الحال بچہ نہیں' کوئی ایسی شکست خوردہ قوم نہیں یا کوئی ایسی فراموش کردہ کتاب نہیں' جسے اس حال تک پہنچانے میں کسی نہ کسی قسم کی دغا بازی کا ارتکاب نہ کیا گیا ہو۔ درحقیقت ہر فتنے کی تہہ میں دغا بازی کارفرما ہوتی ہے۔ اَلۡفِتۡنَۃُ اَکۡبَرُ مِنَ الۡقَتۡل. (فتنہ قتل سے بھی شدید تر ہوتا ہے......سورۃ البقرہ آیت ۲۱۷) اگر دغا بازی اتنا سنگین جرم ہے تو اس کا ارتکاب کیسے ممکن ہو جاتا ہے؟ کسی شخص پر کونسی کیفیت طاری ہو جاتی ہے کہ وہ پہلے دوسروں کے دلوں میں اعتماد کی توقع پیدا کرتا ہے (یا کرتی ہے) اور پھر اس کی خلاف ورزی کر کے اپنی تذلیل کا سامان پیدا کر لیتا ہے (یا لیتی ہے)۔ ابن حزم کے الفاظ میں......"لیکن تمہیں معلوم ہونا

MashalBooks.org

چاہیئے کہ دغا بازی اور اس جیسے دیگر بُرے افعال ان لوگوں کو ایسے بُرے نہیں لگتے جو ان کا ارتکاب کرتے ہیں' اس لئے ان لوگوں کو دوگنا بُرے لگتے ہیں جو ان کے ارتکاب سے دور رہتے ہیں''۔ یہ پڑھ کر میں نے زیرِ لب کہا...... '' اِنَ اللّٰہ لا یُحِبُّ الخَائنِینْ''(یقیناً اللہ خائنوں کو پسند نہیں کرتا......سورۃ الانفال آیت ۵۸)

چونکہ میرے دوست نے نادانستہ طور پر ایک پریشان کن موضوع پر مجھے شریک گفتگو کرلیا تھا' میں نے '' اِنّ مع العُسْرِ یُسْراً'' کے بمصداق رات کا باقیماندہ حصہ ابن المرزبان (متوفی ۳۰۹ھ/ ۹۲۱ء) کے ساتھ اس کی کتاب ''فضل الکلاب علیٰ بعضٍ مِنْ الَبِسَ الثیاب'' The superiority of Dogs over Many of Those who wear clothes'' کی معیت میں گزارا جس میں وہ کہتا ہے۔ ''کتے وفادار ہیں اور انسان دغابازی کرنے کی قدرت رکھتے ہیں لیکن کتے وعدے کئے بغیر اور باہمی اعتماد کی توقعات پیدا کئے بغیر وفاداری کرتے ہیں' درحقیقت خدا کی تمام مخلوقات کے اندر ہمارے لئے ایک سبق موجود ہے''۔

ستمبر ۱۹۹۶

MashalBooks.org

باب8

ایک دعا

کسی سوچ' یادداشت اور ضمیر کا درد و کرب' رات کے وقت ابھرتا ہے۔ ان کی راہ میں نہ کوئی رکاوٹ کھڑی کی جاسکتی ہے نہ بند باندھے جاسکتے ہیں اور نہ ان سے فرار ہوا جاسکتا ہے۔ ہم ہر رات اپنے ماضی کے ہاتھوں اس آزمائش میں مبتلا ہوتے ہیں۔ ہماری زندگی گونا گوں سزایابیوں' مشروط رہائیوں اور معلّق سزاؤں کا ایک طویل سلسلہ ہے۔ تو جناب ہم حاضر ہیں' ''کانفرنس آف بکس'' کا میزبان ایک استاد بن گیا ہے۔ لیکن کب اور کیوں؟ شاگرد سے استاد بننے کے بعد پوزیشن تبدیل ہوچکی ہے اور اسی کے مطابق توقعات میں تبدیلی رونما ہوگئی ہے۔ پوزیشن تبدیل ہوئی مگر جسد (Substance) وہی ہے۔ اب طلبا اپنے سوالات لئے قطار در قطار آ رہے ہیں اور میزبان کو ان کے جوابات مہیا کرنے پر خطیر معاوضہ ملتا ہے۔ تاہم یہ ایک بڑے مغالطوں کا کھیل ہے۔ اگر اسے صرف طالب علم رہنے کا معاوضہ ملتا رہتا' وہ ایک لمحہ بھر کے لئے بھی اس کھیل میں شریک نہ ہوتا۔

آج ایک طالبہ یہ کہنے کے لئے آئی کہ اس سے ایک ایسی حرکت سرزد ہوگئی ہے جس پر وہ زندگی بھر کفِ افسوس ملتی رہے گی......اس کی وہ ایک یا دو بار نہیں' کئی بار مرتکب ہوئی ہے۔ اس نے نہایت گھٹیا انداز میں اپنی پیاس بجھانے کی کوشش کی۔ مگر وہ بجھنے کی بجائے مسلسل بڑھتی ہی گئی۔ اسے جذباتی تسکین' تحفظ اور سب سے بڑھ کر توجہ کی ضرورت تھی۔ نہ اسے کوئی سمجھ سکا اور نہ ہی کوئی اسے مطلوبہ راحت بہم پہنچا سکا۔ اب اسے ایک ایسا نوجوان میسّر آ گیا ہے جو اس سے ٹوٹ کر محبت کرتا ہے اور اس سے شادی کرنے کا خواہشمند ہے۔ لیکن اس کا ماضی اپنی جملہ بدشگونیوں سمیت سامنے آ کھڑا ہوا ہے۔

اسے مسجد میں لے جا کر مطلع کیا گیا: اَلزَّانِیْ لا یَنْکِحُ اِلّا زانِیَۃً اَوْ مُشْرِکَۃً وَّ الزَّانِیَۃُ لا یَنْکِحُھَآ اِلَّا زانٍ اَوْ مُشْرِکٌ وَحُرِّمَ ذٰلِکَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَO۔ (زانی نکاح نہ کرے مگر زانیہ کے ساتھ یا مشرکہ کیساتھ اور زانیہ کے ساتھ نکاح نہ کرے مگر زانی یا مشرک اور یہ حرام کردیا گیا ہے اہل ایمان پر......سورۃ النور آیت ۳) پھر وہ پوچھتی ہے ''کیا وہ میرے اس ماضی کے ساتھ مجھ سے شادی کر سکتا ہے؟ کیا اسے میرے ساتھ شادی کر لینی چاہئے؟

یہ سوال ہمیشہ میرے ذہن میں گھومتا رہا' میرا دل درد سے بھر آیا پھر وہ ایک اور سوال جو بہت ہی عام سا ہے' پوچھتی ہے......'' کیا سب لوگ ایسا ہی نہیں کرتے؟ کیا ان کے لئے کوئی فرق پڑتا ہے''؟ لوگ ایسا کھیل خدا کے ساتھ کیوں کھیلتے ہیں؟ جی ہاں ایک فوجداری عدالت کے جج کے لئے اس سے فرق پڑتا ہے لیکن جہاں تک خدا کا تعلق ہے' مجھے اس کا پتہ نہیں' کیا یہ ہمبستری تک کا معاملہ ہے یا اس میں سب کچھ شامل ہے لیکن یہ ایک فنی (Technical) امتیاز ہے۔ قانون فنی امتیازات کے بل بوتے پر فروغ پاتا رہتا ہے لیکن اخلاق ایسا نہیں کرتا۔

میں اس پریشان کن صورتحال سے جان چھڑانے کی کوشش کرتا ہوں اور جلدی سے کہتا ہوں ......'' خدا نے اسی سورۃ کی پانچویں آیت میں فرمایا ہے...... '' اِلّاالَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْ بعدِ ذٰلِکَ وَاَصْلَحُوْا فَاِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۔ (سوائے ان لوگوں کے جو اس حرکت کے بعد تائب ہو جائیں اور اصلاح کر لیں کہ اللہ ضرور (ان کے حق میں) غفور و رحیم ہے) ......پھر وہ کہتی ہے'' یہ ٹھیک ہے کیا یہاں پاکدامن عورتوں پر بہتان باندھنے والوں کو سزا سے مستثنٰی رکھنے کا حوالہ نہیں آیا ہے؟'' میں دل میں سوچتا ہوں......'' واہ! یہ تو گھر سے اچھی تیار کر کے آئی ہے''۔

مجھے کس سطح پر اس کو جواب دینا چاہئے؟ کیا مجھے اس سے پوچھنا چاہئے کہ اس نے ایسا کیوں کیا؟ کیا اس سے کوئی فرق پڑتا ہے کیا اس سے یہ افسوسناک حقیقت تبدیل ہو جائے گی کہ خدا کی امانت کو غلط استعمال کیا اور خدا کا عطا کردہ جسم جو ایک قرضہ تھا' ناجائز مصرف میں لایا گیا؟ کیا میں ان حالات کے دوران پیدا ہونے والے گوناگوں جذبات کے بارے میں باتیں کرتا چلا جاؤں؟ تمہارے گناہوں کے نتیجے میں جو جذبات مجروح ہوئے' ناخوشگوار یادداشتوں نے جنم لیا' اعتماد کو ٹھیس پہنچی' مایوسیاں پیدا ہوئیں اور شکوک ظاہر ہوئے ان میں سے کس کس کا ذکر کیا جائے؟ کہا جاتا ہے کہ عمر ابن خطاب (متوفی ۲۳ھ/۶۴۴ء) نے زمانہ

MashalBooks.org

قبل از اسلام میں اپنی ایک بیٹی کو زندہ دفن کر دیا تھا' انہیں اس کی یاد آخری دم تک ستاتی رہی کہ مٹی تلے دبائے جانے سے پہلے اس معصوم جان نے کس طرح اپنے باپ کے ماتھے پر لگی ہوئی ریت پونچھی تھی' یہ بڑی تلخ حقیقت ہے' گناہ مرتے نہیں' صرف معاف کئے جاتے ہیں۔

خوش قسمتی سے میں نہ وکیل ہوں اور نہ مذہبی مشیر' میں ایک پروفیسر ہوں میں کتابی آراء اور کتاب مقدس کی آیات کے پیچھے چھپ سکتا ہوں۔ میں نے اس سے کہا ''فقہا کے مابین اس آیت کے مفہوم اور عملی اطلاق کے بارے میں اختلافِ رائے ہے'' ایک روایت کے مطابق یہ آیت اس وقت نازل ہوئی تھی جب ایک مسلمان مرد ''ام مہزول'' نامی ایک ایسی عورت سے نکاح کرنا چاہتا تھا جو اپنی طوائف کی زندگی سے تائب ہو چکی تھی' آنحضرتؐ نے اس صحابی کو اس سے شادی نہ کرنے کا مشورہ دیا۔ دوسری روایت میں بتایا گیا ہے کہ یہ آیت اس وقت اتری جب مرثد نامی ایک مسلمان مکہ کی ایک طوائف ''عنق'' سے شادی کا متمنی تھا' پیغمبر خدا نے اسے بھی منع فرما دیا۔ چند دیگر روایتوں کے مطابق یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب مدینہ میں حضرت محمدؐ نے اصحاب صفہ میں سے چند صحابہ کو طوائفوں کے ایک گروپ سے شادی کرنے سے روک دیا تھا۔

بعض شافعی فقہا کا موقف ہے کہ اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ اگر زانی مرد کسی ایسی عورت سے شادی کر لے جو باعصمت ہو تو ان کا نکاح باطل ہو جاتا ہے۔ دیگر فقہاء کہتے ہیں کہ اس آیت کا مقصد معاہدۂ نکاح کے تقدس کی حفاظت کرنا ہے۔ اگر کوئی مرد یا عورت زانی (زانیہ) ہو اور اس حقیقت کو مخفی رکھ کر باعصمت عورت (یا مرد) سے شادی کر لے تو بعد میں جب ان میں سے کسی ایک پر اصل بات منکشف ہو جائے تو اسے طلاق لینے یا دینے کا حق حاصل ہو جاتا ہے۔ فقہا کے ایک اور طبقے نے اس سے اختلاف کرتے ہوئے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ اس کا اطلاق اس مرد یا عورت پر ہوتا ہے جسے زنا کے جرم پر سزا مل چکی ہو۔ ''حد'' کی سزا (ایک سو کوڑے) پانے والا مرد صرف ایسی سزا یافتہ عورت سے ہی شادی کر سکتا ہے اور ایسی عورت ایسے ہی مرد سے شاد کر سکتی ہے۔ ایک اور گروہ کہتا ہے کہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ زنا کے بعد طلاق لازم ہو جاتی ہے۔ ان میں سے کوئی ایک فریق مرتکب زنا ہو جائے تو نکاح ٹوٹ جاتا ہے۔ چند دیگر فقہا کی رائے یہ ہے کہ اگر ایک مرد اور ایک عورت آپس میں زنا کر لیں تو نفاذِ حد کے بعد ان کی لازماً آپس میں شادی کر دی جانی چاہئے۔

فقہاء کی اکثریت کا خیال یہ ہے کہ یہ آیت منسوخ ہو چکی ہے اور یہ کہ اگر ایک زانی یا زانیہ

تائب ہو جائے تو ان میں سے دونوں جس سے چاہیں نکاح کر سکتے ہیں؛ تاہم وہ آگے جس سے بھی نکاح کرنا چاہیں اسے اس حقیقت سے ضرور باخبر کر دیں؛ صحابیٔ رسول عبداللہ بن مسعود (متوفی ۳۲ھ/۶۵۲ء) کی رائے یہ ہے کہ کسی کو زانی/زانیہ سے اس وقت تک نکاح نہیں کرنا چاہئے جب تک انہیں اطمینان نہ ہو جائے کہ وہ عورت یا مرد پوری طرح تائب ہو چکی (چکا) ہے۔ اس سے قبل اس عورت کو اتنا عرصہ انتظار کرنا چاہئے جس میں نتیجۂ زنا (امکان حمل) بالکل واضح ہو جائے۔

اب تمام آرا تفصیل کے ساتھ سامنے آ چکی ہیں۔ ہر رائے کو زور دار دلائل کی تائید حاصل ہے؛ میں نے اسے ساری آرا کا تفصیلی مطالعہ کرنیکی زحمت سے بچا لیا ہے۔ وہ حیران اور پریشان ہو کر میری طرف دیکھ رہی ہے اور پوچھ رہی ہے ''تو پھر میں کیا کروں''؟ میں مضطرب ہو کر کرسی پر اپنے پہلو بدلتا ہوں اور خود کو بڑبڑاتے سن رہا ہوں۔ ''تمہیں دیانتداری سے اسے بتا دینا ہوگا' یہ شرطِ نکاح ہے۔ تمہیں پوری طرح تائب ہونے کے بعد شادی کر کے اس کے ساتھ زندگی گزارنا ہوگی''۔ وہ اظہار افسوس کے لہجے میں کہتی ہے...... ''خواہ وہ مجھے معاف بھی کر دے تب بھی یہ مساوی نوعیت کے تعلقات نہیں ہونگے''

میں رات کا بقیہ حصہ کتابوں کی کانفرنس میں بیٹھا عالمِ سراسیمگی میں کبھی ایک کتاب کھولتا اور کبھی دوسری۔ ہوسکتا ہے کہ اس طرح بننے والی میری رائے منشائے خداوندی کے عین مطابق نہ ہو۔ مجھے خوب اچھی طرح اپنے اطمینان کا بندوبست کرنا چاہئے۔ لیکن اگر خدا معاف کر دے تو کیا ہمارے دلوں سے گناہ کی اذیت محو ہو جائے گی؟۔ گناہ کے اندر تو عمر بھر پیچھا کرنے کی خوفناک صلاحیت ہوتی ہے۔

میں سوچ سوچ کر تنگ آ گیا' پھر خود سے پوچھا' یہ کتابیں اتنی سرد مہر کیوں ہیں؟ یہ ہماری کمزوریوں' پریشانیوں اور اذیتوں کا حل کیوں نہیں بتاتیں؟ انسانی زندگی کی پیچیدگیاں' کتابوں کے استدلال کی نفاست کی بہ نسبت زیادہ کیوں ہیں؟۔ اگر شوہر اس کو معاف کر دیتا ہے تو کیا وہ اس پر بھروسہ کرے گا؟ کیا وہ خود کو معاف یا خود پر اعتبار کرے گی؟ اگر وہ اس پر اعتبار کرتا ہے تو کیا اس کی موجودگی میں مردوں کا تصور اپنے ذہن میں نہ لانے پر قادر ہو سکے گا جن کے ساتھ اس کی ''دوستی'' ہو گئی تھی؟ سوچ سوچ کر تھک گیا تو سب کے لئے دعا کی کہ اللہ سب کی مدد فرمائے' سب کی رہنمائی کرے اور خود کو بھی یاد دلاتا ہوں کہ تمام خیالات اور تمام علوم کی آخری انتہا' دعا کے سوا کچھ نہیں ہے۔ (اکتوبر ۱۹۹۶)

باب 9

کتابیں اٹھانے والے گدھے

عالم اسلام دنیا بھر کے خوف و آلام کو پکار پکار کر اپنے مہمان بنا رہا ہے جبکہ قرآن کہتا ہے کہ...... " مَآ اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡکَ القراٰنَ لِتَشۡقٰی " (ہم نے یہ قرآن تم پر اس لئے نازل نہیں کیا کہ تم مصیبت میں پڑ جاؤ۔ سورۃ طٰہٰ آیت ۲) ہم ایسی آیات کو کیوں بھول جاتے ہیں، یہ تو ہماری رہنمائی کے لئے اتاری گئی تھیں جب ہم بھولتے ہیں تو اپنے لئے مصائب و آلام کے دروازے کھول دیتے ہیں۔ پھر آگے دیکھئے قرآن ان گدھوں کی بات کرتا ہے جو کتابوں سے لدے پھرتے ہیں...... "کَمَثَلِ الۡحمَارِ یَحۡمِلُ اَسۡفَاراً (ان کی مثال اس گدھے کی سی ہے جس پر کتابیں لدی ہوئی ہیں......سورۃ الجمعہ آیت ۵) یہ گدھے لوگوں کے ذہنوں کو مسلتے ہیں اور ان کے مسائل کو دوچند کر دیتے ہیں، اے خدا ہم استقامت کی زندگی گزارنے کی پوری کوشش کر رہے ہیں لیکن ان گدھوں کی پیدا کردہ آزمائشیں، دوسری آزمائشوں سے کہیں زیادہ سنگین ہیں۔

آج کی کلاس کا موضوع سورۃ یوسفؑ ہے۔ اس میں ہمارے غور و فکر کا کثیر سامان موجود ہے۔ الٓرٰ ۚ تِلۡکَ اٰیٰتُ الۡکِتَابِ الۡمُبِیۡنِO اِنَّآاَنۡزَلۡنٰهُ قُرۡءٰ نًا عَرَبِیًّا لَّعَلَّکُمۡ تَعۡقِلُوۡنَO (اَلۡ رَ۔ یہ اس کتاب کی آیات ہیں جو اپنا مدّعا صاف صاف بیان کرتی ہیں، ہم نے اسے نازل کیا ہے بکثرت پڑھی جانے والی کتاب بنا کر تا کہ تم (اہل عرب) اس کو اچھی طرح سمجھ سکو......سورۃ یوسف آیات ۱۔۲) اس میں بتائی گئی کہانی ہماری دکھ بھری اور پُر آلام زندگی سے بھی اتنا ہی گہرا تعلق رکھتی ہے جتنا کہ ماضی کے ادوار سے تعلق رکھتی تھی۔ اُمید و یاس، کمزوری و قوت اور حماقت و فراست کی ہر کہانی انسانوں سے احتیاط و تدبّر کا مطالبہ کرتی

MashalBooks.org

ہے۔''کانفرنس آف بکس'' میں حاضر ہر شخص اس سورۃ میں پیش کئے گئے حالات اور ان سے متعلقہ ہر خیال اور ہر لفظ کو پورے انہماک سے سنتا ہے اور یوں دعا کرتا ہے...... " رَبَّنَا وَلاتَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْراً كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا' رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلنا مَا لَا طاقَةَ لَنَا بِهٖ O ۔(اے مالک ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جو تو نے ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالے تھے۔ پروردگار جس بار کو اٹھانے کی طاقت ہم میں نہیں ہے وہ ہم پر نہ رکھ......

سورۃ البقرہ آیت ۲۸۶)''

ایک عورت اپنا منہ کھولے یوں بیٹھی ہے جیسے سانس لینے کی کوشش کر رہی ہو۔ وہ کانفرنس کی کارروائی کو پورے انہماک سے دیکھ رہی ہے اس کا سفید بیماروں جیسا پھیکا چہرہ اس کے سنہری بالوں سے آگے کو نکلا ہوا ہے اور وہ برانگیختگی کی حالت میں اپنی تھکاوٹ پر قابو پانے کی کوشش کر رہی ہے۔ کانفرنس کے میزبان نے پہلے بھی اسے کلاسوں میں کئی بار دیکھا ہے۔ بہت سے شرکاء ناغے کر جاتے ہیں تاہم حاضر ہونے والوں کی تعداد گھٹتی بڑھتی رہتی ہے۔

کلاس کے بعد مایوسی اور ناامیدی کا تاثر دکھائی دے رہا ہے۔ بعض اوقات انسان سوچتا ہے کہ وہ اپنے''خیال''(Idea) کا بہتر طور پر اظہار نہیں کر سکا' کیونکہ وہ داخلی طور پر الجھا ہوا تھا' اس کے چہرے کے تاثرات اس کیفیت پر سے پردہ ہٹا دیتے ہیں' میں کانفرنس کے بعد اپنے شاگردوں سے گھرا ہوا ان کے مختلف استفسارات کا جواب دینے میں مصروف تھا کہ میری نظر اس عورت پر پڑی جو سارے گروپ سے ذرا ہٹ کر میری بیوی سے کوئی بات کر رہی تھی ان دونوں کے چہروں پر کافی سنجیدگی طاری تھی' میری بیوی اپنے موقف پر اصرار کر رہی تھی اور وہ بے تابی سے سن رہی تھی' شاگرد ادھر ادھر ہٹ گئے اور کچھ نکلنے لگے تو میری بیوی میری طرف آ رہی تھی' اس کے پیچھے پیچھے وہ عورت بھی تھی' قریب آئیں تو میری بیوی نے اس پر زور دیتے ہوئے کہا' ''پوچھو' پوچھ لو اس سے''۔ عورت کسی وجہ سے جھجک رہی تھی۔ یہ ہچکچاہٹ اور شرمیلا پن ہمیشہ ہی عورت کی اخلاقی بلندی اور عفت کی علامت سمجھی جاتی رہی ہے' اس پر میری بیوی نے اس کی ترجمانی کرتے ہوئے کہا......''یہ خاتون سال بھر سے'' شہادہ'' (قبول اسلام کی پہلی شرط......کلمہ طیبہ پڑھنا) کے لئے تیار ہو رہی تھی لیکن وہاں مسجد کے لوگ کہتے ہیں کہ اسے پہلے حجاب (پردہ' برقعہ یا چادر) لینا پڑے گا''۔

مسجد کے لوگ! یہ کون لوگ ہیں؟ وہ اسلام کا مطالعہ کرتی رہی ہے اس نے چند بار قرآن مجید پڑھا ہے اور ایک سال سے ''کلمۂ شہادۃ'' پڑھنے کے قریب یعنی اسلام قبول کرنے کیلئے بالکل تیار ہے اور اس کی ہر کوشش کو حجاب پر بحث چھیڑ کرنا کام بنا دیا جاتا ہے۔ اسے کہا جاتا ہے کہ شہادہ کے ساتھ حجاب بھی لازمی ہے۔اس میں رعایت صرف اس حد تک دی جارہی ہے کہ وہ اس کے ساتھ یہ ڈیکلریشن دے کہ مناسب وقت پر ''حجاب'' کا اہتمام کر لیا جائے گا۔اس معاملے پر تحقیق کا دروازہ بذریعہ ''اجماع'' بند کر دیا گیا ہے۔چونکہ اس پر اجماع ہو چکا ہے' لہٰذا اس پر کسی مزید تحقیق یا بحث کی گنجائش نہیں سمجھی جاتی۔

''اجماع'' ایک مخصوص طریق کار کے تحت وجود میں آتا ہے۔ اجماع کا دعویٰ (Claim) اس کے وجود (Existence) میں آنے سے پہلے آگے نکل جاتا ہے۔ یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ایک خاص دور یا عہد کا ''اجماع'' بعد میں آنے والے ہر دور یا عہد کو ''پابند'' بنا سکتا ہے؟ دوسرا سوال یہ ہے ایک ''خاص عہد'' سے کیا مراد ہے؟ اور اس کی کیا تعریف (Definition) ہے؟ کیا الرّازی (متوفی ۶۰۶ھ/ ۱۲۱۰ء) اور متعدد دیگر فقہا کا یہ بیان کوئی اہمیت رکھتا ہے کہ ''اجماع کی خلاف ورزی کرنے والا نہ کافر ہے اور نہ فاسق'' یہ پیچیدہ بحثوں اور مناظروں کا موضوع ہے' جن کا نہ کبھی فیصلہ ہوسکا ہے اور نہ کبھی ہوگا۔ ہمارے سامنے مسئلہ ترجیحات کے بنیادی تصور کا ہے۔نہیں یہ بھی نہیں کہ بلکہ سوال معقولیت اور ذوق سلیم اور حقوق کے بنیادی تصورات کے احترام کا ہے۔ اگر کوئی شخص ''شہادہ'' کا طلبگار ہے تو اسے اس کا حق حاصل ہونا چاہئے اور اس حق کا احترام ہماری ذمہ داری ہونی چاہئے۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بیشمار افراد کی ''شہادۃ'' قبول فرمائی حتیٰ کہ میدان جنگ میں ایک ''سولجر کی شہادہ'' کو سند قبولیت عطا کر دی۔فتح مکہ کے بعد جن لوگوں نے آپؐ کے ہاتھ پر بیعت کی' ان سے اسلام کے پانچ ستونوں (بنیادی ارکان) کی پابندی کرنے اور حدود سے متعلقہ گناہوں سے بچنے کا عہد لیا گیا تھا۔ یہاں یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ ''شہادہ'' ......''بیعت'' نہیں ہے اور حجاب اسلام کا ستون (بنیادی رکن) یا گناہ والی ''حد'' نہیں ہے۔

کیا یہ درست نہیں کہ حجاب کا حکم مدنی دور کے اختتام کے قریب آیا تھا؟ اور آیت یہ کہتی ہے۔ '' ذٰلِکَ اَدْنٰی اَنْ یُّعْرَفْنَ فَلَا یُؤْذَیْنَ'' (یہ زیادہ مناسب طریقہ ہے تاکہ وہ پہچان

لی جائیں اور نہ ستائی جائیں'' ......سورۃ الاحزاب آیت ۳۳) کیا کسی قانون کے برقرار رہنے کے لئے اس کے سبب یا علت (Operative Cause) کا موجود رہنا ضروری ہوتا ہے؟ اگر ''ستایا جانا'' قانونِ حجاب کے لئے ضروری ہے تو اس سے بڑھ کر کیا نقصان ہو سکتا ہے کہ شہادہ کی خواہش تو موجود ہو مگر اس کی تکمیل سے انکار کیا جا رہا ہو اور ایک شخص کو اسلام سے دور رکھا جا رہا ہو۔

اس رات کے پچھلے حصے میں ''کانفرنس آف بکس'' کے ایک گوشے میں بیٹھ کر میں نے ابن قیم (متوفی ۷۵۱ھ/۱۳۵۰ء) کی ''علم المحققین'' کا مطالعہ کیا۔ ''کانفرنس آف بکس'' گدھوں کو کوئی فائدہ نہیں پہنچاتی۔ گاڑیوں کی ایجاد نے ''گدھوں کو کانفرنس'' کے لئے غیر متعلقہ بنا کر رکھ دیا ہے۔

جو چیز مشکلات اور پریشانیوں کا باعث بنتی ہو شریعت کا جزو نہیں بن سکتی۔ خواہ لوگ اسے کتنا ہی ضروری جزو کیوں نہ سمجھتے رہیں، یہ بات ابن قیم نے اپنی متذکرہ بالا کتاب میں لکھی ہے۔ شہاب الدین القرافی (متوفی ۶۸۴ھ/ ۱۲۸۵ء) العزّ ابن عبدالسلام (متوفی ۶۶۱ھ/ ۱۲۶۲ء) اور ابو اسحاق شاطبی (متوفی ۷۹۰ھ/۱۳۸۸ء) نے اس طریق کار کی وضاحت کی ہے جس کے تحت شریعت مشکلات رفع کر کے آسانیاں پیدا کرتی ہے۔ نبی اکرمؐ نے ہمیں ان چیزوں سے باز رہنے کا حکم دیا ہے جو دوسرے لوگوں کو اسلام سے دور رکھنے کا باعث بنتی ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ يُرِيْدُ اللّٰه بِكُمُ الْعُسْرَ وَلاَ يُرِيْدُ بِكُم والْعُسْرَ ...... (اللہ تمہارے ساتھ نرمی کرنا چاہتا ہے سختی کرنا نہیں چاہتا......سورۃ البقرہ آیت ۱۸۵) شاید یہ سب کچھ غیر متعلقہ ہے۔ شاید آج امت مسلمہ کے لئے اس سے بڑی کوئی آفت نہیں ہے کہ اس کی عورتیں مناسب پردہ نہیں کرتیں۔

دسمبر ۱۹۹۶

باب 10

روح کا قتل............ایسی بیٹیاں کہاں جائیں؟

کمزور لمحات میں اپنے حق پر سمجھوتہ کرنے سے پہنچنے والے نقصان کی تلافی کیسے کی جائے؟ طاقت کے استعمال سے جو چیز چھین لی گئی ہو وہ واپس کیسے لی جائے؟ روح کا توازن بگاڑ دیا گیا ہے تو وہ دوبارہ کیسے بحال ہو؟ سمندر کے گرداب میں پھنس کر خود کو ڈوبنے سے کیسے بچایا جائے؟ ان چار سوالوں پر غور کے بعد یہ نکتہ بھی ذہن میں لایئے۔

اگر کوئی شخص آپ کی ٹھوس اور مادی جائیداد (Tangible Property) چھین لیتا ہے تو وہ آپ کو ایسی چیز سے محروم کر دیتا ہے جو آپ کی ملکیت تھی۔ اگر آپ اسے معاف کر دیتے ہیں تو آپ فیاضی اور فراخدلی کا مظاہرہ کرتے ہیں لیکن اگر وہ آپ کی غیر مادی (Intangible Properly) اور اخلاقی جائیداد آپ کی متاعِ شعور یا عزتِ نفس چھین لے تو آپ کیسے فیاضی دکھائیں گے؟

بعض سوالات مجھے سخت وحشت زدہ کر دیتے ہیں، میرا سر گھومنے لگتا ہے اور ساری دنیا بد صورت دکھائی دینے لگتی ہے تاہم یہ بدصورتی، ایک حوالہ بن جاتی ہے جس کے ذریعے اور مدد سے اچھائیوں اور خوبیوں کی قدر و قیمت واضح تر ہو جاتی ہے اور دنیا کا حسن بھی زیادہ واضح ہو کر سامنے آ جاتا ہے۔ مگر میں اس کے باوجود کبیدہ خاطر رہتا ہوں۔ اس خاتون نے مجھے ایسے مخمصے سے دو چار کر دیا کہ میرے لئے کچھ کہنا ہی ممکن نہ رہا۔ وہ ہر ملاقات کے موقع پر آتی ہے اور کچھ کہے بغیر بیٹھی رہتی ہے لیکن زبانِ حال سے کہتی ہے کہ کیا تمہاری یہ باوقار اور ظاہری طور پر تقدس مآب ''کانفرنس آف بکس'' انتہائی درجے کی بدصورتی اور مکروہ ترین حرکتوں کے نتائج پر غور کی متحمل ہو سکتی ہے؟ کیا یہ کانفرنس ایک ذبح شدہ روح کی ڈھارس بندھا سکتی ہے؟

MashalBooks.org

ایک روز اس نے تھوڑے سے تکلیف دہ توقف کے بعد اپنی روح کے گھاؤ کی وضاحت شروع کر دی۔ اس نے کہا والد کی شفقت و محبت کی حرارت نے' جسے تم مفت میسر آنے والی نعمت کہتے ہو' میری روح کو پامال کر دیا ہے۔ میرے چہرے پر اضطراب کی لکیریں واضح ہوتی دیکھ کر اس نے بلند آواز میں کہا...... ''میں بالکل درست کہہ رہی ہوں میرے باپ نے میری زندگی کا بیشتر حصہ اسی طرح گزرا کہ وہ مجھے جنسی ہوس کا نشانہ بناتا رہا۔ کیا تم جانتے ہو کہ میں کیا محسوس کرتی رہی؟ شروع شروع میں' میں یہ محسوس کرتی رہی کہ میرا جسم میرا اپنا نہیں...... یہ ایک قیمت ہے جو مجھے اس کی توجہ اور محبت حاصل کرنے کے لئے ادا کرنی ہے۔ میں اس کی حرکت پر دل میں بہت کڑھتی' میری محبت نفرت میں بدلتی رہی لیکن میں جسم کی قربانی مسلسل دیتی رہی۔ جب وہ یہ حرکت کر کے چلا جاتا تو میں گھنٹوں روتی رہتی مجھے اپنے جسم سے گھن آتی' میں شرم' نفرت اور ذلت کی کیفیتوں میں سے گزرتی رہی۔ میرے لئے شرافت یا اخلاق کی تمام حدیں عرصۂ دراز سے تہس نہس ہو چکی ہیں۔ میں چاہتی ہوں کہ سب کچھ بتا کر اپنے دل کا بوجھ ہلکا کر لوں مگر آپ کی کانفرنس کا مقدس ماحول گندگی کی ان تفصیلات کا متحمل نہیں ہو سکے گا اور آپ کی طبیعت بھی خراب ہوئے بغیر نہیں رہ سکے گی مگر آپ کی اس باوقار دنیا میں میرا پرسان حال کون ہو سکتا ہے؟

''اب میں نے تختۂ ستم بننے سے انکار کر دیا ہے۔ میں نہیں چاہتی کہ میرے یا میرے باپ کے گناہ کی سزا کوئی اور بھگتے' ہر کوئی اپنے گناہوں کا خود ذمہ دار ہے۔ میں اپنے جاگنے کے اوقات کا ہر لمحہ اپنے ارادوں کو مضبوط بنانے میں گزارتی ہوں' اپنی اصلاح کرنے کی کوشش کرتی ہوں اور اپنے اندر ''نہ'' کہنے کی جرأت پیدا کرتی ہوں۔ انکار کرنا میرا حق ہے اسے ضرور استعمال کروں گی۔ لیکن کیا آپ جانتے ہیں کہ اس وقت جذبات کی کیا کیفیت ہوتی ہے جب آپ یہ سمجھنے لگیں کہ اپنے والدین سے محبت کرنے کا مطلب ان کی خدمت کرنا اپنے جسم کو اپنا نہ سمجھنا اور اپنی روح کی موت کو قبول کرنا ہے؟

میں نے یہ معلوم کرنے کی کوشش کی کہ میرے مسلمان بھائی مجھے کیا سمجھتے ہیں یا مجھے کیا کہنا چاہتے ہیں' میں نے ملحدوں کی لکھی ہوئی کتابیں پڑھیں' یہودیوں اور عیسائیوں کی بھی پڑھیں' مگر ان کی یعنی مسلمان بھائیوں کی نہیں ملیں۔ مسلمانوں نے زنا بالجبر' جنسی استحصال' یا بچوں کے جنسی تشدد کا نشانہ بننے سے متعلق کچھ نہیں لکھا۔ کیا میں آپ میں رہ رہی ہوں یا

MashalBooks.org

نہیں؟ میں نے اپنے مسلم بھائیوں سے اپنے ان ''تجربات'' کے بارے میں گفتگو کرنے کی کوشش کی ...... کیا آپ کو کبھی عیارانہ نگاہوں کا تجربہ ہوا ہے' کبھی چبھتی ہوئی نظروں کا نشانہ بنے ہیں کیا آپ کو موضوع فوراً بدلنے' حد سے بڑھی ہوئی خود اعتمادی اور بلند آہنگ مشوروں سے واسطہ پڑا ہے؟ میں نے کئی ایسے قیمتی مشورے پا لئے ہیں۔

اگر اللہ کہتا ہے کہ جو شخص ایک انسان کو قتل کرتا ہے اس نے گویا ساری انسانیت کو قتل کر دیا ہے اور اس بارے میں کیا حکم ہے کہ جب تمہارا جسم چوری کر لیا جائے اور تمہاری روح قتل کر دی جائے اور پھر تمہیں تمہارے حال پر چھوڑ دیا جائے کہ جو چاہو محسوس کرو اور جو چاہو بھگتتے رہو؟ میں آپ کے سامنے اعتراف کرتی ہوں کہ میں نے والدین کے حقوق کے تقدس کے بارے میں بہت سے لیکچر سنے اور بہت سے پند و نصائح میرے گوش گزار کئے گئے' خونی رشتوں کو منقطع کرنے کے سنگین انجام کی کہانیاں بھی پڑھیں مگر میں خود کو گم شدہ پاتی ہوں۔ قرآن فرماتا ہے...... **اَیُحِبُّ اَحَدُکُمْ اَنْ یَّاْ کُلَ لَحْمَ اَخِیْہِ مَیْتاً فَکَرِ ھْتُمُوْہُ.** (''کیا تمہارے اندر کوئی ایسا ہے جو اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھانا پسند کرے گا۔ دیکھو' تم خود اس سے گھن کھاتے ہو۔ سورۃ الحجرات آیت ۱۲)۔ مگر آپ ان لوگوں کے بارے میں کیا کہتے ہیں جو اپنی زندہ بیٹیوں کا گوشت پھاڑتے ہیں؟...... کیا پھر بھی انہیں والدین ہی سمجھا جانا چاہیے؟

ایک بہن نے ایک دفعہ مجھے بتایا کہ گناہوں میں سے بدترین گناہ ''شرک'' ہے اور قرآن کہتا ہے: '' **وَوَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَیْہِ**''...... '' **وَاِنْ جَاھَدَاکَ عَلٰی اَنْ تُشْرِکَ بِیْ مَا لَیْسَ لَکَ بِہٖ عِلْمٌ ، فَلَا تُطِعْھُمَا وَ صَاحِبْھُمَا فِی الدُّنْیَا مَعْرُوْفاً وَاتَّبِعْ سَبِیْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَیَّ.**'' (''اور ہم نے انسان کو اپنے والدین کا حق پہچاننے کی خود تاکید کی ہے''...... ''اگر وہ تجھ پر دباؤ ڈالیں کہ میرے ساتھ تو کسی ایسے کو شریک کرے جسے تو نہیں جانتا تو ان کی بات ہرگز نہ مان۔ دنیا میں ان کے ساتھ نیک برتاؤ کرتا رہ۔ مگر پیروی اس شخص کے راستے کی کر جس نے میری طرف رجوع کیا ہے۔'' (سورۃ لقمان آیات ۱۴۔۱۵)

اس بہن نے دلیل دیتے ہوئے کہا کہ اگرچہ شرک بدترین گناہ ہے پھر بھی مجھے ان کے ساتھ شفقت کا سلوک کرتے رہنا چاہیے۔ پھر جنسی حملے کا جواب بھی لطف و کرم سے دیتی رہوں۔ لیکن میں ایک بار پھر آپکے سامنے اعتراف کرتی ہوں کہ جب میں اپنے باپ کو دیکھتی ہوں تو مجھے اس کی ماضی کی حرکتیں یاد آجاتی ہیں یا مجھے قے آنے لگتی ہے یا اپنے جسم کے ان

حصوں میں ٹیسیں اٹھتی ہیں جنہیں اس نے غلط استعمال کیا تھا۔ میں آپ سے جواب نہیں مانگ رہی ہوں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی ''کانفرنس'' کے پاس ہر موضوع پر معلومات کے انبار لگے ہوئے ہیں' لیکن کیا یہ ''کانفرنس'' میرے مسئلے پر گفتگو کر سکے گی''۔

میں کبھی کبھی اس بات پر غور کرتا ہوں کہ لوگ اس طرح ایک دوسرے کو زیادتی کا نشانہ کیوں بناتے ہیں؟ اپنی روحوں کو خوش کرنے کے لئے دوسروں کی روحوں کا استحصال کیوں کرتے ہیں؟ مقفل دروازوں کے پیچھے افرادِ خاندان کی عصمت دری کی نوبت کیوں آتی ہے؟۔ میں تلخ حقائق پر مٹھاس کا پردہ ڈال کر اس خاتون کو مطمئن کرنے کی کوشش نہیں کر سکتا۔ اس وقت وہ اس ''کانفرنس'' میں موجود نہیں۔ میں نے درسِ اخلاق دینے والے مصنفین ...... ابن ابی الدُّنیا (متوفی ۲۸۱ھ/ ۸۹۴ء) سے لے کر ابو حامد الغزالی (متوفی ۵۰۵ھ/ ۱۱۱۱ء) اور تقی الدین ابن تیمیہ (متوفی ۷۲۸ھ/ ۱۳۲۸ء) تک سب کی کتابیں دیکھی ہیں ان میں اس خاتون کے المیئے کا کوئی ذکر نہیں ملتا' یہ فقہا شرماتے رہ گئے اور اپنے بچوں سے زیادتی کرنے والے والدین کو مستوجب سزا قرار دینے سے گریزاں رہے۔ بعضوں نے سیاق وسباق سے ہٹ کر اس قرآنی آیت کا بھی حوالہ دیدیا۔ " لا تُضَآ رَّ وَالِدَةٌ بِوَلَدِھَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ " ...... (نہ تو ماں کو اس وجہ سے تکلیف میں ڈالا جائے کہ بچہ اس کا ہے نہ باپ ہی کو اس وجہ سے تنگ کیا جائے کہ بچہ اس کا ہے ...... البقرہ ۲۳۳) ...... اور اس بنا پر یہ دلیل دی کہ والد کو بچے کے قتل کرنے کی سزا نہیں دی جا سکتی ...... بلا شبہ ان کی یہ سوچ غلط تھی۔ اس خاتون کے کیس کے بارے میں مجھے غیر مسلم مصنفین کی کتابوں میں ہی بحث مل سکی ہے۔ کتابوں کی دکانوں میں ''بچوں پر تشدد اور عطائے اختیار'' (Abuse and Self-empowerment) کے موضوعات پر سیکشن کے سیکشن موجود ہیں۔ لیکن ہماری کتابیں اس بارے میں بالکل خاموش ہیں۔ اے میری بہن بد قسمتی سے آپ اب تک شعور کا حصہ ہی نہیں بن سکی ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ بعض صورتوں میں عذر گناہ بدتر از گناہ بن جاتا ہے۔ لیکن یہ پوری ''کانفرنس'' آپ سے معذرت خواہ ہے کہ ہم سے بے حد کوتاہی ہوئی ہے۔ میں یہ سطور آپ کے اعزاز میں لکھ رہا ہوں' خدا کرے کے آئندہ کی ''کانفرنسیں'' آپ کے حقائق کا دراک کر سکے۔

جنوری ۱۹۹۷

باب 11

زیادہ جاننے والا کون؟

" وَ فَوُقَ کُلِّ ذِیُ عِلُمٍ عَلِیمٌ" یہ الفاظ قرآن مجید کی بارہویں سورۃ یوسف کی آیت ۷۶ کے آخری حصے میں آئے ہیں۔ جو ہر رات ہر کانفرنس میں گونجتے رہتے ہیں' آیت یوں ہے...... " فَبَدَ اَ بِاَوُعِیَتِهِمُ قَبُلَ وِعَآءِ اَخِیُهِ ثُمَّ اَسُتَخُرَجَهَا مِنُ وِعَآءِ اَخِیُهِ کَذَالِکَ کِدُنَا لِیُوُسُفَ مَاکَانَ لِیَاُخُذَ اَخَاهُ فِیُ دِیُنِ الُمَلِکِ اِلآّ اَنُ یَّشَآ اللّٰه نَرُفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنُ نَّشَآ ءُ وَفَوُقَ کُلِّ ذِیُ عِلُمٍ عَلِیُم." (تب یوسف نے اپنے بھائی سے پہلے ان کی خُرجیوں کی تلاشی لینی شروع کی پھر اپنے بھائی کی خرجی سے گم شدہ پیالہ نکال لیا۔ اس طرح ہم نے یوسفؑ کی تائید اپنی تدبیر سے کی۔ اس کا کام یہ نہ تھا کہ بادشاہ کے دین (یعنی مصر کے شاہی قانون) میں اپنے بھائی کو پکڑتا۔ اِلّا یہ کہ اللہ ہی ایسا چاہے۔ ہم جس کے درجے چاہتے ہیں بلند کر دیتے ہیں اور ایک علم رکھنے والا ایسا ہے جو ہر صاحبِ علم سے بالاتر ہے"۔

رات کی سوچ بچار کے اہم اوقات میں یہ جُملے آپ کی سرزنش بھی کرتے ہیں طنز بھی کرتے ہیں اور آپ کا حوصلہ بھی بڑھاتے ہیں۔ اہل علم اس پر بحث کر سکتے ہیں کہ کیا اس سے مراد یہ ہے کہ ہر صاحبِ علم شخص سے بڑھ کر بھی کوئی صاحبِ علم ہو سکتا ہے یا اس سے مراد یہ ہے کہ سب اہل علم لوگوں سے اوپر ایک ہستی ہے جو "علیمِ کُل" ہے۔ انسانوں میں سے کوئی دوسرے کو اظہار رائے سے باز نہیں رکھ سکتا۔ ان میں سے جو مفہوم بھی مراد لیا جائے آپ پر اس کا اثر وہی کا وہی ہوگا۔ جب علم کی بات ہو تو آپ اپنی حیثیت اور مرتبے کے باعث خود کو اذیت میں سمجھیں گے۔ دوسروں کا علم و مرتبہ آپ کو طنز و استہزا کا نشانہ بنا رہا ہوگا لیکن خدا کی

طرف سے آپ پر طمانیت کا نزول ہو رہا ہوگا۔

اگر آپ اپنی تعمیرات کے مسائل و معاملات میں الجھے ہوئے ہوں تو آپ کے غور وفکر کیلئے درکار وقت کی کوئی حد مقرر نہیں ہوگی' جب تک چاہیں سوچوں میں غرق رہ سکتے ہیں۔ آپ کا مسئلہ اور اسکا حل مکمل طور پر آپ کے اپنے کنٹرول میں ہوگا۔ آپ کو کسی کی جانب سے تمسخر یا استہزا کا سامنا نہیں ہوگا' البتہ کبھی کبھی دوسروں کی سوچ کا انداز اور ان کا مسائل کو حل کرنے کا طریقہ دیکھ کر آپ حیران و ششدر رہ جائیں گے۔ اگر آپ اپنے گرد و پیش کے تمام مسائل کو اپنے منفرد تصورات کے معیار پر رکھ کر سوچیں تو آپ کئی گھنٹوں پر محیط بے ربط اور منتشر خیالات میں الجھنے سے محفوظ رہیں گے۔ اگر آپ اپنے آپ سے گفتگو کریں' ......یعنی آپ خود ہی مقرر بنیں اور خود ہی سامع بنیں تو آپ کو پنی تقریر بے حد جامع اور مکمل محسوس ہوگی۔

اپنے جسم پر اختیار

لیکن ہر صبح جب آپ اپنے حجرے سے باہر نکلتے ہیں تو آپ کی معقولیت اور قوتِ بیان کو بے شمار چیلنجوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ آپ پختہ افکار و عقائد کے مالک ہیں۔ آپ کے عقائد پہاڑ کی طرح مثبت اور ٹھوس سہی مگر آپ کی معقولیت کے لئے کوئی نہ کوئی چیلنج سامنے آکھڑا ہوگا۔ آپ کو ایک طالبہ بتاتی ہے کہ اسے اپنے سکول کے اخراجات اور اپنے باپ کے قرضے اتارنے کے لئے ہر رات '' قابل استعمال چیز'' (Item of Consumption) کے طور پر ڈانس فلور پر جسم کی نمائش کرنا پڑتی ہے۔ وہ سوال کرتی ہے کہ اس کا یہ فعل مختلف کمپنیوں کی فیکٹریوں اور دفاتر میں کام کرنے والے بیشمار مردوں اور عورتوں کے کام سے مختلف کیوں سمجھا جاتا ہے؟ ایک عورت آپ کو بتاتی ہے کہ شادی کی الجھنوں اور مصروفیتوں نے اس کی جان کھا لی ہے' جس کی وجہ سے وہ بطورِ فرد اپنے جذبات اور احساسات سے عاری ہوگئی ہے۔ اب وہ صرف ایک کارندے کا کردار (Functional Role) ادا کرنے پر مجبور ہو چکی ہے یعنی ایسا کردار ادا کر رہی ہے جس میں نہ عزتِ نفس ہے اور نہ احساسِ وقعت۔ کیا اب اسے ایسا مرد تلاش کرنے کا حق حاصل ہے جو اسے ایک فرد ہونے کا احساس دلا سکے اور اس کی مردہ روح کو شرف

انسانیت سے ہمکنار کر سکے؟

ایک پندرہ سال کی متاہل زندگی گزارنے والا شخص، جس کے تین بچے بھی ہیں، آپ کو بتانے لگتا ہے کہ اسے ایک ایسی عورت نظر آ گئی ہے جو اس کے "مذہب کے لئے بہتر" ہے اور وہ اسے موجودہ بیوی کی بہ نسبت خدا سے زیادہ قریب لا رہی ہے۔ "کیا مجھے خدا کے عطا کردہ حق طلاق سے استفادہ کرنے کا اختیار حاصل ہے یا نہیں ہے؟۔ جہاں تک بچوں کا تعلق ہے وہ سنبھل چکے ہیں، تعلیم حاصل کر رہے ہیں جب بڑے ہو جائیں گے تو سارا معاملہ سمجھ جائیں گے"

ایک بچے کو کسی طرح یہ یقین حاصل ہو چکا ہے کہ شیطان کی آنکھیں نیلی ہیں اور یہ کہ قیامت کے روز تمام بُرے لوگ نیلی آنکھوں کے ساتھ اٹھائے جائیں گے۔ کیا یہ بات ہمیں نسلوں کی حقیقت واضح کرنے اور ان کی قدر و قیمت سمجھنے میں مدد نہیں دیتی؟ اسی طرح ایک اور بچہ اپنے اس عقیدے کا اظہار کرتا ہے کہ "خلافت اسلام کا قلب ہے۔ جب تک خلافت قائم نہیں ہو جاتی ہر چیز حرام ہے۔ کیا ہم سب پر لازم نہیں ہو گیا کہ ہم ساری دنیا کو خلافت کے پرچم تلے اکٹھی کرنے کے لئے کمربستہ ہو جائیں۔"

ایک عورت یہ دلیل لاتی ہے کہ وہ اپنے جسم کو جس جس کام کے لئے استعمال کرتی ہے وہ اس کا ذاتی مسئلہ ہے، اس کا بدن ایک کینوس (Canvas) ہے، وہ اس پر جیسی چاہے تصویر بنا سکتی ہے، اس سے مخاطب مرد یہ کہہ رہا ہے کہ عورت کا جسم، مرد کے استعمال کے لئے بنا ہے، یہ اس کا کینوس ہے اور اسی کے لئے ایک ذریعۂ اظہار ہے۔

زندگی آپ کو گوناگوں بے ہودگیوں اور خرافات سے دوچار کرتی ہے۔ مسائل کا ایک بے ہنگم انبار ہے جو نہ صرف "فکر کی صحت" بلکہ "اظہار کی صحت" کا بھی تقاضا کرتا ہے۔ یہ جاننا کہ "کیا صحیح ہے" اس کے لئے صرف ایک مضبوط عقیدے کی ضرورت ہے۔ لیکن جو بھی آپ کا عقیدہ ہے آپ کو اس کے واضح اور صحیح اظہار کے فن پر بھی قادر ہونا چاہئے۔ تاہم واضح اظہار، واضح فکر کا متقاضی ہے اور "واضح فکر" کو "واضح اظہار" سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔

علم کا مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ لیکن معقولیت کے ساتھ علم کا اظہار کرنا، آپ کے فرائض کا حصہ ہے یعنی خدا کے علم کو سمجھنا اور اس کا صحیح اظہار کرنا آپ کی ذمہ داری ہے۔ بنی نوع انسان

بے ہودگیوں کے انبار کے انبار لگا دینے کی لامحدود اہلیت رکھتا ہے' یہ آپ کو صرف آپ کی حیثیت (Status) یاد دلاتی ہے۔ ہر علم رکھنے والے کے اوپر ایک ایسی ہستی ہے جو سب سے زیادہ علم رکھتی ہے' صحیح اظہار کی ذمہ داری کا بوجھ آپ کو آزمائش اور اذیت میں مبتلا کرتا ہے جبکہ سب کچھ جاننے والا اللہ تعالیٰ اس پر آپ کو اجر سے نوازتا ہے اور آپ اس کے سامنے دست دعا بلند کرتے ہوئے کہتے ہیں:

رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْO وَيَسِّرْلِيْٓ اَمْرِيْO وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانيO يَفْقَهُوْا قَوْلِيْO (پروردگار' میرا سینہ کھول دے اور میرے کام کو میرے لئے آسان کر دے اور میری زبان کی گرہ سلجھا دے تاکہ لوگ میری بات سمجھ سکیں......سورۃ طٰہٰ آیات ۲۵۔۲۸)

فروری ۱۹۹۷ء

باب 12

عورت......قانونی موشگافیوں کی زد میں

''کانفرنس آف بکس''، جن گھمبیر مسائل پر غور کرتی ہے ان میں مسلمان عورت کا مسئلہ بھی پوری اہمیت کے ساتھ زیر بحث آتا رہتا ہے۔ ہم خوابوں...... پر غور کر رہے تھے تو ''ڈراؤنے خواب'' بھی زیر بحث آ گئے کیونکہ ان کا زیادہ تر تعلق عورت سے ہوتا ہے۔ ایسا کیوں ہے؟۔

''کانفرنس آف بکس'' نے بعض حقائق کو خواب سے قریب تر کر دیا ہے۔ خواب ایک پیچیدہ اور پُرمعانی مگر ایک پُرسکون عمل ہوتا ہے۔ کسی بھی شخص کا خواب اس کی کیفیتِ ایمان، اس کی ذہنی استعداد اور اس کی اخلاقیات کا ''پرتو'' ہوتا ہے۔ خواب دیکھنے والے یا والی کی روح اور ذہن کو غیبی اشارے ملتے ہیں۔ اس پر کئی مخفی اسرار بھی منکشف ہوتے ہیں۔ مگر ایک خواب حقیقت سے خواہ کتنا ہی قریب ہو، خواب ہی رہتا ہے، حقیقت نہیں بن سکتا۔ خواب، حقائق سے چھیڑ چھاڑ کرتا رہتا ہے، انسان کو مشتعل بھی کرتا ہے اور حسین وادیوں کی سیر بھی کرا دیتا ہے۔

ماہ رمضان کے آخری عشرے میں سحری کے قریب آنے والے خوابوں میں روحانی کیفیات زیادہ نمایاں ہوتی ہیں۔ جوں جوں صبح قریب تر آ رہی ہوتی ہے ان میں مزید گہرائی پیدا ہوتی رہتی ہے۔ آخر دروازے پر دستک ہو جاتی ہے۔

خوابوں کے ساتھ ڈراؤنے خوابوں کا ذکر بھی لازماً آ جاتا ہے جن کا زیادہ تر نشانہ عورتیں بنتی ہیں۔ انہیں نشانہ بنانے والے اور ایسے خوابوں کا سبب بننے والے افراد دراصل مرد نہیں ہوتے بلکہ انہیں مرد کہنا مردانہ تصور کی توہین ہے۔

روایتی مسلمانوں نے اسلام کی طرف راغب ہونے والی ایک اور عورت کے ساتھ بھی

کم وبیش وہی سلوک کیا جس کے وہ عادی بنے ہوئے ہیں۔ وہ کہتی ہے۔ ''جب میں پہلی دفعہ مسجد میں گئی تو میں موقع کی مناسبت سے بالکل صحیح لباس میں ملبوس تھی لیکن ایک آدمی دھاڑتا ہوا میرے پیچھے دوڑ آیا اور میرے لباس پر اعتراض کرنے لگا''۔ چنانچہ اسلام کے بارے میں مجھے پہلا سبق یہ ملا کہ...... مرد ''مرد'' ہوتے ہیں اور عورت مجسم ''شرمگاہ'' ہوتی ہے۔ لیکن در حقیقت میں ''عورت'' کے سوا کچھ بھی نہیں ہوں۔ یہ کہتے ہی اس کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں۔ میں ایسے آنسوؤں سے متاثر نہیں ہوتا کیونکہ ایسی صورتحال سے بہت دفعہ دوچار ہو چکا ہوں۔

وہ مزید کہتی ہے میں نے جو دوسرا سبق سیکھا وہ اس سے بھی زیادہ تکلیف دہ تھا۔ قرآن کہتا ہے " وَاِذَا حُیِّیْتُمْ بِتَحِیَّةٍ فَحَیُّوْ اباَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا" (اور جب کوئی احترام کے ساتھ تمہیں سلام کرے تو اس کو اس سے بہتر طریقہ کے ساتھ جواب دو یا کم از کم اسی طرح کا سلام دو...... سورۃ النساء آیت ۸۶) اللہ یہ بھی فرماتا ہے...... " فَاِذَ دَخَلْتُمْ بُیُوْتاً فَسَلِّمُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِكُمْ تَحِیَّةً مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَیِّبَةً. كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْن" (جب گھروں میں داخل ہوا کرو تو اپنے لوگوں کو سلام کیا کرو، دعائے خیر اللہ کی طرف سے مقرر فرمائی ہوئی۔ بڑی بابرکت اور پاکیزہ، اس طرح اللہ تعالیٰ تمہارے سامنے آیات بیان کرتا ہے، توقع ہے کہ تم سمجھ بُوجھ سے کام لو گے...... سورۃ النور آیت ۶۱) لیکن مجھے سمجھ نہیں آتی ' مجھے بتایا گیا کہ جب تم اللہ کے گھر میں داخل ہو، تمہارا مردوں کو سلام کہنا ضروری نہیں۔ درحقیقت یہ کہا گیا کہ جب تم کہیں بھی داخل ہو جاؤ تو تمہارا مردوں کو سلام کرنا ضروری نہیں ہے۔ مجھے یہ بھی بتایا گیا کہ اگر مجھے کوئی سلام کرے تو میں دھیمی آواز میں اس کا جواب دے سکتی ہوں۔ ''السلام علیکم'' کا جواب برابر الفاظ میں دیا جا سکتا ہے۔ ''اگر سلام کیا جائے تو جواب دو'' کا مطلب اور اسکی منطق یہ ہے کہ اگر تم سے کوئی بولے تو تب جواب دو۔

''میں کوئی ادنیٰ فرد نہیں ہوں'' وہ دفاعی انداز میں کہتی ہے۔ ''لیکن مجھے سمجھ نہیں آتی کہ ایسا مذہب جس نے عورتوں کو ناروا قیود سے نجات دلائی اور باوقار مقام عطا فرمایا وہ انہیں ''مجسم شرمگاہ'' کی حیثیت کیسے دے سکتا ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اسلام انہیں آزادی دلانے کے بعد انہیں زندہ رہنے کا حق دینے سے انکار کر دے؟ اگر مجھے کسی کو سلام کرنے کا حق نہ دیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ مجھے اپنے وجود کا ثبوت دینے کا کوئی حق نہیں ہے۔

MashalBooks.org

اگر مجھے انتظار کرنا پڑے کہ مجھے پہلے سلام کیا جائے' تب میں جواب دوں تو دراصل میں اپنے وجود کا ثبوت دینے کا انتظار کرتی رہوں گی۔ یعنی میں یہ دیکھتی رہ جاؤں کہ مجھے زندہ تسلیم کیا جائے تب میں جواب دوں گی کہ ہاں میں موجود ہوں۔ اب ان دو آیات کو دیکھئے: ''**تَحِیَّتُھُمْ یَوْمَ یَلْقَوْنَہٗ سَلٰمٌ. وَ اَعَدَّ لَھُمْ اَجراً کرِیْماً**'' ...... ''**دَعْوٰھُمْ فِیْھا سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَ تَحِیَّتُھُمْ فِیْھا سَلامٌ**۔ ('' ان کا استقبال سلام سے ہوگا اور ان کے لئے اللہ نے بڑا باعزت اجر فراہم کر رکھا ہے'' ...... '' وہاں ان کی صدا یہ ہوگی کہ پاک ہے تو اے خدا۔ ان کی دعا یہ ہوگی۔ سلامتی ہو'' ...... سورۃ الاحزاب آیت ۴۴' سورۃ یونس آیت ۱۰)۔ ان کے استحقاق کو خدا خود تسلیم کرے گا اور ان کی عزت افزائی فرمائے گا' لیکن مرد میرے خدا نہیں ہیں' میری عزت ان کی طرف سے تسلیم کئے جانے کی محتاج نہیں ہے۔

علیک سلیک اور جنسی ترغیب؟

میں ''البخاری'' (متوفی ۲۵۶ھ/۸۷۰ء) کی شرح ...... ''فتح الباری'' بک شیلف میں سے نکالتا ہوں اور اس موضوع پر احادیث پر اس خاتون کے ہمراہ نظر ڈالتا ہوں اور اصل مفہوم تلاش کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ فقہا کے مابین اختلافات سامنے آئے۔ فقہائے کوفہ نے عورتوں کو مردوں کو سلام کرنے سے روکا ہے جبکہ دیگر فقہا نے انہیں اس کی اجازت دی ہے۔ مالکی فقہا نے ''داخلی معیار'' (Subjective standard) مقرر کیا ہے اور کہا ہے کہ مرد اور عورت ایک دوسرے کو سلام کر سکتے ہیں بشرطیکہ اس سے کوئی جنسی تحریک نہ ملتی ہو۔ میں حیران ہوں کہ وہ کس قسم کے لوگ ہونگے جنہیں محض علیک سلیک پر جنسی ترغیب مل جاتی ہو گی۔

وہ گہری سوچ میں ڈوب گئی' قانونی موشگافیوں نے خوش اطواری کو پچھاڑ کر رکھ دیا' اس نے پوچھا اب آپ کیا کہتے ہیں؟ ...... میں کیا کہتا ہوں؟ ...... میں اسے کتابی علم پر بے جا انحصار اور عملی زندگی سے صرفِ نظر قرار دیتا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ آپ ''السلام علیکم'' کہہ دیا کریں اور ان بے خبر لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیں۔

اپریل ۱۹۹۷ء

MashalBooks.org

باب 13

طاقت کا صحیح اور غیر صحیح استعمال

یہ ''کانفرنس'' عرصۂ دراز سے پیچیدگیوں اور الجھنوں کو سامنے لانے کی خدمت بجا لا رہی ہے اور اسی خدمت کے بل بوتے پر نشو و نما پا رہی ہے۔ لیکن آج کے مسلمان ان پیچیدگیوں کا سامنا کرنے سے گھبرا جاتے ہیں۔ یہ ''کانفرنس'' اپنے اسی شغف کے باعث کاروبارِ حیات سے الگ تھلگ رہتی ہے تا کہ اس کی راہ میں کوئی چیز حائل نہ ہو سکے جبکہ دوسرے مسلمان ان پیچیدگیوں کے باعث ان سے خود الگ تھلگ ہو بیٹھے ہیں۔ آج ہم طاقت کے ''صحیح'' (Authoritative) استعمال اور ''غلط'' (Authoritarian) استعمال یعنی طاقتِ مجاز اور طاقت غیر مجاز پر اظہار خیال کریں گے۔ ہر تصور یا نظریہ جن الفاظ اور جملوں کے یکجا ہونے سے وجود میں آتا ہے' انہی کا قیدی بن کر رہ جاتا ہے۔ اس کانفرنس نے مقبول عام غیر منطقی تصورات' بے بنیاد نظریات اور غیر ضروری تسہیل کاریوں (Over Simplifications) کے ہجوم میں اپنے لئے جگہ بنائی ہے۔ انتشار و بدنظمی' الجھاوے اور الجھنیں' عملِ تخلیق کا قدرتی نتیجہ ہیں۔ لیکن نظم و استحکام' انسانی زندگی کی سچی آرزو ہے اور وہ اسی طرح پوری ہو سکتی ہے کہ خدا کی دی ہوئی طاقت کو صحیح طریقے سے بروئے کار لا کر انتشار و بدنظمی کو دور کیا جائے' لیکن اگر اسے بے محابہ استعمال کیا جائے تو ہر اچھی بری چیز ملیامیٹ ہو جائے گی۔ جب کچھ بچے گا ہی نہیں تو کس چیز کی اصلاح کی جائے گی؟ اول الذکر طریقے سے طاقت کا استعمال ''Authoritative'' کہلائے گا اور مؤخر الذکر صورت میں اسے "Authoritarian" کہا جائے گا۔

تمہاری کتاب "The Authoritative and the Authoritarian in Islamic Discourses" چھپ چکی ہے اور تمہیں وہ زمانہ یاد ہے جب تم سوچا کرتے

تھے کہ تمہاری بس ایک ہی کتاب پوری دنیا کو تبدیل کر کے رکھ دے گی۔

ایک چھوٹا سا رومال تمہارے کندھے پر ٹکا ہوتا' تمہاری ناہموار داڑھی اور سامنے والی جیب میں سے مسواک باہر جھانک رہی ہوتی تھی' سر پر سفید ٹوپی دھرے تم خود کو وسیع النظر عالم سمجھے ہوتے تھے' تمہارا سارا مُبلغ علم ''ریاض الصالحین'' تک محدود تھا۔ تمہاری مسجد میں ''حیات الصحابہ'' نامی کتاب کے بعض حصے' ایک حلقے کی صورت میں بیٹھ کر سنے جاتے تھے۔ لوگ اسی حلقۂ درس میں بیٹھ کر بصیرت حاصل کیا کرتے تھے۔ کیا تمہیں یاد ہے کہ تم نے جب صحیح البخاری کا نسخہ خریدا تھا تم یہ سمجھتے تھے کہ دنیا جہان کے تمام مسائل اور ان کا حل اس میں موجود ہے۔ اس میں شامل کسی حدیث کی صحت پر شبہ ظاہر کر دیا جاتا تو یہ سمجھتے تھے کہ گویا تمہاری بقا کو چیلنج کر دیا گیا ہے۔ تم خود کو یقین دلایا کرتے تھے کہ میں پوری بخاری شریف کو زبانی یاد کر لوں گا۔

تمہیں وہ وقت بھی یاد ہوگا جب تم نے دنیا کو اپنے ایجاد کردہ زمروں میں تقسیم کر رکھا تھا اور وہ علت و معلول کے ایک ''سادہ اور کامل نقشے'' کے اندر سمٹی ہوئی تھی۔ تمہارا ایمان و عقیدہ تھا کہ اگر تم ایک جمعہ کو صمیم قلب کے ساتھ خاص دعائیہ کلمات پڑھ لو گے تو ہفتے کے باقی دن بالکل خیریت و عافیت کے ساتھ گزار سکو گے لیکن اگر ان کلمات میں سے ایک آدھ جملہ ادھر ادھر ہو گیا' یا ترتیب بھول گئے تو سب کچھ منہدم ہو کر رہ جائے گا۔ یہ کتنی سادہ دنیا تھی جو مغالطوں اور خام خیالیوں کے گنبد کے اندر بسیرا کیا کرتی تھی۔ کیا تمہیں یاد ہے کہ تم نے اپنی بہن کی کیسٹ ٹیپس پکڑ لی تھیں اور یہ اعلان کرتے ہوئے انہیں تباہ کر دیا تھا کہ میوزک حرام ہے۔ جب تمہاری والدہ نے اس پر تمہاری پٹائی کی تو تم نے اعلان کیا کہ تم حرام کی حمایت کر رہی ہو۔ حالانکہ اس بے چاری نے کبھی بھی گانے نہیں سنے تھے۔ وہ صرف قرآن سنا کرتی تھی مگر تم یہ نقطہ نہ سمجھ سکے۔ اس نقطے کو سمجھتے سمجھتے تمہیں ایک زمانہ لگ گیا۔

وہ کیسی دنیا تھی جو جہالت پر پلتی تھی اور جسے غرورِ ذات کا تحفظ حاصل تھا۔ وہ استبداد کی دنیا تھی جس میں تم بذات خود ایک اتھارٹی کی حیثیت رکھتے تھے۔ وہ ایسی دنیا تھی جس میں خدا کی عظمت کی نمائندگی ایک ایسی شخصیت کرتی تھی جو غرورِ ذات اور اپنے برحق ہونے کے نشے میں مبتلا تھی۔ وہ ایسی دنیا تھی جس میں خدا کی آواز کو ایک بندے کی آواز نے مقید کر رکھا تھا اور پھر یہی آواز تختِ اقتدار پر متمکن ہوگئی۔ یہ صحیح معنوں میں بے خدا دنیا تھی۔

اب سال ہا سال بعد تم نے "The Authoritative and the

"Authoritarian in IslmicDiscourses" چھپوالی ہے۔خدا کی منشاء اس کے شواہد اور علامات سے دریافت کی جانی چاہیئے۔منشائے ایزدی کی فہم پانے کی متمنی آوازیں' معتبر مظہرات (Authoritative Indicators) تو ہوسکتی ہیں لیکن ''تجسیم خداوندی'' (Embodimen of Divine) نہیں بن سکتیں۔''ریاض الصالحین'' اور صحیح البخاری خام مواد ...... یعنی منشائے خداوندی کے خام مظہرات ہیں۔اس مواد کو آپ "Authoritative" بنانے کے لئے بھی استعمال کر سکتے ہیں اور ''Authoritarian'' بنانے کے لئے بھی کام میں لا سکتے ہیں۔اگر مؤخر الذکر بنانا چاہتے ہیں تو اصل ''متن'' (Text) اس کی نمائندگی کرنے والے (Representer) اور اس کے قاری (Reader) کا تابع بن جائے گا یا اس کی ذات میں مدغم ہو جائے گا۔اگر اول الذکر شکل دے دی جائے تو ''متن'' صحیح سلامت رہے گا' ''نمائندہ'' اور ''قاری'' اس پر اثر انداز نہیں ہو سکیں گے۔

یہ دور حاضر کے اقوال کی گردش کی لامتناہی رفتار تھی جس نے کسی زمانے میں تمہاری دنیا کو یک سمتی (Uni-dimensional) اور مستقیم (Linear) بنا رکھا تھا' لیکن وہ دن بالآخر آ پہنچا کہ تم نے عصر حاضر کے معذرت خواہوں اور اسلامی علوم میں پیدا ہونے والے جدید زوال سے اظہار لاتعلقی کر کے سابق دور کی تہذیب سے ناطہ جوڑ لیا' تم نے امام الحرمین الجوینی (متوفی ۴۷۸ھ/ ۱۰۸۵ء) کی تصانیف پڑھیں جنہوں نے تمہیں بتایا کہ شریعت کا مدعا' صحیح نتیجے پر پہنچنا نہیں بلکہ تحقیق کرنا اور تحقیق میں مصروف رہنا ہے۔تم نے جلال الدین سیوطی (متوفی ۹۱۱ھ/ ۱۵۰۵ء) کو بھی پڑھا جس نے تمہیں بتایا کہ خدا کی منشاء ''حکم ناطق'' معلوم کرنا نہیں بلکہ اس ''حکم'' کی تلاش ہے۔تحقیق کا نتیجہ مطلوبہ چیز نہیں' مطلوبہ چیز ''تحقیق'' ہے۔تحقیق پر زندگی کھپا دینا ہی منشائے الہٰی (Divine Will) ہے۔یہی حتمی علم الاخلاق ہے۔

مختصر یہ کہ تم نے نشوونماء پالی ہے اور تمہارے شعور نے بھی ترقی پالی ہے۔تم اب خطرے سے تو دوچار نہیں ہو لیکن تمہارے اندر اتنا اعتماد اور احساسِ تحفظ پیدا نہیں ہوا' جتنا کہ ہونا چاہیئے تھا۔ تم یہ محسوس کرتے ہو کہ جب ہم منشائے الہٰی تلاش کرنے کی کوشش کر رہے ہوتے ہیں تو پھر مجسم منشائے الہٰی تو کبھی بھی نہیں بن سکتے۔ہم جب سچ کو تلاش کرتے ہیں' ہم خود تو سچ نہیں بن جاتے۔یہیں سے کانفرنس وجود میں آئی' یہیں سے کتاب وجود میں آئی' کانفرنس نے جنم لیا۔ میں کانفرنس کے لئے ہی زندہ رہا اور اللہ کی راہ میں جدوجہد کی۔ربّنا تقبّل مِنّا۔ مئی ۱۹۹۷ء

باب 14

فرمانبرداری کی حدود

لا طاعَتَ لِمَخلُوقٍ فی معصّیت الخالِق (مخلوق کی ایسی اطاعت نہیں ہوسکتی جس سے خالق کی نافرمانی لازم آتی ہو)۔ یہ اصول وہ چشمہ ہے جس میں سے اس ''کانفرنس'' کا دھارا بہتا ہے' اسی سے ملنے والی سانس اس کا زندگی سے رشتہ قائم رکھتی ہے اور یہی اس کے وجود کے لئے منبعِ جواز ہے۔اس کی موجودگی اس ''کانفرنس'' کوتقویت بخشتی ہے اوراس کے مضمرات اسے متحیر کر دیتے ہیں۔اس اصول کی سادگی ہماری دنیا کو پیچیدہ بناتی ہے اور پیچیدگی' بحث کوآگے بڑھانے اور اس میں مزید جان ڈالنے کا باعث بنتی ہے۔ یہ اصول اپنے جوہراور روح کی قوت کے بل بوتے پرایک استحقاقِ اقتدار کو وجود میں لاتا ہے اور غیر مجاز کی نفی کرتا ہے۔ استبداد کی منطق کورد کرتا ہے اور معقول آزادیوں کی تلاش کی کوششوں کوتقویت بخشتا ہے۔

یہ اصول خدا کے حقوق کے بارے میں نہیں بلکہ بنی نوع انسان کے حقوق سے متعلق ہے۔ یہ خدا کے اختیار (اتھارٹی) کے بارے میں نہیں ہے کیونکہ ''لامحدود'' کی تعریف کا تعین نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ اس ''اختیار'' کے بارے میں ہے جو انسان ایک دوسرے پر استعمال کرتے ہیں۔ یہ اصول انسانوں کے اختیار کی حدیں (Limits) مقرر کرتا ہے۔اس لئے اس کی تعریف کا تعین ہونا ضروری ہے۔اختیارات کی تشریح کرنا اور اپنے اوردوسروں کے اختیارات کی سرحدوں کا تعین کرنا' روحِ وقار (Essence of Dignity) کی حفاظت کا اہتمام ہے۔خدا تعالیٰ نے '' **وَلَقَد کرمّنا بنی آدَمَ**'' کا اعلان کر کے انسان کے اختیار کی توثیق کر دی ہے۔اب انسان کیلئے صرف یہ کام رہ گیا ہے کہ وہ اس اختیار کو دریافت کرے

MashalBooks.org

اور اس کی حدود مقرر کر کے اسے استعمال کرے۔ نیز خدا کی منشاء معلوم کرنا اور انسانی ہوسِ اقتدار کو مسترد کرنا' اطاعتِ خداوندی کے جذبے کا عین تقاضا ہے۔

کسی انسان کو خدا کے اقتدار کا ساجھی سمجھنا شرک ہے جو انتہائی درجے کا مذموم فعل ہے۔کوئی شخص اپنے جیسے یا اپنے سے کم تر درجے کے انسان کی عبادت کیسے کرسکتا ہے؟ اپنے جیسوں کے سامنے جھکنا قعرِ مذلت میں گرنے کے مترادف ہے اور اعلیٰ وارفع ذات کے سامنے سرِ نیاز خم کرنا معراجِ بندگی ہے۔

اپنے گردوپیش سے پیدا ہونے والے سوالوں کو ذہن میں لایئے اور اپنی ناکامیوں پر غور کیجئے۔زندگی کے پیچ در پیچ چیلنج آپ کو اپنی لپیٹ میں لینے کے لئے بے تاب ہیں' ان کا مقابلہ کرنا ہے تو آپ کو بنیادی اصولوں کو ذہن نشین رکھنا ہوگا' جتنا کوئی اصول زیادہ بنیادی اور زیادہ سادہ ہوگا' اس پر استقامت کے ساتھ عمل کرنا' اتنا ہی زیادہ مشکل ہوگا۔ سادگی اور استقامت' عملاً ایک دوسری سے مطابقت نہیں رکھتیں۔

اپنی مرضی سے شادی

ایک طالبہ ایک دفعہ میرے پاس مشورے کیلئے آئی' اس نے اپنے والدین کی طرف سے اپنی شادی کی شدید مخالفت کا کافی طویل قصہ سنایا' ان کا اصرار تھا کہ لڑکے کا انتخاب وہ خود کریں گے' کیونکہ یہ ان کا حق ہے۔ وہ کہتے تھے کہ لڑکا ان کے اپنے کلچر اور ان کے آبائی علاقے کا ہونا چاہئے۔اس کی ماں جس کی اپنی شادی میں بھی اس کو کوئی اختیار نہیں دیا گیا تھا' یہاں اپنی بیٹی کا حقِ انتخاب اس سے چھیننے کی کوشش کر رہی تھی' اس کا کہنا تھا کہ بیٹی کو ماں کی پسند کا احترام کر کے ماں سے محبت اور وفاداری کا ثبوت دینا چاہئے۔ بعض والدین کی سوچ یہ ہے کہ ان کی اولاد ان کے پاس بطور ''امانت'' (Trust) نہیں بلکہ ان کی ذات کی توسیع (Extension) کی حیثیت رکھتی ہے' والدین سے ہٹ کر نہ ان کی کوئی شناخت ہے اور نہ عزتِ نفس ہے۔ یہ ساری کشمکش ایک قوتِ تعریف (Power of Definition) پر مبنی ہے ''بیٹی'' کی تعریف کیا ہے؟ بیٹی کے ''کردار اور شناخت'' کی کیا تعریف ہے؟ اس خاندان میں کشمکش کا ایک پہلو یہ تھا کہ ماں کہتی تھی کہ بیٹی اپنا ''حجاب'' اتار دے' سر پر سکارف باندھنا ترک کر دے' گھر سے باہر رہنا سیکھ لے اور علاقے میں جو ''جبری مارچ'' ہوا کرتی ہے اس

میں خوشی خوشی حصہ لیا کرے۔ لوگ ''فتوے'' کی قوت کے سامنے چونکہ دب جاتے ہیں' ماں نے اس سے فائدہ اٹھانے کے لئے خود ایک فتویٰ وضع کر لیا اور وہ یوں تھا...... والدین کی ''اطاعت'' کرنے کا فرض اور ''حجاب'' کرنے کا فرض؟ ان دونوں فرضوں کا تصادم ہو تو والدین کی ''اطاعت''، ''حجاب'' پر فوقیت رکھتی ہے۔ آگے چل کر اس منطق نے یہ شکل اختیار کر لی کہ اگر والدین کو بچوں کے جسم بے نقاب کرنے کا اختیار ہے تو یہ فیصلہ دینے کا بھی اختیار ہے کہ بیٹی کا ''جسم'' کس کی زوجیت میں دیا جائے؟......

اگر گھر کا ماحول بیٹوں اور بیٹیوں کو اپنے گرد حصار (باؤنڈری) کھینچنے کا حق نہیں دیتا' اور انہیں اپنی شناخت پر اصرار کرنے کا حق بھی نہیں دیتا تو والدین کی ''منشائے خداوندی کے بارے میں تعبیر میں بچوں کی ''عزت نفس'' کے لئے بھی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اگر والدین بچوں کو ''منشائے خداوندی'' خود دریافت کرنے کا حق نہیں دیتے اور انہیں اسی ماحول کے خوگر بناتے ہیں کہ وہ دوسرے انسانوں کی من مانی تعبیر ''منشائے خداوندی'' کے سامنے سر جھکا لیا کریں تو ان کا خدا سے براہ راست تعلق کبھی نہ بن سکے گا اور وہ ہر کسی کے پیچھے چل پڑنے کے عادی ہو جائیں گے۔

میں نے اس طالبہ کو دلاسہ دیا اور اسے وہی بنیادی اصول یاد دلایا جس پر میں خود عمل کیا کرتا ہوں۔ جس ''اطاعت'' میں خدا کی نافرمانی ہوتی ہو' وہ اطاعت ترک کر دی جانی چاہیے۔ لیکن اس نے سورۃ لقمان کی آیت 15 کا حوالہ دیا: '' **وَ اِنْ جاھَدٰکَ علٰی اَنْ تشرِکَ بی ما لیسَ لک بہ عِلْم فَلاَ تُطِعْھُما وَ صاحِبْھُمافی الدُّنْیا مَعْرُوْفاً وَّ اتَّبِعْ سَبِیْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَیَّ** '' (لیکن اگر وہ تجھ پر دباؤ ڈالیں کہ میرے ساتھ تو کسی ایسے کو شریک کرے جسے تو نہیں جانتا تو ان کی بات ہرگز نہ مان۔ دنیا میں ان کے ساتھ نیک برتاؤ کرتا رہ۔ مگر پیروی اس شخص کے راستے کی کر جس نے میری طرف رجوع کیا ہے) کیا یہ آیت یہ تو نہیں کہتی کہ ہم دیگر تمام معاملات میں ان ہی کی پیروی کریں؟ مجھے اس آیت کے خوبصورت الفاظ یاد آئے۔ میں نے ان کی تشریح کرتے ہوئے کہا یہاں مسئلہ یہ نہیں کہ ہر شخص کو اپنے والدین کی پیروی کرنی چاہئے بلکہ یہ ہے کہ اسے ہر قیمت پر خدا کی اطاعت کرنی چاہئے خواہ اس اطاعت کے نتیجے میں والدین کی نافرمانی بھی ہو جائے؟ قرآن نے

بار بار ان انسانوں کو ملامت کیا ہے جو خدا کے احکامات کو نظر انداز کر کے اپنے آباؤ اجداد کی کورانہ تقلید کرتے رہتے ہیں۔ پھر میں نے متذکرہ آیت کا یہ جملہ دہرایا ''جسے تو نہیں جانتا'' اور کہا کہ کیا اس میں یہ کہا گیا ہے کہ والدین اپنے تجربے کے بل بوتے پر ہمیشہ اعلیٰ قسم کی معلومات کے حامل ہونے کا دعویٰ کر سکتے ہیں؟ اور کیا اس کا مطلب یہ ہے والدین ثقافت و تہذب کے پُر اسرار علم کے گیٹ کیپرز ہیں؟

ہم پر والدین کی عزت اور احترام کرنا بلاشبہ فرض ہے لیکن ''عزت'' اور ''آنکھیں بند کر کے اطاعت'' ہم معنی نہیں ہیں۔ جائز حکم اور حدود اختیار سے تجاوز بھی ہم معنی نہیں ہیں۔ ''والدین اور بچوں کے باہمی رشتے'' میں یہ امر فوقیت رکھتا ہے کہ گھر کے سب افراد کو انسانی وقار کے احترام کا سبق سکھایا جائے اور والدین اس کا عملی مظاہرہ کر کے ایک نمونہ پیش کریں۔ یہ امر بھی ملحوظ رکھا جائے کہ والدین کا حکم ''منشائے خداوندی'' کے مساوی نہیں ہو سکتا۔

جون ۱۹۹۷

باب 15

اولاد کا دکھ

کئی گھنٹے گزر گئے مگر ایک لفظ تک نہ لکھا جا سکا۔ تمہارا ذہن سوالوں کی آماجگاہ بنا ہوا ہے۔ مگر ان کا آپس میں کوئی ربط نہیں۔ کتابیں لازوال پندونصائح کی کہانیاں تمہارے کانوں میں انڈیل رہی ہیں اور تم ہمہ تن گوش بنے ہوئے ہو‘...... آخر سننے کی بھی ایک حد ہوتی ہے‘ آوازیں تمہارے پردۂ سماعت سے ٹکراتے ٹکراتے‘ اپنا مفہوم کھونے لگی ہیں۔ تم انہیں سمجھ تو رہے ہو مگر صحیح طریقے سے سمجھ نہیں رہے۔ تمہارے سامنے ایک آدمی بیٹھا ہے جو اپنے بیٹے کے بچھڑ جانے کی وجہ سے شدت غم کے باعث نڈھال ہو چکا ہے۔ اس کا دل و دماغ ماؤف ہے۔ دردِ جدائی ہو یا دردِ زہ اپنے ساتھ ہزاروں سوچیں لاتا ہے۔ تم پر بھی کئی سوچیں حملہ آور ہو رہی ہیں لیکن ان میں باہمی ربط مفقود ہے۔

خدا نے ایک اصول بتایا ہے۔...... " **لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ** " (نہ تو ماں کو اس وجہ سے تکلیف میں ڈالا جائے کہ بچہ اس کا ہے اور نہ باپ ہی کو اس وجہ سے تنگ کیا جائے کہ بچہ اس کا ہے...... سورۃ البقرہ آیت ۲۳۳) بطور اصولِ قانون‘ حکم یہ دیا گیا ہے کہ والدین کو ان کے بچوں کی وجہ سے اذیت میں مبتلا نہ کیا جائے لیکن والدین کسی نہ کسی وجہ سے ہمیشہ دکھ سہتے ہی رہیں گے۔ یہ تو اصولِ تنفس ہے‘ سانس جب تک چلتی رہے گی والدین اپنے زندہ ہونے کی ''پاداش'' میں اپنے بچوں کیلئے تکلیفیں برداشت کرتے رہیں گے۔

یہ آدمی بدستور میرے سامنے بیٹھا ہوا ہے‘ اس نے دونوں ہاتھ باندھ کر اپنی گود میں رکھے ہوئے ہیں۔ اس کے کندھے بوجھ کی وجہ سے جھکے ہوئے ہیں۔ اس کی پھیکی مسکراہٹ

دم توڑ چکی ہے جو بڑی مشکل سے اس کے ہونٹوں پر آسکی تھی۔اس کی زبان سے ایک اور جملہ نکلا ’’بیٹے کی جدائی نا قابل برداشت ہو چکی ہے' سوائے دعا کے اور کیا کر سکتا ہوں‘‘۔

میں ان کہانیوں کے بارے میں سوچ رہا ہوں جو یہ کانفرنس سناتی رہتی ہے اور قرآن کریم کی آیات بھی میرے ذہن میں گھوم رہی ہیں۔’’تلک ایاتُ الکتابِ المُبِیْنO نَتْلُو عَلَیْکَ مِنْ نبَاِ مُوْسیٰ وَ فِرْعَوْنَ بِالَحقِّ لِقَومٍ یُّومِنُوْنO۔(یہ کتاب کتاب مبین کی آیات ہیں۔ہم موسیٰ اور فرعون کا کچھ حال ٹھیک ٹھیک تمہیں سناتے ہیں' ایسے لوگوں کے فائدے کے لئے جو ایمان لائیں ...... سورۃ القصص آیات ۲'۳) یہ کہانیاں...... قصص......ہمیں کیسے اطمیان اور سکون پہنچاتی ہیں اور کیسا درس دیتی ہیں؟ اس ’’کانفرنس‘‘ میں یہ کہانیاں ہماری منتظر ہیں تا کہ ہم اپنے مسائل کے لئے ان سے سبق لیں۔ان سے سکون اور اطمینان حاصل کریں۔ میں اس شخص کے درد کو سمجھتا ہوں مگر اس کے بوجھ میں اضافہ نہیں کرنا چاہتا۔

میرے ذہن میں آیات کی آمد کا سلسلہ جاری ہے۔اسی سورۃ القصص کی اگلی آیت یہ ہے۔ ”اِنّ فِرْعَوْنَ عَلاَ فِی الارْضِ وَجَعَل اَھْلَھاَ شِیَعًا یَّسْتَضْعِفُ طَآ ئِفَۃً مِّنْھُمْ یُذبِّحُ اَبْنَآءَ ھُمْ وَیَسْتَحْیِ نِسَآء ھُمْ اِنَّہٗ کَانَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنO (واقعہ یہ ہے کہ فرعون نے زمین پر سرکشی کی اور اس کے باشندوں کو گروہوں میں تقسیم کر دیا۔ان میں سے ایک گروہ کو وہ ذلیل کرتا تھا اس کے لڑکوں کو قتل کرتا اور اس کی لڑکیوں کو جیتا رہنے دیتا تھا۔فی الواقعہ وہ مفسد لوگوں میں سے تھا۔) لیکن خدا مظلوموں کی داد رسی کرنا اور انہیں خلاصی دلانا چاہتا تھا اور فرعون اور اس کے سپاہیوں کو وہ ایسی سزا دلانا چاہتا تھا جس سے وہ بے حد خائف رہتے تھے۔ان کا نجات دہندہ ایک بچہ تھا اور ذریعۂ نجات ایک ماں کو پہنچنے والی مصیبتیں تھیں۔

اللہ تعالیٰ نے موسیٰؑ کی والدہ کو ایک پیغام القاء کیا...... پیغام کا قرآن میں یوں ذکر آیا ہے: ”وَاَوْحَیْنآ اِلٰی اُمِّ موسیٓ اَنْ اَرْضِعِیْہِ فَاِذَا خِفْتِ عَلَیْہِ فَاَلْقِیْہِ فِی الْیَمِّ وَلَا تَخَافِیْ وَلَا تَحْزَنِیِ اِنّارَآدُّوْہُ اِلَیکِ وَجَاعِلُوْہُ مِنَ الْمرْسَلِین“O......(ہم نے موسیٰ کی ماں کو اشارہ کیا کہ ’’اس کو دودھ پلا' پھر جب تجھے اس کی جان کا خطرہ ہو تو اسے دریا میں ڈال دے اور کچھ خوف اور غم نہ کر' ہم اسے تیرے ہی پاس لے آئیں گے اور اس کو پیغمبروں میں

MashalBooks.org

شامل کریں گے"......سورۃ القصص آیت ۷)۔اللہ تعالیٰ کی طرف سے یقین دہانیوں کے باوجود ماں کا دل شدت غم کی وجہ سے اڑا جا رہا تھا اور وہ اس حقیقت کو افشا کرنے کے قریب پہنچ گئی......جیسا کہ قرآن کہتا ہے۔ " وَاَصْبَحَ فُؤَادُاُمّ موسیٰ فٰرِغًا' اِنْ کادَتْ لَتُبْدِیُ بِهٖ لَولآ اَنْ رَّبَطْنا عَلٰی قَلْبِها لِتَکُوْنَ مِنَ الْمُؤمِنِیْنO ......(ادھر موسیٰ کی ماں کا دل اڑا جا رہا تھا۔وہ اس کا راز فاش کر بیٹھتی اگر ہم اس کی ڈھارس نہ بندھا دیتے تا کہ وہ (ہمارے وعدے پر) ایمان لانے والوں میں سے ہو......سورۃ القصص آیت ۱۰)۔بالآخر خدا نے بچہ اس کی ماں تک پہنچا دیا۔ " فَرَدَدْنٰهُ اِلٰی اُمِّهٖ کَیْ تَقَرَّ عَینُهَا وَلَا تَحزَنَ وَلِتَعْلَمَ اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَهُمْ لایَعْلَمُون" ...... (اس طرح ہم موسیٰؑ کو اس کی ماں کے پاس پلٹا لائے۔تا کہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور وہ غمگین نہ ہو اور جان لے کہ اللہ کا وعدہ سچا تھا مگر اکثر لوگ اس بات کو نہیں جانتے......سورۃ القصص آیت ۱۳)

میں حیران ہوتا ہوں حضرت موسیٰؑ کی والدہ کو یہ القاء کیسے ہوا؟ کیا یہ براہ راست وحی تھی؟ یا ایمان کی پُر اسرار نکتہ سنجی؟ بیٹے سے جدائی کے بعد پہلی رات اس نے کیسے گزاری؟ اس نے کیسی کیسی مناجات کی ہوں گی؟ اور پھر خداوند قدوس نے اس کے دل کو جیسے تقویت عطا کی ہوگی؟

انبیاء علیہم السلام کو غم واندوہ کی کیسی کیسی کیفیات سے دوچار ہونا پڑا' انہوں نے اپنے وہ لمحات کیسے گزارے' یہ پڑھ کر ہمیں گہرے اطمینان کا احساس ہوتا ہے۔اگر اللہ کے وہ منتخب لوگ اپنے بچوں کے معاملات میں اتنے گہرے صدمات سے دوچار ہو سکتے ہیں' تو ہم کس شمار وقطار میں ہیں۔اس وقت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دل پر کیا بیتی ہوگی جب انہیں خدا کی طرف سے یہ فیصلہ پہنچا تھا...... " مَا کانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍمِّنْ رِّجالِکُمْ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖن"...... (لوگو! محمدؐ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں مگر وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں......سورۃ الاحزاب آیت ۴۰)۔اس ایک وحی کے اندر اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو مطلع فرما دیا کہ ان بیٹوں میں سے ایک بھی زندہ نہیں بچے گا اور مجھے یاد ہے کہ آنحضرتؐ کو اپنے صاحبزادے ابراہیم کی وفات پر کتنا صدمہ پہنچا تھا۔پھر حضرت یعقوبؑ کا واقعہ یاد کیجئے جب ان کے بیٹوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں آ کر انہیں اندوہناک خبر سنائی تو ...... " وَتَوَلّٰی عَنْهُمْ وَقَالَ یٰٓاَسَفٰی عَلٰی یُوسُفَ وَابْیَضَّتْ عَینهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ کظِیْم"...... (پھر وہ ان کی طرف سے منہ پھیر کر بیٹھ گیا

اور کہنے لگا'' ہائے یوسف!'' وہ دل ہی دل میں غم سے گھٹا جا رہا تھا اور اس کی آنکھیں سفید پڑ گئی تھیں......'' سورۃ یوسف آیت ۸۴)

میں نے اس آدمی کی طرف دیکھا جو اپنے دل میں غموں کا بوجھ لئے بیٹھا تھا۔ میں نے اپنے دل میں اس کی کیفیات کا تصور کیا' میں اپنی اس کیفیت کا اظہار نہیں کر سکتا۔ قرآن نے کیسے مناسب طریقے سے بیان کیا: " وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوالُکُمْ وَاَوْلادُکُمْ فِتْنَةٌ "...... (اور جان رکھو کہ تمہاری مال اور تمہاری اولاد حقیقت میں سامانِ آزمائش ہیں'' ......سورۃ انفال آیت ۲۸)۔ اپنے بچے اور ان کے لئے ہمارے دل میں پائی جانے والی محبت انتہائی خوبصورت چیزیں ہیں' یہ خوبصورتی ہمیں کس کس طرح آزماتی ہے۔

میری خاموشی سے گھبرا کر اس آدمی نے یہ آیت پڑھی ...... " ذَالِکَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ یَکُ مُغَیِّرً اِنِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰی قومٍ حتّٰی یُغَیِّرو امابِاَنْفُسِهِمْ وَاَنَّ اللّٰه سمیعٌ العَلِیمٌ o ...... (یہ اللہ کی اس سنت کے مطابق ہوا کہ وہ کسی نعمت کو جو اس نے کسی قوم کو عطا کی ہو اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک وہ قوم خود اپنے طرزِ عمل کو نہیں بدل دیتی' اللہ سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے ......سورۃ انفال آیت ۵۳) اس نے کچھ دیر توقف کیا' پھر معذرت کے انداز میں بولا ......'' کوئی آفت لوگوں کی شامتِ اعمال کب ہوتی ہے؟ کاش مجھے معلوم ہوتا کہ میں ان میں سے کونسی کیفیت سے دوچار ہوں؟''۔ میں اس کے ادا کئے ہوئے ہر لفظ پر غور کرنے کے بعد آہستہ آہستہ بولنے لگا۔'' میرے دوست! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صرف ایک صاحبزادی حضرت فاطمہؓ (متوفیہ ۱۰ھ/۶۳۲ء) آپؐ کے بعد دنیا سے رخصت ہوئی تھیں جبکہ دیگر تمام بچے بچیاں آپؐ کی زندگی ہی میں آپ سے رخصت ہو گئی تھیں۔ اللہ تم پر اور تمہارے بیٹے پر اپنا کرم کرے''

میں نے اپنے دل میں مسلم سکالر اور مؤرخ عبدالرحمٰن الجبارتی (متوفی ۱۲۴۱ھ/۱۸۲۵ء) کو یاد کیا۔ اس نے نپولین بونا پارٹ اور مصر پر فرانسیسی قبضے پر کڑی تنقید کی اور اس وقت کے مصری حکمران محمد علی پر بھی سخت حملہ کیا جس کی پاداش میں اس کی تحریروں پر سال ہا سال تک پابندی رہی۔ پھر بھی وہ اس کی زبان بند نہ کرا سکے۔ لیکن جب انہوں نے اس کے بیٹے خلیل کو قتل کر کے اس کی میت گدھے پر لاد کر قاہرہ کی گلیوں میں پھرانے کے بعد باپ کے پاس پہنچائی تو اس کی زبان بند ہو گئی اور وہ اسی غم میں گھل گھل کر فوت ہو گیا۔ کیا بیٹے سے اس کی

محبت ہی اس کی واحد کمزوری تھی؟

میں نے اپنے دل میں آیت دہرائی...... " قُل اِنْ کانَ اٰبآءُ کُمْ وَاَبْنَاؤُ کُمْ وَاِخوانُکُمْ وَاَزْوَاجُکُمْ وَ عَشِیْرَتُکُمْ وَاَمْوَالُ ن اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجارَةٌ تَخْشَوْنَ کَسَادَهَا وَ مَسٰکِنُ تَرْضَوْ نَهَآ اَحَبَّ اِلَیْکُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فی سَبِیْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حتّٰی یَاْتِیَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ وَاللّٰه لا یَهْدِی قوم الفاسِقین O ...... (اے نبیؐ کہہ دو کہ اگر تمہارے باپ، تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارے عزیز و اقارب اور تمہارے وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور تمہارے وہ کاروبار جن کے ماند پڑ جانے کا تم کو خوف ہے اور تمہارے وہ گھر جو تم کو پسند ہیں، تم کو اللہ اور اس کے رسولؐ اور اس کی راہ میں جہاد سے عزیز تر ہیں تو انتظار کرو کہ اللہ اپنا فیصلہ تمہارے سامنے لے آئے اور اللہ فاسق لوگوں کی رہنمائی نہیں کیا کرتا......سورۃ التوبہ آیت ۲۴)۔اے الجبار تی اللہ تمہاری روح پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے، میں ایسا گستاخ کیوں بنوں جو تمہارے بارے میں رائے زنی کروں اللہ بہتر جانتا ہے کہ اس نے تجھ پر جو آزمائش ڈالی تم اس میں کس حد تک کامیاب ہوئے ہو؟

ایسا لگتا تھا کہ میرے سامنے بیٹھے ہوئے شخص نے میری سرگوشیاں سن لی ہیں اور میرے دعائیہ کلمات بھی اس کے کان میں پڑ گئے ہیں چنانچہ وہ بولا ......"اس صورت میں آپ کی کیا رائے ہے کہ اگر آپ کا بیٹا آپ کے جہاد فی سبیل اللہ کی وجہ سے نہیں بلکہ کسی اور بات پر جبراً چھین لیا گیا ہو کچھ لوگوں نے محض اپنے خبطی پن کا مظاہرہ کرنے کے لئے یہ ستم ڈھایا ہو؟"۔

میں نے اسے جواب دیا کہ اس صورت میں بھی صبر بہترین طریق عمل ہے۔اس کی تلقین بھی خدا نے ہی کی ہے ...... فَصَبْرٌ جَمِیْلُ وَاللّٰه الْمُسْتَعَانُ عَلٰی ماتَصِفُوْنO (صبر بہت خوبصورت عمل ہے، اللہ ہی سے مدد مانگی جا سکتی ہے......سورۃ یوسف آیت ۱۸)

جولائی ۱۹۹۷

MashalBooks.org

باب 16

دہشت گردی کی اقسام

دہشت' حواس کو مفلوج اور ذہن کو ماؤف کر دیتی ہے۔ اس سے اعضا و جوارح سکڑ جاتے ہیں اور قوت عمل منتشر ہو کر اضطراری کیفیت طاری کر دیتی ہے۔ یہ ایک بیماری کی طرح ایک حالتِ تعطل ہے جو جُملہ قویٰ کو مضمحل اور وا ماندہ بنا دیتی ہے۔

ایک دہشت گرد اپنے شکار کی آنکھوں میں جو خوف و ہراس پاتا ہے وہ اس کے لئے کوئی اہمیت نہیں رکھتا' اس کے لئے اصل اہمیت اس خوف کے بعد پیدا ہونے والے حالات کی ہوتی ہے جب ہر سو ایک ہیبت اور لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔ دہشت گردی ایک علاماتی پیغام ہوتا ہے جو تشدد کے ذریعہ عام کیا جاتا ہے۔ کمزور ہتھیار ڈالنے سے انکار کا پیغام دینے کی کوشش کرتے ہیں اور طاقتور ان کو ہتھیار ڈالنے کے مطالبے کا پیغام دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ درحقیقت کمزور صرف اپنی بے حد ناتوانی کا ابلاغ کرتے ہیں اور طاقت ور اپنے تسلط اور جبر کی صلاحیت کا ابلاغ کرتے ہیں۔

اتنے میں ایک اور دہشت انگیز حملے کی خبر آ جاتی ہے اور ''کانفرنس'' کا نظم و ضبط درہم برہم ہو جاتا ہے۔ دہشت گردی معقولیت و استدلال کے خاتمے کا اعلان ہوتی ہے۔ لہٰذا ''کانفرنس'' کا سلسلہ رک جاتا ہے۔ درحقیقت دلیل پیش کرنے کی اہلیت نیک و بد میں تمیز کرنے کی اہلیت کا ثبوت ہوتی ہے۔ دہشت گردوں کو ان دونوں چیزوں سے کوئی غرض نہیں ہوتی۔ وہ اپنے شکار کو اپنی راہ پر لانا چاہتے ہیں اور انہیں اس صلاحیت سے محروم کر دینا چاہتے ہیں جو نیک و بد میں امتیاز کر سکتی ہے اور فرد کو ایک نصب العین عطا کر سکتی ہے۔

فقہائے اسلام نے نہتے اور کمزور لوگوں کونشانہ بنانے اور اچانک حملے کر کے خوف و ہراس پھیلانے والوں کے بارے میں بہت کچھ لکھا ہے' انہوں نے اس کے لئے ''محارب'' کا لفظ استعمال کیا ہے اور اسے ایسا مجرم قرار دیا ہے جو انتہائی ذلیل اور بدطنیت ہوتا ہے اور ذرہ برابر نرمی کا بھی مستحق نہیں ہوتا۔ ابن رشد (متوفی ۵۲۰ھ/ ۱۱۲۶ء) نے لکھا ہے کہ جو شخص لوگوں کو ان کے گھروں میں خوفزدہ کرتا ہے ''محارب'' ہے اور مالکی فقیہہ ابن العربی (متوفی ۵۴۳ھ/ ۱۱۴۸ء) نے زنا بالجبر کرنے والے کو بھی ''محارب'' قرار دیا ہے۔ اس ''کانفرنس'' میں موجود کتب فقہ ''فتن'' ...... ''فساد'' اور اس کے مرتکبین کے لئے سزاؤں کے احکامات سے بھی بھری پڑی ہیں۔ ان فقہا نے لکھا ہے کہ ''خوف'' اور ''رجبہ'' اور ''بدامنی'' کے حالات میں نہ تو نماز ادا کی جاسکتی ہے اور نہ صحیح طور پر سوچ بچار ممکن ہوسکتی ہے۔ ایسے افراد روئے زمین پر اللہ کی ''سنت'' (مقاصد) کو ناکام بنانے کے مرتکب ہوتے ہیں۔

موجودہ دور میں متعدد ایسے اسباب موجود ہیں جن کی وجہ سے نہ نماز صحیح طور پر ادا کی جا سکتی ہے اور نہ صحیح سوچ ممکن ہوسکتی ہے۔ بہت سے لوگ خوف اور ڈر کی زندگی گزار رہے ہیں جو بالآخر ان کے حواس کے تعطل پر منتج ہوتی ہے۔ انہیں روزمرہ کی زندگی میں پیش آنے والے ناخوشگوار واقعات' دہشت گردوں کے حملے سے بھی زیادہ سخت اور زیادہ سنگین محسوس ہوتے ہیں۔ مثلاً تعداد (شماریاتی لحاظ سے) میں کم کر دیئے جانے کا خوف' بے روزگاروں کی قابل قبول فیصد شرح (Acceptable Percentage) میں شامل کر لئے جانے کا خوف اور کنگال اور بے گھر ہو جانے کا خوف تو ہر وقت ہی مسلط رہتا ہے۔ تاہم مسلم فقہا بالکل حق بجانب تھے کہ جو مجرم' سول آبادی کو ہدف بناتا ہے اور اچانک اور اندھا دھند حملے شروع کر دیتا ہے' ذلیل اور کمینہ ہے لیکن وہ لوگ بھی لائق نفرت و مذمت ہیں جو دہشت انگیزی کو ابلاغ کا اولین وسیلہ بناتے ہیں۔

لیکن ''خوف'' کو ذریعۂ ابلاغ بنانے کا ارتکاب' جسمانی دہشت گرد ہی نہیں کرتا' ذہنی دہشت گرد (Intellectual terrorists) بھی اس کے مرتکب ہوتے ہیں۔ یہ جذباتی غاصب اور نوسر باز ہوتے ہیں۔ جنسی امتیاز' نسلی امتیاز اور مذہبی تعصبات کے پرچارک بھی ذہنی دہشت گردوں کی ذیل میں آتے ہیں۔ کیونکہ یہ سب خوف کی زبان استعمال کرتے ہیں اور اپنے ہدف کو ہراساں کر کے زبان بند رکھنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔

میرے کان عربوں اور مسلمانوں کے بارے میں استعمال ہونے والے متعدد الفاظ سے آشنا ہیں' مثلاً سیاسی موقع پرست' سیاسی طالع آزما' افواہ باز' صرف خود کو حق پر سمجھنے کے دعویدار' سیاسی اسلام' جنگجویانہ اسلام اور اندھے بہرے بنیاد پرست وغیرہ۔ بعض شعائر اسلام...... اذان' رکوع و سجود اور دوپٹے (سکارف) کے بارے میں بھی مضحکہ خیز الفاظ استعمال کئے جا رہے ہیں۔ مسلمانوں سے متعلقہ امور کو مخصوص رنگ میں بیان کر کے ایسا تاثر دیا جاتا ہے جیسے کسی جناتی مخلوق کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ کچھ کم درجے کے ''انٹلیکچول دہشت گرد'' اسلام کا نام لینے سے پہلے اپنی پسند کے حرف کا اضافہ کرنے میں بھی کوئی عار نہیں سمجھتے اور بڑی بے باکی سے ''اسلامک تھریٹ'' یا ''مسلم وائیلنس'' کی تراکیب استعمال کر ڈالتے ہیں۔ سامعین کو مسلمانوں سے خوفزدہ کیا جاتا ہے اور ان کے دلوں میں ان کے خلاف نفرت ابھارنے کی کوشش کی جاتی ہے

''کانفرنس'' کی خاموشی اور ''معقولیت کے فالج'' کی یہ کیفیات میرے لئے سوہانِ روح بنی ہوئی ہیں' مسلمانوں کو ایک عجیب قسم کی دہشت گردی کا سامنا ہے۔ وہ نوکریوں سے بلاوجہ نکال دیتے جاتے ہیں۔ گلیوں میں گزرتے ہوئے حملے کر دیئے جاتے ہیں اور ان سے بے ڈھکے چھپے تعصب کا سلوک روا رکھا جاتا ہے۔ ان سے بوسنیا اور کشمیر میں وحشیانہ رویہ اختیار کیا جاتا ہے۔ جہاں بلاوجہ پکڑ دھکڑ اور عورتوں کی عصمت دریوں کے واقعات دن رات کا معمول بنے ہوئے ہیں۔ میں دعا کرتا ہوں کہ ''کانفرنس آف بکس'' کو اپنی صدائے احتجاج کو مزید قوت سے اٹھانے کی توفیق ملے۔ ''جہالت اور نادانی کی دہشت گردی'' کا واحد جواب استدلال اور معقولیت کا چلن عام کرنا ہے۔

(ستمبر 1997ء)

MashalBooks.org

باب 17

فون کیجئے......فتویٰ حاضر

انسان جتنا زیادہ جانتا ہے اتنا ہی زیادہ جاننا چاہتا ہے لیکن خدا کے بارے میں جتنا زیادہ پوچھتا ہے اتنا ہی زیادہ معلومات پاتا ہے۔ اس ''کانفرنس'' میں واحد قائم بالذات (Absolute) خدائے تعالیٰ ہے' باقی جو کچھ ہے اس ہستیِ مطلق کی تلاش کی کوششیں ہیں۔ اگر کوئی شخص اس علیم وخبیر کے سامنے کچھ جاننے کا دعویٰ کرتا ہے تو وہ بڑی شرمناک جسارت ہوگی۔ اس ''کانفرنس'' میں کبر وخود نمائی سب سے بڑی جہالت کا مظاہرہ ہوگی۔ دنیاوی علم سوائے ایک سوال کے کچھ بھی نہیں ہے۔

کہا جاتا ہے کہ مالکی فقیہہ سحنون (متوفی ۲۴۰ھ/ ۸۵۵ء) نے ایک دفعہ کہا کہ ''جو لوگ فتویٰ جاری کرنے کے لئے انتہائی مستعد بیٹھے رہتے ہیں وہ جاہل ترین مخلوقات ہیں''۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ امام مالک ابن انس (متوفی ۱۷۹ھ/ ۷۹۶ء) سے اگر پچاس مسائل پوچھے جاتے تو وہ ایک آدھ کا جواب دیا کرتے تھے۔ جب تاریخ کا سفر آگے بڑھا تو الہیثم ابن جمیل نے روایت کی کہ امام مالک سے اڑتالیس (۴۸) مسئلے پوچھے گئے جن میں سے بتیس (۳۲) کا جواب انہوں نے یہ دیا کہ ''میں نہیں جانتا''۔ اسلامی تاریخ میں بے شمار واقعات اور حکایات کا ذکر آتا ہے جن میں فتویٰ دینے سے پہلے بہت کچھ سوچ بچار اور تحقیق کی ضرورت پر زور دیا گیا ہے اور انتہائی احتیاط سے کام لینے کی تاکید کی گئی ہے۔

''مفتی'' کی قابلیت وصلاحیت' فتویٰ طلب کرنے کی شرائط اور فتوے جاری کرنے کے لوازمات اور تقاضوں کے بارے میں سیکڑوں کتابیں لکھی گئی ہیں۔ فقہائے کرام نے ''تساہل

فی الفتویٰ'' (بغیر سوچ بچار و تحقیق' اجرائے فتاویٰ) کی سختی کے ساتھ ممانعت کی ہے۔ایسا کرنا' غیر قانونی اقدام اور سخت گناہ سمجھا جاتا تھا۔ بہت سے فقہا نے فتوے جاری کرنے میں بے احتیاطی کرنے والے مفتی کے خلاف مقدمہ دائر کرنے پر بھی زور دیا ہے۔ یہ الفاظ دیگر فتویٰ جاری کرنے سے متعلق غفلت کو بنائے دعویٰ (Cause of Action) تسلیم کیا گیا ہے۔

لیکن یہاں امریکہ میں فتویٰ جاری کرنے کی'' سہولت''...... انگلیوں کے استعمال کا معاملہ بنا دیا گیا ہے' اتنا آسان اور اتنا یقینی جتنا کہ'' پزا پارلر'' سے ڈیلیوری سسٹم کے تحت گھر پر ''پزا'' منگوانا ہوتا ہے۔ '' فتویٰ'' بس ایک فون کال کے فاصلے پر ہے۔ 1800-95-FATWA'' پر کال کیجئے۔فتویٰ سروس پیر سے جمعرات تک ایک بجے تا تین بجے سہ پہر ایسٹرن سٹینڈرڈ ٹائم پر حاضر ہے۔ یہ عربی میں بھی جواب دیتا ہے اور انگلش میں بھی۔ دو روز پہلے میں نے ''فتویٰ سروس'' کو فون کیا تو جواباً علیک سلیک کے بعد مجھے مطلع کیا گیا کہ فتویٰ سروس تا اطلاع ثانی آؤٹ آف آرڈر ہے۔ بہر حال میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ امریکہ میں مسلمان دائیں بائیں فتوے جاری کر رہے ہیں اور اس معاملے میں شرائط فتویٰ' قاعدے اور قوانین وغیرہ کو کوئی اہمیت نہیں دی جا رہی ہے۔سینکڑوں افراد حدیث کی چند کتابیں اور رسالے وغیرہ پڑھ کر مفتی بن بیٹھے ہیں اور سرزمینِ امریکہ پر فقہ کے وائسرائے کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔

ہر مسلمان مرد اور عورت کو اپنی رائے کے اظہار کا حق حاصل ہے' مگر فتویٰ محض اظہار رائے کا مسئلہ نہیں' یہ ایک قانونی رائے کا معاملہ ہے' فتویٰ کسی کے'' پرسنل پرابلم'' پر'' پرسنل ایڈوائس'' یا سوال و جواب کا مسئلہ نہیں ہے۔ یہ ایک'' غیر واجب'' (Non-Binding) قانونی رائے ہوتی ہے جو کوئی قانونی مسئلہ پیدا ہونے پر ظاہر کی جاتی ہے۔مثال کے طور پر اگر کوئی پوچھتا ہے کہ مسلمان دن میں کتنی بار نماز پڑھتے ہیں؟ اس کا جواب دینا فتویٰ نہیں ہے۔ اگر یہ پوچھا جائے کہ'' کیا اپنی عمر سے زائد عمر کے آدمی سے شادی کرنا اچھا کام ہے؟''۔اس کا جواب دینا ایک ذاتی مشورہ ہے' فتویٰ نہیں ہے۔تاہم اگر کوئی ایسے مسئلے کے بارے میں پوچھے جو قانونی انکوائری کا معاملہ ہے تو وہ فتویٰ مانگ رہا (رہی) ہے۔مثال کے طور پر اگر کوئی لڑکی یہ پوچھتی ہے۔'' میں ایک شخص سے شادی کرنا چاہتی ہوں' میرا والد اس شخص کو پسند نہیں کرتا' کیا میں اس کے باوجود قانونی طور پر اس سے شادی کر سکتی ہوں؟''۔ یہ

سوال فتوے کا متقاضی ہوگا' فتویٰ اختلافِ شہادت' قیاس اور شہادت کی قدر و قیمت کے تعین پر مبنی ہوتا ہے۔ فقہی زبان میں فتویٰ کسی ''امر مشکل'' میں مشورہ طلب کرنے پر جاری کیا جاتا ہے۔ یہ نکتہ ذیل کی مثال سے اچھی طرح واضح ہو جائے گا۔ ایک شخص نے امام مالک سے ایک مسئلے کے بارے میں پوچھا۔ امام مالک نے جواب دیا...... ''میں نہیں جانتا''۔ اس آدمی نے پھر کہا...... ''لیکن یہ سادہ اور آسان معاملہ ہے'' امام مالک نے تنگ آ کر کہا...... ''علم اور فتوے کے اندر کوئی چیز آسان نہیں''

''ڈائل۔اے۔فتویٰ ۸۰۰'' کا مطلب یہ ہے کہ خدا کا قانون صرف ایک کال کے فاصلے پر ہے۔ واہ! خدا کے قانون کے لئے کسی تحقیق کی ضرورت نہیں کوئی محنت یا تکلیف برداشت کرنے کی ضرورت نہیں۔ غور وفکر' جدوجہد اور استقامت کی ضرورت نہیں۔ صرف ٹیلی فون کرنے کی ضرورت ہے۔ البتہ کوئی کہہ سکتا ہے کہ ہم فون کال کے پیسے جو ادا کرتے ہیں وہی ہماری محنت ہے۔

اکتوبر ۱۹۹۷

باب18

طلب العلم اور مسلمان

اس ''کانفرنس'' کے ہر گوشے میں اس دعا کے اثرات موجود ہیں: '' وَقُلْ رَبِّ زِدْنِی عِلماً o...... (اور دعا کرو اے پروردگار مجھے مزید علم عطا کر......سورۃ طٰہٰ آیت ۱۱۴) اس دعا نے ہر ''کانفرنس'' میں اور ہر دور میں تحقیق اور زبانی اظہار خیال (Discourse) کی شمع کو روشن رکھا ہے۔ خدا نے انسانوں سے خطیبانہ انداز میں سوال پوچھا ہے...... '' هَلْ يَسْتَوِى الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْن''...... (کیا جو جانتے اور جو نہیں جانتے برابر ہو سکتے ہیں ......سورۃ الزمر آیت ۹)۔ اسلام کی علاماتی دنیا میں جہالت کفر کے مترادف ہے اور مردہ ذہن کو مردہ روح کی تاریکی سے تعبیر کیا گیا ہے۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے ''جو کوئی علم کی تلاش کے لئے نکلتا ہے اس کا سارا سفر جہاد فی سبیل اللہ شمار ہوتا ہے تاوقتیکہ وہ گھر واپس پہنچ جائے''۔ ان ''کانفرنسوں'' کے بے شمار گھنٹے اسی جدوجہد میں صرف ہوئے ہیں۔ کائنات کا ذرہ ذرہ خدا کی نشانیوں کا ثبوت پیش کر رہا ہے ان نشانیوں کو دریافت کرنا ان کے خالق کو یاد رکھنا اور اس کے نام کی تسبیح کرنا ہے۔

احادیث کی بہت بڑی تعداد علم حاصل کرنے کی فضیلت اور جہالت سے بچنے کی تلقین کے بارے میں ہے۔ آنحضرت کا فرمان ہے کہ علماء انبیاء علیہم السلام کے ورثاء ہیں اور یہ کہ حصولِ علم کی جدوجہد کا راستہ جنت کی طرف لے جاتا ہے۔ اسلامی تاریخ اور ثقافت اس فرمان پر ٹھوس طریقے سے عمل کی گواہ ہے۔ مسلمان تاریخ کے تمام ادوار میں اپنی املاک تعلیمی

مقاصد کے لئے وقف کرتے رہے ہیں۔ مدارس چلانے' علماء کی تنخواہیں اور طلبا کے اخراجات پورے کرنے کے لئے سینکڑوں اوقاف وجود میں آتے رہے۔ مسلمانوں نے خدا کو تلاش کرتے کرتے اس کی مخلوقات میں بےشمار تنوع دریافت کرلیا' انہوں نے یونانیوں' ایرانیوں' رومنوں' اسرائیلیوں اور عربوں کے علمی ورثے دریافت کر کے ان میں بے بہا اضافے بھی کردیئے۔ جوں جوں اسلام دنیا کو مقدس کتب کی تہذیب سے متعارف کراتا رہا' مسلمانوں کی سرزمین میں ہزاروں ''کانفرنسیں'' وجود میں آتی رہیں۔ سینکڑوں سال علم کی شاہراہیں اسلام میں سے ہو کر گزرتی رہیں۔

تاہم کچھ افسوسناک باتیں بھی سامنے آرہی ہیں۔ میں ایک بڑے بک سٹور پر جایا کرتا ہوں' وہاں کتابوں کے شیلفوں پر سرسری نگاہ ڈالتے ہوئے میں نے نوٹ کیا کہ اسلام پر کتابوں کا سیکشن' یہودیت اور عیسائیت پر کتابوں کے سیکشنوں کی بہ نسبت بہت ہی چھوٹا تھا' اسلام پر کتابوں کے ٹائیٹل کئی ہفتوں سے وہی کے وہی دکھائی دیتے رہے' میں نے مینیجر سے شکایت کی تو جواب ملا کہ اسلامی سیکشن کی کتابوں کی سیل بہت کم ہے۔ عیسائیت اور یہودیت کے سیکشنوں میں لوگوں کی آمد و رفت جاری رہتی ہے لیکن اسلامی سیکشن میں ایسا نہیں۔ میں اپنے مشاہدے کی وجہ سے جانتا ہوں کہ مسلمانوں میں پڑھنے کا رواج تیزی سے کم ہو رہا ہے وہ تو قرآن تک کو نہیں پڑھ رہے ہیں۔ اگر مسلمان کسی ایک یا دوسری ''کانفرنس'' میں آتے ہیں تو وہ ایسی کتاب کو تلاش کرتے ہیں جو ان کی پہلے کی معلومات کے مطابق مواد پر مشتمل ہو۔

علم کی راہوں پر مسلمانوں کو آگے بڑھتے ہوئے کئی رکاوٹوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے' بے دلیل اور بے سند باتیں (Dogmas)' اعتذاریات (Apologetics) کاہلی وتن آسانی اور غیر شعوری حماقتیں' ان کی سنگ راہ بنی ہوئی ہیں اس میں سب سے بڑی رکاوٹ ذہانت (Intellect) کی بےقدری کا رویہ ہے کیونکہ حصول علم میں سارا کردار ہی ذہانت کا ہوتا ہے' آج کے مسلمان ذہنوں کی تعمیر کی بجائے اینٹ' سیمنٹ اور سریے کی عمارتوں کی تعمیر میں لگے ہوئے ہیں۔

آج دنیا اسلام کے بارے میں سوچتی ہے اور اس کے موضوعات پر مکالمے کئے جاتے ہیں' تجسس اسے سوچنے پر مجبور کرتا ہے۔ مسلمان اسلام کا جھنڈا تو اٹھائے پھرتے ہیں مگر خود کو

یقین دلاتے ہیں کہ دنیا والے وجود ہی نہیں رکھتے۔ دوسری جانب مسلمان دنیا بھر میں موضوع بحث بنتے ہیں مگر مسلمان خودان بحثوں میں موجود نہیں ہوتے۔ امریکہ اور مغرب میں آکسفورڈ، کیمبرج، پرنسٹن، ہاورڈ یا ویسٹ ویو جیسے اکیڈیمک پریس دھڑا دھڑ اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں مطبوعات لا رہے ہیں لیکن ان کتابوں کے زیادہ تر مصنفین مسلمان نہیں ہوتے۔ پاپولر پریس خواہ وہ کتابوں کے ہوں یا جرائد کے، ہر روز مسلمانوں سے متعلق مواد کا ڈھیر لگا رہے ہیں، وہاں کے سیاستدان، صحافی، انتظامی عہدیدار، ماہرین تعلیم اور دیگر اصحاب فکر و دانش اپنے مقالوں، مضامین، لیکچروں اور گفتگوؤں کے لئے انہی مطبوعات کو بنیاد بناتے ہیں، مگر مسلمانوں کی طرف سے چھاپا گیا مواد خال خال ہی ان کے ہاتھ آتا ہے۔ یعنی مسلمان ان مکالموں اور گفتگوؤں پر اثر انداز نہیں ہو سکتے۔

مسلمانوں کی طرف سے جوابی اقدام، اسلامک سنٹرز کے قیام اور کیمپوں اور کانفرنسوں کے انعقاد تک محدود ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ بس اس سے آگے کچھ بھی موجود نہیں۔ اسلامک سنٹرز اگرچہ مسلمانوں کو اپنے اجتماعی وجود میں اپنی شناخت اور مشترکہ دلچسپیوں کا احساس دلانے میں ایک کردار ادا کرتے ہیں لیکن وہ اسلام کے بارے میں علم اور مکالمے کا کوئی زیادہ سنجیدہ مواد مہیا نہیں کر سکتے۔ جہاں تک کیمپوں، کنونشنوں اور کانفرنسوں کا تعلق ہے وہ عارضی جوش و خروش اور تالیوں اور نعروں سے بھرپور جلسوں (Pep Rallies) سے زیادہ کچھ نہیں ہوتیں۔

عصر حاضر، ابلاغ کی دنیا ہے۔ جو کوئی بھی معلومات (Information) کے بہاؤ کو کنٹرول کرتا ہے وہی دماغوں اور مکالموں کو کنٹرول کرتا ہے۔ مسلمان اسلام پر ہونے والی گفتگوؤں کی نہ تو تشکیل کرتے ہیں اور نہ کنٹرول کر سکتے ہیں۔ وہ موضوع بنتے ہیں مگر پیچھے مڑ کر شریک گفتگو نہیں ہوتے۔ اسلام کے بارے میں انفارمیشن کے بہاؤ کا آغاز شاذ و نادر ہی ان کی طرف سے ہوتا ہے، حتیٰ کہ یہ بہاؤ ان سے ہٹ کر گزر جاتا ہے۔

مسلم تعلیمی اداروں اور متبادل پریسوں کو فنڈز فراہم کرنے کی کوششیں تو یقیناً ہوئی ہیں لیکن دو بڑے واضح مسئلوں نے ان کوششوں پر پانی پھیر دیا ہے۔ پہلا مسئلہ کوالٹی کا ہے یعنی تیار کردہ مواد کی معنویت اور اس کی شکل و صورت، اس معیار سے فروتر ہے جس کا حامل مخالفانہ مواد ہے۔ وہ فکری دھارا (Main Stream) اپنے معیار اور مقدار دونوں کے لحاظ سے

اس کی بہ نسبت کہیں زیادہ جامع اور پر اثر ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ دنیا ہمارے نقطۂ نگاہ کو کوئی اہمیت نہیں دے رہی ہے۔ دوسرا بڑا مسئلہ جو آڑے آتا ہے یہ ہے کہ ہماری متذکرہ کوششوں کے لئے آنے والی زیادہ تر رقوم، خلیجی ممالک سے آئی ہیں اور وہ لوگ عموماً مخصوص عقائد کے فروغ پر خرچ ہوتی ہیں۔ تنقیدی علوم کی کوئی حوصلہ افزائی نہیں کی جاتی۔

نبی اکرمؐ کا ارشاد ہے کہ ''ایک مسلمان علم سے کبھی نہیں تھکے گا، حتیٰ کہ جنت میں جا پہنچے گا''۔ مسئلہ اس وقت پیدا ہوتا ہے جب بندہ علم سے نہیں تھکتا مگر اس وقت ضرور تھک جاتا ہے جب اسے امریکہ کے اسلامک سنٹروں اور کانفرنسوں میں نعرے بازیوں اور سطحی نوعیت کی تقریروں سے پالا پڑتا ہے۔ وہ وہاں علم کی پیاس لے کر گیا ہوا ہوتا ہے لیکن جواب میں اسے بے سند عقائد پر مبنی تقریریں سننا پڑتی ہیں۔ پھر یہ صورت سامنے آتی ہے کہ اگر بندہ علم کا شوق رکھے تو غربت میں رہ کر گزارا کرنا سیکھے یا ان لوگوں کی ناجائز کمائیوں پر مبنی رقوم قبول کرے جو ہر مسئلے کے آسان حل بتاتے ہیں۔ اصل مسئلہ اس وقت پیدا ہوتا ہے جب دولتمند مسلمان ذہن کی تعمیر کے لئے رقوم دینے کی بجائے عمارتوں کی تعمیر میں دلچسپی لیتے ہیں اور کتاب کی قدر و قیمت اور افادیت کو پس پشت ڈال دیتے ہیں۔ حالانکہ ہمارے مذہب کی بنیاد ہی کتاب پر رکھی گئی ہے اور یہ سراسر کتاب کے کردار (Role) کے بارے میں ہے۔

نومبر ۱۹۹۷

باب 19

نیویارک سٹی کے ''بم دھماکے''

تعصب، مصنوعی یا فرضی خاکوں کا شاخسانہ ہوتا ہے۔ مخصوص زاویوں سے جمع کردہ معلومات اور اصل حقائق سے بے خبری، لازماً مغائرت اور بدگمانیوں کو جنم دیتی ہیں اور ان کے مزید فروغ کا ذریعہ بھی بنتی ہیں۔ اصل اسباب کی تلاش کی زحمت گوارا نہ کی جائے اور نتائج اخذ کرنے میں جلد بازی کی جائے تو اصل حقائق تک رسائی ناممکن ہو جاتی ہے۔ جو عناصر خاکے (Images) بنانے کی قدرت رکھتے ہیں وہ فیصلے بھی صادر کر سکتے ہیں۔ وہ تعصّبات اور ہٹ دھرمیوں کو فروغ بھی دے سکتے ہیں اور ان کا خاتمہ بھی کر سکتے ہیں۔

یہ ''کانفرنس'' ایک علامتی عمارت ہے، جو افکار کے تقدس اور صحیح علم پر اعتماد کی علامت ہے۔ یہ دین اسلام اور کتاب کی پیش کردہ سنجیدہ فکر کی علامت ہے اور تعصب کی کج فکریوں اور جہالت کے فریبِ نظر سے بالکل پاک ہے۔ اس لئے توازن وعدل پر استوار رویوں کی دعوت دیتی ہے۔

اس موسم گرما میں دو فلسطینیوں پر شبہ کیا گیا کہ وہ نیویارک سٹی کی زیر زمین ٹرین کو بم سے اڑا دینے کی منصوبہ بندی کر رہے تھے۔ پولیس نے گرفتار کرنے کی کوشش کرتے ہوئے ان پر گولی چلا دی جس سے وہ زخمی ہو گئے۔ ان میں سے ایک کے بارے میں پتہ چلا ہے کہ وہ مسلمان ہے، اسے امریکہ سے نکال دینے کا فیصلہ کر لیا گیا، ابھی اس کے اخراج کی کارروائی جاری تھی کہ ایک بحث چل نکلی۔ میئر روڈولف گلیانی نے کہا ''یہ تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ مشتبہ افراد امریکہ، اسرائیل اور یہودیوں کے مفادات پر حملہ کرنے کا ارادہ رکھتے ہوں''

MashalBooks.org

قلمکاروں، تجزیہ نگاروں، مبصروں اور سیاستدانوں کا موقف دوسرا تھا، انہوں نے سیاسی اسلام، اسلامی بنیاد پرستی، اور اسلامی دہشت گردی کے حوالے سے اپنے خیالات پھیلائے۔ امیگریشن اینڈ نیچرلائزیشن سروس (INS) پر کڑی تنقید کی گئی کہ اس نے مشتبہ افراد کو ملک کے اندر داخل ہونے کی کیوں اجازت دے رکھی ہے۔ اور یاد دلایا گیا کہ ان میں سے ایک مشتبہ شخص کے دہشت گرد تنظیم کے ساتھ تعلق رکھنے کی اطلاع اسرائیل نے خود دی تھی۔ ''آئی این ایس'' پر یہ نکتہ چینی بھی کی گئی کہ اس نے فلسطینیوں کو امریکہ میں داخل ہونے کی اجازت تو دے رکھی ہے لیکن اسرائیل کو امریکی بندرگاہوں کی نگرانی کرنے کی اجازت دینے سے انکار کر دیا ہے۔

اس واقعے اور اس کے رڈِعمل کو اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں پہلے سے موجود مصنوعی خاکے میں شامل کر دیا گیا اور ایک بار پھر چند افراد کو دنیا کے عظیم مذاہب میں سے ایک بڑے مذہب اور اس کے پیروکاروں کے نمائندے بنا کر ان کا ڈھنڈورہ پیٹنا شروع کر دیا گیا۔ دہشت گرد گنہگار اور بے گناہ میں تمیز نہیں کرتے۔ انہی کی طرح یہاں کے مبصر اور سیاستدان بھی تو ''جرم'' اور ''شکِ جرم'' میں فرق نہیں کرتے اور گنہگار اور بے گناہ کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکتے ہیں۔

واشنگٹن ٹائمز نے اپنے ۲۴ اگست ۱۹۹۷ کے شمارے میں ایف بی آئی کی رپورٹ کے حوالے سے لکھا کہ ''نیویارک سٹی بم پلاٹ'' محض مذاق تھا، ایف بی آئی اور سی آئی اے کے تفتیش کاروں نے اپنی رپورٹ میں انکشاف کیا کہ مشتبہ افراد نے کوئی فوجی ٹریننگ نہیں لی اور نہ ہی کوئی خاص مذہبی عقیدہ رکھتے ہیں، یہ لوگ دراصل انعام کی رقم میں دلچسپی رکھتے تھے۔ ان کا کوئی سیاسی مسلک یا عقیدہ نہیں تھا جس کے لئے وہ رقم جمع کرنے کے متمنی ہو سکتے ہوں۔ ایسا لگتا ہے کہ مشکوک افراد کو ''ہیروز پروگرام'' کا کہیں سے پتہ چل گیا تھا۔ جس کے تحت سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ نے دہشت گردی کے منصوبوں کی اطلاع دینے والوں کے لئے انعام مقرر کر رکھا تھا۔ انہوں نے ایک سکیم بنائی جو یہ تھی کہ چند پائپ بم نصب کر کے اس کی حکام کو اطلاع کر دی جائے اور ۲۰ لاکھ ڈالر انعام وصول کر لیا جائے۔

خواہ یہ الزامات درست ہیں یا نہیں، یہ الگ بات ہے مگر ''واقعہ'' کے بارے میں یہ موقف مسلمانوں سے متعلق پہلے سے تیار کردہ خاکے میں ٹھیک طرح سے فٹ نہیں بیٹھتا۔

مبصرین کی اکثریت نے اس پہلو پر غور ہی نہیں کیا۔ میسٹر گلیانی نے اس پر کوئی معذرت نہیں کی۔ نام نہاد ماہرین نے اس کیس کے بارے میں ایف بی آئی اور سی آئی اے کی تفتیش کے نتائج پر تبصرہ کرنے کی زحمت گوارا نہیں کی' کس نے بھول کر بھی نہیں کہا کہ اس واقعہ کو خواہ مخواہ مسلمانوں سے کیوں منسوب کر دیا گیا ہے۔ ان کے مسخ شدہ خاکے میں اس کا اضافہ کیوں کر دیا گیا ہے؟ اسلام اور مغرب کے درمیان طویل محاذ آرائی میں مزید شدت پیدا کرنے کی کوشش کیوں کی جا رہی ہے؟...... جیسے سب کو سانپ سونگھ گیا ہو۔ اصل حقائق سامنے آ جانے کے بعد لوگوں کو اس لحاظ سے تو بے پناہ خوشی ہوئی کہ ٹرین کو تباہ کرنے کا کوئی منصوبہ سرے سے موجود ہی نہ تھا' مگر جن لوگوں نے اس کے ذریعے مسلمانوں کو بدنام کرنے کی کوشش کی' کیا انہیں اس پر کوئی ندامت ہوئی؟ اس بات کو بھی چھوڑیئے اگلے نکتے پر غور کیجئے۔

نکتہ یہ ہے کہ مسلمانوں کا جو ''پاپولر امیج'' بنا دیا گیا ہے' اس کے بننے یا بگڑنے میں مسلمانوں کا اپنا کوئی رول (Role) نہیں یہاں ان کا رول محض ایک محکوم کا رول ہے' وہ صرف ایک مکالمے کے لئے مواد فراہم کرتے ہیں جسے لے کر وہ اپنی من مانی تصویریں اور خاکے بناتے ہیں۔ محکوم اس مکالمے میں نہ تو خود شریک ہوتے ہیں اور نہ اس کا رُخ متعین کرتے ہیں۔ وہ چپ رہ کر سنتے رہتے ہیں کہ انہیں کب ملزم ٹھہرایا جاتا ہے اور کب بری قرار دیدیا جاتا ہے؟ مسئلہ یہ نہیں کہ مسلمانوں میں فعال عناصر (Activists) کی کمی ہے یا فعالیت (Activism) کا فقدان ہے' مسئلہ یہ ہے کہ ان کے ہاں ایسے مالی اور ذہنی وسائل ہی نہیں ہیں جو ان کا امیج بہتر بنانے میں مدد دے سکتے ہوں یا مکالمے کا رُخ بدل سکتے ہوں۔

ان سیاستدانوں' مبصروں' ماہرین تعلیم اور مصنفین میں مسلمانوں کی تعداد نہ ہونے کے برابر ہے' انہیں مسلمانوں کو مطمئن کرنے کی کوئی ضرورت بھی محسوس نہیں ہوتی۔ جو لوگ سیاستدانوں' میڈیا کے اداروں' سکولوں اور مسلم سٹڈیز پروگراموں کو فنڈز مہیا کرتے ہیں ان میں کوئی بھی مسلمان نہیں' انہیں بھی مسلمانوں کے مطالبات پورے کرنے یا ان کی دلجوئی کرنے سے کوئی غرض نہیں۔ اس کا نتیجہ صاف ظاہر ہے کہ مکالمے کا رُخ متعین کرنے یا بحث کے لئے نقاط متعین کرنے میں مسلمانوں کا کوئی دخل نہیں۔ اس سے بھی بڑی بدقسمتی یہ ہے کہ مسلمان مکالمے کی اہمیت کو نہ سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں اور نہ اس میں دلچسپی لیتے ہیں اور نہ ہی وہ اپنا امیج بننے یا بگڑنے سے کوئی سروکار رکھتے ہیں۔ انہیں اس کانفرنس آف بکس کی علامتی اہمیت کی بھی کوئی پرواہ نہیں۔

دسمبر ۱۹۹۷

باب 20

گناہ سے بچنے کا ''نسخہ''

روح کی ترقی ذہن کو سکون واطمینان کی دولت سے مالا مال کر دیتی ہے۔توازن عدل وانصاف کی کلید ہوتا ہے لیکن توازن ایک بہت ہی نازک کیفیت ہوتی ہے۔انصاف کا وجود دعویٰ حق (Claim of right) کا مرہونِ منت ہوتا ہے لیکن حقوق کے دعوے بیشتر صورتوں میں کبر ونخوت اور خود نمائی کا پھاٹک بن جاتے ہیں۔لوگ اگر اپنے حقوق کے لئے دعویٰ نہ کریں تو انصاف کیسے وجود میں آ سکتا ہے؟۔لیکن کوئی انسان اپنے دعوے کو استحقاق (Entitlement) میں بدلنے کی خواہش کے گھوڑے کو کیسے لگام دے سکتا ہے؟۔

ایک بیوی نے چلاتے ہوئے کہا'' آپ اس پر واضح کر دیں کہ میں اب وہ مسکین اور بھولی بھالی سی عورت نہیں ہوں جو شادی کے وقت تھی اس کی دھکم پیل اب زیادہ دیر نہیں چلے گی''۔جواب میں شوہر دھاڑتے ہوئے کہتا ہے''اسے بتا دیجئے کہ میں اس کا جینا دوبھر کر دوں گا وہ اس دن کو یاد کر کر روئے گی جب وہ مجھ سے پہلی بار ملی تھی''یہ دعویٰ اور جواب دعویٰ دھمکیاں اور جوابی دھمکیاں انہیں دنیا کی بدترین چیز......طلاق کی طرف لے جا رہی تھیں۔میں نے اپنی پوزیشن کی وضاحت کرتے ہوئے انہیں بتایا کہ میں ایک دوسرے کی تذلیل پر آمادہ فریقوں کے مابین آڑھتی کا کردار ادا نہیں کرنا چاہتا۔

متحاربین نے مجھ سے اس لئے رجوع کیا تھا کہ میں کتابوں کا محافظ اور'' کانفرنس'' کا خادم ہوں تاہم مجھے جلدی ہی احساس ہو گیا کہ میرا یہ زعم بے جا تعلّی تھی۔میں نے ایک بار پھر وضاحت کی کہ یہ'' کانفرنس'' خاندانوں کے اندر برپا ہونے والی جنگوں کے بارے میں

صدیوں کی سوچ بچار، وضاحتوں اور تشریحات کا خزانہ ہے۔ لیکن ان کا ردِّ عمل صاف بتا رہا تھا کہ انہیں میرے ''پاگل پن'' پر یقین آ چکا ہے اور وہ اس ''کانفرنس'' کو ایک شوقِ فضول کے سوا کچھ نہیں سمجھتے۔ بیوی نے طویل توقف کے بعد کہا ''اسے کہہ دیجئے کہ تم ایک خود غرض' بے دید اور مطلب پرست بدمعاش ہو'' اور وہ بولا ...... ''اسے بتا دینا کہ تم گندگی کے ایک ڈھیر کے سوا کچھ بھی نہیں ہو''

طلاق دینے والوں کو اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے کہ ''تم ایک دوسرے کی اچھائیوں کو مت بھولو اور یاد رکھو کہ جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اسے دیکھ رہا ہے'' ...... **وَلَاتَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ. اِنّ اللّٰه بِما تَعْمَلُوْنَ بَصِير O** (سورۃ البقرہ آیت ۲۳۷) حکم یہ ہے کہ ایک دوسرے کے ساتھ شفقت اور نرمی کا سلوک کرو لیکن فریقین طلاق پر مُصر ہو جاتے ہیں تو حکم کو چنداں خاطر میں نہیں لاتے۔ فرمانِ الٰہی ہے ...... **" وَاِنْ تُحْسِنُوْ و تَتَّقُوْافَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِما تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًاO** ...... (لیکن اگر تم لوگ احسان سے پیش آؤ اور خدا ترسی سے کام لو تو یقین رکھو کہ اللہ تمہارے اس طرزِ عمل سے بے خبر نہ ہوگا'' ......سورۃ النسآء آیت ۱۲۸)۔ شاید ہی زندگی کا کوئی ایسا شعبہ ہو جس میں لوگ خدا کی ہدایات کی کوئی پرواہ کرتے ہوں اور ایک دوسرے سے شفقت اور محبت کے سلوک کے احکامات سے افسوسناک حد تک چشم پوشی کرتے ہیں۔

بدترین ظالم اور جابر عموماً یہ سمجھ رہے ہوتے ہیں کہ وہ صرف اپنے حق کا دفاع کر رہے ہیں اور بدترین دشمن وہ ثابت ہوتے ہیں جنہوں نے ایک ساتھ زندگی گزاری ہوئی ہوتی ہے۔ ان جھگڑوں میں کھائے ہوئے زخموں کی ٹیسیں ناقابلِ فراموش ہوتی ہیں' جو فریق جتنی بڑی زیادتی کرتا ہے وہ اتنے ہی زیادہ جواز سامنے لاتا ہے اور ہر کوئی خود کو حق بجانب سمجھتا ہے۔ ہر فریق دوسرے کو ناقابل اعتبار قرار دیتا ہے اور اپنے بارے میں بھی شک و شبے میں مبتلا ہو جاتا ہے اور اپنے اس رویّے کی ذمہ داری دوسرے پر ڈالتا ہے۔ فریقین اپنے زخموں کے اِندمال اور پریشانیوں کے ازالے کے لئے ایک دوسرے سے بڑھ کر طویل فہرست مطالبات تیار کرتے ہیں' یہ لڑائی جسے خود کو حق پر سمجھنے والا فریق ایک مقدس مشن سمجھ کر لڑتا ہے اپنے گھر کو برباد کر بیٹھتا ہے جہاں بالآخر آسیب اپنا ٹھکانہ بنا لیتے ہیں۔

اس ضمن میں جس چیز کی اشد ضرورت ہے' وہ ''سخت گیرانہ شعورِ انصاف'' **(Strict sense of Justice)** نہیں بلکہ ''فیاضانہ شعور'' ہے۔ قرآن میں آتا ہے **"وَاُحْضِرَتِ**

MashalBooks.org

اِلَانْفُسُ الشُّحَّ " (نفس تنگ دلی کی طرف جلدی مائل ہو جاتے ہیں......سورۃ النسآء آیت ۱۲۸)۔ یہ کتنا حیرت انگیز اسلوبِ بیان ہے! ایسے جھگڑوں کے دوران لوگ بے حد خود غرض' بخیل اور سخت گیر ہو جاتے ہیں۔ ایسا نہیں کہ یہ لوگ عام حالات میں بھی بخیل اور مطلب پرست ہوتے ہیں اس وقت اس لئے ایسے ہو جاتے ہیں کہ انہیں یہ خوف دامنگیر ہو جاتا ہے کہ وہ "دینے کے عمل" کے دوران خود کو بھی دوسرے کے حوالے نہ کر بیٹھیں۔ مجھے قرآن کی ایک آیت یاد آتی ہے۔وَجَعَلْنابَعْضَکُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَۃً اَتَصْبِرُوْنَ وَکَانَ رَبُّکَ بَصِیْرًا O (دراصل ہم نے تم لوگوں کو ایک دوسرے کیلئے آزمائش کا ذریعہ بنا دیا ہے کیا تم صبر کرتے ہو؟ تمہارا ربّ سب کچھ دیکھتا ہے......سورۃ الفرقان آیت ۲۰)۔

شادی ناکام ہونے کے بعد پہلی افتاد بچوں پر پڑتی ہے۔ دوسری افتاد یہ ہوتی ہے کہ اپنے ربّ سے تعلق متاثر ہو جاتا ہے' تیسری یہ کہ آپ کا اپنے آپ سے تعلق بگڑتا ہے۔ایک شخص کے دوسرے شخص کے ساتھ تعلقات بگڑنے کے نتیجے میں بہت سوں کے باہمی تعلقات میں بھی رخنہ پڑ جاتا ہے اس طرح معاشرے میں انسانی تعلقات اور شرافت کی اقدار متاثر ہوتی ہیں۔

تیسری صدی ہجری کا ایک واقعہ ہے کہ کوفہ میں ایک ایسا جوڑا رہتا تھا جن کے درمیان بڑے ہی افسوسناک طریقے سے طلاق ہوئی۔ بیوی شوہر پر ہر اس حرکت کا الزام لگا دیتی تھی جو روئے زمین کا بدترین الزام ہو سکتا تھا۔ جواب میں مرد بھی ایسے الزامات ڈھونڈھ نکالتا تھا۔ پورا سال وہ عورت ہر ہفتے قاضی کے پاس جا کر ایک نئی شکایت درج کرا دیتی رہی۔ مرد بھی عدالت میں حاضر ہو کر جوابی الزام لگا آتا رہا۔ دوسرے سال جب وہ عورت قاضی کے سامنے پیش ہوئی تو قاضی دیکھتے ہی سمجھ گیا کہ آج پھر سارا دن اسی کی باتیں سن سن کر غارت ہو جائے گا۔اس نے ذرا سخت لہجے میں پوچھا......فرمایئے امّ احمد آج میں تمہاری کیسے مدد کر سکتا ہوں؟ اس نے کہنا شروع کر دیا......قاضی صاحب! ابو احمد میری اس دنیا کی تباہی کا سبب بنا ہوا ہے اور آخرت میں بھی وہی اس کا سبب بنے گا۔ میری تمام مصیبتوں اور گناہوں کا بھی وہی ذمہ دار ہے۔ قاضی صاحب آپ مہربانی فرما کر محتسب (مارکیٹ پولیس) کو حکم دیں کہ وہ ابو احمد کو میرے گھر کے قریب سے مارکیٹ میں داخل نہ ہونے دے۔ قاضی کو اس عجیب وغریب درخواست پر حیرت ہوئی۔اس نے پوچھا "لیکن کیوں اُمّ احمد"؟۔اس نے جواب دیا "وہ مارکیٹ میں جب بھی میرے قریب سے گزرتا ہے مجھے اس کی بدبو آنے لگتی ہے جس کی وجہ سے میں مجبور ہو کر اس پر لعنت بھیجتی ہوں اور آپ جانتے ہی ہیں کہ کسی مسلمان پر لعنت بھیجنا گناہِ کبیرہ ہے۔"

جنوری ۱۹۹۸ء

MashalBooks.org

باب 21

کتابوں کا قتلِ عام

سال ۶۵۶ھ/ ۱۲۵۸ء انسانی خون اور کالی روشنائی میں ڈوب گیا' ہلاکو خان اور اس کے منگول لشکر نے بغداد کی گلیوں میں کشتوں کے پشتے لگا دیئے اور ہزاروں کتابوں کو دریاؤں میں پھینک کر ان کے بہاؤ کو روک دیا۔ جب انسان' تاریخ کے اس سیاہ باب کو پڑھتا ہے تو حقیقت اور افسانہ آپس میں یوں مل جاتے ہیں کہ ان کی درمیانی حدود غائب ہو جاتی ہیں۔ لیکن دل میں سے جو درد اٹھتا ہے وہ بہت خالص ہوتا ہے' اس میں کسی چیز کی آمیزش نہیں۔ اس سال ان لوگوں نے' جو کسی کی زبان نہیں سمجھ سکتے تھے' سب زبانوں کو ہمیشہ کے لئے بند کر دینا چاہا تھا۔ آج کی صورت حال بھی بڑی حد تک ویسی ہی ہے۔ قرآن کریم میں آتا ہے۔: **فَمَالِ هٰؤُلَآءِ الْقَوْمِ لا یکادُوْنَ یَفْقَهُوْنَ حَدِیْثًاO** (آخر ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ کوئی بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی...... سورۃ النسآء آیت ۷۸) منگولوں کے نزدیک ''خیال'' اور ''افراد'' کی کوئی اہمیت نہیں تھی' اس لئے وہ دونوں کو مٹا دینا چاہتے تھے۔ آج کے دور کے منگول' انسانوں کا قلع قمع کرنے کی بجائے ان کی ذہانت کا خاتمہ چاہتے ہیں۔ ''کانفرنس آف بکس'' متعدد کانفرنسوں کی موت کی خبر سنا سکتی ہے جس سے آپ کو اس بات کا شعور حاصل ہو جائے گا کہ کسی قوم کو قتل کرنے کی بجائے اس کے افکار کو قتل کر دیا جانا چاہئے۔

کبھی کبھی ایسا وقت بھی آتا ہے کہ شدتِ غم کی وجہ سے انسان حواس باختہ ہو جاتا ہے۔ دل میں گرہ پڑ جاتی ہے اور دماغ بالکل ماؤف ہو جاتا ہے۔ ایسے مواقع پر یہ قرآنی دعا دہرائی جانی چاہئے۔ **رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْO وَیَسِّرْلِیْ اَمْرِیْO وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِیO یَفْقَهُوْا قَوْلِیْO** (پروردگار' میرا سینہ کھول دے اور میرے کام کو میرے لئے

آسان کر دے اور میری زبان کی گرہ سلجھا دے تا کہ لوگ میری بات سمجھ سکیں......سورۃ طٰہٰ آیات ۲۵۔۲۸)۔ منگول وحشی قوم تھی وہ سنسر نہیں لگاتی تھی' فرق وامتیاز بھی نہیں برتتی تھی' کسی تمیز کے بغیر سب کچھ تباہ و برباد کر دیتی تھی۔ اس کارروائی کے دوران وہ مسلمانوں سے اتنی رعایت ضرور برتتی تھی کہ انہیں پیشگی اطلاع کرنے کے بعد خون ریزی شروع کرتی تھی۔ یعنی مسلمانوں کو'' بینیفٹ آف نوٹس'' کی رعایت دیدی گئی تھی' بالآخر محمود غزنوی (جو ۷۰۴ھ/۱۳۰۴ء تک برسر اقتدار رہا) کے حکمران بننے پر منگول مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ کتابوں کو تلف کرنے کا سلسلہ بند ہو گیا' تاہم انسانوں کا قتل جاری رہا۔ آج دنیا بھر میں مسلمان قتل ہو رہے ہیں وہ اپنی کتابوں کو تلف کرنے کا کام خود ہی انجام دے رہے ہیں۔

آج کا قتل عام کتابیں جلانے یا انسانوں کو بڑے پیمانے پر دریا میں ڈبونے کی صورت میں نہیں کیا جاتا بلکہ بڑے عیارانہ اور انتہائی موثر طریقے سے کیا جاتا ہے۔ یہ کام کتابوں کی ایڈیٹنگ کرنے یا انہیں خلافِ قانون قرار دینے سے کیا جاتا ہے۔ جو کتابیں منگولوں یا دوسرے حکمرانوں کے ہاتھوں تباہ ہونے سے بچ گئی تھیں' آج وہ سنسر کی نذر ہو رہی ہیں۔ ان کتابوں کے قارئین کو بالکل پتہ نہیں چلتا کہ وہ جس کتاب کو پڑھ رہے ہیں ''تطہیری'' عمل سے گزر چکی ہے۔ افسوسناک ترین بات یہ ہے کہ قاری کو آگاہ کرنے یعنی ''نوٹس'' دینے کی بھی ضرورت محسوس نہیں کی جاتی کہ سنسر کرنے والوں نے اس میں سے بہت کچھ حذف کر ڈالا ہے۔ سنسر پر مامور چھوٹے ذہن کا آدمی اس غلط فہمی میں مبتلا ہے کہ وہ صدیوں کے مکالموں اور گفتگوؤں کو سنسر کرنے کے لئے مطلوبہ کوالیفیکیشن رکھتا ہے اور وہ انتہائی اہم عبارتوں پر بڑی بے خوفی سے تنسیخ کا قلم پھیرتا رہتا ہے۔

فتاویٰ ابن تیمیہ (متوفی ۷۲۸ھ/ ۱۳۲۸ء) آج کے سنسر حکام نے ایڈیٹ کر دیا ہے اور اس کے ''ناگوار حصوں'' کو متن سے خارج کر دیا گیا ہے اگر کوئی قاری اسے اصل حالت میں پڑھنا چاہتا ہے تو اسے ۱۹۶۰ء کے عشرے میں قاہرہ میں چھپا ہوا نسخہ حاصل کر لینا چاہئے۔ اس کے بعد شائع شدہ تمام ایڈیشن تطہیری عمل میں سے گزر چکے ہیں۔ اب اس میں مزید تطہیر کرنے کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ ابن تیمیہ کی تصنیف '' الجواب الصحیح لِمَن بَدَّلَ دِیْنَ المسیح'' میں سے دس صفحات خاموشی سے حذف کر دیئے گئے ہیں اور جب ایک پبلشر نے پورا متن چھاپنے کی کوشش کی تو اسے گرفتار کر لیا گیا اور اس کا پرنٹنگ پریس نذر آتش کر دیا

گیا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ابن تیمیہ اگرچہ ماضی کے منگولوں کی دستبرد سے بچ گیا تھا' آج کے منگولوں کے شکنجے سے نہیں بچ سکتا۔

میں نے چار سال کی مسلسل کوشش سے "بہار الانوار" حاصل کر لی لیکن اس کی تین (قابل اعتراض) جلدیں اس میں موجود نہیں تھیں۔ اسکا مطلب یہ ہوا کہ پچھلے دس سالوں میں اس کی یہ تین جلدیں "تطہیری عمل" کی نذر ہو گئیں۔ زمخشری (متوفی ۵۳۸ھ/۱۱۴۴ء) اور مقاتل (متوفی ۱۵۰ھ/۷۶۷ء) کی تفاسیر متعدد مسلمان ممالک میں سال ہا سال تک ممنوع رہیں۔ اسی طرح محی الدین ابن عربی (متوفی ۶۳۸ھ/۱۲۴۰ء) کی اخوان الصفا' ابوحیاّن التوحیدی (متوفی ۴۱۴ھ/۱۰۲۳ء) اور قاضی نعمان (متوفی ۳۶۳ھ/۹۷۴ء) کی تصانیف بھی بعض مسلمان ممالک میں ممنوع رہیں۔ فتاویٰ رشید رضا (متوفی ۱۹۳۵) اگرچہ ۱۹۷۰ کے عشرے میں چھپے تھے یہ اب غیر اسلامی سمجھے جاتے ہیں اور اب بہت ہی کم دستیاب ہیں۔ "المنار" خریدنا چاہتے ہیں تو آپ کو اس کی چھ جلدوں کا سیٹ چند ہزار ڈالر میں مل سکتا ہے۔ مالکی فقیہہ ابن العربی (متوفی ۵۴۳ھ/۱۱۴۸ء) کی تصانیف پر اس لئے پابندی لگا دی گئی کہ اس کا نام' ابن العربی (متوفی ۶۳۸ھ/۱۲۴۰ء) سے ملتا جلتا تھا جس کی وجہ سے کنفوژن پیدا ہو رہا تھا۔ بے ہودگی اور نا معقولیت اس انتہا کو پہنچ گئی کہ صدیوں پرانی الف لیلہ بھی تطہیر کے بعد چھاپی جا رہی ہے۔

جو قوتیں صدیوں مسلمانوں کی دشمن بنی رہیں اور انہیں ختم کرنے کی در پے رہیں انہوں نے مسلمانوں کے ذہنی ورثے کو نشانہ بنایا تھا' لیکن جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ مسلمان خود بھی اپنے ذہنی ورثے کو تباہ کرنے پر تلا ہوا ہے تو مسئلہ زیادہ گھمبیر ہو جاتا ہے۔ حالانکہ صدیوں چلی آنے والی مسلم روایت یہ تھی کہ وہ اپنے اسلاف کی تحریروں کے پسندیدہ اور غیر پسندیدہ' دونوں اجزا کو سینے سے لگائے چلے آ رہے تھے مگر بعد میں انہوں نے اس قدیم مواد کی کتر بیونت شروع کر دی۔ قرآن نے نبی اکرمؐ کو تو خود یاد دلایا ہے۔ " **فمآ اَرْسَلْنٰکَ علیھم حفیظاً**" (ہم نے تم کو لوگوں پر پاسبان بنا کر نہیں بھیجا......سورۃ النسآء آیت ۸۰)

" **لَسْتَ علیھم بِمُصَیطر**" (آپ ان پر جبر کرنے والے نہیں ہیں......سورۃ الغاشیہ آیت ۲۲) عہد متوسط کے منگول وحشی اور جاہل تھے' انہوں نے شکست بھی کھائی اور فتوحات بھی حاصل کیں۔ لیکن موجودہ دور کے منگول مہذب' جاہل اور متکبر ہیں اس لئے خدائی کے دعوے کرنے لگے ہیں۔

فروری ۱۹۹۸

MashalBooks.org

باب 22

حق والدیت

یہ سدا بہار کانفرنس اس لئے جاری رہتی ہے کہ اس کی بنیاد ایک ناقابل تنسیخ حق پر رکھی گئی ہے۔ یہ حق خالق اور مخلوق کے باہمی تعلق سے اخذ کیا گیا ہے۔ جس حق کو صانع حقیقی...... خالق کائنات وجود میں لایا ہو' اسے ختم کرنا کسی کے بس کی بات نہیں ہوتی۔ یہ حق خالق ارض و سماء کی طرف سے ایک عطیہ ہے' عطیے کو مسترد تو کیا جا سکتا ہے' اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ خواہ کوئی شخص یا کوئی ادارہ' اسے فراموش کر دے یا اس سے چشم پوشی کرے پھر بھی یہ ہمیشہ قائم رہے گا۔

کتابیں لکھنے اور ان کے چھپنے کا تسلسل جو اس ''کانفرنس'' کے لئے ایک ایندھن فراہم کرتا ہے' لامحدودیت (Infinity) کی تلاش کی ایک کوشش ہے۔ لامحدودیت یا ازلیت و ابدیت خداوند تعالیٰ کی لاینفک (Inseparable) صفت ہے۔ اس پس منظر میں یہ کانفرنس ایک تمنا عزیز رکھنے کے حق پر استوار ہوئی ہے۔

ان کتابوں کی شہادتیں اور گواہیاں تاریخ کے تمام ادوار میں گونجتی رہی ہیں جہاں انسانوں کے دعویٰ کبریائی اور بے جا غرور و گھمنڈ کے لمحات بھی آتے رہے ہیں۔ ہر دور کے فخر و مباہات بعد میں آنے والے لوگوں کے نزدیک احمقانہ اور مضحکہ خیز ہو سکتے ہیں۔ انسانوں نے تاریخ کے کسی خاص دور میں جن باتوں کو انتہائی دانشمندانہ معقول اور فطری قرار دیا ہوتا ہے بعد کے ادوار میں وہ انہیں بے ہودہ اور وحشیانہ قرار دے دیتے ہیں۔ ایک انسانی رشتہ داری جو ایک دور میں انتہائی ناگزیر اور انتہائی پسندیدہ سمجھی جاتی ہے دوسرے دور میں انتہائی ناپسندیدہ اور باعثِ شرمندگی قرار پا جاتی ہے۔ یہ انسانی سوچ کے کرشمے ہیں لیکن خدا کے

ہاں ایسا نہیں ہے وہ نہ صرف انسانی رشتوں کے انقطاع کو پسند نہیں کرتا بلکہ انہیں منظم اور مربوط تر بنا دیتا ہے۔

اب ہمارے دور کے ایک واقعہ کا تصور کیجئے۔ ایک نچلے درجے کا ملازم جو بہت ہی معمولی مشاہرہ پاتا ہے خود بال بچے دار نہیں اور اس کی تعلیم بھی واجبی سی ہے' ہاتھ میں عدالتی حکم نامہ پکڑے آپ کے گھر کے اندر گھس آتا ہے' آپ سے آپ کے بچے چھین کر لے جاتا ہے۔ یا وہ سکول میں ہیں تو عدالتی حکم کے زور پر وہاں سے انہیں اپنے ہمراہ لے جاتا ہے اور ایک سٹیٹ ہوم میں پہنچا دیتا ہے جہاں وہ رہنے کے پابند ہوں گے۔ آپ کو مطلع کیا جاتا ہے کہ آپ کا اپنے بچوں سے ملاقات یا بات چیت کا حق محدود ہے۔ اگر چند بیوروکریٹ چاہیں تو ایک سرکاری حکمنامہ جاری کروا کر آپ کے اس محدود حق کو بھی ہمیشہ کیلئے ختم کیا جا سکتا ہے۔ پھر جیوری ٹرائل ہوگا جس پر ہزاروں ڈالر کی لیگل فیس اور دیگر امور کے اخراجات ہونگے۔ جیوری آپ کو اپنا یہ حکم سنائے گی کہ تمہارا ان بچوں سے کوئی تعلق نہیں ہے اور نہ ہی بچوں کا تم سے کوئی تعلق ہوگا۔ آپ نے یہ سمجھ رکھا تھا کہ یہ واحد ''رشتہ'' ہے جو سوسائٹی کی مداخلت یا اس کی مدد کے بغیر وجود میں آیا ہے۔ لیکن اب آپ پر واضح ہو گیا کہ نہیں' سٹیٹ چاہے تو آپ کے حق کی عمارت کو مسمار کر سکتی ہے۔

ایک زمانہ آئے گا جس کے لوگ ہماری ان بے ربطیوں اور ان وحشیانہ طور طریقوں کا مذاق اڑائیں گے اور ہماری منطق اور ہماری سوچوں کے انداز کو احمقانہ قرار دیں گے۔ ہمارے دور کی بدترین جہالتوں میں سے ایک جہالت یہ ہے کہ ہم خدا کے دیئے ہوئے ایک بنیادی حق کو تسلیم کرنے سے انکار کر رہے ہیں' ہم بچوں اور والدین کے باہمی تعلق کو جڑ سے اکھاڑنے اور ملیا میٹ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں' بچے پر ماں باپ کے تعلق کے حق کا انکار کر رہے ہیں' اس کے لئے ہم نے کئی قانونی اصطلاحیں گھڑ رکھی ہیں۔ اسے "Termination of Parental Rights" کہا جاتا ہے اور سٹیٹ کو اختیار دیتے ہیں کہ وہ ''واضح اور مدلل شواہد'' کی بنا پر والدین کے حق پر کلہاڑا چلا سکتی ہے۔ گویا ہم اس تعلق کو جو خدا نے تخلیق کیا ہے اپنی مرضی کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کرتے ہیں اگر آپ کو اپنے کانوں پر یقین نہ آئے تو نہ آئے' سٹیٹ کا فیصلہ سننا پڑتا ہے کہ بچے کا ''بہترین مفاد'' اس امر میں مضمر ہے کہ بچہ ہمیشہ کے لئے اپنے والدین سے ''محروم'' ہو جائے' پھر اسے نئے دعویداروں (Claimants) کی تحویل میں دے دیا جاتا ہے۔ اور ان کو حق دیا جاتا ہے کہ وہ

اس بچے کے یا بچی کے جائز والدین ہونے کا دعویٰ کر سکتے ہیں۔سٹیٹ بچے کے اس حق کو سلب کرنے کا اختیار رکھتی ہے کہ وہ اپنے اصلی والدین کو ''جانے'' ان کا ''احترام کرے'' یا ان کی ''مذمت'' کرے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ غلط ہے اور اعلان کرتا ہوں کہ ایسا کرنا اخلاق کی دھجیاں اڑانے کے مترادف ہے۔

جب خدا کہتا ہے کہ ...... " اُدْعُوْ هُمْ لِاٰبَآ ءِ هِمْ هُوْ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ "(منہ بولے بیٹوں کو ان کے باپوں کی نسبت سے پکارو یہ اللہ کے نزدیک زیادہ منصفانہ بات ہے ......سورۃ الاحزاب آیت ۵) اس سے ایک قانون نہیں بلکہ ایک ''اخلاقی اصول'' کا اعلان ہو گیا۔ اخلاقی اصول ایک ''تعمیل طلب تقاضے'' (Imperative) کو جنم دیتا ہے جو انصاف کے قریب تر ہوتا ہے۔ بچوں کی صحیح نگہداشت اور صحیح نشو ونما کے ضامن وہی ''والدین'' ہو سکتے ہیں جو مقدس رشتے میں ان سے منسلک ہیں۔ ہم اس جائز رشتے میں جتنا جتنا خلل ڈالتے جائیں گے خدا کے انصاف سے اتنے ہی دور ہوتے جائیں گے۔ جس ریاست میں مسلمان بستے ہوں۔ اس میں ریاست کو والدین یا اولاد کے حقوق اور ذمہ داریاں ختم کرنے کا ہرگز اختیار نہیں ہونا چاہیئے۔

جب خدا نے یہ اعلان کیا ...... " كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمنكر ...... (اب دنیا میں وہ بہترین گروہ تم ہو جسے انسانوں کی اصلاح کے لئے میدان میں لایا گیا ہے تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور بدی سے روکتے ہو......سورۃ اٰلِ عمران آیت ۱۱۰) اس نے مسلمانوں پر فرض عائد کر دیا تھا کہ وہ اخلاق کی سرحدوں کی حفاظت کریں اور انہیں وحشیانہ حرکات کی نشاندہی کرنے میں دوسروں سے پہل کرنی چاہیئے اور بڑھ چڑھ کر ایسی حرکتوں کی مذمت کرنی چاہیئے۔ مسلمانوں کو انسانی حقوق پر مکالمہ کرنے میں سب سے آگے کھڑا ہونا چاہیئے۔ کیونکہ موجودہ دور میں وحشیانہ اور غیر مہذبانہ حرکتوں کی نشاندہی زیادہ تر مکالمہ کے ذریعہ ہی کی جاتی ہے۔ عصر حاضر میں انسانی حقوق کی بیشمار اقسام کا ذکر کیا جاتا ہے اور انہیں منوا بھی لیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر، ہم دعویٰ کرتے ہیں کہ انسانوں کو اذیت اور تذلیل سے تحفظ ملنا ان کا قطعی اور غیر مشروط (Absolute) حق ہے۔ اس حق کو کسی طریقے سے بھی محدود یا کم نہیں کیا جانا چاہیئے اور نہ ہی اس حق میں کوئی استثناء رکھی جانی چاہیئے۔ تاہم اس سے بڑی اذیت کیا ہو سکتی ہے جو والدین کو اپنے بچوں سے محروم

کر دینے یا بچوں کو والدین کے سائے سے محروم کر دینے کی صورت میں اٹھانا پڑتی ہے؟ یہ کتنی مضحکہ خیز بات ہے کہ اذیت سے تحفظ دینے کی قطعی ممانعت (Absolute Prohibition) تو ہے لیکن اپنے بچے سے محرومی کی اذیت سے تحفظ کے لئے یہ قطعی ممانعت موجود نہیں۔

خدا کے عطا کردہ "قطعی حقوق" صرف چند ایک ہیں' اذیت سے تحفظ ملنا یا حاصل ہونا ان ہی میں سے ہے' لیکن "حقوقِ والدیّت" ان کی حیثیت کا جزوِ لازم (Integral) اور غیر مشروط حصہ ہے۔ اگر بچوں کے بارے میں غفلت کی جاتی ہے' ان سے بدسلوکی ہوتی ہے یا والدین ان کو غلط مصرف میں لاتے ہیں تو یہ مطالبہ سب سے پہلے مسلمانوں کی طرف سے کیا جانا چاہئے کہ بچوں کو تحفظ ملنا چاہئے اور ممکن ہو سکے تو والدین کی اصلاح کی جانی چاہئے لیکن حقوق والدیت کا خاتمہ کر دینا یا ان کے اور بچوں کے مابین مستقل دیوار کھڑی کر دینا بالکل غیر مناسب اور ظالمانہ اقدام ہے' جو حق یا رشتہ خدا کا تخلیق کردہ ہے اسے انسانی صوابدید پر نہیں چھوڑا جانا چاہئے۔ جیسا کہ گھناؤنے جرم کے کسی مرتکب شخص کو عدالت کے سامنے پیش ہو کر اپنا موقف بیان کرنے کا حق دیا جاتا ہے' یہ والدین کو بھی ملنا چاہئے' ماں یا باپ اپنی جائیداد اپنی آزادی' حتیٰ کہ اپنی جان تک قربان دیتے ہیں لیکن اپنے بچے (بچی) کو ہاتھ سے نہیں جانے دینا چاہتے۔

(مارچ 1998ء)

MashalBooks.org

باب 23

مکھیوں کا قتل؟

یہ مہینے کے وہ اوقات ہیں جن میں ''کانفرنس'' کی گونج کو صفحۂ قرطاس کے حضور پیش ہو کر سرِ اطاعت ختم کر دینا چاہیئے۔ اس مسلسل رواں اور وقت کی پابندیوں سے بے نیاز کانفرنس کو زمان و مکاں کی قید قبول کر کے کاغذ کے ٹکڑے پر منجمد ہو جانا چاہیئے۔ تاہم یہ محض ایک مغالطہ ہے کیونکہ میں ہر ماہ کے ان لمحات میں اس کانفرنس کو نہ محدود کرتا ہوں اور نہ اس کے سفر کو معطل کرتا ہوں۔ میں صرف تصویریں بناتا ہوں اور وہ گھن گرج کے ساتھ اپنا سفر جاری رکھتی ہے' خواہ میں اسے کہوں یا نہ کہوں۔ بعض لوگ اس کے وجود سے انکار کرنا چاہتے ہیں اور بعض ایسے بھی ہیں جو اپنی ذات کو ''کانفرنس'' تصور کرتے ہیں لیکن وہ بے نام و نشان دنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں اور ''کانفرنس'' اپنی زندگی کی منزلیں طے کرتی رہتی ہے۔

سال ۶۸۰ عیسوی کی ۱۰ تاریخ جو ۶۱ ویں ہجری کے محرم کی ۱۰ ویں تاریخ تھی' تاریخ اسلام کا اہم موڑ تھا۔ عراق کے گورنر عبیداللہ ابن زیاد (متوفی ۶۷ھ/۶۸۶ء) نے الحسینؓ (متوفی ۶۱ھ/۶۸۰ء) کو جو علیؓ اور فاطمہؓ کے بیٹے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے تھے' میدان کربلا میں چاروں طرف سے گھیر کر شہید کر دیا' عبداللہ ابن عمر (متوفی ۷۳ھ/۶۹۲ء) نے الحسین کو مشورہ دیا کہ عراق نہ جائیں اور مکہ میں ہی ٹھہرے رہیں جو اس کی بہ نسبت زیادہ محفوظ ہے مگر وہ جانے پر مُصر تھے۔ الحسین کی شہادت ایک زبردست اخلاقی سانحہ تھا جس میں غم و آلام کے طوفان چھپے ہوئے تھے۔ اس سانحے کے کچھ عرصہ بعد ایک شخص ابن عمرؓ کے پاس ایک مسئلے کے بارے میں رہنمائی حاصل کرنے کے لئے آیا' اس کا سوال یہ تھا کہ کیا حالتِ احرام کے دوران مکھیوں کو مارنا جائز ہے؟۔ سوال سن کر ابن عمرؓ پریشان ہو گئے'

کہا...... کیا تمہیں یہ پوچھتے ہوئے شرم نہیں آئی۔ نواسۂ رسولؐ تو ہماری موجودگی میں مار دیئے گئے اور تم مکھیاں مارنے کا جواز پوچھ رہے ہو؟

افسوسناک بات یہ ہے کہ عہد حاضر میں امریکہ میں مقیم مسلمانوں کی اکثریت یہ بات نہیں سمجھ سکے گی کہ ابن عمر اس سوال پر پریشان کیوں ہو گئے تھے' حقیقت یہ ہے کہ وہ سوال کرنے والا آج یہاں موجود ہوتا' تو وہ یہاں کے کسی اسلامک سنٹر کی سربراہی کے لئے موزوں ترین امیدوار قرار پاتا یا امریکہ کی کسی خوشحال ترین اسلامی تنظیم کے ڈائریکٹر کے عہدے پر فائز ہوتا' اصل نکتہ یہ نہیں کہ اس شخص کو حالت احرام میں مکھیاں مارنے کے جواز یا عدم جواز کے بارے میں پوچھنے کا حق نہیں تھا' اصل نکتہ اس شخص کی نفسیات اور شعور ترجیحات تھا' قوم کو درپیش آلام و مصائب کے ہجوم میں اس کا ذہن مکھیاں مارنے میں پھنس کر رہ گیا تھا۔

آج ''کوسووو'' میں سربیا کی فوجوں کے ہاتھوں تازہ قتل عام کی خبر آئی ہے جو عراق میں مزید قتل کی دھمکیاں ملنے کی خبروں کے ساتھ ساتھ موصول ہوئی ہے۔ ہم مسلمانوں کے سلگتے ہوئے ایشوز کیا کیا ہیں؟ مگر سوچا کیا جا رہا ہے؟...... کیا جنّ سے شادی کی جا سکتی ہے یا نہیں؟ اگر شادی ہو سکتی ہے تو کیا اس کے لئے گواہ درکار ہوں گے یا نہیں؟ عیسائیوں کے ایک مذاکرے میں شریک طلباء پہلی بار ایک مقامی مسجد میں آئے' انہیں واپسی سے پہلے ''حجاب'' بطور تحفہ پیش کئے گئے یہاں اس بات پر زوردار بحث ہوئی کہ حجاب کی کون سی قسم؟ عربوں والی یا پاک و ہند میں مروّج حجاب شریعت سے مطابقت رکھتی ہے؟

ہر دور میں ایسے افراد بکثرت پائے گئے ہیں جو اسلام کے بنیادی ارکان کا بھی شعور نہیں رکھتے تھے' یہ کیفیت آج بھی دیکھی جا سکتی ہے' ایسے لوگ اکثریت میں ہیں جنہیں یہ معلوم نہیں کہ کون سے احکامات بنیادی ہیں اور کونسے فروعی نوعیت کے ہیں۔ ان میں سے کن کن معاملات کو کتنی کتنی اہمیت دی جانی چاہئے۔ کوئی ملمع ساز لیڈر یا اچھا مقرر جس طرف چاہے اپنے متبعین کو ہانک کر لے جاتا ہے۔ شیخ محمد الغزالی (متوفی ۱۹۹۸ء) کہا کرتے تھے کہ عوام اسلام کی طرف دُم کی جانب سے رجوع کرتے ہیں۔

آج کا مسئلہ ماضی کی بہ نسبت بہت مختلف ہے۔ مکھی مارنے کے جواز یا عدم جواز میں الجھا ہوا شخص موجود ہوتا تو اس کو اسلامی قانون کا ماہر تسلیم کیا جاتا۔ اس کی تعریفوں کے پُل باندھ دیئے جاتے کہ ''حضرت صاحب جزئیات کا کتنا خیال فرماتے ہیں؟'' یہاں جاہلوں کی

MashalBooks.org

قیادت جاہل کر رہا ہے اور احمق کا لیڈر بنا ہوا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ...... " وَكَذَالِكَ نُوَلِّيْ بَعْضَ الظَّالِمِيْنَ بَعْضًا بِمَا كَانُوْ يَكسِبُوْن." (اس طرح ہم ظالموں کو ایک دوسرے کا ساتھی بنائیں گے اس کمائی کی وجہ سے جو وہ مل کر کیا کرتے تھے......سورۃ الانعام آیت ۱۲۹) افسوس کہ یہ آیت آج دنیا بھر کے مسلمانوں کی اکثریت پر صادق آتی ہے اور امریکہ میں آباد مسلمانوں پر خاص طور پر زیادہ صادق آتی ہے۔

امریکہ میں شریعت کا میدان خود ساختہ ماہرین سے بھرا پڑا ہے۔ یہ منشائے خداوندی کے ترجمان بن کر مسلم رائے عامہ کی غلط فہمیوں میں اضافہ کر رہے ہیں۔ یہ علمی تحقیق کی زحمت گوارا نہیں کرتے یا اس کام میں پڑنے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ اپنی جہالت کو منشائے خداوندی بنا کر عوام کے سامنے لا رہے ہیں۔ اس میں ان کی نفس پرستی صاف جھلک رہی ہوتی ہے۔ وہ اسلام کو اپنی قومی یا ثقافتی شناخت اور اپنی منفی شناخت کے لئے استعمال کرتے ہیں اور بعض اوقات اسے اپنے کیئریر کے فروغ کا ذریعہ بھی بنا لیتے ہیں۔ ان کے نزدیک شریعت ان کے انفرادی اندیشوں اور ان کی نازک انا (Fragile ego) کے تحفظ کا ذریعہ ہے۔ الغرض اسلام کی مارکیٹ ایسے خود ساختہ ماہرین سے بھری پڑی ہے جن کی "انا" ان کے "علم" سے کہیں بڑی ہے اور جن کے مغالطے (Delusions) حقائق سے کہیں زیادہ محکم اور زوردار ہیں۔

اپریل ۱۹۹۸

باب 24

خطبہ ایک جمعے کا

تمام کہانیاں ایک ہی لگے بندھے طریقے پر ختم ہوتی ہیں' ان کے اختتام پر تمام متعلقہ افراد کی موت واقع ہو جاتی ہے' پیدائش کے معجزاتی واقعہ سے لے کر موت کی کیفیات طاری ہونے تک کا درمیانی حصہ دنیا کو جاننے اور اس کے کرشمات کو سمجھنے کا زمانہ ہوتا ہے۔ بشرطیکہ کوئی اس سے فائدہ اٹھانے کی خواہش رکھتا ہو۔ اس کارگاہِ ہستی میں ایسے لوگوں کی کوئی کمی نہیں جو سمجھتے ہیں کہ وہ دور جو پُل دکھائی دے رہا ہے اس سے آگے کچھ بھی نہیں ہے' لیکن ہم سب نے اسے ضرور عبور کرنا ہے۔ عقل تقاضا کرتی ہے کہ انسان عرصۂ مہلت کو صحیح طور پر کام میں لائے' اپنے دماغ سے کام لینا سیکھے اور اس کو علم کی شمع سے منور کرے۔ دماغ کا اس سے بہتر مصرف کیا ہو سکتا ہے کہ بندہ اس کی مدد سے خالق اور مخلوق کو پہچاننے کی کوشش کرتا رہے اور یہ بھی جان لے کہ خالق اور مخلوق کے رشتے کو پہچاننے کی شاہراہ ''کانفرنس آف بکس'' یعنی کتابوں کی دنیا ہے۔

آج جمعہ ہے اور امام مسجد اپنی اناپ شناپ میں مصروف ہے۔ یہ پتہ نہیں چلتا کہ اس کی تقریر کا موضوع کیا ہے؟ اس کا موضوع ویسا ہی مبہم ہے جیسی اس کی گرامر...... مشہور اصطلاحوں اور پامال جُملوں کا ایک جال بُن رہا ہے' الفاظ اس کی زبان سے نکلتے ہی مفہوم کھو دیتے ہیں۔ اس کی مصنوعی لفاظی' سننے والوں کا ہکا بکا کر کے رکھ دیتی ہے۔ اس کے رٹے رٹائے جملے ان کے دماغوں کو ماؤف کیئے دے رہے ہیں' مگر انہیں سننے کا ایک نشہ ہے اس لئے وہ اس کی خطابت کے عادی بن گئے ہیں۔ کچھ پلے پڑے یا نہ پڑے' انہیں سر جھکائے بیٹھے رہنا ہے۔ ان میں سے کوئی اعتراض کر بیٹھے یا کسی جُملے کی وضاحت حاصل کرنے کی کوشش کرے تو مسجد میں ہنگامے

MashalBooks.org

کی نوبت آسکتی ہے۔ یہ سوچ کر ''معترض'' دم سادھے اس دورانیے کو گزار دیتا ہے۔

چند ہفتے پہلے ایک نوجوان نے ایک بڑا سادہ اور خوبصورت خطبہ دیا تھا۔ شہر میں کسی شخص نے ''فتویٰ'' دیا تھا کہ قرآن حفظ کرنا اور اس کی روزانہ تلاوت کرنا اسے سمجھنے سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے یعنی زیادہ باعث ثواب ہے۔ نوجوان نے اس کے حوالے سے سوال کیا کہ جو شخص خدا کے کلام کو نہیں سمجھتا' وہ خدا کی مرضی ومنشا کو کیسے سمجھے گا؟ جب سمجھے گا نہیں تو اس پر عمل کیسے کرے گا؟ میرے لئے حیرت انگیز بات یہ تھی کہ اس مسجد میں میں نے جتنے خطبے سنے تھے یہ ان کی بہ نسبت بہترین اور بامعنی تھا' اس کی انگریزی اور عربی قواعد زبان کے لحاظ سے بھی اعلیٰ پائے کی تھیں۔

اب پھر خطبوں کے پرانے انداز سے پالا پڑ گیا' میں نے اس نوجوان کے بارے میں پوچھ لیا تو جواب ملا...... ''کچھ مسئلے ہوتے ہیں ناں' برادر'' ...... میں نے حیرت سے پوچھا...... ''کیسے مسئلے''؟ ...... ''دیکھئے ناں برادر وہ نوجوان خطیب کی شرائط پر پورا نہیں اترتا' اس کا چہرہ مہرہ شرعی نہیں ہے'' ...... ''مثلاً''؟ میں پھر بولا۔ اس نے کہا ''وہ داڑھی نہیں رکھتا اور شرٹ کو پینٹ کے اندر ٹھونستا ہے' علاوہ ازیں وہ شادی شدہ نہیں''۔

میں نے فقہ کی کتابیں سالہا سال زیر مطالعہ رکھیں' کہیں بھی امامت کرانے کے لئے ان شرائط کا ذکر نہیں دیکھا۔ ''داڑھی ہونا''، ''شرٹ کا پینٹ سے باہر نکلا ہوا ہونا'' اور ''شادی شدہ ہونا''۔ یہ شرائط یہ لوگ کہاں سے لے آئے؟ چند سال پہلے یہاں کے ایک امام نے پولو شرٹ ہارس اور مگرمچھ کی کھال کے استعمال کے خلاف اعلانِ جہاد کر دیا تھا۔ پھر اس پر بھی غور کیجئے کہ امام کے لئے ''ذہین'' ہونے کی شرط کیوں نہ لگا دی جائے؟ اسی لئے تو ہم ''اجتہاد'' کی شمع دوبارہ روشن کرنے پر زور دے رہے تھے۔

ایک اور منظر دیکھئے کہ امام خطبہ دیتے ہوئے اپنی ناک صاف کرنے لگتا ہے اور آپ تقریر سنتے سنتے چونک اٹھتے ہیں۔ پھر یہ دیکھئے کہ امام صاحب نے گھڑی باندھی ہوئی ہے۔ کیا یہ بھی مناسب اسلامی لباس کا حصہ ہے؟ ایک مضحکہ خیز چیز دوسری مضحکہ خیز چیز کو جنم دیتی ہے۔ قمیض کیلئے بٹن' پاؤں کے لئے جرابیں' آنکھوں کے لئے عینک' کیا یہ کسی شرعی ضرورت کے تحت استعمال کی جاتی ہیں' اب سوچتے جایئے' انڈر ویئر' زپرز' رین کوٹ' دستانے یا مفلر کیا یہ شرعی لباس کا حصہ ہیں؟ پینٹ سے باہر نکلی ہوئی شرٹ کا اعتراض آپ کو سینکڑوں

اعتراضات کے سامنے لا کھڑا کرتا ہے۔ عورتوں کی انگیا (Brassiere) کے جواز کے بارے میں ایک سوال پر شیخ بن باز نے کہا کہ اس کے استعمال کا مقصد کوئی فراڈ کرنا ہو' تو یہ نہیں پہنی جانی چاہئے۔ فراڈ اچھی بات نہیں ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص اپنی سائز کے مقابلے میں بڑی قمیض پہن لیتا ہے اور اس کا مقصد اپنے موٹاپے کو چھپانا ہے تو کیا ایسی قمیض اور انگیا' دونوں کے بارے میں ایک ہی فتویٰ ہوگا؟ یہاں پہنچ کر ان لوگوں کی منطق دم توڑ جاتی ہے۔ جس نے دھوکہ دینے کے لئے انگیا پہنی ہے اسے فتویٰ لینے کی ضرورت نہیں اور جس نے دوسرے کسی مقصد کے لئے پہنی ہے تو اس کی حوصلہ شکنی کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ فتوے جاری کرنے والوں کو ایسے معاملات میں تجزیاتی ذہن استعمال کرنا چاہئے کہ ان کے فتوے خواہ مخواہ کی الجھنوں کا سبب تو نہیں بن جائیں گے؟ فتویٰ تضاد سے مبرا اور منطقی طور پر معقول ہونا چاہئے۔ مجھے اچانک ایک ماہ قبل کا واقعہ یاد آ گیا' اسی مسجد میں ایک اور امام نے نماز جمعہ پڑھائی' اس نے اپنی قمیض پینٹ کے اندر دی ہوئی تھی۔ میں نے وجہ پوچھی تو بتایا گیا کہ اس نے ''شادی'' کر رکھی ہے۔ غالباً شادی ہو جانے کے بعد امام کے لئے قمیض پینٹ کے اندر دیدینا جائز ہو جاتا ہے۔ غیر شادی شدہ کے لئے یہ ناجائز ہے۔

کیا ایسے فتوے منطقی صحت سے عاری نہیں ہیں؟...... مجھے ''کانفرنس'' دور جاتی ہوئی اور مدھم ہوتی ہوئی محسوس ہوئی۔ میں اس پل پر پہنچنے سے پہلے ہی مر رہا تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ اذانیں شروع ہونے کی آوازیں آنے لگیں' جاتی ہوئی زندگی کی روح میرے جسد میں واپس آ گئی۔

بالآخر مسجد والے ایک باریش' شادی شدہ اور قمیض کو پینٹ سے باہر رکھنے والے امام کو لانے میں کامیاب ہو گئے۔ جو مترنم مگر بے روح خطبے دینے اور ناقابل فہم ٹوٹی پھوٹی انگلش بولنے میں بھی مہارت رکھتا ہے' اس طرح ذہنی موت کو دوام مل گیا ہے۔

مئی ۱۹۹۸

باب 25

ایک نسل کا بوجھ

یہ ''کانفرنس'' مجھے حافظے اور یادداشت کی کہانی سناتی ہے۔ یادیں واقعات کے حوالے سے بنتی ہیں اور حافظے میں اپنے لئے مستقل جگہ بنا لیتی ہیں۔ اللہ ہمیں تاکید کرتا ہے کہ ہم اسے ہر حال میں یاد رکھیں' تو پھر ہم اسے کیوں بھول جاتے ہیں؟ اور ایسا کیوں ہے کہ یہ ''کانفرنس'' حالتِ فراموشی (State of Oblivision) میں بھی قائم ودائم رہتی ہے؟

یہ کانفرنس میرے ان خوابوں میں آ کر زندہ ہوتی ہے' جو ہر روک ٹوک اور ہر قید و بند سے مبرا ہیں۔ میں اپنی قوتِ حافظہ کے نشے سے سرشار ہو کر آزادیوں سے ہمکنار ہو جاتا ہوں۔ اس کے باوجود میں پوری طرح بیدار' ہوشیاری اور جمع خاطری کی حالت میں رہتا ہوں۔ کیا یہ کانفرنس میرے شعور میں سے جنم لے کر باہر آ جاتی ہے یا میرے وجود کے اندر ہی مسلسل گردش کی حالت میں رہتی ہے اور پھر میرے شعور کی صورت گری کرتی ہے۔ ان غیر مانوس اور وحشت خیز لمحات میں خواب حقیقت میں ڈھل جاتے ہیں اور میں ان حیرت انگیز لمحات میں جن کا دورانیہ صرف چند سیکنڈوں کا ہوتا ہے' ماضی کے حقائق کو براہ راست دیکھنے لگتا ہوں۔

بچپن اور اوائلِ جوانی کی یادیں خال خال ہی میرے خوابوں میں آتی ہیں۔ لیکن جب وہ آ جائیں تو وہ میرے لئے بہت ہی قابلِ احترام اور پیار پیاری مہمان ہوتی ہیں۔ ابھی کل ہی کی بات ہے کہ ایک یاد مسکراہٹیں بکھیرتی ہوئی وارد ہوگئی' میں اس کا عرصے سے منتظر تھا' یہ میری کتابوں' کاغذات کے پلندوں اور گرد و غبار میں سے اپنا سر جھاڑتی ہوئی برآمد ہوئی' اس کی رونمائی کی خوشی میں کانفرنس نے لمحہ بھر کے لئے وقفہ کر لیا۔

میرے خواب کی دنیا میں تشریف لانے والے پتہ ہے کون تھے؟ یہ ڈاکٹر حسن ہشماوت تھے' جو کویت میں اپنے اپارٹمنٹ میں کمرے کی بائیں طرف رکھی ہوئی اس پرانی کرسی پر براجمان تھے۔ میں اپنی بھرپور شاعرانہ توانائیوں کے ساتھ' جواب زائل ہو چکی ہیں ان کی پُر اسرار نظموں کی کتاب کی ورق گردانی کرتا رہا لیکن جب میری آنکھ کھلی تو میں نے خود کو بے حد ہشاش و بشاش اور تمناؤں سے بھرا پایا۔ ماضی کے دنوں میں انہیں مخاطب کرنے سے پہلے میں ایک بار گہری سانس لیا کرتا تھا اور ان سے ملاقات سے قبل گھنٹے گنتا رہتا تھا' اس زمانے میں میں سچ مچ زندہ ہوا کرتا تھا۔

میں نے اپنے بستر پر سے اٹھ کر حجرے میں ٹہلنا شروع کر دیا' میرا دل یادوں کے بوجھ تلے دبا ہوا تھا۔ میں اپنے کرب کے لمحات میں ان کے لبوں پر سدا موجود سکوں بخش مسکراہٹ کو یاد کرتا تھا' جو میرے دل کے انقباض کو دور کر دیا کرتی تھی۔ اشتباہ و تذبذب کے لمحات میں ان کے کلماتِ تحسین' میرے لیے باعث عزت اور میرے خیالات کے لئے ایک سند کی مانند ہوتے تھے' میں لمحاتِ خود بینی میں جب یہ ذکر کیا کرتا تھا کہ میں اور میرا خاندان ان کے مہمانوں میں سے ہوا کرتا تھا تو سمجھتا تھا کہ میری عزت اپنے عروج کو چھو رہی ہے۔

میں اپنی اس یادداشت پر بھی مسکرایا کہ میں انہیں اپنی شاعری سنا سنا کر ان کی سمع خراشی کرتا اور انہیں اور ان کے اہل خاندان کو کوفت میں مبتلا کیا کرتا تھا۔ میں اپنے ہمراہ اپنی شاعری بھرے صفحات کا پلندہ لے جاتا اور بلا جھجک اشعار پڑھنے لگتا اور وہ ازراہ شفقت و مروت پوری توجہ سے سنتے اور اچھے شعروں پر فیاضی سے داد دیا کرتے تھے۔ اب سال ہا سال بعد جب میں اپنی شاعری دوبارہ پڑھتا ہوں تو شدت سے محسوس کرتا ہوں کہ وہ کتنے فراخدل اور بلند حوصلہ تھے کہ میری حوصلہ افزائی کے لئے اپنے دل پر کتنا جبر کرتے ہونگے۔ اس کے برعکس ان کا اپنا کلام واہ کیا شان پائی تھی ان کی شاعری نے۔ شاید ہی یہ بلند خیالی کسی اور کے حصے میں آئی ہو' جب بھی وہ ٹیلی ویژن پر آتے کلاسیکی عربی بولنے پر اصرار کرتے۔ میرے سکول کے عربی کے اساتذہ پروگرام سننے کے لئے ٹی وی کے پاس جمع ہو جاتے اور ڈاکٹر حسن کی گرامر کی غلطیاں پکڑنے کی کوشش کرتے۔ کیا جسارت تھی!! مگر ان کی یہ حسرت کبھی پوری نہ ہو سکی۔ جب میں امریکہ چلا گیا تو میرا والد افسردہ دل لئے ہوئے ان سے ملنے گیا۔ تو ڈاکٹر صاحب نے ان کی دلجوئی کرتے ہوئے کہا...... ''فکر مند نہ ہوئیے اچھی کمان تیر

کو بہت دور پھینکتی ہے۔ اتنا دور گیا ہوا تیر آسانی سے واپس نہیں لایا جا سکتا''۔ اس جدائی کو کئی سال بیت چکے ہیں' آج کے دن تک ان کا یہ جملہ میرے والد کی ڈھارس بندھاتا رہتا ہے اور میرے حوصلے بھی بلند کرتا ہے۔

میں نے ایک ملاقات میں انہیں بتایا کہ ''ییل'' (Yale) میں' میں لائبریری میں جب نماز پڑھنے کے لئے کھڑا ہوتا ہوں تو اپنی پشت پر ایک نشان آویزاں کر دیتا ہوں جس پر ''مسلمان بحالتِ نماز'' لکھا ہوتا ہے۔ یہ سن کر انہوں نے خوب قہقہہ لگایا اور بڑی دیر تک ہنستے رہے۔ پھر کئی سال بعد انہوں نے کسی سے ذکر کیا کہ ان کا ایک ''دوست'' اپنی پشت پر نشان آویزاں کر کے نماز شروع کرتا ہے' اس وقت اس دوست ان کی مراد میں تھا۔ واہ کیا فیاضی اور کیا شفقت تھی جو مجھ پر نچھاور ہوئی۔

میرے والد مجھے بتاتے تھے کہ حسن ہثاوَت' ڈاکٹر حسن البنّاء (متوفی ۱۹۴۹ء) کے ساتھی تھے اور میں ان سے متعلق کہانیاں سنتے نہیں تھکتا تھا۔ حسن ہثاوَت' حسن البنّاء کا ذکر بے حد خوبصورتی اور اتنی محبت سے کرتے تھے' ان کے ساتھ ان کا تعلق سیاست یا قانون کے حوالے سے نہیں تھا بلکہ انسانی شرافت اور بلند فکری کی بناء پر تھا۔ درحقیقت ان سے میل ملاقات اور گفتگو میں خدا اور خدا کے مذہب کا ذکر فنی قوانین یا بحث ومناظرہ کے حوالے سے نہیں بلکہ خدا خوفی' تہذیب و شائستگی اور بنیادی اخلاقیات کے حوالے سے آتا تھا۔ حسن ہثاوَت اس اسلام کا زندہ مجسمہ تھے جو رواداری' عفوو درگزر' محبت و شائستگی اور انسان دوستی سے عبارت ہے۔

میں اپنے خواب کے بارے میں سوچتے ہوئے اس کی تفصیلات یاد کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ میری نظر اپنے ڈیسک پر پڑے ہوئے ''The Minaret'' کے تازہ شمارے پر جا اٹکی۔ اس میں ایک مضمون تھا جس کا عنوان تھا...... ''کینسر کا مقابلہ بذریعہ قوتِ ایمانی'' یہ مضمون ایمان اور تشکر کی بے مثال توضیح تھا۔ مقالہ نگار نے اس کا انتساب اپنی بیوی کے نام سے کیا تھا جس کے ساتھ اس نے رفاقت کے ۴۶ سال گزارے تھے' اس پر میں رو پڑا۔ ڈاکٹر حسن مجھے تأسف اور غمگینی پر ڈانٹا کرتے تھے۔ لیکن یہاں مختلف معاملہ تھا' یہاں کسی غم و الم کا ذکر نہ تھا' مجھے یہ آیت قرآنی یاد آئی...... '' **مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاھَدُوا اللّٰہَ عَلَیہِ فَمِنْھُمْ مَّن قَضٰی نَحْبَہٗ وَمِنْھُمْ مَّنْ یَنْتَظِرO** ...... (ایمان لانے والوں میں

MashalBooks.org

ایسے لوگ موجود ہیں جنہوں نے اللہ سے کئے ہوئے عہد کو سچ کر دکھایا ہے۔ ان میں سے کوئی اپنی نذر پوری کر چکا اور کوئی وقت آنے کا منتظر ہے......سورۃ الاحزاب آیت ۲۳) مجھے ان کی سوچ پر بڑی خوشی ہوئی اور میں نے اللہ سے دعا کی کہ وہ مجھے ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

میں نے ان کی سالہا سال کی جدوجہد اور آزمائشوں کی زندگی پر نظر دوڑائی اور سوچا کہ وہ کس طرح میرے لئے اور متعدد دیگر افراد کے لئے مشعل راہ بنے رہے۔ مجھے یہ احساس بھی ہوا کہ ذمہ داریوں کا بوجھ مجھ پر اور میری نسل کے دیگر افراد کے سر پر ہے۔ کیا ہم خدا سے کئے ہوئے اس عہد پر پورے اترتے ہیں اور اپنے متبعین کو اس جذبے سے سرشار کر سکتے ہیں؟ کیا ہمارے اندر ویسی ہی شائستگی اور اخلاقیات کا شعور موجود ہے؟ اس شائستگی اور اخلاق کا ایک تقاضا یہ ہے کہ ہم ان کی طرف رجوع کریں جنہوں نے ہمیں ان چیزوں کا درس دیا اور ہمیں اس جذبے سے سرشار کیا اور پھر ان کی جانب بھی متوجہ ہوں جنہوں نے ہمیں زندگی کے اندر حسن تلاش کرنے کے لئے مواقع دیئے اور ان کا بھی شکریہ ادا کریں جو ہمارے لئے زندہ انسانی خوبصورتی کی علامت بنے رہے اور ان سے کہیں کہ ''آپ کا بہت بہت شکریہ جناب۔''

جون ۱۹۹۸

MashalBooks.org

باب 26

معافی کی منطق

تکبّر اور حسد دو ایسے گناہ ہیں جو استحقاق کی عدم مساوات سے اپنی غذا اور نشو ونما پاتے رہتے ہیں۔ شیطان کے کلمۂ کفر سے لے کر ہابیل کے ساتھ قابیل کے نامناسب رویّے کے مظاہرہ تک استحقاق ہی کا مغالطہ سامنے آتا رہا اور گوناگوں گناہوں اور زیادتیوں کا سبب بنا رہا۔ ایک متکبر شخص خود کو اس چیز کا مستحق سمجھتا ہے جسے اہل دنیا تسلیم کرنے پر تیار نہیں ہوتے اور ایک حاسد شخص خود کو اس چیز کا مستحق سمجھتا ہے جو خدا نے اسے عطا نہیں کی۔ یہ دونوں افراد ایک ہی مغالطے کا شکار ہیں اور وہ یہ ہے کہ وہ اپنی خواہشات کو منشائے خداوندی کے ساتھ خلط ملط کر بیٹھتے ہیں، ان دو کے آپس میں مل جانے سے ایک ناپاک گٹھ جوڑ وجود میں آجاتا ہے۔

ایک مذہبی جذبے سے سرشار شخص، اپنی ساری زندگی منشائے الٰہی کی جستجو میں گزار دیتا ہے لیکن اس عمل میں یہ خطرہ موجود رہتا ہے کہ انسان جس چیز کی طویل عرصہ تک تلاش جاری رکھے اس کے اس غلط فہمی میں مبتلا ہونے کا امکان پیدا ہو جاتا ہے کہ اس کی تلاش اسی کا استحقاق تھا۔ تاہم یہ سانحہ اس وقت پیش آتا ہے جب وہ یہ سمجھ بیٹھتا ہے کہ اسے جس چیز کی طلب تھی وہ اسے فی الواقعہ مل چکی ہے۔

یہ کانفرنس مجھے امن وسکون کی دولت سے مالا مال کر رہی ہے، ان کتابوں میں محفوظ علمی ورثہ میرے خیالات کو وسعت دیتا ہے۔ میں راتیں ماضی کے عظیم واقعات کی یاد میں بسر کرتا ہوں، کچھ واقعات مجھ پر افسردگی طاری کر دیتے ہیں اور کچھ واقعات حوصلوں کو بلند کر دیتے ہیں۔ یہ بحث واستدلال کانفرنس کے معمولات کو جاری وساری رکھتا ہے۔ یہ کانفرنس مجھے عجز سکھاتی ہے مگر یہ عجز جوشِ حیات سے معمور ہے اور نئی زندگی کے لئے ایک سبق اور ایک پیغام

MashalBooks.org

کی حیثیت رکھتا ہے۔

اس ماہ تین کیسوں کی طرف میری توجہ مبذول کرائی گئی' تینوں استحقاق کے متصادم دعووں تکبّر اور حسد کا نتیجہ ہیں۔ پہلا کیس حسد کا شاخسانہ ہے کچھ لوگوں نے مارے حسد کے امام مسجد کے خلاف سازش تیار کی اور اس پر فنڈ زغبن کرنے کا الزام لگا کر اس منصب سے ہٹا دیا۔ مبینہ طور پر غبن شدہ فنڈ ز کہیں اور سے برآمد ہو گئے اور امام الزام سے بری ہو گیا۔ دوسرا کیس یہ ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیٹی کی مرضی کے خلاف جبراً اس کی شادی کرا دی۔ بعد میں پتہ چلا کہ شوہر آوارہ بدمعاش' شرابی اور قمار باز ہے اور بیوی کو جنسی گمراہیوں میں مبتلا کرنے کی بھی کوشش کرتا ہے۔ تیرا کیس یہ ہے کہ ایک بیوی نے اپنے شوہر کو طلاق دینے کا منصوبہ بنایا اور اپنے ارادے کو خفیہ رکھتے ہوئے اس نے خاندان کی سیونگز کو چپکے سے اپنے پرائیویٹ اکاؤنٹ میں منتقل کر دیا۔ چند سال بعد جب اس کے نئے شوہر نے بھی اس کے ساتھ ویسا ہی سلوک کیا اور اس کے فنڈ زغبن کر لئے تو اس وقت اسے یاد آتا ہے کہ وہ بھی تو پہلے شوہر کی چوری کی مرتکب ہوئی تھی۔ ان تینوں کیسوں میں زیادتی اور جارحیت کا ارتکاب پایا جاتا ہے' تینوں زیادتی کرنے والوں کو اچھی طرح احساس ہو گیا کہ انہوں نے بے گناہ افراد کو نشانۂ ستم بنایا ہے۔ وہ اس پر خدا سے معافی کے خواستگار ہوتے ہیں لیکن وہ زیادتی کا نشانہ بننے والوں سے معافی مانگنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے اور خود کو مطمئن کرنے کے لئے یہ موقف اختیار کرتے ہیں کہ یہ بندے اور اس کے خدا کے بیچ کا معاملہ ہے ظلم کا نشانہ بننے والوں کے معاف کرنے یا نہ کرنے سے کیا فرق پڑتا ہے؟۔ مسجد کے منتظمین نے امام سے معافی مانگنے کی کوئی ضرورت محسوس نہیں کی۔ باپ نے بیٹی سے معذرت کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی اور نہ ہی بیوی نے اپنے پہلے شوہر سے معافی مانگی۔

اس وقت فوری طور پر میرے سامنے وہ عورت بیٹھی ہے اور میں اس کی متکبرانہ توبہ کا فلسفہ سن رہا ہوں۔ مجھے اس دوران وہ شخص بھی یاد آیا جس نے مجھے شیطانِ کبیر کا خطاب دیا تھا۔ پھر اسے محسوس ہوا کہ شاید اس میں کچھ مبالغہ ہو گیا' جس پر اس نے ''استغفار'' کرنا کافی سمجھا اور مجھ سے معافی مانگنے کی کوئی ضرورت محسوس نہ کی۔

تینوں متذکرہ کیسوں میں متعلقہ افراد کو مشورہ ملا کہ انسانوں سے معافی مانگنا یا معذرت کرنا' محض ایک فنی تکلف ہے' توبہ کا تقاضا نہیں ہے۔ عورت اپنے رویّے کی یہ توجیہہ کر رہی

ہے کہ چونکہ وہ اب خدا سے معافی مانگ چکی ہے' سابق شوہر کا اس سے کیا تعلق ہے؟ مجھے اس تکبّر پر حیرت ہے جو خدا کی یاد کو انسانوں کو بھلا دینے کا ذریعہ بنانے کی تلقین کرتا ہے۔ میں اس بات پر بھی حیران ہوں کہ خدا سے استغفار کے عمل کو بندوں کے حقوق کو نظر انداز کا جواز کیوں بنالیا جاتا ہے؟

خدا اپنے حقوق معاف کر دیتا ہے لیکن انسانی حقوق کی معافی کی دو صورتیں ہوتی ہیں۔ ایک صورت یہ ہے کہ متاثرہ شخص سے زیادتی کا ازالہ کر دیا جائے اور دوسری یہ کہ ان حقوق کے مالک سے معافی مانگ لی جائے۔ مثال کے طور پر حنفی فقیہہ العینی (متوفی ۸۵۵ھ/۱۴۵۱ء) نے ''شرح الہدایہ'' میں لکھا ہے کہ کسی جائیداد کو غصب کرنے والے کا گناہ ہزار بار معافی مانگنے پر بھی معاف نہیں کیا جائے گا' تاوقتیکہ وہ مسروقہ یا غصب شدہ جائیداد اس کے مالک کو واپس نہ دیدے۔ مسلم فقہا کے مابین اس نکتے پر بہت بحثیں ہو چکی ہیں کہ کیا کسی شخص کو عدالت کی طرف سے ملنے والی سزا اس کے گناہ کو معاف کرا سکتی ہے؟

میں نے اس عورت سے اجازت چاہی کہ کیا میں اسے مالکی فقیہہ ابن العربی (متوفی ۵۴۳ھ/ ۱۱۴۸ء) کی کتاب ''احکام القرآن'' کا ایک اقتباس پڑھ کر سنا سکتا ہوں؟ وہ سننے پر راضی ہو گئی۔ اقتباس یوں تھا...... ''خدا کسی مسلمان کے غصب شدہ حقوق اس وقت تک معاف نہیں کرتا جب تک ان حقوق کے مالک سے پیشگی معافی نہ مانگ لی جائے یا اس کے نقصان کی تلافی نہ کر دی جائے۔ اس سے بخشوانے یا ازالہ کرنے کے بعد اللہ سے معافی کے لئے دعا مانگی جائے۔ ان حقوق کو معاف کرنے یا ترک کرانے کا اختیار امام (حاکمِ وقت) کو بھی حاصل نہیں ہوتا۔ اور نہ ہی وہ اس مالک کو اس کو معاف کرنے کا حکم دے سکتا ہے۔ کیونکہ امام کسی خاص فرد یا مجموعۂ افراد کے ایجنٹ کا کردار ادا کرنے کا مجاز نہیں' رعایا کے مخصوص حقوق پر اس کا کوئی اختیار نہیں ہوتا' وہ صرف عوام کی نمائندگی کرتا ہے اور ان کے صرف عمومی اور غیر مختص حقوق کا نمائندہ ہوتا ہے''

میں وثوق سے نہیں کہہ سکتا کہ اس کا حقیقی ردّعمل کیا تھا مگر جس انداز میں اس نے ایک سوال داغ دیا اس سے اس کی برہمی کا اظہار ہو رہا تھا' اس نے کہا...... ''کیا آپ کا مطلب یہ ہے کہ خدا معاف نہیں کر سکتا؟ کیا یہ شرک نہیں ہے'' میں نے جواب دیا...... ''ہم خدا کی استعداد یا اختیار کی بات نہیں کر رہے ہیں اور نہ ہی اس کے ارادے یا مشیّت کی بات کر رہے

ہیں۔ہم ضوابطِ انصاف (Morality of Justice) کی بات کر رہے ہیں۔ایک مسلسل اور مستقل گناہ کی معافی نہیں ہو سکتی۔ایسا کرنا ان عوامی حقوق کی خلاف ورزی ہے جن کے تحفظ کے لیے قانون وجود میں آیا اور حکمرانوں کا تقرر عمل میں آیا تھا......رقم چوری کرنا' امام کو برطرف کرنا' عورت کو ایسے شخص سے شادی پر مجبور کرنا جسے وہ پسند نہ کرتی ہو......اور یہ عوام کے ان حقوق سے انحراف ہے جن کے تحت یہ لوگ اب معافی مانگنے سے انکاری ہیں۔ بہ الفاظ دیگر یہ ایک مسلسل و متواتر اور غیر منقطع (Uninterrupted) تجاوز ہے۔ اس پر عورت نے شدید غصے کا اظہار کرتے ہوئے کہا......''اور یہ ابن عربی کیا کہنا چاہتا ہے؟''
میں نے گہری سانس لی اور جہالت کے پردوں کے پیچھے جھانکنے کی کوشش کرتے ہوئے مسکرایا جیسا کہ میں نے اصل بات پا لی ہو......اور کہا......''وہ یہ کہہ رہا ہے کہ معافی نہ مانگنا گستاخی ہے''

جون ۱۹۹۸ء

MashalBooks.org

باب 27

فرداور جماعت کا توازن

انسان' انسان کو کھا رہا ہے' جب وہ دوسرے انسان کو صرف اپنے مقاصد یا اپنی خواہشات کی تکمیل کے لئے استعمال کرتا ہے۔ اس کو چھوٹا (چھوٹی) اور خود سے کمتر سمجھتے ہوئے اپنا (اپنی) آلۂ کار بنانے میں کوئی عار نہیں سمجھتا تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ اسے ''کھایا'' جا رہا ہے یا ''برتا'' جا رہا ہے۔ اس کھائے یا برتے جانے والے شخص کی انفرادیت اس کے جذبات واحساسات اور کوائف اسی حد تک مفید سمجھے جاتے ہیں جہاں تک وہ اس کے مقصد کے فروغ کا ذریعہ بن سکتے ہیں۔ کسی شخص کے مکمل طور پر قابلِ استعمال ہونے کے لئے ضروری ہے کہ اس کی جملہ صلاحیتیں اس مقصد کے لئے ایندھن بن جائیں اور وہ استعمال کنندہ کی خواہشات اور ضروریات کا تابع مہمل بن جائے۔ ایک حقیقت تو یہ ہے کہ ہم سب کسی نہ کسی حد تک ایک دوسرے کو استعمال کر رہے ہیں۔ اس سے کسی کو مجال انکار نہیں۔ اور دوسری حقیقت یہ ہے کہ ایسا نہیں کرنا چاہئے اور ایسا نہیں ہونا چاہئے' یہ تقاضۂ اخلاق ہے۔

اس ''کانفرنس'' کے شرکاء یا مصنفین میں سے کوئی کسی کو استعمال نہیں کرتا۔ ہر کوئی فرد ہونے پر یعنی اپنی انفرادیت برقرار رکھنے پر مُصر ہے اور ہر کوئی مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اس گروپ کا حصہ بنے۔ ہر کوئی غیر معمولی اور لاثانی فرد کے طور پر کھڑا ہے لیکن ہر ایک عظیم صداقت...... جماعتۃ...... کا حصہ ہے' بطور افراد' ہم خدائے تعالیٰ کے سامنے ذمہ دار اور جوابدہ ہیں لیکن بطور جماعت خدا کے مقدس ہاتھ تلے ہیں۔ جیسا کہ آنخضرت کا ارشاد ہے ''یَدُاللّٰہ علَی الْجَمَاعَةِ'' (جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہوتا ہے...... الحدیث)

میرے ملاقاتی اس اجتماعی مکالمے کے راز کی جستجو کے لئے یہاں آتے ہیں۔ میں ان

سے بطور فرد ملتا ہوں اور اپنی بے بضاعتیوں کے باوجود مقدور بھر اس ازلی اور ابدی مکالمے کے ذریعے ان کی تشفی کرانے کی کوشش کرتا رہتا ہوں۔ ایک ایسی عورت بھی آئی جو بطور متاعِ تجارت استعمال ہوتی رہی اور ماڈل کی حیثیت سے کام کرتی تھی۔ رسالوں اور پوسٹروں میں چھپنے والی اس کی تصویریں اشیاء کی دھڑا دھڑ فروخت کی ضامن ہوتی تھیں' اس نے اپنے حالات پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا'' اسلام قبول کرنے سے پہلے میں ماڈلنگ کرتی تھی' میری خدمات مصنوعات کی فوری فروخت کے لئے مؤثر ترین ہتھیار کے طور پر استعمال ہوتی تھیں۔ میری تصویریں خوش ذائقہ ہیمبرگر کی طرح ان اشیاء کو گاہکوں کی مرغوب ترین چیز بنا دیتی تھیں لیکن مجھے صنعت گروں کی پسند کیمطابق ڈھلنے کے لئے ذہنی اور جذباتی طور پر پگھل جانا پڑتا تھا۔ پھر میں نے اسلام قبول کرلیا۔ جس سے کہ میری دنیا ہی بدل کر رہ گئی...... میں اس گمنامی کو بے حد پسند کرنے لگی...... کیونکہ اب میں ناقابل شناخت ہو کر ایک اجتماعیت (WHOLE) کا ایک حقیر سا جزو بن گئی تھی...... میں 'جماعۃ' میں مکمل طور پر ضم ہوگئی اور اس امر سے بے حد مسرور ہوں کہ اب میری انفرادیت قابل توجہ نہیں رہی''۔

میں اسکی آمد کا سبب جاننے کے لئے بے چین تھا اور اس کے اپنے بارے میں صیغۂ ماضی استعمال کرنے کی وجہ جاننے کے لئے اس سے بھی بڑھ کر بے تاب تھا۔ میں نے پوچھا کہ'' کیا اب ابھی پوری طرح مطمئن ہو؟'' وہ کچھ جھجکی اور پھر بولنے لگی......'' میں خودغرض' انانیت پرست یا انفرادیت پسند نہیں مگر آپ کے ہاں'' انفرادیت'' اور'' جماعۃ'' میں توازن کا کیا اہتمام کیا گیا ہے۔ میں جس انفرادیت پسند اور مادہ پرست ماحول میں پروان چڑھی ہوں اس نے مجھے ناقابل بیان تذلیل اور بے چینی کی کیفیت میں مبتلا کر دیا ہے اور بعض اوقات میں خود کو گمشدہ و لاپتہ محسوس کرتی ہوں''۔

میں نے جواب میں کہا'' میں آپ کے سامنے جو افکار پیش کر رہا ہوں بطور ایک فرد پیش کر رہا ہوں۔ مگر ایسا کرتے ہوئے میں انفرادیت پسند نہیں بن جاتا''۔ یہ افکار اگرچہ ایک فرد کے ہیں مگر ان کا انحصار نظریات اور خیالات کی اجتماعیت (Collectivity) پر ہے۔ ''انفرادیت پسندی'' اور'' فرد'' ہونے میں ایک واضح فرق ہے۔ اول الذکر نظریہ خودغرضی' انانیت اور نجی سچ (Private Truth) پر مبنی ہے جبکہ'' فرد'' ہونا اپنی قدر و قیمت کے احساس' اجتماعیت اور اجتماعی سچائی (Public Truth) پر یقین کا نام ہے۔ آپ ایک وقت میں اشیائے صرف کا ایک پیکیج ہوا کرتی تھیں' یہ آپ کے ایک'' فرد'' ہونے کی وجہ سے نہیں

تھا' معاملہ اس کے بالکل برعکس تھا۔ آپ کو اجتماعی کھپت (Consumption) کا حصہ بنا کر ایک قالب میں ڈھال کر گم کر دیا گیا تھا یعنی ''سٹیریو ٹائپ'' کر دیا گیا تھا' آپ کو اس قابل ہی نہیں چھوڑا گیا تھا کہ بطور ''فرد'' زندہ رہ سکیں۔ آپ ایسی شبیہہ یا علامت بن گئی تھیں جس کا آپ کی ذات سے کوئی تعلق نہیں رہ گیا تھا۔ یہ اس وقت ہوتا تھا جب سرمایہ دار اپنی صنعت کے فروغ کے لئے آپ کی تصویریں بنا بنا کر انہیں پوسٹروں پر یا میگزینوں میں چھاپا کرتے تھے۔ یہ اس وقت بھی ہو سکتا تھا جب ایک گروہ کا سیاق و سباق آپ کی انفرادیت کو گم کر دیتا تھا۔ کمرشل ازم میں گمشدہ انفرادیت اور استبدادیت میں گم شدہ انفرادیت میں کوئی نوعی (Qualitative) فرق نہیں ہوتا۔ پھر اس نے پوچھا...... ''اور جماعۃ؟''

میں نے کچھ دیر تک اجتماعی مکالمے پر غور کیا اور اس میں سے جواب تلاش کر لیا۔ میں نے ایک حدیث کے حوالے سے جو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ (متوفی ۳۲ھ/۶۵۲ء) نے روایت کی ہے' کہا کہ ''جب اکثریت غلط راہ پر چل پڑے تو پھر جماعۃ وہی ہے جس کے بارے میں تمہارا یقین یہ ہو کہ خدا کے نزدیک سچائی یہی ہے''۔ جبکہ ابن قیم (متوفی ۷۵۱ھ/۱۳۵۰ء) کا کہنا ہے ''جماعۃ'' کے ساتھ پیوستہ رہنے کے حکم کا مطلب یہ ہے کہ سچائی کی راہ پر گامزن رہو۔

''جماعۃ'' اعداد کا کھیل (Numbers Game) نہیں ہے اور نہ ہی ''گروہی سوچ'' (Groupthink) کا مسئلہ ہے' جب خدا کے سامنے ''سچائی کے ساتھ پیشی'' کا معاملہ ہو تو تم اس پر بطور فرد غور کرو اور اس کے مطابق بطور فرد جوابدہی کے لئے تیار رہو۔ یہ انفرادی مزاج (Idiosyncracy) یا ذہنی ترنگ کے اتباع کا معاملہ نہیں بلکہ گہری فکر اور تدبر اور دیانتدارانہ سوچ کی دعوت ہے۔ اگر آپ کو یقین حاصل ہو جائے کہ آپ نے ٹھیک سوچ لیا ہے تو اس کا لازماً گروپ کے سامنے اظہار کر دو۔ اگر آپ نے بالکل صحیح سوچا تو آپ کو اس کا دوگنا اجر ملے گا' اگر غلط سوچا ہے تو اکہرے اجر کے مستحق ہو نگے۔ اے میری بہن خدا نے فرمایا ہے...... ''وَ کُلُّھُمْ اٰتِیْہِ یَوْمَ القیامَۃِ فرداً '' ...... (قیامت کے روز سب فرداً فرداً اس کے سامنے حاضر ہو نگے ...... سورۃ مریم آیت ۹۵) اے میری بہن! اسلام انفرادیت کے کمال اور اعجاز کا انکار نہیں کرتا اور نہ ہی اسے اکثریت کی جابریت قائم کرنے کا جواز بنایا جا سکتا ہے۔

جولائی ۱۹۹۸

باب 28

تلاشِ جمال

''کانفرنس آف بکس''، حُسن اور سچائی کی تلاش کے لئے ماضی سے رجوع کرتی ہے۔ اس تلاش کے لئے طریقہ اور ذریعہ شریعت فراہم کرتی ہے۔ حال کی حد بندیوں میں سے ہو کر مستقبل کے وسیع اور لامحدود امکانات تک پہنچنے والا' تلاش کا راستہ ذہن کے ذریعے طے ہوتا ہے۔ ماضی میں ہم خدا کی نشانیاں دیکھتے ہیں اور مستقبل میں خدا کا وعدہ پاتے ہیں۔ جبکہ زمانۂ حال بجز لمحۂ گزراں کے' کچھ بھی نہیں ہے۔ ذہن ایک غیر کامل ذریعۂ رسائی ہے جو اپنی نا پختگی کی وجہ سے اس تلاش کی راہوں میں سنگ گراں بن جاتا ہے۔ کیونکہ ہم تلاش پر اثر انداز ہوئے بغیر خدا کی نشانیوں کو خدا کے وعدے میں کیسے تبدیل کر سکتے ہیں؟ شریعت خدا کی نشانی اور خدا کا وعدہ ہے ہم اس راستے میں ایک ناقص ذریعۂ اتصال (Conduit) ہیں۔ ہمارا نقائص بھرا علم ہماری راہ میں سنگ گراں ہے مگر خدا کا کامل علم ہمیں رہنمائی عطا کرتا ہے۔ ہماری خامیوں اور ہماری دنیا کے عارضی پن میں شریعت کی کاملیت اور تغیر ناپذیری (Immutability) کے کئی راز پنہاں ہیں۔

حدیث میں آتا ہے۔ ''اِنّ اللّٰہ جمِیلُ وَیُحبُّ الجمال......(اللہ خوبصورت ہے اور خوبصورتی کو پسند کرتا ہے اور قرآن مجید میں آتا ہے...... کلُّ مَنْ علیھا فانِO وَّ یَبْقٰی وَجْہُ رَبّکَ ذو الجلالِ وَالْاِکرامO (ہر چیز جو اس زمین پر ہے فنا ہو جانے والی ہے اور صرف تیرے رب کی جلیل و کریم ذات ہی باقی رہنے والی ہے......سورۃ الرحمٰن آیات ۲۶۔۲۷)۔ یعنی خدا کے حُسن کے دنیوی مظہرات تباہ ہو جائیں گے لیکن اس کے حُسن کا دائمی سچ ہمیشہ ہمیشہ موجود رہے گا۔ خدا کا حسن نا قابل تغیّر اور معروضی ہے۔ لیکن اس کا اظہار خدا کی

اس مخلوق کے ذریعے ہوتا ہے جو کئی حد بندیوں کی تابع ہے' مثال کے طور پر میں خوبصورت ہوں۔ مجھے یہ حسن اس لئے عطا ہوا ہے کہ میں خدا کی مخلوق ہوں اور یہ حسن دائمی ہے۔ لیکن مجھ پر سجا ہوا حسن میری داخلی حدود (Subjective Limitiations) پر منحصر ہے اور اسے یقیناً فناہ ہونا ہے۔ شریعت چونکہ خدا کی طرف جانے والا راستہ ہے اور یہ امر لازم ہے کہ یہ حُسن کا راستہ بھی ہے۔ میں جب بھی کوئی خوبصورت چیز دیکھتا ہوں تو مجھے گمان گزرتا ہے کہ میں نے خدا کا مظہر (Manifestation) تلاش کرلیا ہے۔ لیکن اس حقیقت کی وجہ سے کہ میں اپنی داخلی حدود اور خامیوں سے باخبر ہوں' میں اپنے جوش وخروش کو اس خوبصورتی کی تحقیق اور اس پر سوچ بچار تک محدود کر دیتا ہوں۔ آخر کتنے ہی لوگ ہیں جو خدا کی عبادت پر کمر بستہ ہوئے مگر بالآخر اپنی ذات کی پُوجا کرنے لگے۔

کتنے ہی حسین اور پرجوش نوجوان اسلام اور انسانی حقوق پر مکالمے میں حصہ لینے آتے ہیں لیکن ان کے ذہن میں اسلام کے تصورِ حسن کی کوئی شبیہہ نہیں ہوتی۔ بلکہ وہ اسلام کو بھدّے پن' ناخوشگوار اور وحشیانہ چیزوں سے منسوب کرتے ہیں۔ ان کے ذہن میں یہ بات پیوست ہوتی ہے کہ اسلام کو خوبصورتی سے کوئی دلچسپی نہیں ہے اور نہ ہی شائستگی اور خوش اطواری سے کوئی سروکار رکھتا ہے۔ صرف سخت قوانین اور ان کے نفاذ سے دلچسپی رکھتا ہے۔ یہ منظر دیکھ کر سخت مایوسی ہوتی ہے جب کوئی مسلمان ایک جاری بحث مباحثہ میں خم ٹھونک کر سامنے آجاتا ہے اور اعلان کرتا ہے کہ ''حُسن کرپشن ہے۔ اس لئے شریعت میں کوئی ایسا قانون نہیں جو ہمیں حُسن کو خاطر میں لانے کا حکم دیتا ہو۔'' علم دوست لوگ صرف یہی کر سکتے ہیں کہ وہ ماضی پر تحقیقی نظر ڈالیں' مستقبل کے بارے میں محتاط علمی رویہّ اختیار کریں اور اس امید پر زندگی گزاریں کہ حال کے دن آخر بیت ہی جائیں گے۔

شریعت تلاشِ حسن ہی سے تعلق رکھتی ہے کیونکہ یہ خدا کی تلاش ہے۔ یہ خوبصورتی کا ایک خُلقی اور جبلّی شعور ہے' یہ وہ ''فطرۃ'' ہے جو خدا نے ہم سب کے اندر گاڑ دی ہے۔ تکبّر اور شیخی اسے مسخ کر دیتی ہے اور وہ لوگ بھی اسے کھو بیٹھتے ہیں جو اس کے وجود کو نظر انداز کریں یا اسے فراموش کر دیں۔ خدا انسانوں کو ''احسان'' کی تلقین کرتا ہے اور ''معروف'' کا حکم دیتا ہے جبکہ ''منکر'' سے باز رہنے پر بھی زور دیتا ہے۔ ''احسان'' وہ چیز ہے جو عام طور پر ''اچھی'' کہی جاتی ہے۔ ''منکر'' وہ ہے جو عام طور پر قابل ملامت سمجھی جاتی ہے۔ ان میں سے ہر زمرے میں مضمر مفروضہ ''Implicit Assumption'' یہ ہے کہ ہر انسان وجدانی طور

پر صحیح اور غلط کا شعور رکھتا ہے۔ خدا نے اپنی کتابِ مبین میں فرما دیا ہے:" فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَاO قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا O وَ قَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا"O ...... (پھر اس کی بدی اور پرہیز گاری اس پر الہام کر دی۔ یقیناً فلاح پا گیا وہ جس نے نفس کا تزکیہ کیا اور نامراد ہوا جس نے اس کو دبا دیا......سورۃ الشمس آیات ۸۔۱۰)

عہد متوسط کے فقیہہ خمیس الشافسی نے اپنی کتاب ''منہاج الطالبین'' میں لکھا ہے کہ ہر جگہ اور ہر زمانے کے الگ الگ آداب ہوتے ہیں جو وہاں کے مخصوص معاشرتی پس منظر میں اختیار کئے جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر مدینہ کے لوگ اپنی کنواری لڑکیوں کو بغیر پردے کے باہر نکلنے کی اجازت نہیں دیتے تھے جبکہ اومان میں کنواری لڑکیوں کا نقاب نہ اوڑھنا قابل ملامت سمجھا جاتا تھا۔ اس سے وہ یہ نتیجہ اخذ کرتا تھا کہ مسلمان جس چیز کو بھی قابل ملامت سمجھتے ہوں وہ واقعی قابلِ ملامت ہوتی ہے۔ الشافسی کی بات میں وزن ہے لیکن اسے کلیتاً درست نہیں کہا جا سکتا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ زمان و مکاں کی تبدیلی سے قوانین میں تبدیلیاں آتی ہیں اور یہ بھی ہوتا ہے کہ کسی معاشرے کے معیارات بھی اسی کے مطابق ڈھلتے رہتے ہیں' بہ الفاظ دیگر خوبصورتی اور بدصورتی کی تمیز ان معیاروں کے حوالے سے کی جاتی ہے تاہم معاشرتی معیار ہمیں اخلاقیات کی تحقیق (Moral Inquiry) کی ضرورت سے بے نیاز نہیں کر سکتے۔ اس بات کو یوں بھی بیان کیا جا سکتا ہے کہ ثقافت اخلاق کی جگہ نہیں لے سکتی ہم خدا کی منشاء معلوم کرنے کے لئے کئی قسم کی ''شہادتوں'' سے مدد لیتے ہیں۔ ان شہادتوں میں مقدس کتابیں اور ثقافتی طور طریقے بہت اہمیت رکھتے ہیں تاہم خدا کی منشاء جاننے کے لئے مروجہ اخلاقی ضابطوں کو بھی پیش نظر رکھا جانا چاہئے۔

مسلمانوں کی کوتاہیاں

عہد حاضر کی مسلم دنیا میں سیاسی اور ثقافتی مصلحتیں مذہبی اقدار کی جگہ لے رہی ہیں بلکہ انہیں مذہبی اقدار پر فوقیت دی جا رہی ہے۔ مغربی ممالک میں اسلام اور مسلمانوں سے دشمنی اور تعصب کا جو سلوک ہو رہا ہے اس میں مسلمانوں کی اپنی کوتاہیوں کا بھی بڑا دخل ہے۔ ہمارے اپنے رویّے بھی اس تعصب کی راہ ہموار کرتے ہیں۔ ہم اس بات کو بالکل ہی فراموش کر جاتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پوری انسانیت کے لئے رحمت بنا کر بھیجے گئے تھے' اسی رحمت کو ''حسن'' کہا جاتا ہے۔ ہم اس بات کو بھی نہیں بھول سکتے......''اِنَ اللّٰه جمیلٌ وَيُحِبُّ الجمال '' اللہ خوبصورت ہے اور خوبصورتی کو پسند فرماتا ہے۔

ستمبر ۱۹۹۸

باب 29

دہشت گردی بمقابلہ بالادستی

خداوند کریم نے قریش کو اپنی دو نعمتوں کا احساس دلایا تھا' یہ نعمتیں بھوک اور خوف سے انہیں تحفظ دینے کی صورت میں عطا کی گئی تھیں (اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوعٍ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْف...... سورۃ قریش آیات ۳-۴) بھوک اور خوف لاحق ہو تو زندگی سراسر اضطراب اور بے چینی بن جاتی ہے۔ یہ کیفیت انسان کو کسی بھی دوسرے کام کی طرف توجہ دینے کے قابل نہیں چھوڑتی۔ چہ جائیکہ وہ اپنی عزت و وقار اور غور و فکر کا اہتمام کر سکے۔ زندگی کی اصل روح' امورِ حیات کی لطافتوں پر غور کرنا اور ان کے بارے میں اظہار خیال کرنے کے مواقع ہوتے ہیں۔ لیکن اگر تفکر و تدبّر نہ ہو تو اظہارِ خیال محض احمقانہ گریہ و بکا ہو جاتا ہے۔ جب بنی نوعِ انسان خود کو محفوظ و مامون نہ پائیں' ان کا وقار و احترام باقی نہ رہے تو مکالماتِ زندگی کی جگہ احساسِ بیگانگی کا نالہ و شیون لے لیتا ہے۔

''کانفرنس آف بکس'' زندگی کا ایک خوبصورت اور دلچسپ مکالمہ ہے۔ یہ خوبصورت سوچ بچار اور باوقار تفکّر سے فروغ پاتی ہے لیکن اگر زندگی کی بے وقعتی' خوف اور مایوسی کا ماحول ہو تو اس کا دم نکل جاتا ہے۔ نتائجیت (Pragmatism) محض ایک تجربہ ہے اور مثالیت پسندی (Idealism) محض ایک خواب ہے۔ اگر محض تجربے کی قوت پر زندہ رہیں تو ہم اپنی مجبوریوں اور بندشوں (Limitations) کے اسیر بن کر رہ جاتے ہیں اور اگر صرف خوابوں کی قوت کے بل بوتے پر جینے کی کوشش کریں تو سبز باغوں کے قیدی بن جاتے ہیں۔ یہ کانفرنس ہمارے تجربات کو بلند نصب العین کی راہ دکھاتی ہے۔ خوف اور نا امیدی میں نہ ہم زندگی کی عظمتوں سے آشنا ہو سکتے ہیں اور نہ خواب دیکھنے کی جرأت کر سکتے ہیں۔

آمریت، مایوسی اور ناامیدی کو جنم دیتی ہے کیونکہ یہ بنی نوع انسان کے بنیادی اور خلقی وقار سے انکار کرتی ہے اور دہشت کا ماحول خوف کی منطق کو فروغ دیتا ہے جس کے دوران بنی نوع انسان کی محسوس کرنے کی قوت سے انکار کر دیا جاتا ہے۔ جدید دور میں آمریت کی بدترین شکل ''بالادستی کی آمریت'' (Despotism of Hegemony) ہے اور دہشت کی بدترین صورت وہ تشدد ہے جو بلاتمیز ہر کسی کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے اور اتنا اچانک وارد ہوتا ہے کہ کسی کو سنبھلنے کی مہلت ہی نہیں ملتی۔ بالادستی یہ ہے کہ کسی قوم کے خیالات کی ''پیداکاری'' کی صلاحیت اور اس کی پیداوار پر کنٹرول حاصل کر لیا جائے اور اس کی اقدار و ثقافت کو بھی تابع بنا لیا جائے۔ اس کے خوب و زشت، خوبصورتی و بدصورتی اور صحیح و غلط کے تصورات کو ہی بدل کر رکھ دیا جائے۔ اس کی خواہشات اور تمناؤں کو، لباس اور رہن سہن کو، بولنے اور سننے کے انداز کو، کام کرنے اور آرام کرنے کے طریقوں کو اور محبت اور نفرت کرنے کے آداب کو تبدیل کر دیا جائے۔

یہ سوال کہ آج کی دنیا میں بالادست کون ہے؟ زیادہ اہمیت نہیں رکھتا، اہم سوال یہ ہے کہ بالادست کسے سمجھا جاتا ہے یا کس کی بالادستی ذہناً قبول کی جاتی ہے؟۔ سمجھا یہ جاتا ہے کہ ''بالادستی'' صارفیت (Consumerism) اور مادیت کے بے خدا (Agnostic) کلچر کو حاصل ہے جو ہر انسان کی انفرادیت کے خول کو توڑ سکتا ہے اور ہر کلچر کے جوہر اور اس کی داخلی قوت کو تہس نہس کر سکتا ہے۔ یہ بالادست کلچر اشیائے صرف کی کھپت (Consumption) کے حوالہ سے اپنی مخصوص اخلاقیات رکھتا ہے اور فرد کی ذات کے گرد بنے ہوئے خول کو توڑ کر اس میں جنس تجارت کے طور پر ''قابل فروخت'' اجزا کو چھانٹ چھانٹ کر الگ کر لیتا ہے اور جو قابل فروخت نہیں انہیں رد کر دیتا ہے۔ بالادستی کے اس تصور میں ''فرد'' اس کی انفرادی شناخت یا اس کی ثقافتی تخصّص (Cultural Particularism) کی کوئی گنجائش نہیں، نیا تصور یہ ہے کہ امریکہ اور مغربی تہذیب، من حیث المجموع، باقی دنیا کے آقا ہیں اور وہ اس منصب پر قائم و دائم رہنے کا پورا بندوبست کر چکے ہیں۔ امریکی اور مغربی تصورات اور اقدار پوری دنیا میں پھیلائی جا رہی ہیں جو سب اقوام اور ان کی ثقافتوں کو اپنی لپیٹ میں لے رہی ہیں۔ جو کوئی انہیں قبول نہیں کرے گا، اسے پیس کر رکھ دیا جائے گا جو قبول کرے گا، اسے اپنی سوچوں، چال ڈھال اور اپنے شب و روز میں ان اقدار کے مطابق زندگی گزارنا ہوگی اور رہتی دنیا میں صرف دو قسم کے لوگ رہ جائیں گے۔

MashalBooks.org

ایک سخت جان باغی اور دوسرے دب کر زندگی گزارنے والے نچلی ذات کے لوگ یا مہرے ہوں گے۔

اعتراف شکست

بالا دستی کا یہی تصوّر ہے جو دہشت گردی (Terrorism) کے ایک کلچر کو وجود میں لاتا ہے اور پھر اس کے فروغ کا باعث بنتا ہے۔ دہشت گردی ایک قسم کی مزاحمت ہے جو ان کے داخلی اضطراب اور مایوسیوں کی وجہ سے ابھرتی ہے۔ جو لوگ آخری چارۂ کار کے طور پر اسے اختیار کرتے ہیں وہ اپنی مخصوص شناخت اور عزت نفس کی نفی اور پامالی کا بدلہ لینے کے لئے اٹھتے ہیں۔ تاہم دہشت گردی' مزاحمت کی کوئی تعمیری یا مؤثر و پسندیدہ شکل نہیں بلکہ تخریبی اور ادنیٰ قسم کی مخالفت ہے۔ دہشت گردی' جوابی کلچر (Counter-Cultur) نہیں بلکہ کلچر کی کلّی نفی ہے۔ مایوسی کی بہت سی اشکال کی طرح یہ جوابی اخلاقی اقدار (Counter moral values) کا اثباتِ دعویٰ نہیں بلکہ ان اقدار کی مکمل نفی ہے۔ بنیادی طور پر دہشت گردی کھلم کھلا اعترافِ شکست اور دلائل و براہین کے ذریعے مقابلہ نہ کر سکنے کا اظہار ہے۔

نوعی اعتبار سے دہشت گردی' بالا دستی سے بڑی حد تک مماثلت رکھتی ہے۔ دونوں جوہری طور پر استبدادی مزاج رکھتی ہیں۔ دونوں جبر کے ذریعہ کنٹرول کرتی ہیں' دونوں احساسِ مروّت کی قاتل ہیں' دونوں اپنے مقصد کے لئے ہر قسم کی ساز باز اور جوڑ توڑ کو جائز سمجھتی ہیں۔ ایک ترغیب و تحریص کے ہتھیار کے ذریعے اور دوسری گنوارانہ قوت کے استعمال کے ذریعے دوسروں سے کام لیتی ہے۔ دونوں اپنے شکار کے جسم کو تباہ اور اس کی روح کو گھائل کر دیتی ہیں۔ تاہم بالا دستی کے علمبردار بہت سے لوگوں کے دلوں کو مسحور کر لیتے ہیں اور ان کی روحوں کو ہمنوا بنا لیتے ہیں لیکن دہشت گرد نہ دلوں کو جیتتے ہیں نہ دماغوں اور روحوں کو ہمنوا بنا سکتے ہیں۔

خدا انسانوں کے کسی گروہ کے گناہوں کی سزا دوسرے گروہ کو نہیں دیتا۔ فرمایا گیا ہے ...... ”**یٰٓاَ یُّھاالَّذِین اٰمَنُوْ ا کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰہِ شُھَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَلَا یجرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓی اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْھُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی وَ اتقوا اللّٰہO** ...... (اے لوگو جو ایمان لائے ہو' اللہ کی خاطر راستی پر قائم رہنے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے بنو۔

کسی گروہ کی دشمنی تم کو اتنا مشتعل نہ کر دے کہ انصاف سے پھر جاؤ' عدل کرو' یہ خدا ترسی سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔ اللہ سے ڈر کر کام کرو...... سورۃ المائدہ آیت ۸)۔ دہشت گرد اپنے تصور کے مطابق جس چیز کو ناانصافی سمجھتا ہے اس پر حملہ کر کے ہمہ جہتی خوف کا ایک پیغام پھیلا دیتا ہے' وہ گناہ گار اور بے گناہ کے درمیان امتیاز روا نہیں رکھتا' زد میں آنے والوں کے مستوجب سزا ہونے یا نہ ہونے کی پرواہ کئے بغیر سب کو تباہ کر دیتا ہے۔ اس طرح وہ اپنے احتجاج یا مزاحمت کا پیغام پہنچانے کیلئے انسانی جان اور انسانی وقار کو تباہ و برباد کر دیتا ہے۔ اس کے نزدیک انسانی زندگی بجائے خود کوئی مقصد نہیں ہوتی بلکہ محض ایک ذریعہ ہوتی ہے۔ عام طور پر دلیل دی جاتی ہے کہ بے بس لوگوں کے پاس مزاحمت کے لئے دہشت گردی کے ہتھیار کے سوا کچھ نہیں ہوتا لیکن دوسروں کی ناانصافیوں کا نشانہ بن کر مرجانے سے بہتر یہ ہے کہ آپ کسی تیسرے بے گناہ کو ہلاک کر کے زندہ رہیں۔

موجودہ ''بے خدا ثقافتی بالا دستی'' کیخلاف مزاحمت کرنے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ آپ ایک جوابی ثقافت معرضِ وجود میں لائیں جو اس کی متبادل بن سکتی ہو۔ ہم بطور مسلمان ایسا متبادل لانے کے مجاز نہیں ہیں جو موقع پرستانہ ہو یا محض نتائجیت (Pragmatism) پر مبنی ہو۔ بطور مسلمان ہمارے پاس ایک ہی آپشن ہے وہ ہے ایک اصولی اور اخلاقی متبادل۔ ہم تباہی اور بربادی پھیلا کر کر مزاحمت نہیں کر سکتے۔ ہمیں مکالمے' مذاکرے اور دلیل کے ذریعے اپنا موقف پیش کرنا ہے۔ ہم لاشوں پر اپنی احمقانہ کامیابیوں کا پرچم نہیں لہرا سکتے۔ ایسا کرنے سے ہم اکثریت کی ہمدردیوں سے محروم ہو جائیں گے۔ ہمارا متبادل ''کانفرنس آف بکس'' کے سرگرم بااصول اور گرجدار آواز میں اظہار خیال کرنے والے مقررین ہیں۔ بموں کے ذریعے خوف و ہراس پھیلانا کوئی متبادل نہیں ہے۔

ستمبر ۱۹۹۸

MashalBooks.org

باب 30

آرزوئے اخوت

اخوت یا بھائی چارے کا جذبہ نہ تو ''جینز'' (Genes) کے ذریعے وجود میں آسکتا ہے اور نہ قانون کے زور سے پیدا ہوسکتا ہے۔ یہ ایک انمول کیفیت ہے جسے قرآن نے دوزخ سے بچ جانے یا جنت کا انعام پانے کے مساوی قرار دیا ہے۔(اِذْ کُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِکُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِہٖۤ اِخْوَاناً وَکُنْتُمْ عَلٰی شَفَاحُفْرَۃٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَ کُمْ مِنْھا...... تم ایک دوسرے کے دشمن تھے اس نے تمہارے دل جوڑ دیئے اور اس کے فضل سے تم بھائی بھائی بن گئے۔ تم آگ سے بھرے ہوئے ایک گڑھے کے کنارے کھڑے تھے۔ اللہ نے تم کو اس سے بچالیا...... سورۃ ال عمران آیت ۱۰۳) اور جنہوں نے جنت حاصل کر لی ان کے دلوں میں بھائی چارے کا جذبہ پیدا کر دیا جائے گا...... '' وَنَزَعْنَا مَافِی صُدُوْرِھِمْ مِّنْ غِلِّ اِخْوَاناً عَلٰی سُرُرٍ مُتَقَابِلِیْن '' ...... (ان کے دلوں میں جو تھوڑی بہت کھوٹ کھپٹ ہو گی اسے ہم نکال دیں گے اور وہ آپس میں بھائی بھائی بن کر آمنے سامنے تختوں پر بیٹھیں گے...... سورۃ الحجر آیت ۴۷) بھائی چارے کا یہ جذبہ درجے کے لحاظ سے خوبصورتی شرافت وقار اور شائستگی کے مساوی ہے۔ لیکن بھائی چارہ ایک کیفیت ہے' درجہ نہیں ہے۔ بطور نعمت یہ روحوں اور دلوں کو ایک دوسرے کے قریب تر کر دیتا ہے۔ لیکن یہ نہ بذریعہ قانون وجود میں آسکتا ہے اور نہ ہی اس کی مقدار کا تعین ہوسکتا ہے۔ دنیا کا کوئی مذہب اور کوئی قانون' شرافت اور حُسن کی اس بنیادی اور الہامی ضرورت کی جگہ نہیں لے سکتا اور نہ ہی دنیا بھر کے اداراتی قوانین اس بنیادی شعورِ شرافت وحسن کو وجود میں لا سکتے ہیں جو بھائی چارے کی تہہ میں کارفرما ہوتا ہے۔ اگر برادرانہ محبت غائب ہو جائے تو معاشرے کا چہرہ اتنا بھدا

MashalBooks.org

اور بدنما ہو جائے گا کہ دنیا بھر کی عقلیت پسندی اور تدبیر کاری کا کوئی نسخہ اسے چھپا نہیں سکے گا۔ قرآن مجید ان لوگوں کا ذکر کرتا ہے جو قیامت کے دن خالص اور صحتمند دل لئے ہوئے حاضر ہوں گے......الفاظ یہ ہیں۔ " اِلاّ مَنْ اَتی اللّٰہَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ" (بجز اس کے کہ کوئی شخص قلبِ سلیم لئے ہوئے اللہ کے حضور حاضر ہو......سورۃ الشعرآ آیت ۸۹) لیکن کونسا قانون یا ادارتی حکم نامہ داغدار روح کو صاف کر سکتا ہے یا ٹوٹے ہوئے دل کو جوڑ سکتا ہے؟۔ کون سا قانون یا حکم نامہ ایسے شیریں لمحات لا سکتا ہے جو ایسے عظیم الشان بندھن کو وجود میں لا سکتے ہیں؟۔ کون سا قانون یا حکمنامہ ایسی مستحکم اور غیر متزلزل وفاداری کو جنم دے سکتا ہے؟ قوانین اور حکم نامے مشورے دے سکتے ہیں' حوصلہ افزائی کر سکتے ہیں اور سزائیں نافذ کر سکتے ہیں مگر جب دل بالکل ہی بگڑ چکا ہو یا گل سڑ چکا ہو' اس میں محبت کی چاشنی' صداقت' ضمیر کی روشنی اور روحانی لذت کیسے جگہ پا سکے گی؟

ہم گھنٹوں بیٹھے اس تجریدی اور نا قابل توضیح تصور پر گفتگو کرتے رہے جسے "تحریک" کہا جاتا ہے' ہم نے تحریک کے "شرکاء و رفقاء" اور "متغیر مستقبل" پر بھی غور و فکر کیا اور خواب بھی دیکھے۔ مقدر کا مفہوم ابہام اور انتشار سے دوچار ہوتا چلا گیا اور ہم تخیلات کے گھوڑے دوڑاتے رہے۔ ہم غیر رسمی کھانوں کی تقریبات میں' نصف شب کی کافی مجلسوں میں' کیمپوں میں گزارے جانے کے اوقات میں اور سوتے جاگتے "منشائے خداوندی" تلاش کرتے رہے اور بالآخر "اسے" اپنے آرزومندانہ خیالات (Wishful thoughts) میں مضمر پایا۔

پھر ہمیں ایک غیر معمولی بندھن کا احساس ہوا جس نے شرکائے گفتگو کو اس غیر منطقی (Fantastic) خواب کیساتھ باندھ دیا۔ ہم نے ایک اسلامی تحریک کی آمد کا تصور کیا اور یہ گمان کیا کہ ایک مستعد اور ثابت قدم رشتۂ اخوت' ہمارے جذبات اور خیالات کو خدا کے تصور کے گرد ہمیں آپس میں باندھ دے گا۔ لیکن ہم نے خود کو ایسی انفرادی سوچوں میں جکڑے ہوئے پایا جو ایک دوسری سے بہت مختلف اور بعید تھیں۔ اس کے باوجود ہمارا ریاکارانہ اور احمقانہ اعتماد برقرار رہا کہ ہم بالآخر اس رشتۂ اخوت میں بندھ جائیں گے۔

کئی سال کی سوچوں کے بعد میں گھوم پھر کر اسی مقام پر پہنچ گیا' میں نے تمام پرانی جگہیں دیکھیں۔ گھر' کیفے اور گلیاں گلیاں پھرا اور کیمپس سے کیمپس تک گھومتا رہا۔ یادگاریں اور باقیات جوں کی توں پائیں مگر اثرات غائب تھے' مزید چند سالوں کے بعد شادیوں اور

طلاقوں کی بھرمار ہے۔ بچوں اور سکولوں کے بکھیڑے ہیں‘ اپنے اپنے گھر اور اپنے اپنے کاروبار ہیں لیکن ہمارے درمیان بندھن اور بھائی چارہ مفقود ہو گیا ہے۔ میں یادوں پر ماتم نہیں کرتا‘ کیونکہ یادیں سرمایہ تاریخ ہے اور تاریخ ایک سبق ہے۔ بات یہ نہیں کہ ہم غافل اور بے عمل ہو گئے ہیں ہم میں سے بہت سے لوگ فعال اور مستعد رہے ہیں۔ لیکن وہ اخوت اور بھائی چارہ جو ایک فرد کی فعالیت (Activism) کو دوسرے فرد کے قریب لاتا تھا اور جس سے باہمی یگانگت اور محبت کو فروغ ملتا تھا‘ غائب ہو چکا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ’’تم اس وقت تک مومن نہیں بن سکتے جب تک تم اپنے بھائی کے لئے وہی چیز پسند نہ کرو جو اپنے لئے پسند کرتے ہو‘‘۔ اخوت ایک کیفیت ہے جس کے تحت آپ اپنے بھائی سے محبت کرتے ہیں اس کے لئے متفکر اور پریشان ہوتے ہیں اور اس سے والہانہ پیار کرتے ہیں۔ یہ کیفیت ایک گروپ کو دوسرے گروپ سے تعاون کے تصور سے کہیں آگے لے جا کر ان کو شریکِ مقدر (Shared Destiny) کر دیتی ہے۔ یہ ایک پیمانہ ہے جس کے ذریعے ایک گروپ کی کامیابی‘ اس کے افراد کی کامیابی سے ناپی جاتی ہے اور گروپ کی قوت اس بندھن کی قوت سے ناپی جاتی ہے جس نے اس کے ارکان کو باہم متحد کر رکھا ہے۔ کسی گروپ کی کامیابی کا انحصار اس پر نہیں ہوتا کہ وہ اپنے ارکان کو ایک مقصد (کاز) کے لئے متحد کر دے بلکہ اس کا انحصار گروپ کی اس اہلیت پر ہوتا ہے کہ وہ اپنے ارکان ہی کو ایک مقصد (کاز) میں ڈھال سکتا ہے یا نہیں۔

میں اپنی جوانی کے ساتھیوں کو کوئی الزام نہیں دیتا۔ کیونکہ میں محسوس کرتا ہوں کہ اس وقت ہم ایک مجادلے اور مناقشے کا تخلیق کردہ افسانہ تھے۔ اپنے ساتھیوں کی طرح میں بھی یہ بات بھول گیا تھا کہ نفاست یا حُسن کی طرح اخوت بھی ایک ’’کیفیت‘‘ (State) ہے‘ ’’مرتبہ یا حیثیت‘‘ (Status) نہیں ہے۔ اگر محتاط اور شعوری محنت بروئے کار نہ لائی جائے تو نفاست بگڑ کر بے حسی اور بے اعتنائی بن جاتی ہے۔ حسن بگڑ کر بے لطفی و بے نمکی میں ڈھل جاتا ہے اور اخوت محض ایک عادت سی بن جاتی ہے۔ خدا نے اخوت کی نعمت ان لوگوں کے لئے رکھی ہے جن کا تقویٰ انہیں حسن و شائستگی کی راہ پر ثابت قدمی سے گامزن رکھتا ہو۔ اخوت ایسے لوگوں کے لیے ایک اجر و انعام ہے جو صحیح معنوں میں شائستہ اطوار اور قلبی حسن سے مالا مال ہیں۔

اکتوبر ۱۹۹۸

MashalBooks.org

باب31

تہذیبِ ''ممنوعات''

''ممنوع یا اخی'' (اے بھائی یہ ممنوع ہے) کرخت آواز میں کہا ہوا یہ جملہ آپ کے کانوں میں پڑتے ہی آپ کی ریڑھ میں جا اترتا ہے اور آپ ڈر کے مارے کانپنے لگتے ہیں۔ آپ اپنے کمرے میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک ٹہلتے ہوئے یاد کرتے ہیں کہ یہ جملہ ایئرپورٹوں' میل سٹیشنوں' لائبریریوں' بک سٹوروں' سکولوں' سرکاری دفاتر اور اسلامی اداروں میں آتے جاتے' کئی بار آپ نے سنا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ کام کرنا منع یا گناہ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ بلیک لسٹ' ناپسندیدہ اور سرکاری طور پر منع ہے۔ یہ بے شمار دفعہ آپ کی سماعت سے ٹکرایا جسے سن کر آپ کے دل کی دھڑکن تیز تر ہوگئی۔ گلا خشک ہوگیا' چہرہ پسینے سے تر ہوگیا۔ ہتھیلیاں بھی بھیگ گئیں۔ آپ ایک زمینی خدائی کے دعویدار کے سامنے کھڑے اس کا حکم نامہ سننے کے منتظر ہیں۔ وہ ایک پُراسرار لسٹ پر نگاہ ڈالتا ہے اور پھر سر اٹھا کر کہتا ہے...... ''ممنوع''......ایک فکر انگیز کتاب' کانفرنس کی رکن اور خدا کے راستے کی طرف دعوت دینے والی تصنیف' ممنوعہ قرار دے دی جاتی ہے۔

آپ ہکا بکا کھڑے ہیں اور دل میں سوچتے ہیں کیوں اور کیسے؟ ان کے لئے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کیونکہ ایک ناقابل تغیرّ' شیطانی لسٹ میں اس کا نام درج ہے' لہٰذا یہ ممنوع ہے اور اب اس کو خریدنا' پڑھنا' ڈاک کے ذریعہ کہیں بھیجنا اور وصول کرنا جرم قرار پا گیا ہے۔ ان کی رعونت اور جہالت آپ کے عزم کے لئے چیلنج ہے اور آپ تہیہ کر لیتے ہیں کہ آپ کسی نہ کسی طریقے سے حاصل کے اسے ضرور پڑھ لیں گے۔

MashalBooks.org

اس حکمنامے کے ذریعے جو کتاب ممنوعہ قرار پائی ہے وہ ایسی نہیں جسے میں پڑھنا چاہتا ہوں بلکہ وہ ہے جو میں نے خود لکھی ہے۔ خدائی کا دعویدار اس وقت سامنے نہیں بیٹھا' میں نے اس کا حکم ٹیلی فون پر اپنے محفوظ گھر کی چار دیواری کے اندر بیٹھے ہوئے سنا ہے اور ممنوعہ کتاب میرے سامنے میز پر پڑی ہوئی ہے۔ اس کا نام "The Authoritative and the Authoritarianism in Islamic Discourses" جو ایک سال میں دوسری بار غیر قانونی قرار پائی ہے' یہ مشرق وسطیٰ میں خدائی کے دعویدار حکمرانوں کا کارنامہ ہے۔ میں بے چینی سے اپنے کمرے میں ٹہلنے لگا اور قرآن مجید کی یہ آیت بار بار پڑھتا رہا۔ " اَلَّذِیْنَ ' اٰمَنُوا وتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِکْرِاللّٰه' اَلاَ بِذِکْرِ اللّٰه تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبO (جو لوگ ایمان لائے ہیں ان کے دلوں کو اللہ کی یاد سے اطمینان نصیب ہوتا ہے۔ خبردار رہو اللہ کی یاد ہی وہ چیز ہے جس سے دلوں کو اطمینان نصیب ہوا کرتا ہے...... سورۃ الرعد آیت ۲۸)۔ مجھے اس پر نہ کوئی غم ہے' نہ افسوس۔ صرف ایک عزم اور ایک اعتماد ہے۔ ایک دوسری آیت یاد آئی۔ فَاَمَّا الزَّبَدُ فَیَذْهَبُ جُفَآءً وَاَمَّا مَایَنْفَعُ النَّاسَ فَیَمْکُثُ فِی الْاَرض" جو جھاگ ہے وہ اڑ جایا کرتا ہے اور جو چیز انسانوں کے لئے نافع ہے وہ زمین میں ٹھہر جاتی ہے...... سورۃ الرعد آیت ۱۷)۔ میں نے خود سے مخاطب ہو کر کہا کہ تم نے جو کچھ لکھا وہ دنیا میں رہے گا اور پھیلے گا۔ یہ "کانفرنس" جھاگ کو اڑا دے گی اور اس صفحہ ہستی پر منعقد ہونے والی علمی کانفرنسیں اس پیغام کو سدا پھیلاتی رہیں گی۔ "ممنوع" کا مردود و لعین لفظ' پانی کی تند و تیز لہر کے سوا کچھ نہیں ہے جو جھاگ کو ابھار کر سطح کے اوپر لے آتی ہے۔ کیا وہ لہر ہمیشہ اپنی جھاگ کو اوپر نہیں لاتی۔ تم نے وہ کتاب تکبر اور جہالت کے خلاف بطور احتجاج لکھی ہے۔ تم نے ایک آواز کو خدا کی آواز تسلیم کرنے سے انکار کیا ہے اور اسے مسترد کر دیا ہے۔ تم نے ایک طریقۂ کار پیش کیا ہے جو خدا کی آواز کو حکمرانوں کی آواز سے متّمیز کرتا ہے۔ تم نے "پدر شاہی" (Patriarchy)' "صنف پرستی" (Sexism) اور اس استبداد کو مسترد کیا ہے جو عورتوں کو غلام سے بدتر زندگی گزارنے پر مجبور کرتا ہے' یا مردوں کو ان کے خبط (Whim) کے غلام بناتا ہے۔ یا خدا کی کتاب کو اس کے پڑھنے والے کے پہلے سے قائم عقیدے (Dogma) کی تابع بناتا ہے۔ خدا کا ارشاد تو یہ ہے ...... " قُلْ اَرَءَیْتُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَکُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِنْهُ حَرَاماً وَّ حَلٰلاً' قُلْ آللّٰهُ اَذِنَ لَکُمْ اَمْ عَلَی اللهِ تَفْتَرُوْنَ (اے نبیؐ ان سے کہو" تم

MashalBooks.org

لوگوں نے کبھی یہ سوچا ہے کہ جو رزق اللہ نے تمہارے لئے اتارا تھا اس میں سے تم نے خود ہی کسی کو حرام اور کسی کو حلال ٹھہرا لیا' ان سے پوچھو اللہ نے تم کو اجازت دی تھی یا تم اللہ پر افترا کر رہے ہو ...... سورۃ یونس آیت ۵۹) خدا کی نعمتوں میں سے دو نعمتیں ذہنی قوت اور حُسنِ بیان (Beauty of Discourse) سب سے بڑھ کر ہیں۔ کون ہے جسے ان کو ممنوع قرار دینے یا اس کے مکالمے کو سنسر کرنے کا حق حاصل ہو؟

یہ کانفرنس "ممنوع" کے استبداد (Authoritarianism) کے خلاف اعلانِ جہاد کرتی ہے کیونکہ یہ استبداد کانفرنس کے دیباچے (Premise) اور اسکے حسنِ بیان (Beauty of Discourse) کو مسترد کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ یہ ممنوعہ چیزوں کو حلال اور حلال کو حرام قرار دینا چاہتا ہے۔ حتیٰ کہ اپنی آواز کو خدا کی آواز کے طور پر پیش کر رہا ہے۔ **كَذَالِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الحَقَّ وَالباطِلَ** ...... (اس طرح اللہ حق اور باطل کے معاملے کو واضح کرتا ہے......سورہ الرعد آیت ۱۷)۔ خدا نے ہمیں انصاف کرنے اور برتنے کا حکم دیا ہے۔ وہ معروف چیزوں کی تبلیغ کرنے اور برائیوں کو روکنے کی ہدایت فرماتا ہے۔ اس طرح ہمیں ایک اختیار حاصل ہو گیا' جو ہم سب کا مشترکہ حق (Empowerment) ہے۔ یہ خدا کے ساتھ میثاق (Covenant) کا حصہ بن جاتا ہے' اس نے ہم میں سے ہر ایک کو حکم دیا ہے کہ ہم انصاف اور نیکیاں پھیلانے اور برائیوں کو روکنے میں اپنا کردار ادا کریں' یہی کردار یہ کانفرنس ادا کر رہی ہے۔ خدا نے ہمیں تحقیق کرنے اور اس حاصل تحقیق کا اظہار کرنے کا حق دیا ہے۔ اگر ہم اپنے خبط اور وہم (Whim) یا جہالت کی باتیں پھیلائیں گے تو ہم اس میثاق کی خلاف ورزی کے مرتکب ہونگے اور اپنے دامن میں گناہ سمیٹیں گے۔ اگر ہم سرگرمی اور تندہی اور نظم وضبط کے دائرے میں رہ کر یہ فرائض انجام دیں گے تو اپنے عہد پر پورے اتریں گے اور اس کی رحمتوں کے مستحق بنیں گے۔ لیکن کسی کو ہم سے یہ فرائض ادا کرنے کا حق چھیننے کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ کسی کو "مکالمے" کو خاموش کرا دینے یا اس میثاق کو منسوخ کرا دینے کا حق نہیں ہے۔ اسی لئے خدا کہتا ہے: " **وَالَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ اولٰئِک لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَ لَهُمْ سُوْٓءُ الدَّار** " ...... (وہ لوگ جو اللہ کے عہد کو مضبوط باندھ لینے کے بعد توڑ ڈالتے ہیں جو ان رابطوں کو کاٹتے ہیں جنہیں اللہ نے جوڑنے کا حکم دیا ہے اور جو زمین میں

فساد پھیلاتے ہیں وہ لعنت کے مستحق ہیں اوران کے لئے آخرت میں بہت بُرا ٹھکانہ ہے......
سورۃ الرعد آیت ۲۵)۔ چنانچہ اس سے بڑا شر اور کیا ہوسکتا ہے کہ ''ممنوعات'' کا نیا کلچر مسلّط کردیا جائے اور سنسر شپ کی فضا طاری کردی جائے؟

جب سے "The Anthoritative and thAuthoritarianism" کا عربی زبان میں ترجمہ ہوا دو الگ الگ پبلشروں نے اسے چھاپنے کی کوشش کی' اس پر دو دفعہ پابندی لگی۔ مشرق وسطیٰ میں ہم ''ممنوع'' کے احکام اور سنسر شپ کی قباحت برداشت کرنے کے عادی ہو چکے ہیں لیکن مسئلہ مشرق وسطیٰ تک محدود نہیں' امریکہ میں بھی یہ متعدد اسلامی کانفرنسوں میں رکھی جانے کے لئے ناقابل قرار دی جا چکی ہے۔ تقریباً سبھی مسلمان بک ڈسٹری بیوٹرز نے اسے اٹھانے سے انکار کردیا ہے اور بہت سے اسلامی جرائد نے اس کا اشتہار چھاپنے سے انکار کر دیا ہے۔ اسلامی کانفرنسوں سے مجھے دعوتیں موصول ہونے کا سلسلہ بند ہو چکا ہے۔ ایک مسجد میں ہونے والے اجتماع میں اور چند موصولہ خطوط میں مجھے ''شیطان عظیم'' کا خطاب دیا جا چکا ہے۔ چنانچہ میں اپنے کمرے میں بے تابی کے ساتھ ٹہلتے ہوئے اس سارے تجربے پر سوچتا ہوں اور حیران ہوتا ہوں کہ مشرق وسطیٰ کی بعض حکومتوں اور وہاں کے کلچرز کو امریکہ میں کتنا اثر و رسوخ حاصل ہو چکا ہے۔ غالباً امریکہ میں بہت سے مسلمانوں اور ان کی تنظیموں کو پوری آزادی حاصل ہے۔ ان کی جیبیں بھری ہوئی ہیں لیکن ان کے دماغ غلام ہیں اور استبداد کے پنجے میں جکڑے ہوئے ہیں۔

نومبر ۱۹۹۸

MashalBooks.org

باب 32

گرفتار محبت

کانفرنس آف بکس میں کسی مادی وجود کا موجود ہونا اس لئے ضروری ہے کہ وہ لازوال ہستی کے وجود...... قائم بالذات ہستی کے وجود کی گواہی دے۔ ایک لازوال چیز ذہانت ہے جو غیر مرئی ہے اور مادیت سے بالکل ماورئی ہے۔ عارضی وجود اپنی نوعیت کے لحاظ سے مشروط (Contingent) ہوتا ہے جو کبھی بھی حقیقت مطلق نہیں بن سکتا۔ لیکن وہ ایک اعلیٰ و برتر ''ہستی'' صداقتِ مطلق (Absolute Truth) کا گواہ ہوتا ہے جو مادی حقیقتوں سے بالکل بے نیاز اور غیر مشروط ہوتا ہے۔

میں انہی خیالوں کی لپیٹ میں تھا کہ وہ میری فشار زدہ زبان تک آ پہنچے اور میں بے تکان بولنے لگا، حتیٰ کہ تھک گیا اور وہ بھی کتنی بے بسی کا لمحہ ہوتا ہے جب انسان اپنے منہ کو تھکا ہوا پائے۔

وہ میرے سامنے باادب بیٹھا تھا۔ اس کا ذہن الجھنوں اور شکوک وشبہات سے بھرا ہوا تھا۔ میں نے سوچا کہ جب سے میں لاس اینجلس میں آیا ہوں تو اپنے خیالوں میں مگن رہنے کا عادی ہو چکا ہوں۔ سوالوں کا جواب دینے کے فن سے بالکل ہی بیگانہ ہو چکا ہوں۔ جب سے میری کتاب "The Authoritative and the Authoritarianism in Islamic Discourses" پر حاشیہ آرائیاں شروع ہوئی ہیں، میں خود کلامی کرنے لگا ہوں، یعنی اپنی تقریروں کا خود ہی سامع ہوتا ہوں۔ کئی مہینوں بعد وارد ہونے والے اس ملاقاتی اور ہم سخن نے مجھ سے محبت کی آزمائشوں اور کٹھنائیوں کے بارے میں سوال کیا تھا مگر میری زبان اتنی تیزی سے چلنے لگی کہ اسے ایک نئی آزمائش کا سامنا کرنا پڑ گیا کچھ دیر سلسلۂ بیان جاری رکھنے کے بعد

MashalBooks.org

مجھے احساس ہوا کہ وہ نہ تو قرآن کے کسی موضوع پر تبادلۂ خیال کے لئے آیا ہے اور نہ فقہ کے کسی مسئلے پر گفتگو کے لئے آیا ہے' وہ اپنے آزارِ محبت سے مجھے آگاہ کرنے آیا ہے۔ اس نے بتایا کہ وہ ایک کربِ مسلسل سے دوچار ہے' اکثر امید اور ناامیدی کی کیفیات میں مبتلا رہتا ہے۔ محبوبہ کے سامنے ہوتا ہے تو کئی قسم کے بہانے تراشتا ہے۔ منہ سے نکالے ہوئے ہر لفظ پر اپنی سرزنش کرتا ہے۔ بے ربط جملے بولنے کی وجہ سے خود کو احمق سمجھتا ہے۔ اپنے خیال کو اِدھر اُدھر کرنے کے لئے قرآن مجید کی تلاوت کرتا ہے اور اسے بھلانے کی ہر ممکن کوشش کرتا ہے مگر دل میں اس کی محبت کم ہونے کی بجائے بڑھتی جا رہی ہے۔ جب وہ قاضی ابو یوسف (متوفی ۱۸۲ھ/۷۹۷ء) کی کتاب الخراج پڑھتا ہے تو اس کی سطروں میں اس کی تصویر پاتا ہے اور شماریات اور مقداری تجزیہ (Quantitative Analysis) پر لیکچر کے دوران بھی اسی کا خیال ستاتا رہتا ہے۔ بالآخر وہ ابن حزم (متوفی ۴۵۶ھ/۱۰۶۴ء) کی "طوق الحمامہ" (Ring of Dove) میں پناہ لینے کی کوشش کرتا ہے تو اس کی کوفت میں مزید شدت پیدا ہو جاتی ہے۔ کیونکہ وہ محبت کو ایک ایسا آزار قرار دیتا ہے جو جسم اور روح کو ایک ساتھ اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے۔ جب تک میرا ملاقاتی اپنی بپتا سناتا رہا میں بلا مداخلت سنتا رہا، تاہم ایک موقع آ گیا کہ میری زبان حرکت میں آ گئی۔ یہ موقع اس وقت آیا جب اس نے کہا...... کہ اس کی محبوبہ حسین ترین عورت ہے' ایسی عورت اس نے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھی' میرے تیور دیکھ کر وہ کچھ جھجکا اور پھر چل پڑا اور اس کے حُسن کی تفصیلات ختم ہونے میں ہی نہیں آ رہی تھیں۔

اب میری باری تھی میں نے کہا کہ جسمانی خوبصورتی بہت عارضی اور وقتی چیز ہوتی ہے چند سال بعد گوشت کا تناؤ کم ہو جانے کے بعد وہ جسم جھریوں کی لپیٹ میں آ کر بھدا اور بدنما ہو جاتا ہے۔ حسن محض ایک مغالطہ یا غلط فہمی ہوتا ہے کیونکہ اس کے اندر موجود نخّوت اتنے زور سے پھٹتی ہے کہ اس کی حقیقت نظروں سے اوجھل ہو جاتی ہے۔ پھول کی مثال لے لیجئے' وہ جب مرجھا جاتا ہے تو تعریف کرنے والا یہ سوچتا رہ جاتا ہے کہ کیوں خواہ مخواہ اس کی تعریف کر رہا تھا۔ جن لمحات میں وہ نیا اور تر و تازہ ہوتا ہے تو اس کا حسن اس حقیقت کو چھپائے رکھتا ہے کہ یہ جلدی مرجھا جانے والا ہے اور اس کی جگہ ایک دوسرا پھول لے لے گا۔ اس کے حسن کی سچائی درحقیقت ایک اعلیٰ درجے کی سچائی (Higher Truth) کی گواہی دیتی ہے۔ یہ سچائی اور اس کا حسن مادی قوانین کی حدود سے بالاتر ہوتا ہے۔

یہ اعلیٰ درجے کی سچائی وہ دماغی استعداد ہے جو حقیقت کے ادراک میں مدد دیتی ہے۔ یہ دماغی استعداد جسمانی نواقص (Frailty) کی بالکل متقابل ہے وہ کوئی بھی چیز بنا لینے اور اس کا جواز گھڑ لینے کی اہلیت رکھتی ہے اور کسی بھی چیز کو ہماری خواہش بنا سکتی ہے۔ یہی آرزو مندی ہے جو ہمارے ذہن اور جذبے کو زندہ و فعال رکھتی ہے۔ ہمیں بڑے بڑے خواب بھی دکھاتی ہے اور امیدیں بھی پیدا کرتی ہے۔ تاہم یہی آرزو مندی ہمیں دھوکہ دے کر تکبر و نخوت کا رویہ اختیار کرنے پر اکساتی ہے اور ہمیں ہمارے عارضی پن (Temporality) کی حقیقت کو نظر انداز کرنے پر بھی مائل کرتی ہے۔ لہٰذا بہت سے گناہ اور برائیاں ہمارے میلانِ گناہ کا نتیجہ نہیں بلکہ آرزو مندی کی شیخیوں اور اندھے بہرے اعتماد کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ اسی لئے روزِ قیامت منافقوں کو اس بات پر سخت ڈانٹ پھٹکار کا سامنا کرنا ہوگا کہ انہوں نے اپنے نفس سے کیوں دھوکہ کھایا تھا۔ "وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ وَتَرَبَّصْتُمْ وَ ارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ الْاَمَانِيُّ حَتّٰى جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ وَغَرَّ كُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْر O" ...... (مگر تم نے اپنے آپ کو خود فتنے میں ڈالا' موقع پرستی کی' شک میں پڑے رہے اور جھوٹی توقعات تمہیں فریب دیتی رہیں یہاں تک کہ اللہ کا فیصلہ آ گیا اور آخر وقت تک وہ بڑا دھوکے باز (شیطان) تمہیں دھوکہ دیتا رہا' سورۃ الحدید آیت ۱۴)۔ کیا یہ مضحکہ خیز بات نہیں ہے کہ ذہانت خود ہی اقدار وضع کرتی ہے اور ان کی قدر و قیمت کو اچھی طرح سمجھتی ہے' پھر ان اقدار کا خود ہی حلیہ بگاڑتی ہے اور بالآخر انہیں نیست و نابود کر دیتی ہے۔ تاہم ہمیں اپنی ذہانت کو لازماً استعمال کرنا چاہئے اور اس پر اعتماد بھی کرنا چاہئے۔ اگر یہ نہ ہو تو باقی جو کچھ رہ جاتا ہے اس کمزور جسم کی امنگیں اور تمنائیں ہی ہوتی ہیں جو ہمیں کسی بھی سمت میں ہانک کر لے جا سکتی ہیں۔

میری طویل گفتگو سننے کے بعد اس نے اپنے مخصوص دھیمے لہجے میں کہا...... "کیا آپ یہ کہہ رہے ہیں کہ میں اپنا دماغ استعمال کروں اور آنکھیں بند کر کے خواہشات نفسانی کی پیروی نہ کروں" ...... میں اس کے سادہ مگر جامع بیان کی تعریف کرنے کے باوجود اسے اس کی رائے تبدیل کرنے پر مجبور نہ کر سکا۔ میں نے کہا "میں دراصل یہ کہہ رہا ہوں کہ تم ایک جسم کی کشش سے مجبور ہو لیکن یہ جسمانی خوبصورتی اپنے اندر زبردست دھوکہ اور فریب رکھنے کے باوجود ایک مادی وجود (Physical Being) بننے کی تمنا کے سوا کچھ نہیں ہے۔ ایک خوبصورت پھول دیکھنے یا لذیذ کھانا کھانے کی خواہش بجائے خود بے معنی چیز ہے جب تک

MashalBooks.org

کہ یہ ایک اعلیٰ تر حقیقت اور ایک اعلیٰ تر وجود (Being) کی گواہی نہ دے۔ یہ اعلیٰ تر حقیقت وہ ملکوتی ذہانت ہے جو اقدار کو وجود میں لانے اور ان میں معانی پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ تاہم یہ ذہانت بذات خود اپنے وجود کے لئے تصورات (Perception) ادراک (Comprehension) اور ایک خاص نقشے (Projection) کی محتاج ہے۔ لہٰذا یہ ذہانت آخری اور قطعی چیز نہیں۔ یہ اپنی قدر و قیمت اس صلاحیت سے حاصل کرتی ہے کہ وہ حتمی سچائی اور اعلیٰ ترین ہستی (اللہ تعالیٰ) پر ایمان و یقین رکھتی ہو"۔

میں نے اس سے کہا کہ "جسمانی کشش کی قدر و قیمت کا تعین تمہاری "ذہانت" اور خدا کے ساتھ تمہاری ذہانت کے ارتباط کی روشنی میں ہونا چاہیئے۔ کیا وہ عورت خدا تک رسائی کے لئے تمہاری ذہانت کو تقویت دینے کا باعث بن سکے گی؟ تم اس کے حسن کے بارے میں سوچنے کی بجائے اس نکتے پر غور کرو کہ کیا یہ حُسن تمہیں خدا سے قریب ہونے میں مدد دے گا؟ یہ سوچ تمہیں "نعمت" اور "آزمائش" اور "جسمانی ہوس" اور "خدا تک رسائی کی تمنا" میں فرق کرنے کا شعور عطا کرے گی۔"

میں نہیں جانتا کہ میرے دوست نے کیا فیصلہ کیا لیکن جب وہ خوبصورتی سے مسکرا دیا تو میرا دل ایمان کی لذت سے سرشار ہو گیا۔ ماشاءاللہ یہ خوبصورت مسکراہٹ خدا کے لئے تھی۔

مئی ۱۹۹۹

باب 33

حسن و قبح پر ایک لیکچر

’’جب سیاست غیر قانونی شکل اختیار کرلے‘ میں اس سے اجتناب کرتا ہوں اور اس وقت قانون سے بھی گریز کرتا ہوں جب وہ اخلاقیات سے دوری اختیار کرلے۔ جس حد تک سیاست قانون سے غیر مطابقت رکھتی ہو اس حد تک قابلِ ملامت اور قابلِ مذمت بھی ہوتی ہے اور جس حد تک قانون‘ اخلاقیات سے نا مطابقت رکھتا ہو یہ بھی اس حد تک قابل نفریں ہوتا ہے‘‘ ...... یہ اس لیکچر کا ابتدائیہ تھا اور آگے یوں اظہار خیال کیا گیا:

’’استدلال اور جذبۂ ترحّم (Reason and Compassion) منشائے خداوندی کی تلاش کے تابع ہونے چاہئیں۔ اس تلاش کے لئے بھی اسی کی رہنمائی درکار ہوتی ہے۔ سیاست‘ قانون اور اخلاق بھی منشائے خداوندی کے عین مطابق ہونے چاہئیں۔ خواہ یہ منشا مذہبی کتابوں کی مدد سے معلوم کی جائے یا اس کی تخلیق پر غور کر کے معلوم کی جائے۔ جو سیاست قانون کے تابع نہ ہو وہ موقع پرستی (Opportunism) کے سوا کچھ نہیں ہوتی۔ جو قانون اخلاق کے تابع نہ ہو وہ سراسر استبداد (Despotism) ہوتا ہے اور جس ضابطۂ اخلاق کو منشائے خداوندی کی رہنمائی حاصل نہ ہو وہ خبط اور وہم (Whim) کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ لیکن اگر منشائے خداوندی کی تلاش‘ استدلال اور جذبۂ ترحم کے مطابق نہ ہو تو وہ نفس پرستی اور ہوائے نفس کی بدترین شکل اختیار کرسکتی ہے۔ استدلال‘ جذبۂ ترحّم اور تلاشِ حق کی تہہ میں ’’تمنائے حسن‘‘ موجزن ہوتی ہے۔ یہ وہ حُسن ہوتا ہے جو ہر طرح کی نفسانیت سے پاک وصاف ہو‘‘۔

اس قسم کے خیالات کا اظہار ایک صاحبِ فکر شخص ایک کانفرنس میں کر رہا تھا‘ جس میں ان کی کوئی اہمیت محسوس نہیں کی جا رہی تھی۔ بعض لوگوں کے نزدیک یہ باتیں ایک مجذوب کی

MashalBooks.org

بڑ سے زیادہ نہ تھیں۔ لیکن ''کانفرنس آف بکس'' کا مزاج کچھ اور ہے اس میں تلاش حق کے ساتھ ساتھ تلاشِ حسن بھی جاری ہے۔ اس حسن کی تلاش جو خدا کا حسن ہے ہر لمحے کے اندر موجود ہے' جو ہر سانس میں اور ہر رگ کی دھڑکن میں پایا جاتا ہے۔ اخلاق' استدلال اور جذبہٗ ترحّم والی زندگی بے حد خوبصورت زندگی ہوتی ہے لیکن موقع پرستی' استبداد اور خبط والی زندگی بے حد بدصورت اور کریہہ المنظر ہوتی ہے۔ اگر سیاست خوبصورت نہ ہو تو وہ غیر قانونی حیثیت اختیار کر جاتی ہے اور اگر قانون خوبصورت نہ ہو تو وہ بد اخلاقی بن جاتا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اگر مذہب خوبصورت نہیں ہے تو وہ مذہب کہلانے کا مستحق نہیں ہوتا۔

میں نے ایک لحہ بھر توقف کر کے اپنے سامعین کی طرف دیکھا' چند مسلمان میری بائیں جانب ایک ڈنر ٹیبل پر بیٹھے تھے' مرد باریش تھے اور خواتین حجاب میں تھیں' باقی میزوں پر یہودی براجمان تھے۔ کیونکہ یہ ''چاباڈ'' (Chabad) کی تقریب تھی اور ہم ہلل ''Hillel'' (مجلس مذاکرہ) میں شریک تھے۔ یہ دو قوموں کا اپنی اپنی ذہانت اور اپنے اپنے حوصلوں کو آزمانے کا نادر موقع تھا۔ یہ دونوں قومیں اپنے اپنے اندیشوں کے ہاتھوں شکست کھا چکی ہیں اور اس نشے میں مبتلا ہیں کہ وہ تحقیق اور تخلیق کی صلاحیتوں میں' دوسری قوم سے کہیں آگے ہیں۔ اس تقریب میں شرکت کے لئے جب میں اس بلڈنگ میں داخل ہونے لگا تھا تو مسلمان نوجوانوں کے ایک گروپ نے میری یہاں آمد پر سخت احتجاج کیا اور کہا ''ہم نہیں چاہتے کہ آپ ہمارے ہاتھوں بے عزت ہو جائیں''۔ مگر میں کب ایسی دھمکیوں کو خاطر میں لانے والا تھا۔ ایک اور نوجوان نے کہا...... ''میرے دل میں تمہارے لیے کوئی عزت نہیں ہے''...... میں نے جواب دیا...... ''پھر یہ تو تمہاری بڑی بدقسمتی ہے''۔

سامعین کی نظریں بتا رہی تھیں کہ وہ مجھ سے سیاست اور قانون' جنگوں اور مملکتوں اور الیکشنوں پر گفتگو سنیں گے یا قوانین کی مشابہتوں اور احکامات کے تعبیری اختلافات کے بارے میں میرا نقطۂ نظر جان سکیں گے لیکن میں اخلاقیات کو سب سے زیادہ اہمیت دیتا ہوں جہاں اخلاق نہ ہو' سب کچھ کارِ عبث ہوتا ہے۔ سب بدصورتی اور بدنمائی ہوتی ہے۔ یہی میرا اصل موضوع تھا جس پر میں اظہار خیال کرنا چاہتا تھا۔

اس سے پہلے مغرب کے وقت ایک یہودی طالب علم نے مسلم بہنوں سے پوچھا تھا کہ وہ ''حجاب'' کیوں پہنتی ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ...... یہ شرم و حیا کی خاطر پہنا جاتا

MashalBooks.org

ہے۔ مرد چونکہ کمزور ہوتے ہیں' اس لیے عورتوں کو حجاب پہننے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ کیسا مکروہ تصور ہے...... خا کہ کچھ یوں دکھائی دیتا ہے کہ مرد کے منہ سے رال ٹپک رہی ہے کہ وہ عورت کا پردہ اٹھا ہوا پائے اور عورت اس کی ہوس ناک نظروں سے بچنے کے لئے پردے کے پیچھے پناہ لینے پر مجبور ہو رہی ہے۔ اسی شام ایک اور یہودی طالبعلم نے نہایت شدومد سے دعویٰ کیا کہ حجاب پہننے والی عورتیں انتہا پسند (Extremists) ہوتی ہیں۔ یہ کتنی گھناؤنی منطق بگھاری جا رہی ہے کہ اپنے عقیدے کے مطابق طور طریقے اختیار کرنے والوں کو قابل مذمت ٹھہرایا جا رہا ہے۔ یہ جابرانہ تصور ہے جو خبط پر مبنی نظریہ لزومیت (Essentialism) کو جنم دیتا ہے' بظاہر یہ سادہ سی بات ہے لیکن اپنے اثرات کے لحاظ سے ایک مہلک وائرس ہے۔

میں نے اپنے لیکچر میں جہاں تھوڑا سا توقف کیا اور پھر وہیں سے بات آگے بڑھاتے ہوئے کہا ''زندگی بالآخر تمام لزومات کو گنجلک اور پیچیدہ بنا دیتی ہے' سارا تاروپود بکھر کر رہ جاتا ہے۔ یہ بہت متنوع اور کثیر الجہت ہوتی ہے' آسانی سے دو قطبی نظریوں (Bipolar Visions) میں نہیں ڈھلتی۔ مخلوقات مسلسل متغیر اور پیچیدہ سے پیچیدہ تر ہو رہی ہے تا کہ لزومیت کے علمبرداروں کو مزید الجھنوں اور الجھاووں میں مبتلا کر دے۔ کیا آپ نے دیکھا نہیں کہ جو سیاسی نظریہ یا قانونی نظام زندگی کی پیچیدگیوں' بوقلمونیوں اور تنوعات کو اپنے دائرے کے اندر سمیٹنے میں ناکام ہو جاتا ہے وہ جبر و استبداد کے ہتھکنڈوں پر اتر آتا ہے۔ لہٰذا انصاف اور معقولیت کا تقاضا ہے کہ تمام متغیرات (Variables) کو ملحوظ خاطر رکھا جائے' ان میں سے ہر ایک کو وزن دیا جائے اور ہر ایک کے ساتھ اس کے وزن کی مناسبت سے انصاف کیا جائے۔ لیکن ایک لزومیت پسند شخص جو متغیرات کے وجود ہی کو تسلیم نہ کرتا ہو وہ کیسے انصاف کر سکتا ہے ؟ ایک ناجائز وجود جائز کردار کیسے ادا کر سکتا ہے۔ ظلم کے سانچے میں ڈھلی ہوئی شخصیت سے انصاف کی توقع کیونکر رکھی جا سکتی ہے؟۔ کیا راست بازی اور صداقت ہی مجسم حسن نہیں ہوتی ؟

چلئے اسی دنیا کی بات کرتے ہیں جس میں ہم جی رہے ہیں۔ ترکی کی ایک خاتون ''مروکواکچی'' (Merve Kavakci) پارلیمنٹ کی رکن منتخب ہوئی چونکہ وہ ''حجاب'' پہنتی ہے اس لئے اسے رکنیت کا حلف نہیں لینے دیا گیا' وہ قسم کھا کر یقین دلانا چاہتی ہے کہ وہ اپنے ووٹروں کی خلوص دل سے خدمت کرے گی مگر اسے خدمت کا موقع دینے سے صاف انکار کر دیا گیا' بالآخر اسے شہریت سے محروم کر دیا گیا۔ اس کے ساتھ جو کچھ ہوا ایک ''پردہ دار''

عورت کے بارے میں لزومیت پسندوں کے غلط فہم اور غیر منصفانہ سوچ کا نتیجہ تھا۔ ترکی کی جمہوریت اتنی کمزور اوراتنی غیر منصفانہ ہے کہ وہ اپنے ایک بدترین ''لزوم'' کی خبر گیری کی ہمت نہ کرسکی۔ ایک تنہا عورت عقل وشعور سے محروم مردوں کے ایک ریوڑ کے مقابلے میں ڈٹ گئی' چاہئے تو یہ تھا کہ وہاں کے لوگ قطار در قطار اسے مبارکباد دینے آتے کہ تو نے عورتوں کے روایتی رول (Role) کو چیلنج کیا ہے اور نسوانیت کے مروجہ تصور کی اصلاح کی طرف قدم بڑھایا ہے۔ یہ خاتون ایک اور ''فنڈامنٹلسٹ'' ہے جس نے خفیہ بغاوت کے ایک مشن کی تکمیل کے لئے قدم بڑھایا ہے۔ کیا یہ بدصورتی کی واضح ترین مثال نہیں ہے۔ قانونیت کا کوئی بھی ڈھانچہ اس غیر اخلاقی رویے کا جواز پیش نہیں کرسکتا۔

ایک دوسری مثال لے لیجئے: اسرائیل میں مذہبی جماعتیں بڑی آزادی سے سیاست میں حصہ لیتی ہیں' انتخابی امیدواروں کی حمایت بھی کرتی ہیں اور مخالفت بھی۔ قوانین بنوانے کے لئے رائے عامہ بھی ہموار کرتی ہیں اور سیکولر قوتوں سے متصادم بھی ہوتی ہیں۔ اور خدا کی عبادت بھی کرتی ہیں لیکن مسلمان گروپ سیاست میں حصہ لیں تو ان پر سیاسی اسلام یا اسلام ازم کی چھاپ لگادی جاتی ہے اور پولیٹیکل اسلام' انتہا پسندی کے معنوں میں لیا جاتا ہے۔ جیوش الٹرا آرتھوڈاکس' کنزرویٹو' اور اصلاح شدہ جیوش گروپ اسرائیل اور امریکہ میں اپنے حقوق منوانے کے لئے زور دار مہمیں چلاتے ہیں اور سیاسی عمل میں اپنی سوچ اور بصیرت شامل کرکے اس کی تقویت کا باعث بنتے ہیں۔ لیکن ڈینیل پائپس (Daniet Pipes)' سٹیوایمرسن (Steve Emerson) اور جوزف بوڈانسکی (Joseph Bodansky) اور ان کے ہمنوا اپنی بدترین لزومیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے سیاسی عمل میں داخل ہونے والے کسی بھی مسلم گروپ پر فنڈامنٹلسٹ اور مذہبی جنونی کی چھاپ لگا دیتے ہیں۔ کیا یہ بدترین تعصب نہیں کہ ایک خدا پرست یہودی یا عیسائی کو سول سوسائٹی میں سرگرم کردار ادا کرنے کا حق تو دے دیا جائے اور مسلمانوں کے بارے میں یہ سمجھا جائے کہ ان کے مذہب نے انہیں اپاہج بنادیا ہے؟ کیا یہ خوبصورتی ہے یا بدصورتی ہے؟

کوسووو میں لوگوں کا قتل عام کیا گیا' عورتوں کی جبری عصمت دریاں کی گئیں اور لوگوں کو بڑے پیمانے پر وطن بدر کردیا گیا اور پھر بھی ''یورپ کے لئے فنڈامنٹلزم'' کے خطرے کی بے تکی ہرزہ سرائیوں کا سلسلہ جاری رہا۔ ان بیمار ذہنوں کی سوچ یہ رہی کہ مسلم فنڈامنٹلزم سے بچاؤ کے لئے قتل عام' وطن بدری اور جبری آبروریزی جیسی حرکتوں کو ناگزیر قرار دیا جارہا ہے اور ساتھ

MashalBooks.org

ہی تر کی جو سول لبرٹیز اور عورتوں کے ننگے سروں کا مستقل محافظ بنا ہوا ہے، روس ''پرنسل پرستی'' اور ''مذہبی استحکام'' کے مرگی کے دورے پڑنے کے باوجود الگ تھلگ ہو کر بیٹھا رہا ہے۔ بے شک ''پولیٹیکل کرسچیئن گریک آرتھوڈاکس'' سے عالمی امن کے لئے بال برابر بھی خطرہ پیدا نہیں ہوا۔ بوسنیا اور کوسوو کی عورتوں کے کپڑے پھاڑ کر انہیں سرعام برہنہ کر دیا جاتا ہے اور احتجاج کرنے والے گروپ ہفتے کے ساتوں دن فیڈرل بلڈنگ کے سامنے کھڑے ہو کر سربیا کے فوجیوں کے اس حق کا دفاع کرتے رہتے ہیں کہ وہ بلاخوف وخطر مسلمان عورتوں کی بے حرمتی کر سکتے ہیں۔ ادھر مسلمان اسلام میں عورتوں کے حقوق اور فحش تصویروں سے پیدا ہونے والے خطرے کے نعرے لگاتے رہتے ہیں کیا یہ مکروہ ترین اور بھیانک ترین صورتحال نہیں ہے؟

میں ''چاباڈ سروسز'' کے بعد ''ہلل'' میں تقریر کرنے کھڑا ہوتا ہوں تو دل میں ان مظاہرہ کرنے والے مسلمان نوجوانوں کے رویے پر حیران ہو رہا ہوں جنھوں نے میرے مزاحم ہونے کی کوشش کی تھی۔ مجھے ''ہلل'' نے اسلام کے بارے میں لیکچر دینے کے لئے مدعو کیا اور میں نے اسلام کی اس خوبصورتی کے بارے میں اظہار خیال کیا جس نے میرے پورے وجود کو جذبے سے سرشار رکھا ہے۔ میں یہ بھی سوچتا رہا کہ کیا کبھی مسجدوں اور اسلامی سنٹروں نے اپنے ہاں یہودیوں کو یہودیت پر لیکچر دینے کی دعوت دی ہے۔ کیا خدا نے یہ نہیں کہا...... اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِنْ ذَکَرٍ وَّاُنْثٰی وَ جَعَلْنٰکُمْ شُعُوْباً و قبائِلَ لِتعارَفُو. (ہم نے تمہیں ایک اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہارے شعوب اور قبائل بنا دیئے تا کہ تم ایک دوسرے کو شناخت کر سکو......سورۃ الحجرات آیت ۱۳) کیا ایک دوسرے کو جاننا ایک خوبصورت بات نہیں؟

میرے لیکچر کے آخر میں سامعین نے پُر جوش تالیاں بجائیں اور پھر میری بائیں جانب بیٹھے ہوؤں نے اس خیال سے کہ وہ کہیں ان سے پیچھے نہ رہ جائیں، تین دفعہ ''تکبیر'' کے نعرے لگائے۔ مجھے اس سے کوئی خوشی محسوس نہیں ہوئی۔ خدا ہمیشہ سے ''اکبر'' ہے۔ میں اس نعرے سے پیدا ہونے والے تاثر سے سہم گیا کہ میرے اس لیکچر کو اس کی عظمت کی وجہ سے تقدس حاصل ہوا ہے۔ مجھے خدا کے انصاف کا تو تنہا سامنا کرنا ہے۔ مگر میں مسلمانوں کے نئے ایجاد کردہ کٹڑپن کے بارے میں عام انسانی ردِّعمل کی شدت یا گہرائی کو ناپنے سے قاصر ہوں۔ میں سوچتا ہوں کہ کیا مسلمانوں کے لئے ہر خوشی یا ناخوشی کے موقع پر کٹڑپن کا ہی مظاہرہ کرنا کوئی خوبصورت اور مناسب بات ہے؟

مئی ۱۹۹۹

باب 34

ایک رات قلم کے ساتھ

اس آواز کو اس عظیم الشان کانفرنس میں اظہار کی آزادی حاصل ہو سکی ہے اور اسے امید ہے کہ اس کی راہ کی تمام رکاوٹیں دور ہو جائیں گی۔ ''کانفرنس آف بکس'' ہمارے وجود کی جبلّی قوتوں کی ایک ارفع آواز ہے جو ہماری نادانیوں ہماری پریشان خیالیوں اور ہماری افسردگیوں کے ساتھ ساتھ ادراک وشعور حاصل ہو جانے کے خوش لمحات کی بھی عکاسی کرتی ہے۔ کانفرنس کی آواز خدا کی آواز میں سے پیدا ہوئی ہے۔ یہ اپنے خالق و مالک اور ہادی کی تلاش میں ہے۔ کسی شخص کو اس سے بڑھ کر کب آزادی مل سکتی ہے جتنی آزادی کیلئے اس نے کوشش کی ہو اور جو شخص یہ کوشش نہیں کرتا وہ بے معنی زندگی کے اندھیروں میں ڈوبنے لگتا ہے اور جو شخص اپنے آپ کو بالکل ہی آزاد اور بے لگام سمجھنے لگتا ہے وہ اس غلط فہمی کا شکار ہو جاتا ہے کہ وہ خود ہی خدائی کے منصب پر فائز ہو چکا ہے' یہ صورت حال دراصل اپنے نفس کی غلامی قبول کر لینے کے مترادف ہے۔

مجھے معلوم نہیں کہ اس سے میری ملاقات اس حقیقی زندگی میں ہوگی یا خواب میں۔ میں یہ بھی نہیں جانتا کہ ہماری تصور کی زندگی اور ہماری حقیقی زندگی کے مابین کوئی حدِ فاصل ہے یا نہیں۔ میں یہ بھی نہیں جانتا کہ یہ آوازیں' یہ شبیہیں اور یہ واقعات جنہیں میں ''واقعات'' کہہ رہا ہوں حقیقی ہیں یا محض میرا گمان ہے۔ غالباً وہ میرے دوستوں میں سے وہ دوست ہے جسے بہت عرصہ پہلے وحشیوں نے چیر پھاڑ دیا تھا۔ غالباً وہ میرے نڈر باپ کی صدائے بازگشت ہے یا میری راست باز ماں کی نقش کاری ہے۔ شاید وہ بہت سے شہدا کو بوقت شہادت پہنچنے والی اذیت کی وجہ سے مضطرب ہو گیا ہے یا وہ سالہا سال محوِ عبادت رہنے والے اہل ایمان کی

دعاؤں کی گونج ہے جس نے پھر سے انسانی شکل اختیار کر لی ہے۔ کیا وہ حسن عبدالغنی کی کریمانہ مسکراہٹ کا پرتو (Reflection) ہے جو مصر کے ایک قلعے کے تہہ خانے کی عقوبتوں سے اور جنگ فلسطین کی صعوبتوں سے بچ نکلا تھا مگر کینسر کے حملے سے نہیں بچ سکا تھا۔ شاید وہ قرآئے مدینہ کے ہمراہ تھا جو قرآن کی محبت میں سرشار تھے یا شاید وہ دو سو جلدوں پر مشتمل ''کتاب الفنون'' کو وجود میں لانے والوں میں سے تھا۔ یہ ذخیرۂ علم وفن ابن عاقل (متوفی ۵۱۳ھ/ ۱۱۱۹ء) کی ذہانت کا شاہکار ہے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ یکم دسمبر ۱۴۹۹ء کو اس وقت جل کر راکھ ہو گیا تھا جب طلیطلہ میں عیسائی سپاہیوں نے مسلمانوں کی ۱۹۵ لائبریریوں کو نذر آتش کیا تھا۔

شاید وہ ایک سچائی ہے جو الفاظ کی محتاج نہیں ہے اور ان کے بغیر بھی زندہ رہتی ہے۔ شاید وہ بذاتِ خود ''قلم'' ہے...... وہ قلم جس کے ذریعے خدا نے انسان کو وہ باتیں سکھائیں جنہیں وہ نہیں جانتا تھا۔ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمْ O عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْO ...... (جس نے قلم کے ذریعہ سے علم سکھایا انسان کو وہ علم دیا جسے وہ نہیں جانتا تھا......سورۃ العلق آیات ۴۔۵) پھر فرمایا:...... نٓ وَالْقَلَمِ وَمَایَسْطُرُوْنَ O مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّکَ بِمَجْنُوْنٍO......(ن......قسم ہے قلم کی اور اس چیز کی جسے لکھنے والے لکھ رہے ہیں تم اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں ہو......سورۃ القلم آیات ۱۔۲)۔ غالباً ''ن'' سے مراد روشنائی ہے۔ ''قلم'' وہ آلہ ہے جس کے ذریعے لکھا جاتا ہے۔ ''یسطرون'' وہ علم ہے جو لکھ کر آگے پہنچایا جاتا ہے۔ لیکن شاید ''ن'' سے مراد خدا کا زماں و مکان سے ماورا اور ناقابل رسائی علم ہے۔ ''قلم'' ...... ذہانت ہے اور ''یسطرون'' وہ چیز ہے جسے لوگ ''پاتے'' ہیں اور ''اخذ کرتے ہیں۔ ''قلم'' یا ''ذہانت'' ایک مستقل یا ثابت سچائی اور ناقابل تردید حقیقت کا نام ہے۔ ان کے سوا باقی جو کچھ بھی موجود ہے وہ محض ایک اضافی (Relative) یا غیر مستقل حیثیت رکھتا ہے۔

وہ اس وقت میرے پاس آتا ہے جب میں الجھنوں اور مایوسیوں کے حصار میں ہوتا ہوں۔ جب میں اپنے مربی کی موجودگی سے غافل ہوتا ہوں تنہائی کے احساس نے مجھے اپنی لپیٹ میں لئے ہوئے ہوتا ہے جب میں کانفرنس کی حدود سے نکل چکا ہوتا ہوں اور اوچھے لوگوں کی اوچھی حرکتیں مجھے احساسِ بے چارگی میں مبتلا کر رہی ہوتی ہیں۔ وہ ایسے مواقع پر آ کر مجھے دلاسہ دیتا ہے اور میرا حوصلہ بڑھاتا ہے۔

میرے دوست' یہاں ایک ایسا ''امام'' رہتا ہے جس نے ایک ایسی کتاب کے ایک ہزار نسخے جلا دیئے جس کے مواد سے اسے اختلاف تھا (اتفاق سے یہ میری ہی تصنیف "The Authoritative and the Authoritarian" تھی)۔اس نے اس موقع پر اپنے کرخت اور متکبرانہ لہجے میں اعلان کیا'' مقصد ذرائع کو جائز بنا دیتا ہے جائز یا ناجائز مقصد کے حوالے سے ہوتا ہے''۔ میرے دوست' ایک مسلمان ٹیکسی ڈرائیور نے ایک نابینا عورت کواس لئے لفٹ نہ دی کہ اس کے پاس ایک کتا تھا جو راہ دکھانے کے لئے اس نے رکھا ہوا تھا۔اس نے اپنی توجہ کتے کے حرام ہونے پر مرکوز رکھی۔اسے اپنی جہالت کے حرام ہونے کا کوئی خیال نہ آیا اور ایک انسان پر ظلم کا مرتکب ہوگیا۔میرے دوست' کیا تم یقین کرو گے کہ "Islamic Fatwa Regarding Women" نامی کتاب دھڑا دھڑ بکنے والی کتاب ہے۔اس کے لئے موزوں نام تو ''Fatwa against women'' تھا کیونکہ اس میں عورتوں کے خلاف زہر بھرا ہوا ہے۔ان نام نہاد سکالروں نے خدا کے قانون کو اپنی مرضی کے مطابق ڈھال لیا ہے۔ڈکٹیٹروں نے جمہوریت کی تدریس شروع کر دی ہے اور انا پرستوں (Egoists) نے خدا کی عظمت کا پرچار شروع کر دیا ہے۔

مسلمانوں کے شب و روز کسی اچھے مستقبل کی خوشخبری نہیں دے رہے ہیں۔دلوں کی کجی اور نیتوں کا کھوٹ اسلام کے ساتھ ساتھ نہیں چل سکتے۔جن دلوں میں ٹیڑھ اور بدصورتی بھری ہوئی ہے ان میں اسلام کے لئے جگہ کہاں ہوتی ہے؟ ''قلم'' کہاں ہے؟ اس کے تقاضے کیا ہیں؟ اس کی روح اور اس کا جوہر کیا ہے؟

مناجاتِ شب کے دوران میرا دوست میری روح کے اندر سرایت کرتے ہوئے مجھے یاد دلاتا ہے...... ''تم نے جو سوال کیا ہے اس کے جواب کا ایک حصہ یہ ہے کہ امید کا دامن ہاتھ سے مت چھوڑو اور دوسرا یہ ہے کہ ''قلم کا جوہر' تمہارے جوہر کے اندر مضمر ہے' تمہارے اندر قلم ہے اس قلم کی ذمہ داری ہے کہ یہ تمہیں فکر کی روشنی دکھائے اس کی طرف قلم ہی نے اشارہ دیا ہے:...... وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْم ۔(اور بے شک تم اخلاق کے بڑے مرتبے پر فائز ہو...... سورۃ القلم آیت ۴) یہ قلم ہی کا کمال ہے کہ وہ کردار کو بلند کرتے ہوئے ذوق سلیم کی بھی نشوونما کرتا رہتا ہے۔شائستگی اور حسن کو فروغ دیتا ہے اور ضمیر کو روشن رکھتا ہے۔لیکن ان لوگوں نے جو قلم سے بہت دُور دُور رہے انہوں نے کس کردار کا مظاہرہ کیا ہے؟ وہ حق

MashalBooks.org

بات پر کان نہیں دھرتے ان کے وعدے جھوٹے' ان کی سوچیں غلط اور ان کی قسمیں نا قابل اعتبار ہوتی ہیں۔ قرآن انہی کے بارے میں کہتا ہے ...... " وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيْنٍ هَمَّازٍ مَّشَّآءٍ بِنَمِيْمٍ مَنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ O عُتُلٍّ ٭بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ O...... (ہرگز ان کا کہا مت مانو جو بہت قسمیں کھانے والا' بے وقعت آدمی ہے طعنے دیتا ہے چغلیاں کھاتا ہے۔ بھلائی سے روکتا ہے۔ ظلم و زیادتی میں حد سے گزر جاتا ہے۔ سخت بداعمال ہے' جفا کار ہے' ان عیوب کے ساتھ بداصل ہے۔ سورۃ القلم آیات ۱۰۔۱۳)

خدا ''احسان'' کے سوا آخر کس چیز کا حکم دیتا ہے۔ ''احسان کا لفظ ''حُسن'' میں سے نکلا ہے جس کے معنی اچھائی' مناسب امر اور خوبصورت بات ہے۔ جو لوگ حدود سے تجاوز کرتے ہیں وہ ظالم ہیں' تکبّر نے ان کی سوچوں کو ابتری سے دوچار کر دیا ہے۔ کیونکہ وہ کتابِ مقدس سے محرومی کے باعث صحیح خطوط پر نہیں سوچ سکتے۔ اسی سوچ کی وجہ سے انہوں نے یہ مفروضہ گھڑ لیا ہے کہ وہ خدا کی نظر میں بہت محبوب ہیں۔ اَمْ لَكُمْ كِتٰبٌ فِيْهِ تَدْرُسُوْنَ اِنَّ لَكُمْ فِيْهِ لَمَا تَخَيَّرُوْنَ O اَمْ لَكُمْ اَيْمَانٌ عَلَيْنَا بَالِغَةٌ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ اِنَّ لَكُمْ لَمَا تَحْكُمُوْنَ O (کیا تمہارے پاس کوئی کتاب ہے جس میں تم پڑھتے ہو کہ تمہارے لئے ضرور وہاں وہی کچھ ہے جو تم اپنے لیے پسند کرتے ہو۔ یا پھر تمہارے لئے روز قیامت تک ہم پر کچھ عہد و پیمان ثابت ہیں کہ تمہیں وہی کچھ ملے گا جس کا تم حکم لگاؤ...... سورۃ القلم آیات ۳۷۔۳۹)

روحانیت کے مبالغہ آمیز دعوے اور تکبّر و غرور خدا کی عطا کردہ فطری صلاحیتوں کو مسخ کر کے رکھ دیتے ہیں۔ یہ روحانی نخوت' فطری توازن اور حسن و انصاف کے اس احساس کو درہم برہم کر دیتی ہے جو خدا نے انسان کی طبیعت میں رکھا ہے۔ میرے دوست ''قلم'' خدا کا دیا ہوا وہ شعور اور ادراک ہے جو شائستگی' حُسن اور شرافت کی راہ دکھاتا ہے۔

شب بیداری کے سُرور نے مجھے متعدد مصنفین سے ملاقاتیں کروائیں اور ان سے تبادلہ خیال کے مواقع دیئے۔ قلم کے سحر اور الفاظ کے حُسن نے مجھے روحانی لذتوں اور مسرتوں سے مالا مال کر دیا ہے' اسی لمحے مجھے ابن عاقل (متوفی ۵۱۳ھ/ ۱۱۱۹ء) کے قلم کے کئی شاہکار یاد آ گئے۔ اس نے ایک دفعہ لکھا:......

ذرا غور تو کرو کہ خدا نے اپنی مخلوقات پر کیسے کیسے احسانات کیے ہیں۔ اس نے

MashalBooks.org

ان کے اندر ان کی بھلائی کا بے پناہ شعور رکھ دیا ہے۔ ان کے اندر مناسب ضرورتوں کے فوری احساس کی صلاحیت رکھی ہے اور انہیں بتا دیا ہے کہ کون سا کام ان کی فوری توجہ کا مستحق ہے اور کون سے کام سے انہیں باز رہنا چاہیے۔ مثلاً خدا نے جنسی بھوک پیدا کی ہے اور ان کے اندر ایک فطری تحریک پیدا کی ہے تا کہ وہ آگے بڑھ کر جنسی فعل کریں جس میں ان کے لیے تلذذ، ترقی اور اپنی نوع کی بقا مضمر ہے۔ اس نے ان کے اندر تکلیف کا احساس رکھ دیا ہے تا کہ اپنے آپ کو اس تکلیف سے بچائیں اور دوسروں کو بھی تکلیف دینے سے باز رہیں۔ تکلیف پہنچانے والوں یا حملہ آوروں کا مقابلہ کریں۔ اس نے ان کے اندر خوش ہونے کا احساس رکھ دیا ہے جو کہ تعریف کرنے سے پیدا ہوتا ہے۔ اس سے ان میں اچھے کام کرنے کی ترغیب پیدا ہوتی ہے کیونکہ تعریف اچھے کاموں ہی کی ہوتی ہے وہ ساری چیزیں جو ضرر سے دور رکھتی ہیں اور اچھی باتوں کی ترغیب دیتی ہیں اس زمرے سے تعلق رکھتی ہیں۔ خدا اچھائی کی ترغیب بننے والے محرکات میں کمی نہیں آنے دینا چاہتا اور نہ ہی وہ برائیوں کو بلا روک ٹوک اپنی کارستانیاں جاری رکھنے کی اجازت دیتا ہے۔ تمام تعریفیں اس ذات اقدس کے لیے ہیں جس کی نعمتوں کے دریا بہہ رہے ہیں جس نے اپنی مخلوقات کو یہ علم دیا ہے کہ ان کے لیے کیا چیز اچھی ہے اور کیا چیز بری ہے جس نے علم میں سے مضرات کو خارج کرنے کا اہتمام کیا ہے جو مخلوقات کو مضر راستوں پر چلنے سے روکتا ہے اور انہیں آخرت کے عذاب سے بچنے کی راہیں بھی بتاتا ہے۔

(جون 1999ء)

نوٹ: یہ اقتباس George Makdisi کے ''ابن عاقل'' (ایڈنبرا یونیورسٹی پریس ۱۹۹۷) صفحہ ۲۳۵ سے لیا گیا ہے اس میں تھوڑا سا رد و بدل کیا گیا ہے تا کہ اسے زیادہ قابل فہم بنایا جا سکے۔

باب35

ابن رشد کو خراجِ تحسین

میرے اس ڈیسک کی اطراف میں رکھے ہوئے کلاک کتاب کے صفحات کو شمار کرتے ہیں' اس ماحول میں کامل خاموشی کا راج ہے' صرف صفحات پلٹنے کی سرسراہٹ اور گھڑیوں کی سوئیاں چلنے کی ٹک ٹک سنائی دیتی ہے۔ سانس لینے اور خارج کرنے کی آواز ایک مداخلت بے جا سمجھی جاتی ہے مگر گوارا کرنا پڑتی ہے۔ اس کے علاوہ پہلو بدلنے سے کرسی کی جو چر چراہٹ پیدا ہوئی ہے وہ بھی کافی ناگوار گزرتی ہے۔ طویل نشست کی وجہ سے پٹھوں میں پیدا ہونے والی اینٹھن اپنے پسینے کی بو اور سانس چلنے کی آواز ہمیں ہماری بساط یاد دلاتی ہیں۔ یعنی یہ احساس دلاتی ہیں کہ اینٹھن اگر بڑھ گئی' پسینہ زیادہ آنے لگا یا سانس کی رفتار ایک حد سے تجاوز کر گئی تو ذہن میں آنے والے خیالات کی رفتار متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکے گی۔ انسان کی دماغی استعداد سریع الزوال ہے' اس کی اخذِ خیال کی صلاحیت بھی کئی عوامل کی محتاج ہے۔ بہر حال یہ سوال پیدا ہوتا رہتا ہے کہ کیا دماغ خیالات کو اخذ کرتا ہے یا انہیں وجود میں لاتا اور جنم دیتا ہے؟ اس کی استعداد و صلاحیت اس حد تک ہی محدود ہے جس حد تک یہ قائم بالذات ہستی سے اپنا تعلق جوڑ سکتی ہو۔ یہی تعلق اسے دوام اور عالمگیریت بخش سکتا ہے اور خدائی صفات سے متصف کر سکتا ہے۔

مجھے وقت کے گزرنے اور نیند کے غلبے کا احساس ہوا۔ اس پر میں مسکرائے بغیر نہ رہ سکا کہ جب ہم نے وقت کو شمار کرنا سیکھا ہے' ہم نے قبل از وقت موت کی آغوش میں چلے جانا بھی سیکھ لیا ہے۔

خود ساختہ جلاوطنی اور خلوت نشینی کی عادت نے مجھے وقت کے گزرنے کی فکر سے بے

نیاز کر دیا ہے۔ میں نے اپنی کوششوں کی ناکامی اور اپنی مساعی کی کامیابیوں کے احساس سے سرشار ہو کر کسی چیز کے آغاز اور اس کے عواقب و انجام' دونوں کا بڑی گہرائیوں میں جا کر جائزہ لیا ہے۔ میں نے ابن رشد کی حیرت انگیز تصنیف " **بداية المجتهد ونهاية المقتصد**" ایک بار پھر پڑھ ڈالی۔ اس نے مختلف مکاتب افکار کے اختلافات کے مابہ الامتیاز اور ان کی ابتدائی مماثلتوں سے لے کر ان کے منطقی ارتباط کی کمزوریوں تک کا جائزہ لیا۔ قوانین کی داخلی کمزوریوں کو بے نقاب کیا اور پھر ان کے مضمرات پر سے بتدریج پردہ اٹھایا۔ وہ سوال کرتا ہے اگر اللہ تعالیٰ نامحدود اور قادر مطلق ہے' اگر وہ ہستی مطلق اور عقلِ کامل ہے تو اس کا قانون' غیر عقلی (Irrational) یا مضمراتِ عقل کے منافی کیسے ہو سکتا ہے؟

میرا کمزور جسم اپنے اضمحلال کے باوجود اس کی دو کتابوں سے طویل رفاقت کا متمنی ہے۔ یہ ہیں " الضروری فی اصول الفقہ" اور فصل المقال فی مابین الشریعہ والعقل من الاتصال۔" میں نے انہیں کافی عرصہ زیر مطالعہ رکھا' انہیں اپنی روح کے اندر اتارا مگر ان کے مواد کو بار بار پڑھ کر ان سے تسکین و راحت حاصل کرنا چاہتا ہوں۔

ابن رشد شریعت اور عقل کے درمیان ہم آہنگی پر یقین رکھتا تھا۔ وہ ہوش مندی کی زندگی کی تلقین کرتا تھا تاکہ لوگوں پر خدا کے قانون کی افادیت اور مفہوم واضح ہو سکے۔ بدمستی اور مدہوشی' غیر معقولیت کو دعوت دیتی ہے۔ بدقسمتی سے آج کے مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد کبر و نخوت کے نشے میں مبتلا ہونے کی وجہ سے خدا کے قانون کو سمجھنے سے ہی قاصر ہے۔ اگر ذہانت' روح اور جسم زندگی کے بنیادی اجزائے ترکیبی ہیں تو خدا کا قانون ان بنیادی اجزاء کو کیسے نظر انداز کر سکتا ہے؟ خدا کا قانون غیر معقول' بے جان' غیر اخلاقی یا ناقابل عمل کیسے ہو سکتا ہے؟ غیر معقول چیز بدصورت ہوتی ہے اسی طرح بے روح جسد اور ظالمانہ رویہ بھی بدصورت ہوتے ہیں۔ اتنے بدصورت جیسے کہ کسی گلی سڑی چیز یا شرابی کے منہ سے نکلنے والی بدبو ہوتی ہے۔ خدا کا قانون خدا ہی کی مانند خوبصورت ہوتا ہے...... " **سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الاَعْلٰی O اَلّذِی خَلَقَ فَسَوّٰی** " (اپنے ربِّ برتر کے نام کی تسبیح کرو جس نے پیدا کیا اور تناسب قائم کیا......سورۃ الاعلیٰ آیات ا۔۲)

فَتَبٰرَکَ اللّٰہُ اَحْسَنُ الخالقین۔ پس بڑا ہی بابرکت ہے سب کاریگروں سے اچھا کاریگر......(سورۃ المؤمنون......آیت ۱۴)

تاہم اس بات سے کسی کو مجالِ انکار نہیں کہ اللہ کے بندے ہونے کے دعویداروں میں بھی وہ لوگ موجود ہیں جو بدصورتی اور سرانڈ کے بُری طرح عادی ہو چکے ہیں۔

اب اس بات کے اختتام کے قریب پہنچتے ہوئے مجھے اپنے تنفس کی آواز بھی سنائی نہیں دے رہی۔ میں ذرا توقف کر کے اپنا توازن بحال کرتا ہوں اور گھڑی پر نظر ٹکا دیتا ہوں۔ ابن رشد عالم تنہائی میں مر گیا تھا۔ یہ خوبصورت ذہن کا مالک جس کے لکھے ہوئے صفحات میرے سامنے کھلے ہوئے ہیں' ایذائیں جھیلتا ہوا دنیا سے رخصت ہو گیا تھا۔ اس میں تعجب ہی کیا ہے کہ اس نے اپنے آخری ایام میں کاغذات کی سرسراہٹ' تنفس کی مداخلت اور وقت کی بہتات کو اپنی مستقل ساتھی بنا لیا ہو گا۔ مجھے اس پر بھی کوئی حیرت نہ ہو گی اگر اس نے ایسی تنہائی مہیا کرنے پر اپنے خلاف یہ کارروائی کرنے والوں کا شکریہ ادا کیا ہو۔

اے میرے رب تو جانتا ہے کہ ہم اپنے ایذا رسانوں کے بارے میں کیسے ردِّ عمل کا اظہار کرتے ہیں؟ ہم اس وقت کیا کرتے ہیں جب ایک مخلوق اپنے خالق کے سامنے اظہار عبدیت کرنے کی بجائے' دوسری مخلوق کو مغلوب کرنے کی خواہش میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ اے میرے ربّ' ایذا رسانی ایک ''فتنہ'' ہے جسے تو نے قتل سے بھی بدتر قرار دیا ہے۔ یہ ایک مسخ شدہ ذہنیت ہے جو اپنے دماغی خلل کے اثرات کو عام کرنا چاہتی ہے۔ خود مخلوق ہونے کے باوجود خالق کے منصب پر فائز ہونے کی سازشیں کرتی ہے۔ میں جانتا ہوں کہ اس بے مغز خطابت کے شیدائی اپنے لفظوں کے صرف ظاہری اثرات کو سمجھ سکتے ہیں اور اس کے دور رس اثرات سے بالکل ناواقف ہوتے ہیں۔ ان کی یہ رطب و یابس اشتعال و اضطراب پھیلانے کے سوا کچھ نہیں کر سکتی۔ یہ لوگ اپنی جہالت اور زعم باطل کی وجہ سے یہ بات ماننے کیلئے تیار ہی نہیں ہوتے کہ مذہب میں ذہانت اور استدلال کا بھی کوئی مقام ہے۔ یہ گھٹن زدہ ذہن کے لوگ پوری دنیا کو ایک گھٹن زدہ دنیا میں تبدیل کرنا چاہتے ہیں۔ اسی ذہنیت کے لوگوں نے ابن رشد کو قید و بند میں ڈالا اور اسے تنہائی کی زندگی کے سپرد کر دیا۔

ابن رشد جسے اہل مغرب ''ایویروس'' (Averroes) کہتے ہیں نومبر ۱۱۲۶ء (۵۲۰ھ) میں پیدا ہوا' اس کی پیدائش سے ایک ماہ پہلے اس کا دادا جو ایک بڑی مشہور شخصیت کا مالک تھا فوت ہو گیا' وہ قرطبہ میں مالکی جج تھا' جس نے اپنی زندگی کے آخری ایام' ایک ''کانفرنس آف بکس'' کی نذر کر دیئے اور اپنے مسلک کی متعدد معتبر کتابیں لکھیں۔ ابن رشد کا

والد جو اس کے اساتذہ میں سے تھا وہ بھی فقیہہ تھا اور مختصر عرصہ کے لئے قرطبہ میں جج کے عہدے پر فائز رہا۔ ابن رشد نے متعدد جلیل القدر اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذتہ کئے' جن میں ایک مالکی فقیہہ القاضی عیاض (متوفی ۵۴۴ھ/ ۱۱۴۹ء) بھی تھا' یہ کسی وقت ابن رشد کے دادا کا شاگرد ہوا کرتا تھا۔ ابن رشد کا ایک ہم سبق جو القاضی عیاض کے شاگردوں میں سے تھا' اس نے ابن رشد کی زندگی میں بڑا گھناؤنا کردار ادا کیا' اس کا نام محمد ابن زرقون (متوفی ۴۸۶ھ/ ۱۱۹۰ء) تھا۔

ابن رشد تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد اشبیلیہ میں جج مقرر ہوا اور پھر قرطبہ میں چیف جج (قاضی القضاۃ) کے عہدے پر متمکن ہوگیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب سپین پر عیسائیوں کی جانب سے حملے کا خطرہ ایک حقیقت بن چکا تھا' جس کا مسلمانوں کی طرف سے ردعمل ایک جامد قدامت پسندی کی صورت میں سامنے آیا۔ لیکن ابن رشد آزاد خیالی کا حامی اور قدامت پسندی کا مخالف تھا۔ اس نے ذہانت کے رول کی عظمت پر کئی کتب تصنیف کیں۔ جن میں روشن خیالی کے حوالے سے شریعت کا دفاع کیا گیا تھا۔ بدصورتی کے دامن میں چھپی ہوئی برائیوں حسد' بغض' عدم رواداری اور تکبر نے ابن رشد کو اپنے گھیرے میں لے لیا اور اس کے کڑے احتساب کا فیصلہ کرلیا گیا۔

چنانچہ ۵۹۰ھ/ ۱۱۹۰ء کے عشرہ کے اوائل میں ساری قوتیں ایک جگہ پر مرتکز ہوئیں۔ اشبیلیہ کے ایک واعظ ابن حجاج ایک شاعر ابن جبیر اور حکومت کے ایک اعلیٰ افسر ابن عیاش نے اپنی شعلہ بیانی کی قوتیں یکجا کرکے ذہانت کے اس اعلیٰ مظہر کے خلاف تقاریر کا سلسلہ شروع کردیا۔ ابن حجاج اور ابن جبیر نے اس پر لادینی پھیلانے کے الزامات لگائے۔ ابن رشد کے زمانۂ طالب علمی کے ساتھی ابن زرقون نے ابن رشد پر نہ صرف لادینی اور جہالت کے الزامات لگائے بلکہ علمی سرقے کا بھی الزام عائد کیا۔ اس نے دعویٰ کیا کہ کچھ عرصہ پہلے اس نے ابن رشد کو مختلف مسالک کے باہم اختلافات کے بارے میں لکھی ہوئی کتاب عاریتاً دی تھی' اس نے نہ صرف اسے واپس نہیں دی بلکہ اس میں چند ایک معمولی نوعیت کے اضافے کرکے ''بداية المجتهد'' کے نام سے اپنی تصنیف کے طور پر چھپوالی ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ ابن زرقون کی اس وقت دستیاب کتابیں چند بے مغز تحریروں کے سوا کچھ نہیں ہیں اور وہ بھی دوسروں کی کتابوں سے چرائے خیالات پر مشتمل ہیں۔ ابن رشد کی کتابیں بہت بڑا علمی

سرمایہ ہیں جن کے مقابلے میں ابن زرقون کی تحریریں کوئی حیثیت نہیں رکھتیں۔

ابو عامر ابن ربیع جیسے ایک غیر معروف فقیہہ نے بھی ابن رشد کی تذلیل کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ اس نے اپنے پیچھے تو کوئی قابل ذکر تصنیف نہیں چھوڑی لیکن وہ سر عام ابن رشد کو بُرا بھلا کہتا تھا اور اس کی کتابوں کو نقالی قرار دیتا تھا۔ ابن ربیع قرطبہ کا جج رہا تاوقتیکہ عیسائیوں نے ۶۳۳ھ/ ۱۲۳۶ء میں قرطبہ فتح کر لیا اور یہ فرار ہو گیا۔ پھر چند معمولی درجے فقیہوں نے جن کی ابن رشد کے سامنے کوئی علمی حیثیت نہیں تھی ایک مشترکہ مہم چلائی' انہوں نے ابن رشد کی تحریروں میں سے بہت سے اقتباسات اکٹھے کئے جن کے بارے میں ان کا خیال تھا کہ یہ کافرانہ اور ملحدانہ ہیں' پھر انہیں کتابی شکل دے کر خلیفہ ابو یوسف یعقوب المنصور (۵۸۰۔۵۹۵ھ/۱۱۸۴۔۱۱۹۹ء) سے ۵۹۱ھ/۱۱۹۴ء کے اواخر میں ملاقات کی اور اسے قائل کرنے کی کوشش کی کہ ابن رشد دہریہ ہے اور ''ثبوت'' اس کے سامنے رکھ دیا۔ انہیں پورا یقین تھا کہ اب ان کا حریف نہیں بچ سکے گا۔ لیکن اس نے ان کے درمیان مناظرہ کرانے کا فیصلہ کر لیا۔ مناظرہ قرطبہ میں ایک بہت بڑے مجمع میں ہوا ابن رشد نے بڑی کامیابی سے اپنا دفاع کیا اور تمام الزامات کو ایک ایک کر کے غلط ثابت کر دیا۔ لیکن فقہائے وقت کے دلوں سے بغض نہ نکل سکا۔ ابن حجاج اور اس کے دیگر حاسد ساتھیوں نے اپنی زہرافشانی کا سلسلہ جاری رکھا۔ آخر ایک ایسا دن آ گیا جو آئندہ دنوں کے لئے ایک شگون بن گیا۔ ہوا یوں کہ ابن رشد ایک روز اپنے بیٹے عبداللہ کے ہمراہ جامع مسجد قرطبہ میں نمازِ عصر ادا کرنے کے لئے داخل ہوا۔ ابن رشد اور عبداللہ نے مشترکہ طور پر ایک کتاب لکھی تھی جس کا نام "The Conjunction of the Separate Intellect with Man" تھا' ان پر نظر پڑتے ہی ہجوم نے ان پر حملہ کر دیا اور باپ بیٹے کو اٹھا کر مسجد سے باہر پھینک دیا۔ عبداللہ نامی ایک حکیم نے ان کی مرہم پٹی کی اور وہ اس واقعے کو اپنی موت تک افسوس کے ساتھ بیان کرتا رہا۔

۵۹۳ھ/ ۱۱۹۷ء میں خلیفہ بالآخر علمائے وقت کے دباؤ کا مقابلہ نہ کر سکا اس نے فلسفے کے مطالعے پر پابندی لگا دی اور فلاسفر کی تمام کتابوں کو نذر آتش کر دیا۔ فرمان' درباری کارندے ابن عیاش نے تحریر کیا تھا۔ اس میں ابن رشد کا نام تو نہیں لیا گیا' البتہ ان لوگوں کا حوالہ دیا گیا جو'' گمراہ کن خیالات کے سمندر میں غوطے لگاتے ہیں' جو دماغ استعمال کرنے

اور سچ کے متلاشی ہونے کا دعویٰ رکھتے ہیں۔ بالآخران کا ٹھکانہ جہنم ہوگی''۔ان کتابوں کو راکھ کا ڈھیر بنادیا گیا۔ابن رشد کوعدالتی منصب سے برطرف کر کے شہر بدر کر دیا گیااور قرطبہ کے قریب ایک گاؤں لوسینا میں قید کر دیا گیا۔ جہاں اسے قید تنہائی میں رکھا گیا۔یعنی وہ ایک ''کانفرنس'' سے ''دوسری کانفرنس'' میں منتقل ہوگیااور کسی انسان کی مداخلت کے بغیر بیٹھ کر اپنے گردوپیش پرغور کرتا رہا' اسے اس تنہائی میں اپنے تنفس کی آواز بھی مداخلت لگتی تھی۔

ابن رشد کے لئے زندگی کا ''فتنہ'' ابھی ختم نہیں ہوا تھاکسی شخص کا اصل جوہر آزمائشوں ہی سے کھلتا ہے۔نئی افتاد یہ آپڑی کہ اس کا ایک ہونہار شاگرداور معتمد دوست عبدالکبیر الغافیقی (متوفی ۶۱۷ھ/ ۱۲۲۰ء) اس کے مخالفوں سے جاملا۔دوسرے دوشاگرد ابوبکرابن جاہوراور ابو محمدابن حوت اللہ (متوفی ۶۱۲ھ/ ۱۲۱۵ء) بھی مخالفوں کی صف میں شامل ہو گئے۔مؤخرالذکر یہاں تک چلا گیا کہ اس نے ابن رشد کا شاگرد ہونے سے ہی انکار کردیا اوراس کا نام اپنے سلسلۂ اساتذہ میں سے نکال دیا۔کسی شاگرد کے ہاتھ سے پہنچا ہوا گھاؤ بہت ہی گہرا ہوتا ہے۔مگر ساری دنیا بزدلوں سے ہی بھری ہوئی نہیں ہے۔ابوعبداللہ الاصولی جیسے فقہا سے ملک خالی نہیں ہوا تھا' وہ ابن رشد کے کندھے سے کندھا ملا کر کھڑا ہو گیا' عدالتی کارروائی کے دوران اس نے ابن رشد کی مذمت کرنے سے انکار کردیا' نتیجتاً اسے جلاوطن کر کے ''اغامت'' میں قید کر دیا گیا۔ بعدازاں اسے معاف کر کے ''بوجی'' میں قاضی القضاۃ کے عہدے پر فائز کر دیا گیا لیکن ابن حجاج نے الاصولی کا تعاقب نہ چھوڑا تاوقتیکہ اسے ہتھکڑیاں لگ گئیں اور اتنا ستایا گیا کہ اس کی بینائی زائل ہوگئی۔جس کے بعد وہ ۶۱۲ھ/ ۱۲۱۶ء میں چل بسا۔

جہاں تک ابن رشد کا تعلق ہے وہ لوسینا میں جلاوطنی کا عرصہ گزارنے کے بعد واپس آیا تو اسے باقی ماندہ زندگی گزارنے کیلئے مراکش بھیج دیا گیا۔ اس وقت خلیفہ نے سپین میں عیسائیوں کے خلاف جہاد شروع کر رکھا تھا۔اس نے ابن رشد کو اپنے دربار میں ایک منصب عطا کردیا۔اس کے فلسفے کی تعلیم پر عائد پابندی بھی ختم ہوگئی۔مگر وہ اپنے جاہ وثروت کی بحالی سے زیادہ دیر تک لطف اندوز نہ ہوسکا کیونکہ تھوڑی ہی مدت بعد دسمبر ۵۹۵ھ/ ۱۱۹۸ء میں اس کا انتقال ہوگیا۔

ابن رشد کا ذہنی ورثہ اسے ستانے والوں کے مرکھپ جانے کے بعد بھی زندہ رہا۔ کانفرنس کے بعد کانفرنس منعقد ہوتی رہی اور شبینہ محفلوں میں اس کی روح کی آمد و رفت

MashalBooks.org

جاری رہی۔ ساتویں صدی ہجری/۱۳ویں صدی عیسوی میں پیرس، آکسفورڈ اور کنیٹربری کے بشپوں کی جانب سے اس کی مذمتوں کا سلسلہ جاری رہنے کے باوجود وہ زندہ رہا اور اس نے مغربی تہذیب کی بازیافت میں اپنا کردار ادا کیا۔ زندگی کی ستم رانیاں بعض اوقات درسِ عبرت بن جاتی ہیں۔ حتیٰ کہ ابن زرقون کا پوتا محمد ابن محمد (متوفی ۶۲۱ھ/۱۲۲۴ء) جو ابن رشد کا نہایت وفا شعار شاگرد تھا، اسی عدالت کے حکم پر قید ہوا جس کے قیام میں اس کے دادا نے مدد دی تھی۔

جب کوئی بڑا آدمی مر جاتا ہے تو اس سے حسد کی بنیادیں بھی اکثر منہدم ہو جاتی ہیں۔ وہی طفیلی وجود جو اس کی زندگی میں اس کا خون چوس چوس کر جیتے ہیں اس کی موت کے بعد بھی اس کی عظمت کی چھاؤں میں زندگی گزارنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس کے گزرنے کے فوراً بعد وہ کونوں کھدروں میں سے نکل آتے ہیں اور دعوے کرنے لگتے ہیں کہ ہم تو پہلے سے ہی اس کی عظمت کے قائل رہے ہیں۔ ابن رشد کے جنازے کے موقع پر اس کے تقویٰ اور اس کے علم کی تعریف کرنے والوں میں بدنامِ زمانہ شاعر ابن جبیر بھی شامل تھا جو زندگی بھر اس کے لئے باعث اذیت بنا رہا تھا۔ خدا کا یہ ارشاد سب کو یاد رہنا چاہیے۔ کُلُّ اِلَیْنَا راجعُوْن۔ (سب کو ہماری طرف ہی پلٹنا ہے......سورۃ الانبیاء آیت ۹۳)

جولائی ۱۹۹۹

MashalBooks.org

باب 36

محبوب کی سُنّت

اگر رشک کرنا گناہ ہے تو میں نا قابل اصلاح گناہ گار ہوں۔ میں ہر اس آنکھ پر رشک کرتا ہوں جس نے آپؐ کی ایک بھی جھلک دیکھی ہے۔ میں ہوا کی ان لہروں پر رشک کرتا ہوں جو آپؐ کی آواز کو لے کر پھیل گئی تھیں اور آپ کے رخساروں کو مس کرتی ہوئی گزر رہی تھیں۔ میں اس زمین پر بھی رشک کرتا ہوں جو آپؐ کے قدموں کے نیچے بچھی ہوئی تھی۔ میں آپؐ کے سامنے اعتراف کرتا ہوں کہ میں سخت گناہ گار ہونے کے باوجود اور اپنی اوٹ پٹانگ حرکتوں کے باوجود' ''آپؐ کی محبت سے سرشار ہوں''۔

میرے اعتراضات اتنے ہی احمقانہ ہیں جتنے کہ بے آواز الفاظ' احمقانہ ہو سکتے ہیں۔ آپؐ ایسے لوگوں کی آنکھ کے تارے تھے جو مجھ سے کہیں بڑھ کر آپؐ سے محبت کرتے تھے۔ میرا خاموش رہنا یا اعتراف محبت کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟

میں کافی دیر سے رات کے حصار میں کتابوں کا ایک ڈھیر لئے بیٹھا ہوں' میرا ذہن افکار کے بوجھ تلے دبا ہوا ہے مگر میرا دل آپؐ کو پکار رہا ہے۔ میرا شرم میرے الفاظ کو صفحات پر منتقل ہونے سے روک رہا ہے۔ چنانچہ میں دبی دبی اور شکستہ آواز سے ایک ہی فقرہ ادا کر رہا ہوں۔ ''اے محبوب! میں آپؐ ہی کی تمنا رکھتا ہوں''

یہ ''کانفرنس آف بکس'' بے شمار راتیں اور دن آپؐ کی یادوں کی شمع سے جگمگاتی رہی ہے اور پوری دنیا سے کہتی رہی ہے کہ وہ آپؐ کے تمدنی ترکے پر غور کرے اور اسی کو اپنا لائحہ عمل بنائے اقوال نقل کرنے' دلائل دینے اور باطل کا ابطال ثابت کرنے پر خواہ کتنا ہی وقت صرف کر دیا جائے وہ آپؐ کی تقدیس بیان کرنے میں چند لمحات صرف کرنے کے برابر بھی نہیں ہو

سکتا۔ کیونکہ کتابوں کی روشن خیالی' حسن کی آب وتاب اور نور کی پاکیزگی آپؐ کی زندگی کی محض ایک کرن ہے......اے محمدؐ اے احمدؐ ابولقاسمؐ اے النبیؐ الامینؐ اے رسولِ خدا آپؐ پر کروڑوں درود اور کروڑوں سلام۔

اے میرے رسول' اے میرے محبوبؐ مجھے یہ کہنے کی اجازت دیجئے کہ میں آپ کو اس کانفرنس میں ہونے والے مذاکروں کی وجہ سے جید اساتذہ کے لیکچروں کی وجہ سے یا مغالطوں پر مبنی خوابوں کی وجہ سے نہیں پہچانتا اور نہ ہی آپؐ کی زندگی پر لکھی گئی رپورٹوں اور آپ کی پسندیدگیوں اور ناپسندیدگیوں کے بارے میں مشہور کہانیوں کی وجہ سے آپ کو جانتا ہوں میں تو آپ کو اس لمحے کی وجہ سے جانتا ہوں جس میں' میں آپ کی محبت کا اسیر تھا۔

میں آپؐ کو اس لئے جانتا ہوں کہ خدا نے آپؐ کو علم عطا فرمایا۔ اس نے آپؐ کی تعریف فرمائی اور آپؐ کو اعزاز بخشا' میں آپؐ کو اس لئے جانتا ہوں کہ خدا نے آپؐ کو سکینت اور طمانیتِ قلب کی دولت سے مالا مال کیا۔

اس نے آپؐ کی دلجوئی کی اور مشکل سے مشکل حالات میں آپ کی ڈھارس بندھاتا رہا۔ میں آپ کو اس لئے جانتا ہوں کہ آپ محبوبِ ربّ العالمین ہیں۔ اے میرے نبیؐ میں آپ کو اس قلب کی وجہ سے جانتا ہوں جو آپ کی محبت میں دھڑکتا ہے۔

میں آپ کو ہمدردی کی وساطت سے جانتا ہوں جو میرے دل میں دوسروں کے لئے پیدا ہو جاتی ہے۔ میں آپ کو درد کے ان لمحات کے ذریعے جانتا ہوں جو دوسروں کی تکلیفیں دیکھ کر میرے دل میں اٹھتا ہے۔ میں آپ کو عزت اور وقار کا احساس ہونے کے ہر لمحے کے حوالے سے جانتا ہوں۔ میں آپ کو اس دن کے حوالے سے جانتا ہوں جب میں اور میرا بھائی ایک گرم دوپہر ایک مرتی ہوئی بلی کے لئے پانی لانے کے لئے دو میل تک صحرا میں چلتے رہے۔ یا اس دن کے حوالے سے جب ہم نے ایک شخص کو اپنی بیوی کو بے خطا زدوکوب کرنے سے باز رکھنے کے لئے مداخلت کی تھی۔ یا آپ کو ہم ان دنوں کے حوالے سے جانتے ہیں جب ہم میں تحمل مزاجی' قابل فہم رویّوں اور مسلمہ طور طریقوں کا کوئی شعور نہ تھا کیونکہ آپ کی محبت کا نام لینے والے گھرانوں میں یہ اقدار موجود ہی نہیں تھیں۔ بلکہ میں آپ کو شرم کے ہر لمحے کے حوالے سے بھی جانتا ہوں جو مجھے اپنے کمزور ہونے' متکبر ہونے' غصیل ہونے اور تحقیر دین کی فضا طاری ہونے کی وجہ سے محسوس ہوتی ہے۔

میں آپ کے بارے میں سوچتا ہوں تو یاد آتا ہے کہ آپ ایک یتیم بچہ تھے جس کی پاکیزہ صورت اور روشن آنکھیں زندگی کی نعمتوں کا پتہ دیتی تھیں۔ میں آپ کی جوانی میں آپ کو دیکھتا ہوں کہ آپ ایک خاموش طبع اور حیادار نوجوان تھے اور اپنی تنہائیوں میں خدا کی یاد میں محو رہتے تھے۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ آپ اپنی بیوی کے بازوؤں میں سکون و طمانیت پاتے تھے اور جب وحی آئی تو آپ پر لرزہ طاری ہوا۔ میں آپ کو پریشان حالی اور شدت غم میں طائف میں بیٹھے پاتا ہوں۔ آپ زندگی کی زبردست مشکلات میں سے گزر رہے تھے۔ پھر بھی اندر سے آپ کا دل اطمینان و سکون محسوس کر رہا تھا۔ میں آپ کے بارے میں سوچتے ہوئے یہ بھی یاد کرتا ہوں کہ آپ غار میں بیٹھے ہوئے اپنے ساتھی کو اللہ پر بھروسہ کرنے کی تلقین فرما رہے تھے۔ پھر آپ اپنے لشکر کو ہدایت کر رہے تھے کہ وہ چیونٹیوں کے بلوں سے ہٹ کر چلیں۔ آپ نے ایک زخمی پرندے کے ٹوٹے ہوئے پر کو جوڑ دیا۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ آپ بچوں کا دل بہلاتے اور اپنی خوبصورت مسکراہٹ سے ہر طرف رونقیں بکھیر دیتے تھے۔ میں آپ کو اپنے پھٹے ہوئے کپڑوں کی مرمت کرتے ہوئے اور اپنی اہلیہ کے ساتھ دوڑ لگا کر اس کا دل بہلاتے ہوئے بھی دیکھ رہا ہوں۔ میں آپ کی غربت و ناداری پر غور کرتا ہوں اور اپنے دم توڑتے ہوئے بچے کی حالت پر مغموم بیٹھا ہوا بھی پاتا ہوں۔ میں آپ کی عفو و در گزر کو بھی جانتا ہوں کہ آپ نے منافقوں اور احمقوں کو معاف کر دیا' آپ نے اپنے پیرو کاروں کو عزت اور وقار کی زندگی بسر کرنا سکھایا' میں اس منافق عبداللہ بن ابی ابن سلول کی بے ہودگی پر بھی غور کرتا ہوں جس نے آپ کو دیکھ کر کہا تھا۔ ''تم سے اور تمہارے گدھے سے بدبو آ رہی ہے۔'' آپ نے نہ اس سے اظہار نفرت کیا نہ اس کی پٹائی کی اور نہ اس سے انتقام لیا۔ میں ان سب باتوں کے بارے میں غور کرتا ہوں' آپ کی عظمت کا ایک ایک نشان میرے دل میں گھر کئے ہوئے ہے۔ مجھے یقین ہے کہ میں انہی نشانات کی وجہ سے آپ کو جانتا ہوں۔

پھر بھی اے میرے رسولؐ ......ان لوگوں کی کوئی کمی نہیں جو آپ ؐ کی ''سنت'' کو ضابطوں اور شرعی قواعد کی بھرمار کے عنوان سے جانتے ہیں۔ وہ آپ کو احکامات نافذ اور پابندیاں عائد کرنے والی شخصیت کے طور پر یاد رکھتے ہیں اور سنت کو بے جان نقالی اور بے روح معمولات کا مجموعہ سمجھتے ہیں۔

MashalBooks.org

لیکن میرے لئے، خدا معاف کرے، آپ کی سُنت صاف اور خالص حسن بھرے لمحات ہیں جو آپ کی محبت میں بسر ہوئے ہوں۔ آپؐ کی سنت، آپؐ کا حُسن ہے اور حُسن کی نقالی نہیں کی جاسکتی، اسے صرف محسوس کیا جا سکتا ہے اور اس سے محبت کی جا سکتی ہے۔ دنیا بھر میں حسن کے بارے میں جتنی کتابیں یا یادداشتیں لکھی گئی ہیں، وہ کسی بدذوق اور بدشکل دل کو حُسن کا درس نہیں دے سکتیں، آداب شائستگی وتہذیب پر لکھی گئی کتابیں ہٹ دھرم اور ضدی دلوں کو محبوب کی سنت نہیں سکھا سکتیں۔

اگست ۱۹۹۹

MashalBooks.org

باب 37

نکاح ناموں کی آڑ میں

جو دل سچ کی آگ میں تپ رہا ہو کیا اسے بلا وجہ جل جانا چاہئے؟ کیا ایسا ہو جانا ایک المیہ نہیں ہوگا؟ اے میرے محبوب' میرا ہاتھ تھام لیجئے اور اتنے زور سے دبایئے کہ سارا درِ دنہاں ختم ہو جائے۔ آپ مجھے جانتے ہیں اور بہت اچھی طرح جانتے ہیں۔ مجھے بصیرت عطا فرمایئے تاکہ میں سکونِ قلب پا سکوں۔ میں آپ کی محبت میں اتنا سرشار ہوں کہ جنت کا خواب تک نہیں دیکھتا اور اتنا شیخی باز ہوں کہ دوزخ کا ذکر آنے پر ذرہ برابر بھی مضطرب نہیں ہوتا۔ مگر میں آپ کے حسن و جمال کے تصور میں ہمہ تن ڈوبا رہتا ہوں اگر میں اس خواہش میں بہت آگے بڑھ جانے کی وجہ سے بہت شوخی کا مرتکب ہو رہا ہوں تو تُو مجھے میرے مقام کا شعور عطا کر اور اگر یہ کوئی مقامِ عظمت ہے تو میری خطائیں اور گناہ معاف فرما دے تاکہ اس مقام پر پہنچنے کا مستحق بن سکوں۔

''کانفرنس آف بکس'' رات کی خاموشیوں میں آپ سے قربت کی التجا کرتی ہے اور یہ سمجھنے کی جرأت نہیں کر سکتی کہ اسے آپ تک رسائی کا شرف حاصل ہو چکا ہے۔ یہ نہایت عجز و انکسار کے ساتھ آپ کے لامتناہی علم کی دہلیز پر کھڑی لرز رہی ہے۔ کیا یہ گستاخانہ محبت کا مظاہرہ نہیں ہے۔

رات کو میں دن کے شگافوں کو پُر کرتا ہوں اپنے درد کرنے والے اعضا کو ٹکور کرتا ہوں اور بے لباس ہو کر اپنے جسم کو ٹٹول ٹٹول کر دیکھتا ہوں کہ دن کے وقت میں نے کہاں کہاں زخم کھائے اور کہاں کہاں چوٹیں سہی تھیں پھر ساری ناصاف جگہوں کو صاف کر کے اور مرہم پٹی کر کے آپ کے حضور دستِ دعا بلند کر دیتا ہوں۔ جب آپ کی قربت محسوس ہونے لگتی ہے تو ہر

MashalBooks.org

خوف سے بے نیاز ہو جاتا ہوں۔ آپ مجھے دنیا والوں کی طرف سے پہنچنے والی ایذ زاؤں سے بے خوف اور مامون کر دیتے ہیں۔

میں سمجھتا ہوں کہ جب آپ میرے ساتھ ہوتے ہیں تو کوئی برائی اور کوئی ایذا میرے قریب نہیں پھٹک سکتی۔ میں عالمِ مادی سے منہ موڑ کر اپنے من کی دنیا میں مگن ہو جاتا ہوں۔ میں خود کو کھو کر آپ کو پا لیتا ہوں' آپ کی شفقت مجھے اپنے دامن میں سمیٹ لیتی ہے۔ آپ کا لطف و کرم مجھے اعلیٰ و ارفع وجدان کی کیفیتوں تک پہنچا دیتا ہے۔ میں اپنے تخیل کی دنیا میں صرف آپ کو پاتا ہوں' آپ کے سوا وہاں کوئی اور ہو ہی نہیں سکتا۔ پھر میرے من کی دنیا آپ کے جمال سے جگمگانے لگتی ہے اور جہاں آپ کا جمال ضیا پاشی کر رہا ہو' وہاں بھدا پن قریب آ ہی نہیں سکتا۔

کیا یہ ممکن ہو سکتا ہے کہ کوئی تشریح اصل متن پر غالب آ جائے؟ خدا کے پیغام پر عمل پیرا ہونے کے دعویدار کیا متن سے اتنی دوری اختیار کر سکتے ہیں کہ بالکل ہی نیا مفہوم پیدا کر لیں۔ میں ایسے مفہوم پا کر خود کو ایک بنجر و سنسان علاقے میں گھومتا ہوا محسوس کرتا ہوں۔ کسی اجنبی کی بدصورتی ایک شعورِ ذات (Self-affirmation) ہوتی ہے' مگر اپنے بھائی کی بد صورتی دیکھ کر انسان سناٹے میں آ جاتا ہے۔

کیا آپ نے مصر اور ہندوستان کے مقدس مقامات کے جانشینوں کو نہیں دیکھا جو جعلی پارسائی کی لبادوں میں ملبوس ہوتے ہیں اور نوخیز دلہنوں کی خریداری کے کاغذات تیار کرتے ہیں' انہیں ہفتہ ہفتہ یا مہینہ بھر کرائے کے مکان میں رکھتے ہیں پھر طبیعت سیر ہو جانے کے بعد انہیں مہر کی شکل میں کچھ رقم دے کر فارغ کر دیتے ہیں۔ تا کہ اس رقم سے ان کے والدین ان کی نئی شادی کے لئے سامان خرید سکیں۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ان دلہنوں کو بغیر طلاق دیئے' والدین کے پاس چھوڑ دیتے ہیں اور دوبارہ واپس آنے کے کا وعدہ کر کے بالکل ہی غائب ہو جاتے ہیں۔ پھر وہ عمر بھر انتظار کرتے کرتے راہیٔ ملکِ بقا ہو جاتی ہے۔ غریب اور لاچار خاندانوں کی لڑکیاں دولتمند سیاحوں کی تفریح طبع کا سامان بنتی رہتی ہیں۔ یہ حرکتیں مسلمانوں کی سرزمین میں ہوتی ہیں اور بلا خوف کی جاتی ہیں۔ انہیں جعلی نکاح ناموں کے ذریعے خریدا جاتا ہے۔ یہ کام ایک گروہ کر رہا ہے جو اپنے مسخ شدہ اخلاق پر مذہب کا پردہ ڈالتا ہے۔ میں نے نام نہاد فقہا کے اس گروپ سے بات کی تو انہوں نے کہا "اگر نکاح نامہ تیار ہونے کے

ایک ہی منٹ بعد طلاق دینے کا ارادہ ہو، تب بھی یہ نکاح جائز ہوگا''......واہ کیا تعبیر ہے نکاح کی اور بداخلاقی کو شریعت سے ڈھانپنے کی!۔

مجھے چند سال پہلے کا ایک واقعہ یاد ہے کہ ایک لڑکی ایک بدہیئت اور تیل سے چپڑے ہوئے گاہک کے حوالے کرنے کی دستاویز تیار کی جارہی تھی اور لڑکی بے حد خوفزدہ بیٹھی ہوئی اس کارروائی کو دیکھ رہی تھی۔ اگلے ہی دن ہم نے اس لڑکی کو خون میں لت پت سڑک کے کنارے پڑی ہوئی پایا۔ ظاہر ہے کہ اس نے دیناروں کے مالک بدہیئت و بدوضع شخص کی بجائے سڑک سے ''ہمکنار'' ہونے کو ترجیح دی۔

بسا اوقات قانونی موشگافیاں (Technicalities) بداخلاقی کو قانون کا لبادہ پہنانے کی ایک بھدی کوشش کے سوا کچھ نہیں ہوتیں۔ اگر لوگ قانون کی صرف معروضی شکل کو سب کچھ سمجھ بیٹھیں اور اس کی روح کو نظرانداز کرنے کے عادی ہو جائیں تو قانون کی افادیت ہی غارت ہو جاتی ہے۔

میں ان فقیہوں اور اسلام میں عورتوں کے حقوق کے بارے میں ان کے دلپذیر خطبوں پر غور کرتا ہوں تو ان کی توجیہات پر حیران اور ششدر رہ جاتا ہوں۔ وہ عورتوں کے باوقار مقام کے ساتھ ساتھ ان کے ''پردے'' پر بھی اس طرح روشنی ڈالتے ہیں کہ ان کا سارا زور انہیں الگ تھلگ کرنے پر ہوتا ہے۔ وہ انہیں گوشہ نشین ہو جانے کی تلقین کرتے ہیں، پھر اس گوشہ نشینی کو مرد کا حق ملکیت (To be possessed and owned) ثابت کرنے کے لئے ایک بنیاد بناتے ہیں۔ تمام ملکیتیں استعمال کے لئے ہوتی ہیں، ان میں سے بعض کو قبضے سے لے کر طاق نسیان میں سجا دیا جاتا ہے۔ جب پرانی جائیں تو اٹھا کر باہر پھینک دی جاتی ہیں۔ بعض کی جگہ تازہ مال لے لیتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ عورتوں کو ضابطے کے اندر رکھنے کے لئے جو بہت بے چینی کا اظہار کرتے ہیں، وہی ان کی زندگیوں میں خلل ڈالنے کے مرتکب ہوتے ہیں اور جو لوگ ان کے لئے حدود مقرر کرنے پر بہت زور دیتے ہیں، وہی ان حدود کو پامال کرتے ہیں۔ نوآبادیاں بنانے والے ان کے بارڈر اس لئے مقرر کرتے ہیں کہ وہ ان کے اندر اپنی طاقت کا بھرپور استعمال کر سکیں۔ اے میرے فقہی پیچیدگیوں کے ماہرو تم نے عورت کو اپنی نوآبادیاں بنا رکھا ہے، تم ان کے گرد اس لئے حصار تعمیر کرتے ہو کہ اپنی طاقت کا سکہ جما سکو۔

MashalBooks.org

جو اخلاقی احساسات ہمارے وجود کی تشکیل کرتے ہیں، وہ ہمارے مذہب کے خدوخال کا بھی تعین کرتے ہیں۔ کسی مسلمان کا جنسی استحصال کرنا دراصل کسی بھی انسان کو استحصال کا نشانہ بنانا ہے۔ یہ دراصل اپنے مذہب کی تذلیل کے مترادف ہے۔ خواہ عورت کو مصر میں استعمال کر کے پھینک دیا جائے یا امریکہ میں یا کسی اور جگہ پر، مگر جو فقیہہ اس کے بارے میں ایک اخلاقی مؤقف اختیار نہیں کرتا وہ اپنے منصب کے ساتھ ناانصافی کرتا ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ (متوفی ۲۴۱ھ/۸۵۵ء) اس فقیہہ کی رائے کو قبول نہیں کرتے تھے جو المامون (متوفی ۲۱۸ھ/۸۳۳ء) کی عدالت کے ''دباؤ'' میں آ گیا ہو۔ آج کا دباؤ تیل کی دولت کا ''دباؤ'' ہے جو ضمیر کو سُلا دیتا ہے اور زبان پر ''تالے'' لگوا دیتا ہے۔ کیا وہ وقت نہیں آیا کہ ہم ایسے فقیہوں کی رائے کو کوئی اہمیت نہ دیں جو دولت کے دباؤ تلے آ کر کلمۂ حق کہنے سے ڈرتے ہیں۔

نومبر ۱۹۹۹

MashalBooks.org

باب 38

کتابِ تاریخ کا ایک صفحہ

راتیں گزرتی رہیں اور میں نے ہمیشہ کتاب کے اس صفحے پر اپنی نگاہ مرکوز رکھی۔ مجھے یقین رکھنا چاہئے کہ یہ صفحہ ہمیشہ اسی طرح کھلا رہے گا۔ باوجود یکہ اس پر چکنائی کے داغ دھبے پڑے ہوئے ہیں اور آڑی ترچھی لکیریں بھی لگی ہوئی ہیں جو کہ بدذوقی کا بدترین مظاہرہ ہے لیکن یہ کتاب ہی کا صفحہ لگتا ہے۔ اگر یہ کھلا ہوا صفحہ نہیں ہے تو رات بھر شمع جلائے رکھنے کا کیا فائدہ ہے، پوری پوری رات اس پر مغز ماری کرنے کی کیا ضرورت ہے اور شب و روز قلم گھسیٹنے میں کیا تک ہے؟

یہ سوچتے سوچتے میں نے اپنی آنکھیں موند لیں کہ مزید کیا لکھا جا سکتا ہے؟۔ اس چیخم دھاڑ کی دنیا میں شور و شغب کے ساتھ ساتھ وعظ و تلقین کی مجلسیں بھی منعقد ہوتی ہیں اور غور و فکر کے سامان کی بھی کمی نہیں۔ قرآن تو کہتا ہے۔'' **قُلْ لَوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمَاتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمَاتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا** O (اے نبی کہہ دیجئے کہ اگر سمندر میرے رَبّ کی باتیں لکھنے کے لئے روشنائی بن جائیں تو وہ ختم ہو جائے مگر میرے ربّ کی باتیں ختم نہ ہوں۔ بلکہ اتنی ہی روشنائی ہم اور لے آئیں تو وہ بھی کفایت نہ کرے......سورۃ الکہف آیت ۱۰۹)۔ سمندر ختم ہو جائیں گے قبل اس کے کہ ہم خدا کے علم و دانش کی باتوں کو ضابطۂ تحریر میں لا سکیں۔ لیکن خدا کے نائب کے طور پر ہمیں اور کہنا ہی کیا ہے ؟۔ کچھ بھی نہیں کہنا ہے۔ اس صدی میں لکھی ہوئی کسی بھی کتاب میں ہماری حالت زار کا صفحہ شامل نہیں ہے۔

میں نے اپنے دل کو ٹٹولا کہ شاید اس میں خوشی کے کچھ جذبات موجود ہوں جن کا میں

اس صدی کی آمد پر کچھ اظہار کر سکوں یا چند خیر مقدمی جملے ادا کر سکوں۔ مگر وہاں تو کچھ بھی نہیں پایا جاتا۔ تاہم مجھے اپنی عقلِ برہم کو متوازن بنانے کے لئے دولتِ ایمان سے ہی کام لینا پڑا۔ بہرحال مجھے یہ اعتراف کر لینا چاہئے کہ میں تاریخ کے تحکمانہ بٹواروں' (Arbitrary Divisions) وقت کے بیش قیمت لمحات کے ضیاع اور اپنی سست روی اور کاہلی سے نالاں ہوں۔

ہم نے اس صدی میں بطور محکوم قدم رکھا تھا' کیا آج ہماری محکومی میں کوئی کمی پیدا ہوئی ہے؟ پھر ہمارے لئے یہ صدی نئی کیسے ہو گئی؟ ہمارے لئے انیسویں صدی ۱۹۴۰ کے عشرے میں پہنچ کر بھی ختم نہیں ہوئی۔ ۱۹۷۰ کے عشرے میں تو ہم نسبتاً زیادہ تاریکی میں ڈوب گئے۔ ۱۹۹۰ کے عشرے میں قتل و غارت' مار دھاڑ اور ذلت و رسوائی کے دیگر اسباب کی بہتات ہو گئی۔ کیا ۲۰۰۱ء کا سال اچانک ہمارے لئے نئے عہد کی نوید لے لایا ہے؟

تاریخ کتاب کو جنم دیتی ہے اور ہم اس کے ایک صفحے کے سامنے ڈٹ کر کھڑے ہو گئے ہیں۔ ہماری اس صدی کے صفحے میں تحقیق و تفتیش اور ہنگامہ خیز بحث و مباحثے خال خال ہی دکھائی دیتے ہیں۔ اس صفحے پر تو ہمارے اضطراب انگیز عقائد' مدافعانہ دعوے اور زعمِ بے جا پر مبنی بیانات منقش ہیں۔ اس صدی میں تو ہمارا صفحہ ختم ہو جانے کا خطرہ پیدا ہو چکا ہے۔

ہم نے اس صدی کا آغاز ''اجتہاد'' کی ضرورت کا احساس دلانے سے کیا تھا' ہم نے ایک ''مجلس شوریٰ'' کے قیام کا خواب دیکھا تھا جو شریعت سے منسوب عورتوں کے حقوق کا از سرِ نو جائزہ لیتی اور گزرے ہوئے سنہری دور کا ذکر کرتی۔ آج کے حالات ماضی سے کس حد تک مختلف ہیں؟ ہماری زبان' ہمارے نظریات اور ہمارے طرزِ خطابت و تحریر میں کیا فرق واقع ہوا ہے؟ پچھلے سو سالوں کے دوران ہمارے علم یا ہماری روشن خیالی (Enlightenment) میں کتنا اضافہ ہوا ہے؟ ہم اب بھی فوری نتائج پر یقین رکھتے ہیں۔ ''عقلیت'' سے بدستور متنفر چلے آ رہے ہیں۔ ہماری دینی معلومات رسالوں اور پمفلٹوں تک محدود ہیں' صرف انہی کو پڑھ کر اپنے ذوقِ علم کی تسکین کر لیتے ہیں...... ہم اب بھی ڈیٹا بنکس سے مرعوب ہیں' قصے کہانیوں میں خوب دلچسپی لیتے ہیں' تاریخ اور قانون کا اس نقطۂ نظر سے مطالعہ کرتے ہیں کہ ہمارے عہدِ طفولیت کے خوابوں کی تائید ہو جائے۔ ماشاء اللہ چشم بد دُور ہم نے اپنے ذہن ''ڈیٹا پروسیسرز'' سے اس وقت خوگر کر لئے تھے کہ ''پرسنل

کمپیوٹرز'' (P.Cs) ابھی ایجاد ہی نہیں ہوئے تھے اور اب ہماری عقلیت ''ای میلز'' کے گرد گھومتی ہے۔

ہم نے کیا ترقی کی ہے؟ ہم نے کتابوں کے سرِ ورق بھڑکدار اور شوخ رنگوں میں چھپوانے کی حد تک ترقی کر لی ہے اور مغرب کو برا بھلا کہنا بھی سیکھ لیا ہے اور اس امر کا بھی اہتمام کر رہے ہیں کہ کوئی تقریر پسند آ جائے تو تالیاں بجانے کی بجائے نعرۂ تکبیر بلند کر دیتے ہیں، اب میں کیا کہہ سکتا ہوں کہ ہماری شروعات تو محمد عبدہٗ (متوفی ۱۹۰۵ء) محمد شلتوت (متوفی ۱۹۶۳ء) اور رشید رضا (متوفی ۱۹۳۵) سے ہوئی اور تان ٹوٹی عبدالعزیز بن باز (متوفی 1999) اور عثیمین (ولادت 1929) پر آ کر۔

میں اس قنوطیت پر اپنے آپ قابل ملامت سمجھتا ہوں کیونکہ یہ بالآخر مردم بیزاری پر منتج ہوتی ہے۔ خدا کی قدرتِ کاملہ کو نہ دیکھنا یا بنی نوع انسان کے اندر اس کے پیدا کردہ حُسن کو نہ محسوس نہ کرنا گناہ ہے۔ لیکن حُسن کی پاسداری ہی مجھے یہ کہنے پر مجبور کرتی ہے کہ مسلمانوں کا ثقیل اور ادق عبارتیں لکھنے کا دور محض ہرزہ سرائی کا زمانہ تھا۔ مجھے بہت پیچھے جانے کی ضرورت نہیں، تین دن قبل نومبر میں، میں ایسی صورتحال سے دوچار ہوا اور مجھے ایسے محسوس ہونے لگا جیسے میں ایک تہذیبی شگاف کے اندر دھنسا جا رہا ہوں۔ اس صدی کے آغاز میں ہمارے کونسلوں، اسمبلیوں اور کنونشوں میں مسائلِ مقدر (القضاية المصريه) پر غور کیا جایا کرتا تھا۔ یہ کلیسائی قسم کے اجتماعات ہوتے تھے۔ جو قدامت طاری کرنے کی ایک مصنوعی سی کوشش تھی۔ انہیں ''اجماع امت'' قرار دیا جاتا تھا۔ شرکائے مجلس کسی مسئلے کے بارے میں متنوع روایات، متصادم آرا اور اختلافِ رائے کو نظر انداز کر کے ''یکسانی'' پیدا کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ ان میں جاری شدہ فرمان صدیوں پہلے پیدا شدہ اختلافات کو چند دنوں میں طے کر کے رکھ دیتے تھے۔

اس صدی کے اواخر میں امریکہ میں ممتاز قانون دانوں کا ایک اجتماع ڈیٹرائیٹ (مشی گن) میں منعقد ہوا، یہ قانون دان بڑے پائے کے لوگ تھے۔ ان کی حیثیت ''شریعہ سکالرز ایسوسی ایشن آف نارتھ امریکہ'' سے کسی طرح بھی کم نہ تھی، یہ سہ روزہ اجلاس نومبر میں ہوا۔ جس کے اختتام پر تیرہ صفحات پر مشتمل دستاویز جاری کی گئی۔ اس کے عنوانات کو دیکھ کر ہی اندازہ کر لیجئے کہ کتنے اہم مسائل پر اتفاق رائے کا اظہار کیا گیا تھا۔ مثلاً (ا) کسٹم کے قوانین

اوراسلامی قانون میں ان کی حیثیت (۲) بنکوں کے ذریعے مکانوں کی خریداری (۳) طلاق' خلع اورعلیحدگی بذریعہ عدالت (۴) طلاق کی کارروائی میں مصالحت کرانے والوں کا کردار (۵) اسلامی قوانین اور دیوانی قانون کے مابین اختلاف کے اثرات (۶) طلاق کی صورت میں امام کی ڈیوٹی اور کردار (۷) سیاست میں مسلمانوں کا حصہ لینا اور (۸) عیدین کا چاند دیکھنے کا طریق کار۔

ان ۳۸ سکالرز میں سے نصف ایسے تھے جو کبھی بھی امریکہ میں نہیں رہے اور ان میں اکثریت ایسوں کی تھی جنہوں نے کبھی بھی کسی امریکی عدالت میں قدم نہیں رکھا' ان میں سے نصف وہ تھے جو کرپٹ اور ظالم حکومتوں کے تحت زندگی گزارتے رہے اس کے باوجود انہوں نے تین دن کے اندر اپنی سفارشات مکمل کر لیں۔ ان میں سے بعض کے ساتھ میری دوستی اوراحترام کا تعلق تھا' اس کے باوجود اس عرصے میں میری ان سے ملاقات نہیں ہو سکی۔ دوسری طرف ہماری حالت دیکھئے۔ کیا ہماری پوری تاریخ میں شریعت کے حوالے سے کوئی ایسوسی ایشن بنی یا کوئی اجتماع ہوا تھا۔ کیا منشائے خداوندی جاننے کے لئے کوئی بحث یا مشورہ ہوا' یا اتفاق رائے پیدا کرنے کے لئے مشترکہ مساعی ہوئیں؟ ہمارے ہاں تو ہر بات اسلاف کے فتووں کے حوالے سے طے کی جاتی ہے' ہر فتوے کے ابطال کے لئے جوابی فتوے موجود رہتے ہیں' فتوے تیل کے تاجروں کے ایماء پر دیئے جاتے رہے یا پرانے فتووں کی نئی تعبیریں لائی جاتی رہیں۔ ہر طرف تیل ہی کا کلچر حاوی دکھائی دیتا ہے

تلخ ترین حقیقت یہ ہے کہ صدی کا موڑ مڑ جانے کے باوجود ہم نیا صفحہ لکھنے سے گریزاں رہے۔ ہمارے تیل کے کنوؤں والی صدی کا آغاز ۱۹۷۰ کے عشرے میں ہوا اس کے بعد ہم تن آسانی کے راستے پر چل پڑے۔ سہل الحصول زر سہل نتائج اور ہر مسئلے کا سہل حل' یہ ہے ہماری نئی دنیا اور یہ ہیں دنیا میں پہنچنے کی طریقے! چونکہ تیل کی صدی ۲۰۰۱ء میں ختم نہیں ہو رہی ہے اور چونکہ ہمارے کاغذات تیل کے چھینٹے پڑنے کی وجہ سے چکنے ہو چکے ہیں۔ لہٰذا الفاظ کے معنی بھی غائب ہو چکے ہیں۔ تیل سے لتھڑے ہوئے کاغذ پر بے معنی الفاظ لکھنے کا آخر کیا فائدہ ہے؟ میں نئی صدی اس وقت مناؤں گا جب صاف ستھرا کاغذ دستیاب ہوگا اور اس پر بامعنی الفاظ لکھے جائیں گے۔

دسمبر ۱۹۹۹

MashalBooks.org

باب 39

جنونی گروہ......بھڑوں کا چھتہ

ڈراؤنا خواب دیکھنے کے بعد آنکھ کھلی تو میں نے خود کو پسینے میں شرابور پایا۔ میری سانس دھونکنی کی طرح چل رہی تھی اور میں لحاف اور بستر کی گیلی چادر کو وجود سے الگ کرتے ہوئے بڑبڑایا۔ ''میرا خیال ہے کہ اسلامی قانون مر چکا ہے''۔

میرے دوست، پچھلی دفعہ جب تم سے ملاقات ہوئی تھی تو تم کمبل اوڑھے بیٹھے تھے۔ تمہاری آنکھیں آگے کو نکلی ہوئی تھیں اور تم نے اپنی نظریں بستر پر جمائی ہوئی تھیں۔ میں تمہارے گھر میں داخل ہوا تو تمہاری ماں سے پوچھا کہ کیا وہ گھر میں ہے؟ اس نے ''الفضل'' کہہ کر میرا خیر مقدم نہیں کیا۔ صرف اپنا سر ہلا دیا اور آہستہ سے ''یا رب'' کہہ کر چپ ہوگئی۔ تمہارے کمرے میں حسبِ معمول ایک بلب خمدار تار سے لٹکا ہوتا تھا۔ مگر اس روز ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ یہ دھاگے سے لٹکا ہوا اپنے زندہ ہونے کا ثبوت دے رہا ہے۔ ڈیسک لیمپ، کتابیں اور چپس سے مزین خاکستری دیواریں، سب مردہ دکھائی دے رہی تھیں، میں ایک کونے میں بیٹھ گیا اور سامنے دیکھنے لگا۔ وہاں تمہارے موجود ہونے کا کوئی پتہ نہیں چل رہا تھا۔ میں یہ بھی پوچھنے کی ہمت نہ کر سکا کہ کیا تمہیں کہیں درد ہو رہا ہے، اگر ایسا ہو رہا ہوتا تو تم کراہ رہے ہوتے۔ میں تمہارے ٹخنوں، تمہاری کمر یا تمہاری بغلوں کو بھی نہیں دیکھ سکتا تھا کہ ان پر کوئی زخم ہو تو تمہارے درد وغیرہ کا پتہ چل سکتا۔ میں تمہاری انگلیوں دیکھنے کی بھی جرأت نہ کر سکا۔ میں ڈر رہا تھا کہ میں کہیں خوفناک داستان کا دروازہ نہ کھول بیٹھوں۔ ہو سکتا ہے کہ اس طرح ایک دوزخ کا راستہ کھل جائے اور ہم پر منکشف ہو جائے کہ یہ ہمیں ہڑپ کر چکی ہے اور اب ہم مر چکے ہیں۔ نہیں میں نہ تمہاری طرف دیکھنے کی جرأت کر سکتا ہوں اور نہ بات

کرنے کی۔ میرا جی بہت چاہتا تھا کہ بیتے ہوئے دنوں کی طرح ہم اب بھی کسی کتاب کے بارے میں بحث کر رہے ہوتے۔ یہ خواہش بھی پیدا ہوئی کہ تمہاری ماں چائے لے آتی...... مجھے چائے کبھی اچھی نہیں لگی' لیکن یہ ہمارے بحث مباحثوں اور خوابوں کا حصہ بن چکی ہے۔ چائے میزبانی کی علامت ہے' یہ نہ ہو تو بیگانگی کا احساس ہونے لگتا ہے۔ مگر اس بار چائے نہیں آئی تم بولے تک نہیں میرا جی چاہتا ہے کہ میں ٹوٹ پھوٹ کر پگھل جاؤں۔

بالآخر میرے منہ سے یہ گستاخانہ اور احمقانہ الفاظ نکل ہی آئے ''اذیگ''......''تم کیسے ہو؟'' شاید تم سمجھ رہے تھے کہ میں کوئی احمق ہوں۔ شاید تم اس لئے خاموش رہے کہ ممکن ہے تم نے میرے الفاظ سنے ہی نہ ہوں۔ مجھے اندازہ نہیں کہ میں وہاں کتنی دیر بیٹھا' تم پر نظر ڈالنے سے گریز کرتا رہا اور تمہاری بالکونی کے کھلے دروازوں کو تکتا رہا۔ آخرکار ایک لرزتی ہوئی آواز قبرستان سے آنے والی آواز کی مانند میرے کانوں سے آٹکرائی......''خالد''...... میں نے پُر امید نظروں سے تمہاری طرف دیکھا' واقعی یہ تمہاری ہی پیاری آواز تھی۔ اب میں اور کیا کہہ سکتا تھا' تمہارا سر جُھکا ہوا تھا۔ ارے' ان لوگوں نے تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا؟ میرا جی چاہتا تھا کہ میں چیخوں' دیواروں کو توڑ دوں اور اپنے پھیپھڑوں کا پورا زور لگا کر ان سے پوچھوں کہ ''ظالمو اے وحشی درندو تم نے اس کے ساتھ یہ سلوک کیا ہے؟'' لیکن میں وہیں ایک بے بس انسان کی طرح تمہارے جھکے ہوئے سر کو تکتا رہا۔ بالآخر تمہاری زبان حرکت میں آ گئی' الفاظ ایسے نکل رہے تھے جیسے تمہارا دل تمہارے گلے میں لا کر رکھ دیا گیا ہو...... ''خالد' کیا تمہیں یاد ہے کہ میں نے تم سے ایک مرتبہ کہا تھا کہ غالباً اسلامی قانون مر چکا ہے۔''...... واقعی مجھے اسکا یہ جملہ یاد تھا لیکن اس وقت تمہاری چارپائی کے کونے پر بیٹھے ہوئے مجھے یہ سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اس سے تمہارا کیا مطلب تھا؟

اس روز اس سے زیادہ کچھ نہیں کہا گیا تھا۔ میں نے تم سے کہا تھا کہ اچھا میں پھر آؤں گا۔ لیکن ایسا نہ ہو سکا' میں ہر روز تمہیں یاد کرتا رہا' لیکن مجھے معلوم تھا کہ یہ اذیت دہ یادداشتیں میرے دکھ کا حصہ بن گئی ہیں۔ چند ماہ بعد میں نے اپنے دل کی یہ تمام کیفیات تمہیں ایک خط میں لکھ بھیجیں' لیکن یہ لفافہ واپس میرے میل باکس میں آ پہنچا تو میں نے خیال کیا کہ تم مر چکے ہو۔

اس روز جب میں نے تمہیں تمہارے بیڈ روم میں اس تکلیف دہ حالت میں پایا تو مجھے

اندازہ ہو گیا کہ بس ہم اجڑ چکے ہیں۔ اپنے ماضی اور اپنے مستقبل کی تلاش میں نکل پڑنا' ہمارا مقدر بن چکا تھا اور ہم ایک گمشدہ تہذیب کے خانہ بدوش بن گئے تھے۔

وہ کمرہ جہاں ہر وقت لکھنے پڑھنے کا مشغلہ جاری رہتا تھا اور جو ہر وقت علمی گفتگوؤں اور بحث ومباحثوں سے گونجتا رہتا تھا' ایک مقبرہ بن چکا تھا' وہ راتیں جو'' شریعۃ'' '' تخریج'' تسبیح'' '' تنقیح'' اور '' تقلید'' پر دلائل اور سوال و جواب میں گزرتی تھیں' وہ ان تاریک دیواروں کو چھوڑ چکی تھیں۔ وہ شور وشغب جو ہمارے خاموش ورثے کی شمع کو از سر نو روشنی عطا کرنے لگا تھا اسی احساسِ درد کا حصہ بن چکا تھا۔

ہم نے خوابوں میں کافی کانفرنسیں منعقد کیں' بحث مباحثوں کی کانفرنسیں اور کتابوں کی کانفرنسیں بلائیں جن میں جملہ علوم وفنون کا ذکر اذکار ہوتا تھا' ہمارے لئے '' شریعۃ'' ایک طریق عمل (Process) تھا' ایک تلاش وجستجو تھی' ایک صاحب اقتدار (Authority) کی '' مرضی واختیار'' کے ڈھانچے کا مطالعہ تھا' اصل مالک کی منشا جاننے کا ذریعہ تھا۔ ہم اپنے شعور کی جانکاری حاصل کرتے تھے۔ دروں بینی (Introspection) سے کام لیتے تھے۔ روایتیں اور شہادتیں اکٹھی کرتے تھے اور دلائل کی مدد سے اصل مقصود تک جا پہنچتے تھے۔ یہ ہمارے ہر رات کے معمولات تھے۔

میرا ذہن کچھ نرم رو اور دھیما تھا' اس کے فعال ہونے کے لئے تو سکون اور عدم تصادم کی فضا درکار ہوتی تھی۔ میرے دوست تمہاری ذہانت تو ایک آگ تھی تم محفل کو اپنے خیالات کی روشنی سے منور کر دیتے تھے۔ تمہارے دلائل محفل میں زندگی کی ایک نئی لہر دوڑا دیتے تھے اور سب کی تھکن دور ہو جاتی تھی۔ انہی دنوں ایک دن تم نے ایک نہایت متشدد اور جنونی گروہ سے بحث مباحثے کا خطرہ مول لے لیا اور انہوں نے تم پر ظلم وستم کے پہاڑ گرا دیئے۔ تمہارا چہرہ زخم زخم ہو گیا اور ہونٹ پھٹ گیا' منہ سے خون رسنے لگا۔ تم پھر بھی ہنسے بغیر نہ رہ سکے اور مذاق کرتے ہوئے کہا مار کٹائی کے بغیر زندگی بھی کوئی زندگی ہوتی ہے۔ تمہارا ایک جملہ یہ تھا'' اس تواضع سے کم از کم یہ تو یاد آ گیا کہ میرا ایک جسم بھی ہے جسے بھلائے ہوئے ایک عرصہ ہو گیا تھا' اس سے جسم اور ذہن کے مابین توازن بھی بحال ہو گیا''۔ ہم نے تم سے ان جنونی گروپوں سے بحث کرنے کے فوائد اور نقصانات پر تبادلۂ خیال کرنے کی کوشش کی تو تم نے ہماری طرف غور سے دیکھنے کے بعد کہا کہ استبداد (Despotism) اور فعالیت

(Activism) کی کشمکش نے اسلامی قانون کا گلا گھونٹ دیا ہے۔تم نے قانون کے قدیم اور جدید تصورات پر طویل لیکچر دیتے ہوئے کہا کہ میرے خیال میں جدید دنیا میں اسلامی قانون کی موت واقع ہو چکی ہے۔ اسلامی قانون چند قواعد کا نام نہیں ہے بلکہ یہ ایک قانونی طریق کار (Process) کا نام ہے۔تم اپنی بات پر زور دے رہے تھے کہ کسی نے زور سے کہا ...... ''تمہاری پٹائی ہو جانا کوئی حیرت کی بات نہیں ہے''۔اس پر ہم ہنس پڑے اور جب چائے کا دور شروع ہوا تو ہم اپنے اپنے تفکرات میں ڈوب گئے۔

میرے دوست جب تک تم ہمارے ضمیر کی چبھن بنے رہو گے میں تمہارے ایک لفظ پر بھی اعتبار نہیں کروں گا۔ مجھے نہیں معلوم کہ تجھ پر نئی روشنی کا بھوت کب سوار ہوا تھا' جب وہ حملہ آور ہوئے تو ہمارے اجتماعات کا سلسلہ ختم ہو گیا۔اس شوکت و عظمت کے محافظ کتوں نے تمہارے جسم کو بھنبھوڑ ڈالا۔اس کے ساتھ ہی تمہارے اقرارِ وفا (Commitment) کا بیڑہ بھی غرق ہو گیا۔تمہارا یہ حشر دیکھ کر ہماری ہنسی ایک دم غائب ہو گئی ہم سوچتے رہ گئے کہ ہمارے محبوب ورثے کا کیا بنے گا؟ عین ممکن ہے کہ وہ بالکل ہی ختم ہو جائے۔آخری دن جب میں نے تمہیں دیکھا تو تمہارے کمرے میں ایک چھوٹی سی تار کے ساتھ ٹمٹماتا ہوا بلب روشنی کی چند کرنیں بکھیر رہا تھا' تمہارے کمزور جسم میں بہت سا درد سمٹا ہوا تھا' خاموشی کے گھمبیر سناٹے کو تمہاری موت کے اعلان نے توڑا' اس اعلان میں کئی ڈراؤنے خواب اور خطرات چھپے ہوئے تھے۔

میں ' کانفرنس آف بکس '' میں خطرات سے بے نیاز ہو کر بیٹھا ہوتا ہوں۔تم میرے ضمیر ہو میں موت کے سامنے اپنی شکست تسلیم نہیں کروں گا لیکن کبھی کبھار جب ڈراؤنا خواب دیکھتا ہوں تو پسینہ پسینہ ہو کر اٹھ بیٹھتا ہوں اور بڑبڑاتا ہوں...... '' خدشہ ہے کہ اسلامی قانون کا خاتمہ ہو چکا ہے''۔

فروری ۲۰۰۰ء

باب40

خاموشی کی راست گوئی

میرا دل ہر رات میرے خیالات کے انتشار کی طرح خود بھی منتشر ہو جاتا ہے اور ہر رات اس دل کو پگھلا کر رکھ دیتی ہے جو بے اعتنائی کی سرد مہری کی وجہ سے منجمد ہو جاتا ہے۔

''میں تیرے حضور میں اپنی روح کی آگ میں جلتے ہوئے کھڑا ہوں کیونکہ میں اپنے نفس کے مغالطوں کی وجہ سے بہت سی ایسی باتوں کو نظر انداز کرنے کا مرتکب ہوا ہوں جو بے حد اہم تھیں۔ میں نہایت عاجزی اور انکسار کے ساتھ تیرے در پر ایک بھکاری کی طرح کھڑا ہوں۔ احساسِ ندامت نے مجھے راندۂ درگاہ ہونے کا یقین دلایا تھا' مگر تیری بے پایاں رحمت کے احساس نے میری مایوسی کو امید میں بدل دیا اور میں اپنی روح کے اضطراب پر قابو پانے میں کامیاب ہو گیا۔

میں اس ذاتِ بے ہمتا کو کیا کہوں جو آہ کو دل سے بھی نکلنے سے پہلے بھی جانتی ہے؟ میں اس ذاتِ بزرگ و برتر سے کیا کہوں جو میرے دل کی اتھاہ گہرائیوں اور تاریکیوں میں چھپی روشنی کی خفیف ترین جھلک کو بھی دیکھ سکتی ہے؟ میں اس ہستی کو کس طرح مخاطب کروں جو میری ذہنی عیاریوں کو خوب جانتی ہے لیکن میرے دل میں از سرِ نو حق و صداقت کی شمع روشنی کر دیتی ہے میں اس ذاتِ باری کو کیا کہوں جو دیکھ رہی ہے کہ میری حیلہ جوئی کس طرح مجھے فریبِ نفس کی انتہا تک پہنچا رہی ہے' لیکن جب میں اپنی مکاریوں کی وجہ سے ٹوٹنے لگتا ہوں تو وہ مجھے تھام لیتی ہے۔ میں اس علاّم الغیوب سے کیا کہوں جو کسی عمل کے نتیجے کو اس عمل کے آغاز سے بھی پہلے جانتی ہے۔

اگر میں کہوں کہ میں تجھ سے محبت کرتا ہوں تو اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ میرا

''تصورِ محبت'' ناقص ہے۔ اگر میں کہوں کہ تو مجھے معاف فرما دے تو مجھے ڈر ہے کہ میرا گھمنڈ مجھے تجھ سے کہیں دور نہ کر دے۔ اگر میں یہ کہوں کہ مجھے اپنا قرب عطا کر دے تو میں جانتا ہوں کہ تیرے ہاتھ صرف پاکیزہ چیزوں کو مَس کرتے ہیں۔ میں اس قابل کہاں؟ میرے اللہ مجھے اپنے آپ سے بھی خوف ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تو میرے ناپاک ہاتھوں کو پاک کر دے قبل اس کے کہ میں انہیں تیری طرف بڑھا سکوں۔ میں خود سے سوال کرتا ہوں کہ تیری قربت کی تمنا کرنے سے پہلے کیا میں نے خود کو ناپاکیوں سے دور کر لیا ہے؟

نہیں...... میں ایسا نہیں ہوں اور نہ میں ایسا دعویٰ کر سکتا ہوں...... میں تو ایک ہی جگہ پر بے حس و حرکت بیٹھا ہوا ہوں اور رات کی تاریکی اور تنہائی میں اپنی روح کی ملامت کا سامنا کر رہا ہوں۔

میرے خدا ہم خوشنما کھالوں میں لپٹے ہوئے ہیں جن میں جگہ جگہ سوراخ بنے ہوئے ہیں، ان سوراخوں کے ذریعے ہم ہر چیز اپنے اندر سمیٹ رہے ہیں حتیٰ کہ یہ چیزیں اندر پہنچ کر انتہائی ناگوار تعفن اور سڑاند پیدا کر رہی ہیں۔ ہم شور و شغب کی دنیا سے مسحور اور ذہن اور روح کی پراگندگی سے لاپرواہ ہو کر زندگی گزار رہے ہیں۔

میں اپنی تنہائی کے لمحات میں غور کرتا ہوں تو میں اپنے بے ہنگم خیالات پر اور دل کی خلل اندازیوں سے نالاں رہتا ہوں۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ میں اپنے دانتوں کے کڑکڑانے پر اور اپنے منہ سے خرخراہٹ کے ساتھ نکلنے والی سانسوں سے بھی بیزار ہوں۔ میں بے وجہ بہہ جانے والے آنسوؤں اور بے ہنگم خوابوں سے بھی بیزار ہوں۔ اسی وجہ سے میں اپنے جسم کے کراہنے اور اس کے شہوت انگیز سوراخوں کو نظر انداز کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ میں اپنے ارتکازِ توجہ میں خلل ڈالنے والی ہر آواز اور شور سے بچنے کی کوشش کرتا ہوں اور یہ بھی جانتا ہوں کہ سچائی کے لمحات اور تنہائی کی خاموشی میں کن کن چیزوں کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

پھر خاموشی کے وہ لمحات بھی آنے والے ہیں جن کے بارے میں قرآن کہتا ہے: **يَوْمَئِذٍ يَّتَّبِعُوْنَ الدَّاعِيَ لَا عِوَجَ لَهٗ وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًاO** ...... (اس روز سب لوگ منادی کی پکار پر سیدھے چلے آئیں گے کوئی ذرا اکڑ نہ دکھا سکے گا اور آوازیں رحمان کے آگے دب جائیں گی۔ ایک سرسراہٹ کے سوا تم کچھ نہ سنو گے...... سورۃ طٰہٰ آیت ۱۰۸)۔ یہ سرسراہٹ ان سرگوشیوں کی آواز ہو گی جو ضمیر کی ملامت کی

وجہ سے برآمد ہو رہی ہوں گی۔ مجھے ان لمحات کی کیفیت کو خود پر طاری کرنا چاہئے۔ کیونکہ جو شخص ان ناگزیر لمحات سے دوچار ہونے کی مشق نہیں کرتا وہ عقل و دانش سے عاری ہے۔

میرے خدا' میں لفظوں اور خیالات کے ہجوم میں غرق رہتا ہوں۔ میں گونا گوں آوازوں اور صداؤں' کارکردگیوں اور تقریروں کے شور میں زندگی گزارتے گزارتے تنگ آ چکا ہوں' یہ زندگی بے ہنگم حالات اور واقعات اور گناہوں کی تکرار کے سوا کچھ نہیں ہے۔ حتیٰ کہ حسن و خوبصورتی کے دعوے بھی جسمانی کرب اور اذیت ناک تجربوں پر پڑے ہوئے کفن کے سوا کچھ نہیں ہیں۔ اے خدا' میں خوب جانتا ہوں کہ میں کسی ذی روح کے منہ سے نکلنے والی ہر آواز کو' پیدا ہونے والی ہر خواہش یا خیال کو' درد یا خوشی کے ہر احساس کو اور ہر مایوسی اور ہر امید کو صرف روح کی آواز سننے سے بچنے کے لئے استعمال کرتا ہوں۔

تو وہ ذاتِ کریم ہے جس نے " نَفْسِ اللَّوَّامَه" (ملامت کرنے والے نفس......سورۃ قیامہ آیت ۲) کی قسم کھائی ہے اور میں تیری قسم کھا کر روح کو ملامت کرنے کی اذیت کا ذکر کرتا ہوں لیکن روح کی ملامت کا تجربہ اس وقت ہوتا ہے جب میں سب آوازوں کو خاموش کرا دیتا ہوں کتابوں کو بند کر دیتا ہوں اور اپنے خیالات کو لگام دے دیتا ہوں' اس وقت روح مجھے ڈانٹ ڈپٹ کرنے لگتی ہے۔ یہ خاموشی ہی کی برکت ہوئی ناں۔ جب خاموشی طاری ہوتی ہے تو ہم اس صورتحال سے دوچار ہوتے ہیں' اس کی سرزنش سے ریزہ ریزہ ہوتے ہیں اور بالآخر بحال ہو جاتے ہیں۔

ہمارے اندر کا پیغام رساں بولنے لگتا ہے اور ہم اپنی آواز کو بند کر دیتے ہیں۔ ہم اپنے اندر کے بدبودار دھوئیں کو باہر نکلنے کا راستہ دیتے ہیں۔ ہم کانفرنسوں میں' پروگراموں میں' اجتماعات اور جلسوں جلوسوں میں بولنا شروع کر دیتے ہیں۔ ہم دھوکے اور خود فریبی کے ہر لمحے میں شک یا جہالت میں بولتے ہیں تو پھر بولتے چلے جاتے ہیں۔ ہم اس لئے بولتے ہیں کہ اپنے احساسِ جرم اور خوف کی اذیت پر پردہ ڈال سکیں۔ ہم اس لئے بولتے ہیں کہ ہمیں اپنا بہت کچھ چھپانا ہوتا ہے اور اس لئے بھی بولتے ہیں کہ کہیں ہمارا نفس بولنا نہ شروع کر دے۔

ہم اپنے وجود کے وقار کو اعمال اور اقوال کے طوفانوں میں گھیر گھار کر ڈبو دیتے ہیں اور اسی طوفانِ بدتمیزی کو صحیح زندگی سمجھتے ہیں۔ اگر ہم خاموشی کو اپنا وطیرہ بنا لیں تو خدا کی آواز

سننے کے قابل ہو سکتے ہیں۔لیکن غالباً ہم اس کو سننا نہیں چاہتے۔اور اس سے بچنے کے لئے قانونیت (Legalism) کی نمود و نمائش' علمیت کے بے جا اظہار اور شعائر پرستی کی منافقت کی آڑ لیتے ہیں۔ہم جبّوں' قباؤں اور رومالوں' داڑھیوں اور مسواکوں کے پیچھے پناہ لیتے ہیں۔ہم پمفلٹوں اور ٹیپ ریکارڈوں کے پیچھے چھپ جاتے ہیں۔ایک سچی حقیقت کا سامنا کرنے سے بچنے کے لئے ''چیٹ گروپوں'' اور جلسوں میں پناہ لیتے ہیں اور وہ دن یقیناً آ کر رہے گا جب ہر سو کامل خاموشی ہوگی' سوائے رحمان کی آواز کے کوئی ذی روح نہیں بول سکے گا۔

مارچ ۲۰۰۰ء

MashalBooks.org

باب 41

وحشی خاوند

یہ ''کانفرنس'' نازک ولطیف تصورات کے تذکروں سے گونجتی رہتی ہے اور اہل دنیا کو منشائے خداوندی سے روشناس کراتی رہتی ہے۔بعض صورتوں میں صدیوں کی سوچ بچار ایک نقطے پر مرتکز ہوجاتی ہے۔ ایک دور کے تصورات دوسرے دور میں منتقل ہونے کے ساتھ ساتھ کائنات کے وجود سے متعلقہ نظریات میں بھی ردوبدل ہوتا رہتا ہے۔اگر ہم خدا کو اپنے طور پر تلاش کرنا شروع کر دیں تو کیا احتمالات (Possibilities) لامحدود نہیں ہو جاتے؟ کبھی ہم اس کو مختلف انواع کے اعادۂ شباب کے حوالے سے تلاش کرتے ہیں' کبھی ترغیباتِ حسن میں تلاش کرتے ہیں' کبھی بدصورتی سے تنفر کے حوالہ سے اور کبھی عجائباتِ آفرینش کے ذریعہ ڈھونڈنے کی کوشش کرتے ہیں۔

میں اپنے خدا سے رہنمائی حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہوں' مجھے یہ نعمت خوبصورتی میں ملتی ہے۔ کیونکہ میرا رہنما خوبصورت اور پرجلال ہے۔کیا یہ خوبصورت اور پُر جلال ہستی ہم سے خوبصورتی کے سوا کسی چیز کا تقاضا کرے گی؟ اگر زندگی میں حُسن ہے تو یہ وہ چیز ہے جس کا احساس ہمیں خدائے عظیم و برتر کی طرف سے عطا ہوا ہے۔قرآن مجید میں آتا ہے: فَتَبارکَ اللّٰهُ اَحسَنُ الخالِقِین۔ (پس بڑا ہی بابرکت ہے اللہ' سب خالقوں سے اچھا خالق ......سورۃ المؤمنون آیت ۱۴) ہم میں یہ خواہش کس نے پیدا کی ہے کہ ہم خوبصورت سے خوبصورت تر دکھائی دیں اور ایک دوسرے سے بڑھ کر خوبصورت کام کریں۔

ایک خاتون میرے پاس آئی جو سخت برہم تھی' اس کا کہنا تھا کہ اس کے شوہر نے اسے مارا ہے' اسے اگرچہ کوئی ظاہری چوٹ نہیں آئی لیکن مسجد کے امام کا یہ مشورہ بھی اسے بہت برا

لگا کہ وہ اس کا سرپرست ہے وہ اس کی پٹائی پر برا نہ منایا کرے کیونکہ شریعت میں شوہر کا مارنا ''جرم'' کی ذیل میں نہیں آتا' اگر وہ طلاق چاہتی ہے تو یہ مار اس کا ''سبب کافی'' (Sufficient Cause) نہیں ہے۔ عاجزی وانکساری سیکھنا کوئی نقصان کی بات نہیں۔ ''اگر تم نے اس کی کوئی حکم عدولی کی ہے تو نافرمانی کی مرتکب ہوئی ہو۔ خدا کی کتاب میں اس عورت کے لئے ''نشیز'' کا لفظ آیا ہے جو اپنے شوہر کو اپنا آقا نہ سمجھتی ہو''

اس نے مجھے بتایا کہ وہ مار کی وجہ سے طلاق نہیں لینا چاہتی' بلکہ ''احساسِ دغابازی'' کی وجہ سے ایسا کرنا چاہتی ہے۔ اس کا کہنا تھا کہ ''بیوی کے وقار کو شوہر کے وقار کو برابر نہ سمجھنا ان کی یکساں اہمیت اور یکساں نوعیت تسلیم نہ کرنا بدترین قسم کی دغابازی ہے''۔

میں نے اسکی بات کو اچھی طرح سمجھنے کی کوشش کرتے ہوئے پوچھا ''کیا امام نے تمہیں اس کا سبب بتایا ہے'' ......اس نے کہا...... ''نہیں' میں خود جانتی ہوں کہ ''میرے اطمینان قلب کو درہم برہم کر دینا میرے عزتِ نفس کے یقین کو پاش پاش کر دینا' دغابازی ہے۔ اگر میرا خاوند تشدد پر اتر آنے کو درست اقدام سمجھتا ہے تو وہ قابل اعتبار نہیں ہے' اسے ایسا حق نہیں دیا جا سکتا''۔

میں نے کہا...... ''اگر تم یہ مانتی ہو کہ خدا ایک ''حُسن'' ہے تو میں تمہیں اس 'کانفرنس' کی سوچ بچار میں شریک کرنے کے لئے تیار ہوں۔ ذہن کو نئی نئی سوچوں اور نئے نئے خیالات کے لئے تیار رکھا جانا چاہئے مگر مجھ سے کسی فیصلے کی توقع نہ رکھو''۔

روایت ہے کہ حضرت علیؓ (متوفی ۴۰ھ/۶۶۱ء) نے فرمایا'' زمانہ قبلِ اسلام میں اگر کوئی مرد اپنی بیوی کو زدوکوب کرتا تھا تو یہ بات باعثِ شرم سمجھی جاتی تھی' نہ صرف وہ خود بلکہ اس کی اولاد بھی سال ہا سال اس واقعے کو یاد رکھتی اور شرمندہ ہوتی رہتی تھی' سب لوگ اسے ''زن مار'' کہتے تھے۔ اسلام کی آمد کے بعد ایسی حرکات کو کیسے گوارا کیا جا سکتا ہے جبکہ اسلام تو انسانی آزادیوں کا علمبردار ہے''۔

''لیکن وہ امام تو اپنی بات کے حق میں قرآنی آیات پڑھتا تھا' عقلی دلائل کے تو وہ قریب بھی نہیں آیا''۔

میں کسی مسلمان کو ایسی باتیں کرتے سن کر بہت دکھی ہوتا ہوں۔ کیونکہ مجھے دلیل میں بہت حُسن محسوس ہوتا ہے۔ ہم کسی غیر معقول خدا کی عبادت نہیں کرتے' ساری کائنات اس

ربی الاعلیٰ کے استدلال کے حُسن کی شہادت دیتی ہے میں نے کہا...... ’’ آؤ اس آیت پر غور کرتے ہیں کیونکہ قرآن ہمارے استدلال کے لئے سر چشمہ کی حیثیت رکھتا ہے‘‘۔ قرآن کہتا ہے:۔

وَالّٰتِیۡ تَخَافُوۡنَ نُشُوۡزَهُنَّ فَعِظُوۡ هُنَّ وَ اهۡجُرُوۡ هُنَّ فِی الۡمَضَاجِعِ وَاَضرِبُوهُنَّ فَاِنۡ اَطَعۡنَكُمۡ فَلَا تَبۡغُوۡا عَلَيۡهِنَّ سبِيلاً اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيۡراً O (اور جن عورتوں سے تمہیں سرکشی کا اندیشہ ہوانہیں سمجھاؤ۔ خواب گاہوں میں ان سے علیحدہ رہو اور مارو‘ پھر اگر وہ تمہاری مطیع ہو جائیں تو خواہ مخواہ ان پر دست درازی کیلئے بہانے تلاش نہ کرو‘ یقین رکھو کہ اوپر اللہ موجود ہے جو بڑا اور بالاتر ہے...... سورۃ النساء آیت ۳۴)

اس سے اگلی آیت یہ ہے:۔

وَاِنۡ خِفۡتُمۡ شِقَاقَ بَيۡنِهِمَا فَابۡعَثُوۡا حَكَمًامِنۡ اَهۡلِهٖ وَ حَكَمًا مِّنۡ اَهۡلِهَا اِنۡ يُرِيۡدَآ اِصۡلاحاً يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيۡنَهُمَا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيمًا خَبِيۡراً O (اور تم لوگوں کو میاں بیوی کو تعلقات بگڑ جانے کا اندیشہ ہو تو ایک حَکَم مرد کے رشتہ داروں میں سے اور ایک عورت کے رشتہ داروں میں سے مقرر کرو۔ وہ دونوں اصلاح کرنا چاہیں گے تو اللہ ان کے درمیان موافقت کی صورت نکال دے گا اللہ سب کچھ جانتا ہے اور باخبر ہے..........سورۃ النسآء آیت ۳۵)

میں نے خاتون کو توجہ دلائی کہ ان آیات میں جن نقاط پر زیادہ توجہ دی جانی چاہئے‘ ان میں سے ایک یہ ہے ’’نشوز‘‘ سے کیا مراد ہے؟ لیکن پہلے میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اکثر بتایا جاتا ہے کہ ان آیات کا نزول زوجۂ مطہرہ اُمّ سلمہ (متوفیہ ۶۲ھ/۶۸۱ء) نے مردوں کے ساتھ ترجیحی سلوک کی شکایت کی۔ جس کے کچھ ہی عرصہ بعد انصار کے ایک شخص نے اپنی بیوی کو مارا‘ آنحضرتؐ نے فیصلہ دیا کہ جس طرح اس نے اپنی بیوی کو مارا ہے اسی طرح اس کو بھی مارا جائے گا‘ پھر یہ آیات اتریں آپؐ نے ان کے روشنی میں فرمایا میاں بیوی کے درمیان کوئی بدلہ نہیں ہوتا۔

’’ آؤ بہن پہلے ہم اپنے استدلال کے لئے ایک بنیاد قائم کرتے ہیں‘ کیا یہ بات جانتی ہو کہ کوئی عورت ایسی ہو سکتی ہے جو مار پٹائی کو اپنا حُسن یا وقار سمجھتی ہو؟ جہاں تک مردوں کی فطرت کے بارے میں ہمارے علم کا تعلق ہے‘ کیا تمہیں اللہ تعالیٰ کے حکم کے پیچھے

کارفرما حکمت معلوم ہے جس کے تحت اس نے خاوند کو مار پٹائی کا اختیار منصفانہ طور پر استعمال کرنے کی ہدایت کی ہے؟ خدا ہمیں مطلع کرتا ہے کہ شادی کا مقصد مرد اور عورت کے درمیان دوستی سکون وطمانیت اور رحم کا رشتہ قائم کرنا ہے۔ (ملاحظہ ہو سورۃ الروم کی آیت ۲۱ اور سورۃ الاعراف کی آیت ۱۸۹) کیا' دونوں کی باہمی تسکین وطمانیتِ قلبی کا مار پٹائی کے اختیار کے ساتھ کوئی تعلق واسطہ ہو سکتا ہے؟ قرآن میں مردوں کو اپنے ملازم اور بچے تک کو زدوکوب کرنے کا اختیار نہیں دیا گیا تو بیویوں کو مارنے کا اختیار دینے میں آخر کیا راز پوشیدہ ہے؟ علاوہ ازیں اچھا مومن اس شخص کو قرار دیا گیا ہے جو اپنے بچوں اور بیوی کے ساتھ سلوک میں سنت نبویؐ کی پیروی کرے۔ کیا تمہیں کوئی ایک واقعہ بھی یاد ہے جس میں آنحضرتؐ نے اپنی بیویوں میں سے کسی کو مارا پیٹا ہو۔ آپؐ کی یہ حدیث بھی ہے کہ تم میں سے بدترین افراد وہ ہیں جو اپنی بیویوں کو زدوکوب کرتے ہوں۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اپنی بیویوں کی پٹائی کرنے والے تم میں سے بہترین لوگوں میں شمار نہیں ہونگے۔ اے بہن میں تجھ سے اور اس امام مسجد سے یہ پوچھتا ہوں کہ جو شخص نہ تو سنت کی پیروی کرتا ہے اور نہ وہ بہترین کردار والوں میں سے ہے اسے تشدد کرنے کا اختیار دے دینا کیسے درست ہو سکتا ہے؟ جہاں تک اس آیت کے پیچھے کارفرما حکمت کا تعلق ہے مجھے اس امر کا اعتراف ہے کہ مجھے اس پر سخت خلجان ہے۔ نمبرا یہ کہ اس آیت کے شان نزول کے بارے میں صحابہ کے مابین سخت اختلاف پایا جاتا تھا۔ نمبر۲' میاں بیوی کے درمیان رسمی طور پر بدلہ لینا ''حق'' کا معاملہ نہیں۔ اگر ہو بھی تو فقہا نے قرار دیا ہے کہ اگر جسمانی زخم یا موت تک نوبت پہنچ جائے تو میاں بیوی کے درمیان بھی بدلے کا اہتمام ہو گا لیکن قسم بخدا کیا کسی کا وقار مجروح ہو جانا اتنا بڑا مسئلہ بن سکتا ہے کہ موت کو زندگی پر ترجیح دے دی جائے؟

''میں نے اوپر جو کچھ کہا ہے وہ یہ ہے کہ پہلے واقعات کی صحت کا یقین حاصل کرنے کی ضرورت ہو گی۔ قبل اس کے کہ میں اپنی اذیت کے لئے خدا کو الزام دوں اور قبل اس کے کہ میں لوگوں کے سامنے بیوی کو سزا دینے کا مجاز ہونے کا اعلان کروں' مجھے اپنے ذہن میں تمام ممکنہ نتائج کا موازنہ کر لینا چاہئے۔ ان میں سے جو صورتِ حال بھی زیادہ مناسب لگتی ہو اس کی طرف بڑھنے کا راستہ بناؤں۔

''اس تمہید کے بعد اس بات پر غور کیجئے کہ خدا کا حکم ہے کہ شوہر اور بیوی کے درمیان

MashalBooks.org

اختلاف پیدا ہو جائے تو مصالحت کے لئے دو ثالث مقرر کر دو۔ فقہا کے درمیان اس نقطے پر اختلاف ہے کہ کیا ''ثالثی'' اور اس ثالثی کا فیصلہ مان لینا اختیاری (Optional) ہے یا یہ ریاستی حکمنامہ (Mandatory) ہے جس کی تعمیل لازمی ہوتی ہے۔ حضرت علیؓ کی رولنگ یہ ہے کہ ثالث بطور منصف (جج) کا کام کرتے ہیں۔ اگر شوہر اس شادی کو برقرار رکھنا چاہتا ہے تو اسے یہ فیصلہ لازماً ماننا ہوگا۔ روایت ہے کہ حضرت علیؓ نے ایک شوہر سے کہا تھا کہ وہ ثالثی کے نتائج کو رد یا قبول کرنے میں آزاد نہیں ہے۔ لیکن اے میری بہن میرے خیال میں مار پٹائی کے بعد کرائی جانے والی ثالثی ایک امرِ متناقض (Inconsistent) بن جاتی ہے۔ مار پٹائی کو جائز قرار دینے کے بعد رشتہ برقرار رہنے کی بہت کم گنجائش رہ جاتی ہے۔ کیا ایسا نہیں ہے کہ بستر علیحدہ کر دینے کے بعد مار پٹائی کی گئی ہو تو معاہدہ شکنی کا ارتکاب پہلے ہی ہو چکا ہوتا ہے؟ اگر شوہر پہلے بیوی سے قطع تعلق کر چکا ہو اور اس کے بعد اس نے اسے زدوکوب کیا ہو تو ثالثی کا کیا جواز رہ جاتا ہے؟ کیا یہ ایسا ہی نہیں کہ پہلے جرمانہ کر دیا جائے اور اس کے بعد مقدمے کی کارروائی شروع کر دی جائے۔ سماعتِ مقدمہ سے پہلے ہی سزا نافذ کر دی جائے۔ شوہر کے تین اختیارات جائز تسلیم کر لئے جائیں یعنی وہ نالش کنندہ (مدعی) بھی ہو، منصف بھی ہو اور سزا نافذ بھی کر سکتا ہو، پھر اسے کہہ دیا جائے کہ مصالحت کے لئے ثالثی کرانا بہترین طریقہ ہے۔ اگر وہ پہلے بیوی کو ''نشیز'' قرار دیتا ہے، پھر اسے ''نشیز'' ہونے کی سزا دے دیتا ہے اور ثالث یہ فیصلہ دیتے ہیں کہ وہ ذہنی اذیت کی وجہ سے ایسا کرنے پر مجبور ہو گیا تھا۔

''اے میری بہن یہ سخت آزمائش کا مسئلہ ہے، بیویوں سے بدسلوکی کرنے والے اس فیصلے سے تو مطمئن ہو جائیں گے مگر باقی سب اس پر کڑی تنقید کریں گے۔ پہلے تو مجھے یہ اعتراف کرنا چاہئے کہ اگر کوئی شخص میری بہن یا بیٹی کو زدوکوب کرے اور مجھے کہہ دیا جائے کہ میں اس ملزم اور اس کے اس فعل کے بارے میں بطور جج فیصلہ دوں تو میں اس شخص کے ذہنی توازن اور اپنے کردار پر شبہ کروں گا...... میں اس کے اپنی بیوی کو زدوکوب کرنے پر اور اپنی اس خواہش پر کہ میں اس کا سر توڑ دوں، پر شبہ کروں گا''

وہ میری بات پر مسکرائی جس سے مجھے آگے کہنے کا حوصلہ ہوا۔ میں نے کہا...... ''اب میں سوالات پوچھتا ہوں...... پہلا یہ کہ...... ''نشوز'' کیا ہے، دوسرا یہ کہ ''نشیز'' کون ہے؟ اور تیسرا یہ کہ مخاطب کسے کیا جا رہا ہے؟

MashalBooks.org

”فقہائے کرام کہتے ہیں کہ ”نشوز“ ......تکبر‘ نخوت اور گھمنڈ کو کہتے ہیں اور ”نشیز“......متکبّر‘ گھمنڈی اور نافرمان شخص (مرد یا عورت) کو کہا جاتا ہے۔ بعض فقہا مثلاً ابن رشد (متوفی ۵۲۰ھ/ ۱۱۲۶ء) کا کہنا ہے کہ ”نشیز“ اس کجرو عورت کو کہا جاتا ہے جو نماز روزے کا انکار کردے اور اپنے جسم کو بھی غلاظتوں سے پاک کرنے سے انکاری ہو۔ لیکن یہاں ایک مسئلہ یہ ہے کہ ”نشوز“ کا لفظ اس مرد کے لئے بھی استعمال ہوسکتا ہے جو متذکرہ گناہوں میں مبتلا ہوتا ہو۔ ہمارا ربّ فرماتا ہے:

> وَاِنِ امْرَاَةٌخَافَتْ مِنْ بَعْلِهَانُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضاً فَلاَ جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحاً وَ الصُّلْحُ خَيْرٌ وَ اُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ وَاِنْ تُحْسِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا O (اگر کسی عورت کو اپنے شوہر سے بدسلوکی یا بے رُخی کا خطرہ ہو تو کوئی مضائقہ نہیں کہ میاں اور بیوی (کچھ حقوق کی کمی بیشی پر) آپس میں صُلح کرلیں۔ صلح بہرحال بہتر ہے۔ نفس تنگ دلی کی طرف جلدی مائل ہوجاتے ہیں لیکن اگر تم لوگ احسان سے پیش آؤ اور خدا ترسی سے کام لو تو یقین رکھو کہ اللہ تمہارے اس طرز عمل سے بے خبر نہ ہوگا......سورۃ النسآء آیت ۱۲۸)

بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب حضرت سودہؓ (متوفیہ ۵۴ھ/ ۶۷۴ء) کے دل میں شبہ پیدا ہوا کہ آنحضرتؐ انہیں طلاق دیدیں گے جس پر انہوں نے اپنے چند حقوق چھوڑ دیئے تاکہ آپ انہیں بدستور اپنی زوجیت میں رکھیں لیکن یہ روایت درست نہیں لگتی۔ کیونکہ راویوں کو آخر کس طرح سودہؓ کے دل کے حال یا خدشے کا علم ہوا تھا؟ اور کیا خدا نے ازواج نبیؐ کو انتخاب کا موقع نہیں دیدیا تھا‘ جس سے کام لے کر انہوں نے آپؐ کو اپنے لئے چُن لیا تھا۔ اور نہ ہی آپؐ اپنی ازواج میں سے کسی ایک کو ایسے امتیازی سلوک کا نشانہ بنا کر اس کی عزت میں کمی کرنے کے بارے میں کوئی سوچ رکھتے تھے۔ دیگر راویوں نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ یہ آیت ایک میاں بیوی کے درمیان مسلسل لڑائی رہنے کی وجہ سے نازل کی گئی تھی ان کا تنازعہ اس بات پر تھا کہ شوہر دوسری شادی کرنے کا متمنی تھا۔ ان کے درمیان کئی مرتبہ طلاق ہوئی مگر پھر مصالحت ہوجاتی تھی‘ بالآخر ان کے درمیان جھگڑا ختم ہوگیا۔ بہرحال فقہا اس آیت کے اس معنی پر متفق ہیں کہ کسی بھی قسم کی مصالحت‘ علیحدگی کی بہ

MashalBooks.org

نسبت بہتر ہی ہوتی ہے۔

’’اے میری بہن کیا آیت مذکورہ بالا آیت میں ’’نشوز‘‘ لفظ کا خاوند کی طرف سے بیوی کی ’’نافرمانی‘‘ کے معنوں میں آیا ہے؟ کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ خاوند پر بیوی کی فرمانبرداری لازم ہے؟ کیا خاوند بیوی کی نافرمانی کرے تو وہ ’’نشیز‘‘ ہو جائے گا؟ اور پھر جب خاوند کا معاملہ آتا ہے تو خدا ’’اعراض‘‘ اور ’’نشوز‘‘ میں فرق کیوں کرتا ہے؟ اگر بیوی کے معاملے میں ’’نشوز‘‘ کے معنی تکبّر، نخوت اور نافرمانی کے ہیں تو کیا اس کا مطلب خاوند کے حوالے سے بھی وہی ہے؟

’’ہمارے فقہا پر اللہ رحم کرے اور انہیں معاف فرمائے وہ اس نقطے پر خاصے پریشان رہے، ان کا کہنا تھا کہ بیوی کے معاملے میں ’’نشوز‘‘ کے معنی ’’نافرمانی‘‘ کے ہیں اور شوہر کے معاملے میں اس سے مراد سنگین تر گناہ یعنی ’’ فحشاءً مبُّینا‘‘ ہے۔‘‘

بہن نے ہونٹ سکیڑے اور سکارف میں سے پھسل کر باہر نکل آنے والے بالوں کو درست کرتے ہوئے شیلف میں پڑی ہوئی کتابوں پر نگاہ دوڑائی۔ جی ہاں مفہوم کی باریکیاں کتابوں میں مغز ماری کے بعد ہی واضح ہوتی ہیں۔ کچھ توقف کے بعد وہ بولی...... ’’کیا بیویوں کے حوالے سے بھی ’’نشوز‘‘ کے معنی وہ سنگین اور معروف گناہ مراد ہو سکتا ہے؟

میں اس سوال پر چونک اٹھا میں نے کہا...... ’’بتایا جاتا ہے کہ نبی اکرمؐ نے اپنے آخری خطبے میں فرمایا کہ ...... ’’اے لوگو! میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ عورتوں سے نرمی اور شفقت کا سلوک کیا کرو کیونکہ وہ تمہارا سہارا ہیں، تمہیں ان پر کوئی دوسرا حق نہیں ہے جب تک وہ سنگین گناہ (فاِحِشَةٍ مبيّنةٍ) کی مرتکب نہ ہو جائیں۔ اگر وہ ایسا کریں تو ان کے بستر الگ کر دو اور انہیں ہلکی سی سزا دو۔ لیکن اگر وہ باز آ جائیں تو تم اس سے آگے تجاوز مت کرو‘‘۔

’’ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ نے ’’فحشاءِ مُبینا‘‘، ’’نشوز‘‘ کے مترادف کے طور پر استعمال کیا اور یہ کہ ’’نشوز‘‘ کے معنی ’’فاِحِشَةٍ مبيّنةٍ‘‘ (سنگین اور معروف گناہ) ہیں۔ اگر واقعی ایسا ہی ہے تو ’’نشوز‘‘ کے معنی نافرمانی یا محض ’’اختلاف‘‘ نہیں ہو سکتے۔ اگر سنگین ’’اختلاف‘‘ ہو تو تب وہ صورتحال پیدا ہو سکتی ہے جس کے لئے ثالثی کی ضرورت پڑ جائے۔ لیکن یہ ’’فحشاء مبینا‘‘ سے بالکل مختلف چیز ہے۔ ’’فاِحِشَةٍ مبيّنةٍ‘‘ سے عام طور پر جنسی فعل مراد لیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر ’’فاِحِشَةٍ مبيّنةٍ‘‘ ’’جنسی دخول‘‘ سے کچھ کم حرکت کے لئے بولا

MashalBooks.org

جاتا ہے یا یہ وہ دخول مراد ہو سکتا ہے جسے چار گواہوں کی موجودگی سے ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ یا اگر چار گواہ تو ہیں تو انہوں نے ایک کے عضو کو دوسرے کے عضو میں داخل شدہ حالت میں نہیں دیکھا ''فَاحِشَۃٍ مبیّنۃٍ''......نافرمانی' شیخی یا تکبّر نہیں ہے۔ یہ صرف جنسی شہوت ہے۔

اس پر وہ بولی ''مگر آپ نے اب تک جو دلائل دیئے' ان سے مراد یہ ہے کہ ''نشوز'' کے معنی ''فحشاء مبینا'' ہیں جس پر خاوند کو بیوی کو زدو کوب کرنے کا اختیار مل جاتا ہے لیکن میں تو اس کے ہاتھوں مار پٹائی کی مستحق نہیں ہوں کیونکہ میں تو اس معروف سنگین گناہ کی مرتکب نہیں ہوئی۔ آخر مردوں کو بیویوں پر اس ''گناہ عظیم'' کا الزام لگانے' اس کی تفتیش کرنے اور اس کے ارتکاب کی سزا دینے کا اختیار کیوں دے دیا گیا ہے؟ میرا شوہر ایک شکی مزاج شخص ہے' وہ سمجھتا ہے کہ بیوی کا مسکرا دینا یا اس کے سر میں درد میں ہو جانا دغا بازی کا نا قابل تردید ثبوت ہے''۔

اس سے میری مسکراہٹ قہقہے میں بدل گئی۔ میں نے کہا...... ''جہاں تک تمہارے شوہر کا مسئلہ ہے جاہلوں اور متکبروں سے اللہ ہی کی پناہ' جہاں تک تمہارے دلائل کا تعلق ہے یہ بڑے معقول ہیں۔ ابن رشد سے ایک بار پوچھا گیا کہ جو شخص اپنی بیوی کو کسی اجنبی کے ساتھ جنسی فعل کے دوران پکڑ لے تو کیا اسے بیوی کو زدو کوب کرنے اور قید کر دینے کا اختیار مل جاتا ہے؟ ابن رشد نے جواب دیا کہ وہ شخص بیوی کا قصور معاف بھی کر سکتا ہے اور اگر ایسا نہ کرے تو اسے طلاق دے دے۔ اس سے زیادہ کچھ کرنا تجاوز اور قانون شکنی ہوگی۔ کیونکہ خدا کا کہنا تو یہ ہے۔ " **وَلاَ تُمْسِكُوْ هُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ**.O (اور محض ستانے کے لئے انہیں نہ روکے رکھنا کیونکہ یہ زیادتی ہوگی اور جو ایسا کرے گا وہ درحقیقت اپنے آپ اپنے ہی اوپر ظلم کرے گا۔ سورۃ البقرہ آیت ۲۳۱) اور یہ بھی خدا ہی کا فرمان ہے......" **فَاَمْسِكُوْ هُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ فَارِقُوهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ**O" (انہیں بھلے طریقے سے (اپنے نکاح میں) روک رکھو یا بھلے طریقے سے ان سے جدا ہو جاؤ...... سورۃ الطلاق آیت ۲)۔

'' قرآن امن و سلامتی اور شفقت بھری شادی کا ذکر کرتا ہے یا انہیں قاعدے قرینے سے طلاق دیدینے کے لئے کہتا ہے۔ انہیں علیحدگی میں قید کر دینے یا مار پٹائی کے لئے کہاں کہا گیا ہے؟

MashalBooks.org

''اے میری بہن' یاد کرو وہی سورۃ النساء اور اس کی آیت نمبر ۱۵...... وَالّٰتِیْ یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآ ئِکُمْ فَاسْتَشْهِدُوا عَلَیهِنَّ اَرْبَعَةً مِنْکُمْ. فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِکُوْ هُنَّ فِی الْبُیُوْتِ حتّٰی یَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ اَوْیَجْعَلَ الله لَهُنَّ سَبِیْلاًO (تمہاری عورتوں میں سے جو بدکاری کی مرتکب ہوں ان پر اپنے میں چار آدمیوں کی گواہی لو اور اگر چار آدمی گواہی دیدیں تو ان کو گھروں میں بند رکھو یہاں تک کہ انہیں موت آجائے یا اللہ ان کے لئے کوئی راستہ نکال دے)......اور اس سے اگلی آیت کہتی ہے...... وَالَّذٰنِ یَاْتِیٰنِها مِنْکُمْ فَاٰ ذُوْهُمَا، فَاِنْ تَابَا وَاَصْلَحَا فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا اِنَ اللّٰه کَانَ تَوَّاباً رَّحِیْماً O (''اور تم میں سے جو اس فعل کا ارتکاب کریں ان دونوں کو تکلیف دو پھر اگر وہ توبہ کریں اور اپنی اصلاح کر لیں تو انہیں چھوڑ دو کہ اللہ بہت توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے......سورۃ النسآء آیت ۱۶)

اس نقطے پر وہ فوراً بول اٹھی ''لیکن یہ کہا گیا ہے کہ یہ حکم' زنا کی سزا کی وجہ سے منسوخ ہو گیا تھا' قید کرنے کی بجائے کوڑے مارے کا حکم آ گیا تھا''۔ میں نے جواب دیا......

ٹھیک' آپ وہی بات کہہ رہی ہیں جو قرآن میں بعض احکامات کی تنسیخ کا عقیدہ رکھنے والے لوگ کہتے ہیں لیکن وہ میرے نقطے سے متعلق نہیں ہے' میں سارے معاملے کو پورے سیاق وسباق کے ساتھ دیکھتا ہوں۔ ایک ایک آیت کو نہیں دیکھتا۔ اس طریقے کے ساتھ مطالعہ کرنے سے نئے نئے امکانات سامنے آتے رہتے ہیں۔ اگر سورۃ النسآء کی آیت نمبر ۳۴' آیت نمبر ۱۵ کی ''تخصیص'' (Specification) یا اس کی ''تحدید'' (Limitation) کرتی ہو تو پھر؟ لہٰذا اس وقت کیا صورت ہوگی جب ''فحشاء'' کا ارتکاب کرنے والی عورت کسی کی بیوی ہو اور چار گواہ دستیاب نہ ہوں تو اس کا حل آیت نمبر ۳۴ میں بتا دیا گیا۔ متبادل صورت میں اگر آیت نمبر ۱۵' غیر شادی شدہ عورت کے بارے میں رُول بتا رہی ہے اور آیت نمبر ۳۴ شادی شدہ عورتوں کے معاملے کا ذکر کر رہی ہے۔ تو پھر کیا صورت ہوگی؟ اگر آپ ''تنسیخ'' کو قبول کرتی ہیں تو آیت نمبر ۱۵ '' فاحشۃ'' کے لئے سزا سناتی ہے۔ غیر شادی شدہ عورتوں کے زنا کی سزا نہیں سناتی اور آیت ۳۴ '' فاحشۃ'' کے لئے سزا بتاتی ہے شادی شدہ عورتوں کے زنا کے لئے سزا نہیں بتاتی۔ دونوں صورت میں آپ کو گواہوں اور ان کی شہادت لینے کی ضرورت پڑتی ہے اور ان دونوں میں آپ کو تحقیق کر کے فیصلہ کرنا پڑتا ہے۔

MashalBooks.org

''ایک اور زاویے سے دیکھئے...... جیسا کہ ڈکیتی کے لئے سورۃ المائدہ کی آیت نمبر ۳۳ میں ایک سزا سنا دی گئی ہے' سورۃ النسآء کی آیت نمبر ۳۴ میں سزا کو متناسب بنانے کا اصول بتا دیا گیا ہے۔ تنبیہہ ایک عام قاعدہ ہے۔ لیکن اگر ایک بیوی ترکِ رفاقت کا راستہ اختیار کرنا چاہتی ہے تو اسے علیحدہ کیا جا سکتا ہے۔ اور اگر وہ شوہر کو مارے تو اسے بھی مارا جا سکتا ہے۔ لیکن اگر دونوں فریق باکسنگ کا کھیل نہیں کھیلنا چاہتے تو مسئلہ ثالثی کے ذریعے طے کیا جا سکتا ہے جس کا کہ خدا نے حکم دیا ہے۔ دوسری صورت لے لیجئے: فرض کیجئے کہ آیت نمبر ۳۴ خاوندوں کو بالکل مخاطب نہیں کرتی بلکہ ریاست کو ذمہ داری سونپتی ہے۔ اگر سنگین گناہ کا الزام لگایا گیا جو عدالت میں ثابت ہو چکا ہے' علیحدگی ہو گئی ہے یا جسمانی سزا سنا دی گئی ہے۔ ایک اور صورت لے لیجئے میاں بیوی میں سخت اختلاف ہے' وجہٗ اختلاف کوئی سنگین گناہ نہیں ہے' ثالثی کرانے کا حکم دیا جا سکتا ہے۔ معاملہ شوہر کی صوابدید پر نہیں چھوڑا گیا بلکہ عدالت سے رجوع کر لیا گیا ہے۔ آیت نمبر ۳۴ کے الفاظ یہ نہیں کہتے کہ معاملہ نجی ہاتھوں میں چھوڑ دیا جائے۔ کیونکہ تاریخ یہ بتاتی ہے کہ سزا کے معاملے میں شوہروں پر ہرگز اعتماد نہیں کیا جانا چاہئے۔

اس پر وہ ایک متشکک انسان کی طرح مسکرائی اور کہا ''لیکن شوہروں کے ''نشوز'' کے بارے میں کیا خیال ہے' پھر اس سورۃ کی آیت ۱۲۸ کا کیا بنے گا؟ میں اس اکتشافی دلیل کی خوبصورتی سے بہت محظوظ ہوا...... ''بہن صاحبہ آیت نمبر ۱۲۸ اور نمبر ۳۴' ایک دوسری کی تکملہ (Remedial Complements) نہیں ہیں۔ آیت نمبر ۳۴ سے متعلق ایک حدیث نبویؐ ہے جس میں ''فاحشۃ مبینۃ'' کو ''نشوز'' کے مترادف قرار دیا گیا ہے۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ حدیث لازماً آیت ۱۲۸ پر بھی اثر انداز ہوتی ہے؟ بعض فقہا کا خیال ہے کہ عورتوں کے حوالے سے آیت نمبر ۳۴ کے ''نشوز'' کے معنی تکبّر' شیخی یا بے نیازی کے ہیں اور مردوں کے حوالے سے آیت نمبر ۱۲۸ کے ''نشوز'' سے مراد شہوت پرستی کا گناہ ہے۔ میرا ایمان ہے کہ حدیث نبوی کے حوالے سے اس سے مراد اس سے بالکل برعکس ہے...... لیکن اگر ''نشوز'' کے معنی ''شہوت پرستی'' ہی ہوں تو آیت ۱۲۸ یہی کہتی ہے کہ طلاق سے بچنے کے لئے کسی نہ کسی طرح مصالحت کا راستہ نکال ہی لینا چاہئے۔ اس آیت میں ایسی کوئی بات نہیں جو شہوت پرستی کے گناہ پر شوہروں کو سزایابی سے تحفظ دیتی ہو۔ درحقیقت قبل از اسلام کے عرب میں مفروضہ

MashalBooks.org

یہ تھا کہ سزا و تعزیر صرف مردوں کے لئے ہے اور عورتوں کا معاملہ ان کے خاندانوں کی مرضی پر منحصر ہے جبکہ مردوں کے لئے سزا اپنے طور پر مقرر کی گئی تھی۔ قرآن میں عورتوں کیلئے جرم کی سزا مختص کر دی گئی ہے لیکن اس اختصاص کا یہ مطلب نہیں یہ سزا انہی کے لئے مخصوص ہو کر رہ گئی ہے' اس جرم کے دیگر مرتکبین اس سے مامون ہو گئے ہیں۔ مزید برآں یہ بھی نوٹ کر لیجئے کہ اس سورۃ کی آیت نمبر ۱۶ مردوں کو بھی مستحقِ سزا قرار دیتی ہے لیکن سزا کی مقدار کا تعین نہیں کرتی۔ صرف اتنا کہتی ہے کہ ''انہیں اذیت دو''۔ اس بات کا خیال رکھا جا سکتا ہے کہ مرد شادی شدہ ہے یا غیر شادی شدہ۔ لیکن اگر ''فاحشۃ'' کا ارتکاب ہوا تو سزا لازماً ملے گی۔

اس نے ذرا ناگواری کا اظہار کرتے ہوئے کہا ''کیا میں پوچھ سکتی ہوں کہ کیا آیت نمبر ۱۵' غیر شادی شدہ عورتوں سے متعلق ہے؟ جب خدا یہ کہتا ہے...... یا' تاوقتیکہ خدا ان کے لئے کوئی اور راستہ نکال دے'...... اس سے خدا کی کیا مراد ہے؟''

میں نے جواب دیا۔ ''میں وثوق کے ساتھ کچھ نہیں کہہ سکتا اور نہ ہی کوئی دوسرا کچھ کہہ سکتا ہے۔ البتہ جو لوگ نظریۂ تنسیخ کے قائل ہیں' ان کا کہنا ہے کہ زنا کی سزا مقرر ہو جانے کے بعد یہ جملہ منسوخ ہو گیا تھا۔ میری رائے میں اس کے معنی ''شادی کر دینا ہے''۔ اگر عورت غیر شادی شدہ ہے اور فحاشی کی مرتکب ہوئی ہے تو وہ اپنی شادی تک یا جب تک وہ تائب نہ ہو جائے ایک قسم کی ''گھر میں نظر بندی'' کی حالت رہے گی' اگر شادی شدہ ہو تو اس پر آیت نمبر ۳۴ لاگو ہو گی جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں''۔

اس نے ماتھا' اپنی ہتھیلیوں میں تھام لیا اور ادھ کھلی آنکھوں سے دیکھتے ہوئے اور تقریباً چلاتے ہوئے بولی...... ''تو جناب آپ یہ کہہ رہے ہیں کہ آیت نمبر ۳۴ نافرمانی اور سرکشی کی بات نہیں کہہ رہی ہے بلکہ فحش حرکات کا ذکر کر رہی ہے۔ اس صورت میں اگر الزام عدالت میں ثابت ہو جاتا ہے تو وہ علیحدگی کا فیصلہ سنا دے گی یا بیوی کو جسمانی سزا دیدے گی۔ خاوند کے معاملے میں عدالت جسمانی سزا سنا سکتی ہے۔ لیکن ہمیں یقین نہیں کہ وہ علیحدگی کا حکم سنا دے۔ لیکن اگر ایک الگ معاملے کے طور پر اسی سورۃ کی آیت نمبر ۳۵ نارمل مگر سنجیدہ ازدواجی جھگڑوں کی بات کر رہی ہے۔ میاں بیوی کے درمیان ناچاقی پیدا ہو جائے...... قطع نظر اس کے کہ یہ کسی فحش حرکت کی بناء پر ہے یا کسی اور وجہ سے ...... عدالت ثالثی کا حکم دے سکتی ہے۔''

یہ سن کر میں نے اچانک خود کو متفکر اور خیالات میں گم پایا اور کہا ......''اے میری بہن' غالباً یہی بہتر اور زیادہ خوبصورت تعبیر ہو سکتی ہے'' تاہم میں نے اپنی رائے دینے سے گریز کیا' کیونکہ میرے خیالات طرح طرح کے حلوں کے گرد گھوم رہے تھے لیکن اگر میں بیوی کو زدوکوب کرنے کی اجازت کے بارے میں بال برابر بھی شبہ پیدا کر دوں تو متقی لوگ اس مشتبہ بات سے دور رہنے کی ہی کوشش کریں گے۔ صرف خودسر اور خود بیں افراد ہی اس مار پٹائی کو اپنا حق سمجھیں گے۔ میرا خیال ہے کہ کوئی عورت ایسے خاوند کو قبول نہیں کرے گی جو اس کے جسم اور حسن کے استحصال کو اپنا حق سمجھتا ہو۔ بیوی کو مارنا بدمزاجی' تنگ ظرفی اور نفرت انگیز حرکت ہے۔ نبی اکرمؐ کا ارشاد ہے کہ میں مکارم اخلاق کے لئے مبعوث کیا گیا ہوں۔ ہم آپؐ کے امّتی ہیں آپ نے ہمیں حسنِ اخلاق کی تعلیم دی ہے۔ میں دنیا میں جب بدصورتی پاتا ہوں اور بداخلاقی کے مظاہر دیکھتا ہوں تو میری طبیعت سخت منغض ہوتی ہے۔ جب میں گھٹن محسوس کرتا ہوں تو اپنے رب کی طرف رجوع کرتا ہوں اور اس'' کانفرنس'' کے ماحول کو اپنے لئے پناہ گاہ سمجھتا ہوں۔'' کانفرنس'' میں خدا کی مخلوقات کا حسن کشید کرتا ہوں۔ خدا اپنے بندوں سے ظلم پسند نہیں کرتا۔ وَمَا اللّٰہُ یُرِیدُ ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ (سورۃ المؤمن آیت ۳۱)۔ خدا نا انصافی نہیں کرتا بلکہ انسان خود ہی اپنے آپ سے ناانصافی کرتے ہیں اور حدود سے تجاوز کے مرتکب ہوتے ہیں۔ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ...... (اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا' درحقیقت یہ خود اپنے اوپر ظلم کر رہے ہیں ......سورۃ الِ عمران آیت ۱۱۷)۔ یہ بھی میرے رب کا فرمان ہے:۔ اللہ نے تمہیں بہت خوبصورت راستہ (مذہب) دکھایا اس سے روگردانی نہ کرو تا کہ آفتوں سے محفوظ رہ سکو۔ خدا نہ کرے کہ میں ظالموں اور جاہلوں میں سے بنوں کہ خدا سے ایسی باتیں منسوب کروں جو خالص اور خوبصورت نہ ہوں۔ یقیناً اے میری بہن اگر ہم خدا کی باتوں سے صحیح مطلب نہ لے سکیں اور درست تعبیر نہ سکیں تو ہم اپنے آپ پر خود ظلم کرنے والے بنیں گے۔

اپریل ۲۰۰۰

MashalBooks.org

باب 42

بیویوں سے وحشیانہ سلوک......2

وہ خاتون آج پھر میرے سامنے بیٹھی ہے'اس نے اپنے دونوں ہاتھ اپنی گود میں ٹکائے ہوئے ہیں۔اس نے پہلے بھی مجھے سے اپنی ازدواجی کے مسائل پر قرآنی احکامات کے حوالے سے استفسار کیا تھا۔اس کے خاوند نے اسے نہ صرف زدوکوب کیا بلکہ یہ دعویٰ بھی کیا کہ اسے مار پٹائی کرنے کا حق خدا کی طرف سے ملا ہوا ہے۔ ہم نے قرآنی آیات کے معنوں کے بارے میں تبادلہ خیال کیا تھا اور وہ اس وقت سے ان پر غور وخوض کر رہی تھی۔اس نے ہونٹ بھینچے ہوئے تھے لیکن اس کی آنکھیں اس کے دل میں موجزن خیالات کی عکاسی کر رہی تھیں۔ میں نے کہا......بہن آپ ان خیالات کو سامنے لایئے۔انہیں دل میں دبانے سے گھٹن کا شکار رہیں گی۔ پریشان مت ہویئے۔ میں نے بہت سی راتیں اس معاملے کے حوالہ سے عمیق مطالعے میں صرف کی ہیں' اپنے خیالات کے اظہار کا موقع ملنا میرے لئے بہت بڑا اعزاز ہو گا۔

چنانچہ اس نے بولنا شروع کیا۔'' پچھلی بار ہم نے سورۃ النسآء کی ۳۴ ویں آیت میں ''نشوز'' کے حوالے سے عورتوں کو'مارنے'' پر تبادلہ خیال کیا تھا' آپ نے کہا تھا کہ اس آیت کو اس کے سیاق وسباق سے الگ کر کے صحیح طور پر نہیں سمجھا جا سکتا۔ پھر اسی سورۃ کی آیت نمبر ۱۵ کا ذکر کرتے ہوئے آپ نے کہا تھا کہ عورتوں کی جنسی بے راہ روی کے بارے میں چار گواہوں کی شہادت مل جانے کے بعد انہیں ان کے گھروں کے اندر قید کر دیا جائے تاوقتیکہ وہ توبہ کر لیں یا ان کی شادی ہو جائے۔ مردوں کو دوسرے طریقوں سے سزا دی جائے' شاید جسمانی سزا کا ذکر کیا گیا تھا۔اس کے بعد آپ نے آیت نمبر ۳۴ پڑھی جس میں کہا گیا تھا کہ

MashalBooks.org

اگر شادی شدہ عورت فحاشی کا ارتکاب کر بیٹھے تو اس کی ڈانٹ پھٹکار کی جائے' شوہر کچھ عرصہ کے لئے اس کا بستر خود سے الگ کر دے یا اسے جسمانی سزا دی جائے۔ مگر آپ کا اصرار تھا کہ یہ اختیارات شوہر کو تفویض نہیں کئے گئے بلکہ ریاست کو دیئے گئے ہیں۔ فحاشی کا الزام چار گواہوں کے بیانات سے ثابت ہو جانے پر ریاست جو چاہے گی سزا سنائے گی۔ لیکن اس ضمن میں میرے بھائی آپ نے ایک حدیث نبویؐ پر انحصار کیا تھا اور دلیل یہ تھی کہ ''نشوز'' کے معنی ''نافرمانی'' نہیں بلکہ فحاشی ہے۔''

''ٹھیک ہے بہن جی' یہ بات میرے سارے بیان کا صرف ایک حصہ ہے اور میں نے ثالثی والی آیت (سورۃ النسآء ۳۵) کے بارے میں کیا کہا تھا''

''میرے بھائی آپ نے کہا تھا کہ 'شقاق' میاں بیوی کے درمیان' قطع تعلق یا کشیدگی کو کہتے ہیں اور یہ بھی کہا تھا کہ سزا دینے کے بعد ثالثی کرانا غیر منطقی بات ہے۔ ہمارا یہ کہنا خلاف عقل ہے کہ شوہر کو بیوی کو زدوکوب کرنے دیا جائے اور پھر ثالثی منعقد کرائی جائے۔ اگر شوہر بیوی کی مار پٹائی کر کے اپنے دل کی بھڑاس نکال چکا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ پہلے ہی الزام لگا کر اسے مجرمہ قرار دے چکا ہے اور سزا بھی نافذ کر چکا ہے' پھر ثالثی کے کیا معنی ہوئے؟ ...... میرے بھائی آپ نے کہا تھا کہ آیت نمبر ۳۵ کا دائرۂ کار (Scope) عمومی ہے۔ یہ کہتی ہے کہ اگر بنیادی نوعیت کا اختلاف ہے خواہ یہ ارتکابِ فحاشی کی وجہ سے کیا گیا یا کسی اور وجہ سے واجب التعمیل (Binding) ثالثی کا حکم دیا جانا چاہئے۔ کیا آپ نے یہی کہا تھا؟''

''جی ہاں' یہی کہا تھا''

'' اللہ آپ کے علم میں اضافہ کرے اور آپ کی کانفرنس آف بکس کو برکت عطا فرمائے۔ میں زبردست ذہنی خلفشار میں مبتلا چلی آ رہی ہوں۔ بعض اوقات میرا دل تو آپ کی بات تسلیم کر لیتا مگر دماغ بغاوت کر جاتا ہے اور بعض اوقات اس کے بالکل برعکس معاملہ بن جاتا ہے یعنی ذہن مطمئن ہو جاتا ہے' دل اعتراض کر دیتا ہے۔ سوال کرتے ہوئے ہچکچاتی ہوں' بہرحال پوچھے بغیر رہ بھی نہیں سکتی۔ میں اپنے بھائی سے یہ پوچھنا چاہتی ہوں کہ احمد علی نے اپنے ترجمۂ قرآن میں جو کچھ کہا ہے' اس پر آپ کی کیا رائے ہے؟۔ وہ کہتے ہیں کہ آیت نمبر ۳۴ میں جو ''واضربوھن'' آیا ہے' اس میں ''ضرب'' کے معنی مار پٹائی نہیں بلکہ یہ ہے کہ ان کے ساتھ ''جنسی تعلقات'' قائم نہ کرو۔ احمد علی کا کہنا ہے کہ آیت ۳۴ یہ ہدایت

MashalBooks.org

کرتی ہے کہ اگر بیوی آمادۂ بغاوت ہو تو اسے نصیحت کے ذریعہ راہ راست پر لاؤ یا اس سے علیحدگی اختیار کر لو یا حالات کا جیسے تقاضا ہو اس کے مطابق اس سے ازدواجی تعلقات قائم کرو‘‘۔

’’ہاں بہن میں احمد علی کی ’’تعبیر‘‘ سے آگاہ ہوں‘ میں بھی پہلے اسی طرح میلان رکھتا تھا‘ مگر گہرے مطالعے اور فکر کے بعد میں اسے قبول نہیں کرتا‘ ’’ضَرَبَ‘‘ سے مارنے کے علاوہ کچھ اور معنے بھی لئے جا سکتے ہیں مگر اس آیت میں جس طرح یہ لفظ استعمال ہوا ہے اس سے احمد علی کے مؤقف کی تائید کرنا مشکل نظر آتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔‘‘

اس نے مجھ سے اتفاق کرتے ہوئے سر ہلایا پھر جلدی سے بولی ’’کیا آپ ایک بار پھر اس سورۃ کی آیت نمبر ۱۲۸ پر روشنی ڈالیں گے‘ یعنی اپنی کہی ہوئی بات پھر دہرا دیں گے۔ میں نے اپنی یادداشت پر بھروسہ کیا مگر یادداشت ناکام ہو گئی۔ مجھے ہمیشہ یہی بتایا گیا کہ آیت نمبر ۳۴ کا اطلاق اس وقت ہوتا ہے جب شوہر اپنی بیوی سے خوش نہ ہو اور آیت نمبر ۱۲۸ کا اطلاق اس وقت ہوتا ہے جب بیوی اپنے شوہر سے خوش نہ ہو تمام مسجدوں کے امام یہی کہتے ہیں۔‘‘

’’بہن جی میں نے یہ کہا تھا کہ آیت ۱۲۸ کو یوں نہیں پڑھا جانا چاہئے کیونکہ یہ اس بیوی کے بارے میں ہے جس کی اپنے شوہر سے مصالحت ہو رہی ہو۔ جس طرح آپ کو پڑھایا گیا ہے اس کے مطابق تو خدا کا قانون فی الواقعہ عجیب اور انوکھا بن جائے گا‘ اگر شوہر اپنی بیوی سے خوش نہیں ہے تو وہ اسے ڈانٹ سکتا ہے‘ اس سے قطع تعلق کر سکتا ہے اور مار پٹائی بھی کر سکتا ہے۔ لیکن اگر بیوی شوہر سے خوش نہیں ہے وہ صرف اس سے مطابقت اختیار کر سکتی ہے۔ اگر یہ قانون بے معنی نہیں ہے تو کم از کم تکلیف دہ ضرور ہے۔

’’میں نے دراصل یہ کہا تھا کہ آیت نمبر ۱۲۸ عمومی آیت نہیں اور یہ کوئی ’’معیاری‘‘ (Norrmative) قانون وجود میں نہیں لاتی‘ یہ ایک خاص صورت حال کے حوالے سے کہتی ہے کہ خدا کو کوئی اعتراض نہیں یعنی اس کی طرف سے صلح کی اجازت ہے۔ کہا گیا ہے کہ اگر خاوند نے کوئی سخت زیادتی کی ہو یا بیوی کو چھوڑے رکھا ہو‘ پھر یہ جوڑا آمادۂ مصالحت ہو جاتا ہے‘ تو اسے بے شک ایسا کر لینا چاہئے۔ خدا کو اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے کہ مصالحت اچھی چیز ہے حد سے تجاوز کرنا اچھی بات نہیں۔ آیت ۳۴ اور ۱۲۸ کو ایک دوسری کی تکمیلی (Complementary) آیات سمجھنے کا کوئی جواز

نہیں ہے اور یہ سمجھنا بھی صحیح نہیں کہ ان میں سے ایک آیت مردوں کے لئے اور دوسری عورتوں کے لئے ہے۔ آیت نمبر ۱۲۸ میاں بیوی دونوں کو یقین دلاتی ہے کہ سنگین اختلافات کے بعد بھی وہ معاف اور درگزر کر کے صلح کر لیں تو یہ ان کے لئے مناسب ترین صورت ہو گی۔ یہ آیت کسی کو سزا دینے پر اصرار نہیں کرتی اور نہ ہی ریاستی مداخلت پر زور دیتی ہے۔''۔

اس نے اپنے ہاتھوں کی طرف دیکھا پھر سر اٹھا کر بولنا شروع کر دیا۔ ''ٹھیک ہے' میں آپ کو صرف ایک بات بتانا چاہتی ہوں آپ کو پریشان نہیں کرنا چاہتی میں نے آپ کے نظریات کا ذکر ایک سکالر سے کیا جس کا نام بتانا میں مناسب نہیں سمجھتی' اس نے کہا کہ آپ کی رائے ''اجماعِ امت'' کی رائے سے متصادم ہے بلکہ ''بدعت'' کی ذیل میں آتی ہے اور یہ کہ آپ آزاد خیال قسم کے آدمی ہیں۔ دوسرے لوگوں نے بھی کم و بیش یہی بات کہی ہے''۔

''بہن صاحبہ جب آپ نے یہ کہہ دیا ہے تو میری بات بھی سُن لیجئے۔ جہاں تک اس سکالر کے نام کا تعلق ہے' میں پہلے سے اس آدمی کو جانتا ہوں اور رہ گئی بات ''اجماعِ امت'' کی تو میں ایسے ''اجماعِ امت'' کو تسلیم نہیں کرتا جو ایک غلطی کو غلطی نہ کہے اور اسے ہی جاری و ساری رکھنے کے حق میں ہو۔ ایک نسل کا ''اجماعِ امت'' دوسری نسل کو اس کا پابند نہیں بنا سکتا۔ ایک ''غیر اخلاقی اتفاق رائے'' ہمیشہ غیر اخلاقی رہتا ہے جہاں تک ''بدعت'' کے الزام کا تعلق ہے اصل کا الزام ہے اصل بدعت یہ ہے کہ جہلا اٹھ کر منصب امامت پر فائز ہو جائیں' کیا قاضی خان (متوفی ۵۹۲ھ/ ۱۱۹۶ء) نے نہیں کہا کہ: ''جب تم دیکھو کو ایک ناقص ذہن کا آدمی' احمقوں سے گھرا ہوا ہے جو اس کی تعریفوں کے پُل باندھ رہے ہیں اور وہ ان کی داد سے خوش ہو کر بڑے بڑے علماء کے کہے ہوئے الفاظ کی جگالی کر رہا ہے جن کے معنی نہ وہ خود سمجھتا ہے اور نہ اس کے مداح ان کے مضمرات کو سمجھتے ہیں۔ تمہیں عقلمند آدمی کی طرح اپنا منہ بند رکھنا چاہئے' کیونکہ یہ جہلا خود بخود اپنے منہ کے بل گر جائیں گے''۔

اس نے پریشان ہو کر مجھے روکا اور کہا...... ''دیکھو بھائی ......اگر وہ غلط بھی ہیں تو آپ کو خدا کا یہ فرمان یاد رکھنا چاہئے: ''دوسروں کی ناانصافیاں تجھے راہِ حق سے نہ بھٹکا دیں''۔

مجھے یہ سن کر بہت پریشانی ہوئی اور بے حد شرمندہ بھی ہوا۔ میں چونکہ جہالت سے نفرت کرتا ہوں' مجھے انہیں ملامت کرنے یا مذمت کرنے کی بجائے ان کا علمی جواب دینا چاہئے۔ میں نے کہا...... ''ٹھیک ہے میری بہن میں اپنا مقام بھول رہا ہوں ''بدعتِ سیہّ وہ

ہوتی ہے جو توہمات پر مبنی ہو' کلامِ خداوندی کی قرینِ قیاس تعبیر پر مبنی نہ ہو"۔ بدعت کے بارے میں بہترین کتاب جو میں نے پڑھی ایک مالکی فقیہہ الشاطبیؒ (متوفی ۷۹۰ھ/ ۱۳۸۸ء) کی تصنیف "الاعتصام" ہے۔اس کا کہنا ہے کہ جو بات اخلاقی بصیرت پر مبنی ہو وہ بدعتِ سیّہ نہیں ہوتی بلکہ محض نیا پن پیدا کرنا بدعتِ سیّہ ہوتا ہے۔مزید برآں یہ کہ جن لوگوں سے آپ نے مشورہ کیا ہے کیا وہ جانتے ہیں کہ سکالرز کی پچھلی نسل نے اس مسئلے پر کیا کہا ہے؟ قانون کی بہت سی کتابیں ابھی چھپی تک نہیں ہیں۔ اگر ہم ایک یا دو' دس یا اس سے زیادہ سکالرز کو تلاش کر لیتے ہیں جو میری بات سے اتفاق کرتے ہوں تو کیا اس سے میری بات کی کوالٹی متاثر ہوسکتی ہے؟

"جہاں تک اس آخری نقطے کا تعلق ہے' میرے لئے "بدنامی" یا "نیک نامی" کی کوئی اہمیت نہیں ہے لبرل ہونا یا نہ ہونا محض "ناموں" کا کھیل ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اپنی بیوی کو زدوکوب کرنا نہایت شرمناک حرکت ہے اور اگر یہ لبرل ازم ہے تو میں اس لزام کو بسر وچشم قبول کرتا ہوں۔

بہن نے گفتگو کو درست سمت میں لانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا "کیا آپ اس سے اتفاق کریں گے کہ آپ کی تعبیر اصل منابع (Sources) میں برآمد ہوتی ہوئی محسوس نہیں ہوتی یعنی ایسی نہیں جو ان سے براہ راست نکلتا ہوا نتیجہ محسوس ہوتی ہو"۔ "میری بہن' اس کا انحصار اس اخلاقی مفروضے پر ہے جس کے حوالے سے آپ اس مسئلے پر غور کرتی ہیں۔ کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ کیا اپنے رفیق زندگی یا اپنی رفیقۂ حیات کو زدوکوب کرنا بہت ہی اعلیٰ قسم کے کردار کا حصہ ہے؟ کیا یہ نیک کام ہے؟ یہ بہت ہی خوبصورت اور بہت ہی اچھی بات ہے؟ میری بہن ٹھنڈے دل سے سوچئے عورتیں ہوں یا مرد' ان کی بھاری اکثریت اپنی پٹائی کو اگر نا قابل برداشت نہیں سمجھتی تو کم از کم قابلِ نفرت ضرور سمجھتی ہے۔ہم یہ بات وجدانی طور پر جانتے ہیں اور اس پر پورا یقین رکھتے ہیں' درحقیقت ہم اپنی فطرت کے لحاظ سے اس بات سے شرماتے ہیں کہ خدا نے مرد کو بیوی کی پٹائی کا اختیار دیدیا ہے' خواہ وہ کتنی ہی نافرمان' باغی یا بے ہودہ عورت کیوں نہ ہو' ہم اس کی پٹائی کو دل سے پسند نہیں کرتے ۔ اپنے اس وجدان (Intuition) کی گواہی کے طور پر ہم اس بات پر پریشان ہوجاتے ہیں کہ آیت نمبر ۳۴ اس قسم کے رویّے کی اجازت دے رہی ہے' پھر ہم یوں کہتے ہیں جی ہاں ٹھیک ہے لیکن یہ پٹائی ایسی نہیں ہونی چاہئے جس سے زخم آئے یا درد ہو یا یوں کہتے ہیں' خاوند اپنی بیوی کو

کندھے پر چھوٹی سی شاخ کے ساتھ' پروں کے ساتھ ہلکی سی ضرب لگا سکتا ہے' ہم ایک حدیث نبویؐ پیش کرتے ہیں جس میں کہا گیا ہے کہ عورت کے چہرے پر مارنے کی ممانعت ہے۔ یا دوسری احادیث کا حوالہ دیتے ہیں جن میں کہا گیا ہے کہ اعلیٰ کردار کے مرد بیویوں پر ہاتھ نہیں اٹھاتے' تاہم میری بہن ہم ابن ماجہ (متوفی ۲۷۳ھ/ ۸۸۷ء) کی روایت کا حوالے دیتے ہیں جنھوں نے حضرت عمرؓ (متوفی ۲۳ھ/۶۴۴ء) کے بارے میں بتایا ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی کو مارا تھا' لیکن کیا حضرت عمرؓ اعلیٰ کردار کے مالک نہ تھے۔''

بہن نے جواب دیا''ہاں یقیناً وہ بلند کردار رکھتے تھے لیکن شاید ان سے غلطی سرزد ہوئی تھی۔''

''ہاں یقیناً مگر اپنے زوج یا زوجہ کو مارنا بڑی تکلیف دہ بات ہے لیکن ایسی مار پٹائی جس سے زخم آجائے یا درد ہو اس کی ممانعت ہے۔ ہمارا جی نہیں چاہتا کہ ایسا ہو''

''لیکن'' بہن نے بات کاٹتے ہوئے کہا۔''فرض کیجئے کہ بیوی سچ مچ قابل ملامت کردار رکھتی ہے تو......؟''

میں نے کہا......''چلو فرض کر لیتے ہیں کہ ایسا ہی ہے تو شوہر اسے ڈانٹ پھٹکار کرتا ہے اور پھر اس کا بستر الگ کر دیتا ہے۔ آپ کے خیال میں اسے چھوٹی سی شاخ سے کندھے پر مارنے سے کیا نتیجہ نکلے گا؟ اگر وہ بے حس شخصیت ہے وہ تو اس سے محظوظ ہو گی الٹا ہنسنے لگے گی اور اگر وہ حساس عورت ہے تو وہ مار کی مستحق ہی نہیں''

''ہم ایک اور حدیث کا تذکرہ کرتے ہیں جس میں اونٹ یا کسی دوسرے مویشی کو مارنے کی ممانعت کی گئی ہے' لونڈی کو مارنے کی بھی ممانعت کی گئی ہے اور کسی غلام کو مارنے کو اس کی رہائی کی قانونی بنیاد (Manumission) قرار دیا گیا ہے' اپنی زوجہ یا زوج کو مارنے کی اجازت سے پہنچنے والی روحانی اذیت کی تصدیق بہت سی احادیث سے ہوتی ہے جن سے پتہ چلتا ہے کہ آپؐ نے اپنی کسی زوجہ محترمہ اپنی خادمہ یا گھر کے کسی فرد کو کبھی نہیں مارا۔ اس حقیقت کو آپؐ کے کردار کی عظمت کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ حضرت علیؓ نے عورت کو اس صورت میں بھی مارنے پیٹنے سے منع کیا ہے کہ اس نے پہلے لعن طعن کی ہو یا کوئی توہین آمیز جملہ کہا ہو۔ یہ سب باتیں ہمارے اس اخلاقی اور روحانی شعور کی تائید کرتی ہیں کہ بیوی کو مارنا بہت ہی غلط کام ہے۔ اس میں یہ بات بھی شامل کر لیجئے کہ مرد کو مار پٹائی کیلئے صوابدیدی اختیار حاصل ہونے کی کوئی معقول وجہ بھی موجود نہیں۔ اب بتایئے مزید کیا رہ گیا

ہے؟''

میرے اس سوال پر وہ حیران رہ گئی اور رکتے رکتے بولی......''میرا خیال ہے کہ ہم لوگ دلی طور پر کسی عارضے میں مبتلا ہیں''

میں نے اپنی اس روانی کو برقرار رکھتے ہوئے جلدی سے کہا......''اور اگر ہم دلی طور پر کسی خرابی سے دوچار ہیں تو اسی خرابی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے الفاظ کی من مانی تعبیر کرتے ہیں اور اسی کے ذریعے منشائے خداوندی تلاش کرتے ہیں''

اس نے بے صبری سے میری بات کاٹتے ہوئے کہا......''لیکن اگر تعبیر کی پہلے کوئی مثال نہ ہو تو؟''

''بہن صاحبہ مثال نہ ہونے سے کیا فرق پڑتا ہے؟ ہم جس چیز کو قانون سمجھ کر کے جو اندھی بہری پیروی کرتے ہیں اس سے دین کی کوئی خدمت نہیں کرتے' دین کی خدمت یا خدا کی خدمت یہ ہے کہ ہم قانونی مفروضوں کا فہم و بصیرت کے ساتھ جائزہ لیں''مثال'' یا'' نظیر کا موجود ہونا' ہمارے لئے''رہنمائی'' ہونا چاہئے' نہ کہ آنکھیں موند لینے کا جواز۔''نظیر'' ہمیں صحیح سمت دکھاتی ہے خدا کی راہ میں رکاوٹ نہیں بنتی۔

''بعض نظائر (Precedents) قائم بالذات اخلاقی اقدار کی تائید کرتے ہیں' مثال کے طور پر بعض نظائر زندگی کی''قدر'' (Value) کی توثیق کرتے ہیں یا لوگوں کی عزت کی حفاظت کرتے ہیں۔''زندگی'' اور''عزت'' اخلاقی اقدار ہیں۔ہمیں یہ دیکھنا چاہئے کہ کیا نظائر ان اقدار کو فروغ دیتے ہیں یا نہیں؟ ہمیں ان نظائر کو قائم بالذات اخلاقی اقدار ہی کی روشنی میں دیکھنا چاہئے۔ احکامِ شریعت (مثبت قوانین) اخلاقی اقدار کو فروغ دیتے ہیں۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم اس بات کا اہتمام کریں کہ قوانین اخلاقی اقدار کے تابع ہوں نہ کہ اخلاقی اقدار قوانین کے تابع ہوں۔

''میری بہن یہ بات ہمیشہ ذہن نشین رکھئے کہ کچھ اقدار قطعی (Absolute) ہوتی ہیں۔ وہ واقعاتی طور پر بھی مشروط نہیں ہوتیں اور تاریخی طور پر بھی کسی خاص سیاق و سباق کے تابع نہیں ہوتیں۔ وہ نہ حالات پر منحصر ہوتی ہیں اور نہ انسانی فہم پر۔ انسانوں کی طرف سے تعریف و توصیف سے بالکل بے نیاز ہوتی ہیں۔ مثال کے طور پر زندگی کی بقا لے لیجئے یا ذہنی صلاحیتوں کے تحفظ کا معاملہ لے لیجئے' انہیں برقرار رکھنے کے لئے منشیات

MashalBooks.org

(Intoxicants) کو حرام ٹھہرا دیا گیا ہے۔ کیونکہ نشہ ذہنی صلاحیتوں' شرافت اور حیات کے احساسات کو نقصان پہنچاتا ہے جو کہ قطعی اخلاقی اقدار ہیں' یہ اقدار خدائی احکامات کے تحت زندگی گزارنے کے نتیجے میں وجود میں آتی ہیں۔ خدا نے بار بار انسان پر ان کی اہمیت واضح کی ہے اور متنوع طریقوں سے ان کی افادیت ذہن نشین کرائی ہے۔ ان کے بارے میں کسی کو بال برابر شبہ نہیں ہونا چاہئے کہ یہ بے حد ضروری ہیں' انسانوں کو نہ صرف انہیں سمجھنے کی کوشش کرنی چاہئے بلکہ انہیں فروغ دینے اور پھیلانے کا بھی اہتمام کرنا چاہئے۔

''لیکن کچھ ثانوی یا استخراجی (Derivative Moral Values) اخلاقی اقدار بھی ہیں جو تاریخی مصلحتوں یا تقاضوں کی تابع ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ اقدار اپنی نوعیت یا اپنے جوہر (Essence) کی وجہ سے ضروری ہیں بلکہ ان میں کچھ امکانی قوتیں مضمر ہوتی ہیں خدا انہیں اثبات عطا کرتا ہے اور انہیں زندگی کی اعلیٰ اقدار تسلیم کرتا ہے۔ بہ الفاظ دیگر ایک ایسے نظام کو وجود میں لاتا ہے جو ان اقدار کو فروغ دیتا ہے۔ اس بات کو ذرا اور وضاحت کے ساتھ یوں کہا جا سکتا ہے کہ قطعی اخلاقی اقدار' ایک اخلاقی معاشرے کو وجود میں لانے کے لئے کم سے کم (Minimum) مطالبے کی حیثیت رکھتی ہیں جبکہ ''استخراجی اخلاقی اقدار'' اعلیٰ اخلاقی نظام کو وجود میں لاتی ہیں' کم سے کم درجے کا اخلاقی معاشرہ انسانی زندگی یا ذہن کے تحفظ کی ضمانت دیتا ہے۔ انسان کی آزادی یا اس کا وقار استخراجی اقدار ہیں جو زندگی یا ذہن کے تحفظ کی ضرورت سے اخذ کی گئی ہیں''۔ اس نے میری طرف غور سے دیکھتے ہوئے کہا ''کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ بیوی کو زدوکوب نہ کرنا ایک استخراجی اخلاقی قدر ہے؟''

میں اس سوال پر حیران رہ گیا اور اس سے کہا...... ''میں یہ بات یوں نہیں کہوں گا بلکہ یہ کہوں گا کہ زندگی' وقار اور ذہن' مطلق اور ناگزیر ضرورت ہیں۔ یعنی اپنے وقار اور ذہن کے تحفظ کے لئے عزت نفس بے حد ضروری ہے پھر میں اس سے ایک قدم اور آگے بڑھ کر کہوں گا کہ انسانی ترقی کے اس مرحلے پر تشدد کا مظاہرہ کرنا کسی شخص کے اپنے وقار کی جڑوں کو کھوکھلا کر دیتا ہے' پھر اس کی عزت نفس اور ذہن بھی کھوکھلا ہو جاتا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ پرانے زمانے کے لوگ بیویوں کو زدوکوب کرنا' عزت و وقار اور مطلق اخلاقی اقدار سے ہم آہنگ سمجھتے تھے' لیکن آپ اور میں ایسا نہیں سمجھتے''

''نہیں نہیں'' اس نے احتجاج کرتے ہوئے کہا...... ''میرے خیال میں آپ یہ کہہ

رہے ہیں کہ بیوی کو نہ مارنا اعلیٰ اخلاقی نظام کا حصہ ہے اور یہ کم سے کم درجے کی اخلاقی زندگی سے مطابقت نہیں رکھتا۔ میرے نزدیک یہ بات قابل اعتراض ہے۔ میرا خاوند جو مجھے مارتا ہے کہہ سکتا ہے کہ میں کمتر درجے کی اخلاقی زندگی پر قانع ہوں' میں نبی یا ولی نہیں ہوں''

''بہن صاحبہ اس پر میں دو باتیں کہوں گا: ایک یہ کہ جو شخص 'کم سے کم' پر قانع ہے اور 'اعلیٰ ترین اخلاقی وجود' بننے کی کوشش نہیں کرتا...... ہرگز 'اخلاقی شخص' نہیں ہے۔ دوسری بات جو پہلی سے زیادہ اہم ہے یہ ہے کہ میں اخلاقی اقدار کا کسی فرد کے اخلاقی طرز عمل اختیار کرنے کے حوالے سے بات نہیں کر رہا بلکہ قانونی تعبیر کی بات کر رہا ہوں۔ مثلاً غلامی کا مسئلہ لے لیجئے۔ بلند کردار کی تمنا کرتے ہوئے ہماری فہم و فراست ہمیں بتاتی ہے کہ غلامی' اخلاقی زندگی سے کوئی مطابقت نہیں رکھتی۔ لیکن کیوں؟ اس لئے کہ خدا نے ہمیں پہلے سے مطلع کر رکھا ہے کہ اعلیٰ درجے کا انسان یعنی حقیقی طور پر بلند کردار شخص کسی کو اپنا غلام نہیں بنائے گا' چنانچہ اس نے ہمیں تاکید کی ہوئی ہے کہ ہم ہر ممکن طریقے سے غلاموں کی رہائی کا بندوبست کرتے رہیں۔ اس کے لئے ہم قانونی تعبیر کے طور پر فیصلہ کرتے ہیں کہ اخلاقی معاشرہ وہ معاشرہ ہوتا ہے جو غلامی کو قانوناً ممنوعہ چیز قرار دیدیتا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ایک فرد فیصلہ کرے کہ غلامی 'کم سے کم اخلاقی معیار' سے مطابقت نہیں رکھتی۔ بہ الفاظ دیگر 'استخراجی اخلاقی اقدار' محض ایک 'اعلان نامہ' ہیں' یہ اخلاق کی ناگزیر نوعیت کو متاثر نہیں کرتیں غلامی کی ممانعت ایک 'اخلاقی قدر' ہے جو بہتر معاشرہ وجود میں لانے کے لئے ناگزیر ہے ہم بیٹھے بٹھائے یہ کیسے فیصلہ کرلیں کہ ہمیں بہتر معاشرے کی کوئی ضرورت نہیں؟ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ ایک 'قطعی اخلاقی قدر' کی تکمیل کے لئے جس حد تک 'استخراجی اخلاقی قدر' کی ضرورت ہوگی وہ اس حد تک لازمی اور ناگزیر ہو جائے گی''۔

اس بات پر اس کے چہرے پر کرختگی کم ہوگئی اور اس نے ایک مسکراہٹ کیساتھ کہا ''آپ اس شخص کے بارے میں کیا کہیں گے' جو آپ سے کہے کہ آپ منصوص قوانین (Textual Laws) پر اپنے 'اخلاقی تجزیوں' کے حوالے سے رائے زنی کے مرتکب ہو رہے ہیں''

''میں کون ہوتا ہوں کہ منصوص قوانین میں رد و بدل تجویز کروں۔ میں صرف یہ کہہ رہا ہوں کہ یہ اخلاقی تجزیہ ہم پر یہ فرض عائد کرتا ہے کہ ہم اپنے فہمِ قانون کی از سر نو تحقیق و تفتیش

کر کے ایسی تعبیر تلاش کریں جو قانون کی بنیادوں پر استوار اخلاق سے مطابقت رکھتی ہو۔ میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ میرا وجدانی شعور مجھے بتاتا ہے کہ بیویوں کو مارنا غیر اخلاقی حرکت ہے' یہ اس لئے غیر اخلاقی ہے کہ یہ بنیادی شرعی اقدار کے اتنے منافی ہے جتنی کہ عزت و وقار یا ذہن کے تحفظ یا استخراجی شرعی اقدار کے منافی ہے۔اس وجدانی شعور یا احساس کو اسلامی روایات کی تائید حاصل ہے۔جیسا کہ میں کہہ چکا ہوں کہ بیویوں کی مار پٹائی سنتِ رسول کے ساتھ کوئی مطابقت نہیں رکھتی۔ اس اقدام کو متعدد احادیث میں ناپسندیدہ اور قابل نفرت قرار دیا گیا ہے اور ایسی احادیث بھی ہیں جو کہتی ہیں کہ پٹائی سے زخم یا درد نہیں ہونا چاہئے اور ایسی بھی ہیں جو چہرے پر مارنے کی ممانعت کرتی ہیں کیونکہ چہرے پر مارنا زیادہ تذلیل کا احساس دلاتا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ قرآن کہتا ہے کہ شادی' محبت وشفقت رحم اور دوستی پر مبنی ہونی چاہئے اور ہمارا تجربہ ہمیں یہ سکھاتا ہے کہ تشدد' محبت وشفقت اور دوستی سے مطابقت نہیں رکھتا' میں اسی بنا پر قرآنی آیات پر تحقیق کرنا اور ان کی تعبیر کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں اور ایسی تعبیر تلاش کرنا چاہتا ہوں جس سے ٹکراؤ اور تضاد دور ہو جائے اور ہم ایک اعلیٰ تر اخلاقی نظام تلاش کر سکیں۔اچھا بہن اب میں پوچھتا ہوں کہ اس اپروچ میں آپ کے لئے ناقابل قبول بات کیا ہے؟''

مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ اس کا چہرہ خوشی سے تمتما اٹھا' اس نے کچھ توقف کیا' دونوں ہاتھ ملے اور میرے سر کے عین اوپر لگے ہوئے کلاک کی طرف دیکھنے لگی۔

اس نے بولنا شروع کیا مگر ایسے لگا جیسے وہ خود کلامی کر رہی ہو۔''پتہ نہیں اخلاقی تحقیق کا یہ طریقہ ہمیں کہاں پہنچا دے گا'' پھر اس نے سر اٹھاتے ہوئے کہا''کسی زوردار قوت کی طرح یہ ہمیں دور لے تک لے جا سکتا ہے مگر آگے اور کئی خطرات سر اٹھائے کھڑے ہیں' مجھے محسوس ہوتا ہے کہ اخلاقی تحقیق ہمیں قانون پر از سر نو غور وخوض تک ہی محدود نہیں کرتی بلکہ روایات اور احادیث پر بھی ناقدانہ نظر ڈالنے کی ضرورت کا احساس دلاتی ہے۔''

میں اس کی تشویش کو سمجھ گیا' میں اسے دور تو کرنا چاہتا تھا مگر اس کے خوف کو ختم نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے پھر بولنا شروع کر دیا......''میں آپ کو بڑی منت وسماجت کے ساتھ یہ محسوس کرانا چاہتا ہوں' کہ ہمارے پاس اس کے سوا اور کیا چارۂ کار ہے؟ ہم یا تو تہذیب واخلاق سے بے بہرہ جانوروں کی سی زندگی بسر کریں اور اپنے غیر اخلاقی رویے کو خدا کے

احکامات سے منسوب کریں یا اپنے دل و دماغ کی تطہیر کر کے خدا کے بتائے ہوئے عظیم الشان اور خوبصورت راستے پر گامزن ہو جائیں' یہ راستہ بلند اور خوبصورت (علیا) ہے' اس کے سوا ہر چیز پست اور ''غیر خوبصورت'' (دنیا) ہے۔ کیا ہمیں بلند ترین راہ اختیار نہیں کرنی چاہیئے ؟ اگر ہم خدا کو اپنے وجدان (Intuition) کے ذریعہ پہچان سکتے ہیں اور اگر خدا بزرگ و برتر اور خوبصورت ہے تو کیا پھر ہم اپنے وجدان ہی کے ذریعہ یہ نہیں جان سکتے کہ اعلیٰ ترین چیز اور خوبصورتی کیا ہے؟ ہم خدا کو پہچاننے کے لئے اپنے وجدان پر بھروسہ کر سکتے ہیں' تو یہ معلوم کرنے کے لئے اعلیٰ ترین چیز اور خوبصورتی کیا ہے وجدان پر بھروسہ کیوں نہیں کر سکتے ؟ کیا ہمارا شعور ہمارے وجدان کی خوبصورت آرزوؤں کی تکمیل میں ہماری مدد نہیں کر سکتا؟۔ کیا مقدس آیات اس مشن کے لئے ہمارے شعور کی مدد نہیں کر سکتیں؟۔

''بہن صاحبہ میں آپ کو بھی بڑے ادب سے غور و فکر کی دعوت دیتا ہوں' میں سوچتا ہوں کہ کاش میں ان منابع (Sources) تک رسائی حاصل کر سکتا جو سورۃ النسآء کی آیت ۱۲۸ کے نزول کا سبب یہ بتاتے ہیں کہ آپ ؐ اپنی اہلیہ حضرت سودہؓ کو طلاق دینا چاہتے تھے اور وہ اس سے بچنے کے لئے اپنے ازدواجی حقوق سے دستبردار ہو گئیں تب آپ ؐ ان کو رکھنے پر رضا مند ہوئے تھے' آپ بتایئے' اس سے میں کیا سمجھوں؟ فقہاء نے اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا اگر بیوی اپنے بڑھاپے کی وجہ سے اپنی کشش کھو بیٹھے جس کی بناء پر شوہر اسے طلاق دینے لگے تو اسے اپنے حسرتناک انجام سے بچنے کے لئے شوہر کو کچھ رقم یا زیورات پیش کر دینے چاہئیں' آپ ذرہ سا بھی غور و فکر کریں تو آپ کو پتہ چل جائے گا کہ اس تشریح میں اس بات پر زور دیا جا رہا ہے کہ خواہ شوہر اخلاقی لحاظ سے کیسا بھی کیوں نہ ہو خدا کو اس پر کوئی اعتراض نہیں کہ وہ کتنی قیمت ادا کر کے اس کا رحم و کرم خرید لیتی ہے۔ کیا اس وضاحت میں شوہر کے حُسنِ کردار اور حسنِ اخلاق کا نقشہ کھینچا گیا ہے؟۔

میں نے پڑھا ہے کہ حضرت عائشہؓ (متوفیہ ۵۸ھ/ ۶۷۸ء) نے مدینہ میں انصار کی عورتوں کی جرأت اور راست بازی کی بہت تعریف کی کہ وہ اپنے حقوق کے لئے اٹھ کھڑی ہوتی ہیں کوئی شرم یا جھجک انہیں حقوق زوجیت کے بارے میں سوال پوچھنے سے باز نہیں رکھ سکتی۔ پھر میں نے پڑھا کہ حضرت عمرؓ انصار کی عورتوں کی اس دلیری کو پسند نہیں کرتے تھے۔ انہوں نے یہ سن کر کہ ازواجِ مطہرات نبی اکرمؐ سے دلیل بازی اور جھگڑالو پن سے بھی کام

لیتی ہیں حتیٰ کہ بعض اوقات ان کی آواز بھی بلند ہو جاتی ہے' اس پر انہوں نے آنحضرتؐ سے بات کی اور ایسے رویے کے جواب میں آپؐ کے حوصلے اور برداشت پر احتجاج کرنے لگے۔ لیکن آپؐ صرف مسکراتے رہے۔ پھر میں نے یہ بھی پڑھا کہ عمرؓ نے عورتوں کے گستاخانہ رویے کی شکایت کی جس پر آپؐ نے مردوں کو ان کی پٹائی کرنے کی اجازت دیدی' ایک رپورٹ کے مطابق زدوکوب کرنے سے متعلق قرآنی آیت نے حضرت عمرؓ کی رائے کی تائید کردی۔ بعدازاں ۷۰ عورتوں نے نبی اکرمؐ سے شکایت کی کہ ان کے شوہروں نے ان کی مار پٹائی کی ہے' جس پر آپؐ نے فرمایا کہ جو مرد اپنی بیویوں کو مارتے ہیں وہ اچھے لوگ نہیں ہیں۔ دیگر روایات میں آتا ہے کہ آپؐ نے یہ فرمایا کہ جو لوگ ایسا کرتے ہیں' وہ تم میں سے بہترین نہیں ہیں۔ اب اے بہن میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ آپ حضرت عائشہؓ کی طرف سے خواتین مدینہ کی جرأت کی تعریف کو اور حضرت عمرؓ کے احتجاج کو آپس میں کس طرح ہم آہنگ کرتی ہیں؟ کیا یہ بات قابل یقین ہے کہ ہمارے نبیؐ جنہوں نے کبھی کسی عورت ملازم یا غلام کو نہیں مارا' وہ مردوں کو بیویوں کو زدوکوب کرنے کی کھلی چھٹی دے سکتے تھے؟ کیا اس پر کوئی یقین کرسکتا ہے کہ اتنے بلند کردار پیغمبر مردوں کو اس چیز کی اجازت دے سکتے تھے' جسے خود انتہائی قابل مذمت حرکت سمجھتے تھے؟ کیا یہ بات قابل اعتبار ہے کہ خدا کردار کے عظمت کے ایک مسئلے پر اپنے نبیؐ کے مقابلے میں حضرت عمر کا طرفدار بن گیا تھا' جو خدا اپنے نبی کو اعلیٰ ترین اخلاق کا حامل قرار دیتا ہے' ہمیں بتایا جاتا ہے کہ اسی خدا نے اخلاق سے متعلقہ نبیؐ کے فیصلوں کو مسترد کردیا تھا۔ آپ جو کچھ نبی اکرم کے کردار کے بارے میں جانتی ہیں کیا یہ ممکن ہے کہ وہ عورتوں پر تشدد کو جائز قرار دے سکتے تھے۔ کیا اس سے کسی خوبصورت کردار کی نشاندہی کی جارہی ہے؟

''نہیں۔ ہرگز نہیں'' اس نے سر جھکا کر آہستگی سے کہا۔

''پھر اگر یہ اچھی بات نہیں ہے تو میں حضرت سودہؓ یا حضرت عمرؓ کے بارے میں ان روایتوں کو بھاری ثبوت کے بغیر قبول نہیں کرسکتا۔ یہ روایتیں ہر نقص سے پاک اور ہر کمزوری سے مبرّا ہونی چاہئیں۔ یہ شاونزم پر مبنی روایات ان لوگوں نے گھڑی ہیں' جو عقل وخرد سے بے بہرہ تھے۔ مجھے معلوم نہیں محدثین ان کے استناد کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں۔ میں ان کے مستند ہونے کے بارے میں اس لئے سخت رویہ اختیار کررہا ہوں کہ یہ اس نبیؐ سے متعلق ہیں

MashalBooks.org

جس کے کردار کی عظمت پر میں ایمان رکھتا ہوں۔ میں ان حالات سے باخبر ہوں جن میں حضرت سودہؓ کے ساتھ نبی اکرمؐ کا نکاح ہوا تھا۔ میں دیگر ازواج مطہرات سے آپؐ کے حسن سلوک اور آپ کے عام رویے کے بارے میں بھی بہت کچھ جانتا ہوں۔ آپؐ بے حد نرم دل اور شفیق و مہربان شخصیت تھے۔ یہاں تک کہ جب آپؐ کو بیویوں کے ہاتھ سے بہت تکلیف پہنچی تو تب بھی آپ نے کسی ایک بیوی کو بھی طلاق دینے یا علیحدگی اختیار کرنے کا مشورہ نہیں مانا تھا۔ غالباً یہ سچ ہے کہ حضرت سودہؓ اپنی عمر کی وجہ سے اپنے بعض ازدواجی حقوق سے دستبردار ہوگئی تھیں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ انہیں طلاق مل جانے کا خدشہ لاحق ہوگیا تھا یا آپؐ نے ایسا ارادہ کرلیا تھا۔ یہ کیسے ہوسکتا تھا کہ آپؐ جو اپنی بیویوں پر تنقید بھی گوارا نہیں کرتے تھے آپ نے دوسروں کو اپنی بیویوں کی مار پٹائی کی اجازت دیدی تھی۔ ہمارے پاس ایسی روایات موجود ہیں جن کے مطابق حضرت علیؓ بیویوں سے بدسلوکی کرنے والے شوہروں سے سخت نفرت کرتے تھے۔ ہمارے پاس یہ روایات بھی ہیں کہ حضرت عمرؓ نے اسلام قبول کرنے کے بعد کسی بھی عورت پر ہاتھ نہیں اٹھایا تھا۔ حضرت ابوبکر الصدیقؓ (متوفی ۲۲ھ/۶۳۴ء) نے بھی اپنی زوجہ کو کبھی نہیں مارا' نبی اکرمؐ نے کسی ملازم یا عورت کو کبھی نہیں مارا اور تاکید کی ہے کہ عورتوں کے ساتھ عزت اور احترام کا سلوک کیا کرو' ایک روایت میں آتا ہے کہ آپؐ نے فتح مکہ کے بعد حکم جاری کیا تھا کہ عورتوں کو نہ کبھی مارو اور نہ کبھی ان کی تذلیل کرو۔

مجھے ایسی روایات پڑھ کر بہت دکھ پہنچتا ہے اور میرے دل کو شدید تکلیف ہوتی ہے۔ جب مجھے اس کیفیت کا سامنا ہوتو میں روایات اور نظائر پر تحقیق کا کام جاری نہیں رکھ سکتا۔ اے میرے پیارے فقہائے کرام مجھے یقین ہے کہ آپ نے خدا کے احکامات کی یا تو غلط تعبیر کی ہے یا انہیں غلط سمجھا ہے۔ کیا یہ مناسب نہیں کہ میں خدا سے سنگین باتیں منسوب کرنے سے پہلے ان کی اچھی طرح چھان بین کرلوں؟ کیا میں اپنے قابل احترام فقہا سے یہ نہیں کہہ سکتا کہ آپ اعلیٰ ترین اخلاقی اقدار کو صحیح طور پر نہیں سمجھ سکے۔ کیا مجھے آپ سے یہ باتیں پوچھنے' ان کی تحقیق کرنے اور آپ سے امیدیں وابستہ کرنے اور آپ کے لئے دعا کرنے کا حق نہیں؟ میری بہن مجھے یہ حق حاصل ہے جو میں نے اس کانفرنس کے ذریعے حاصل کیا ہے' روشنی اور روشن خیالی اور خوبصورت ترین ہستی سے محبت کرنا میرا حق ہے۔ یہ نورِ اعلیٰ نور سے محبت کا حق ہے اور خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ بہترین راہ کون سی ہے؟

اپریل ۲۰۰۰ء

باب 43

ستائشِ گوشہ نشینی

وَجَآءَ مِنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ رَجُلٌ يَّسْعٰى قَالَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوْا الْمُرْسَلِيْنَO اتَّبِعُوْا مَنْ لَّا يَسْئَلُكُمْ اَجْرًا وَّ هُمْ مُّهْتَدُوْنَO (اتنے میں شہر کے دور دراز گوشے سے ایک شخص دوڑتا ہوا آیا اور بولا اے میری قوم کے لوگو رسولوں کی پیروی اختیار کرلو۔ پیروی کروان لوگوں کی جو تم سے کوئی اجر نہیں چاہتے اور صحیح راستے پر ہیں۔ سورۃ یٰسین ۲۰-۲۱)۔ میں بھی شہر سے بہت دُور کا آدمی ہوں اور اس کے معنی تلاش کر رہا ہوں۔

میں تجھے بلاتا ہوں اور تُو میری آواز سنتا ہے اور میں معنی پالیتا ہوں۔ میں دوسروں کو بلاتا ہوں اور نظر انداز کر دیا جاتا ہوں' سارے معنی اسی بات میں پائے جاتے ہیں۔ میرے خیالات طوفانِ بادو باراں سے قبل پڑنے والی ہلکی پھوار کی مانند ہیں۔ یہ خیالات جھلسا دینے والی دھوپ شروع ہونے سے قبل طلوعِ فجر کی سی فراخدلی کے مشابہ ہیں۔ یہ دبی ہوئی آنچ کے شعلہ بننے سے قبل کے احساسِ تپش کی مانند ہیں۔ جی ہاں دور دراز مقام پر رہنے کی وجہ سے پیدا ہونے والی جھجک کے باعث ہم نے پورے معنی پالئے ہیں۔

کیا تم نہیں دیکھتے کہ کنوارپن کی جھجک میں' حیا کی جھجک میں' محبوبہ کے کان میں کی جانے والی سرگوشی میں' گداز جسم کو چھونے کی جھجک میں' خفیف بوسے کی جھجک میں' عاجزی سے پڑھی جانے والی نماز کے استغراق میں' متزلزل خیالات کی جھجک میں' دانشورانہ کلمات کی جھجک میں اور حُسن کے شرمیلے پن کی خود آ گاہی میں' معانی کا ایک وسیع ذخیرہ پایا جاتا ہے۔

کیا تم نے اس کانفرنس کی الگ تھلگ رہنے کی کیفیات اور اس کے مضبوط تفکر کو محسوس کیا

ہے؟ کیا تم نے دور سے آنے والی سریلی آواز کا ارتعاش محسوس کیا ہے؟ کیا تم نے حسن کی لطافت کا بدصورتی کی دھماچوکڑی کے ساتھ موازنہ کیا ہے؟ کیا تم نے زندگی کے غیر یقینی ہونے کا' موت کے یقینی ہونے کے ساتھ موازنہ کیا ہے؟ کیا تم نے زندگی کی تھرتھراہٹ کا اس کے خاتمے کی کیفیات سے تقابل کیا ہے؟ کیا تم نے زندگی کی ہماہمی کا موت کے حملے کے ساتھ مقا بلہ کیا ہے؟

اے میرے اللہ دیکھ میں کس طرح گوشہ نشینی کے عالم میں زندگی گزار رہا ہوں اور کس طرح بے بسی کے عالم میں اس کے اندر محصور ہوں۔ تیری مرکزیت اور باقی سب مخلوق کا کنا روں پر دبکا ہوا ہونا' ساری مخلوق کو اس کی بے چارگی اور عجز کا احساس دلاتا ہے۔ ہر کسی کا اپنی جگہ پر محدود ہونا آگے آنے والی سچائی کو محسوس کراتا ہے اور یہ احساس بھی دلاتا ہے کہ زندگی کی محدود مسرتیں خدا کی طرف سے عطا کی جانے والی دائمی سرمستیوں کی صرف ایک حقیر جھلک ہے۔

میرے' خدا میں زندگی کی تمام خوشیوں اور لطافتوں کا سامنا کر چکا ہوں۔ اس کا بناؤ سنگھار' اس کی ترغیبات اور اس کے مغالطے اور فریب کاریاں میرے شعور کو للکارتی رہی ہیں۔ اگر زندگی کی ساری خوشیاں اور حسرتیں بے معنی ہیں تو مجھے موت کے اندر معنی تلاش کرنا ہوں گے۔ میرا سر طرح طرح کے سوالوں کی آماجگاہ بنا ہوا ہے یا یوں کہئے کہ سوالوں نے مجھے چکرا کر رکھ دیا ہے۔ کیا شوخ خوشیوں کا غبارہ پھٹ جانا' بہت سخت آزمائش ہوتا ہے؟ کیا خوشیوں سے مکمل اجتناب کچھ معنی رکھتا ہے؟ کیا عجائباتِ تخلیق ایک کارِ فضول ہے جواب خاتمے کا متقاضی ہے؟ موسیقی کی سریلی آواز ایک آزمائش ہے تو یہ متلاطم روحوں کو سکون کیوں بخشتی ہے؟ اگر روحِ پاکیزگی پر نظر جما کر دیکھنا غلط کام ہے تو اس سے گناہ کا احساس ختم کیوں ہو جاتا ہے؟ اگر کسی شرمیلے حسن کی موجودگی میں طاری ہونے والی بے خودی کی لرزش' خطا کاری ہے تو اس سے سخت دلوں میں نرمی و لطافت کیوں پیدا ہو جاتی ہے؟ اگر ہیجان خیز ملاپ کے موقع پر روح کی مخلصی محض ایک لمحاتی سرخوشی (Passing Vanity) ہے تو کیا نیکی' ہمیں الگ کر کے نہیں رکھ دیتی؟ اگر ہر خوش کن اور پُر مسرت تحفہ یا تو آزمائش ہے یا گناہ کی ذیل میں آتا ہے تو پھر حسن کے کیا معنی ہیں اور محبت کیا معنی رکھتی ہے؟

اے خدا تیری مرکزیت (Centrality) کے احترام کے پیشِ نظر ہم تجھ سے استدعا

MashalBooks.org

کرتے ہیں کہ ہمیں بتادے کہ یہ سب کچھ کیا ہے؟ لیکن یہ اس ''کانفرنس'' کی گوشہ گیری ہے جس نے اس شوریدہ سر میں ابہامات کو واضح کرنے کی دُھن ڈال دی ہے۔ کانفرنس کی گوشہ گیری' اس کے عجز وانکسار کی ضمانت ہے جبکہ اس کی بصیرت آئندہ کی روشن خیالیوں سے محظوظ ہو رہی ہے۔ اے خدا' تو نے ہمیں مسرتوں بھری جنت کی نعمتوں سے ہمکنار کرنے کا وعدہ کر رکھا ہے لیکن تیرے انصاف کا تقاضا ہے کہ ہمارے اندر آئندہ کی سچائیوں کو قبول کرنے کا بھی ذوق پیدا ہو جائے۔ ہم روئے زمین کے شگونوں اور اس کی خوشیوں میں' اور اس کے بادلوں میں' جو آنے والی بجلیوں اور طوفانوں سے خبردار کرتے ہیں اپنی بداعمالیوں کے باوجود تیری رحمتوں اور نعمتوں کو محسوس کر رہے ہوتے ہیں۔ جی ہاں یہ ''کنارہ کشی'' اس لطف وکرم کی پیغام رسانی کر رہی ہے جو ''بامعنی'' اور ''بے معنی'' کے درمیانی فاصلے کے اندر کہیں چھپا ہوا ہے۔

میں اس امر کا گہرا ادراک رکھتا ہوں کہ جب ہم کسی کو مس کرتے ہیں' جب کہیں نظر جماتے ہیں اور جب اظہارِ محبت کرتے ہیں تو وہ ایک امکانی اور وجوبی سرمستی کا پیغام ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ شادی کے ملاپ میں بھی انسانوں کو تیری وحدانیت کا ایک تجربہ ہو جاتا ہے۔ اگر ہم اس زمین کی خوشیوں کو تجھ تک رسائی کے لئے اپنے اندر سمیٹیں تو یہ زندگی ہرگز بے معنی نہیں رہے گی۔

مئی ۲۰۰۰ء

MashalBooks.org

باب 44

نغمۂ محبت

جب میں اپنی آنکھیں کھولتا ہوں تو تیری خوبصورتی دیکھ کر جل اٹھتا ہوں، جب آنکھیں بند کرتا ہوں تو سکون آ جاتا ہے مگر "اندھا" ہو جاتا ہوں۔ اگر عقل مومن ہی کی میراث ہے تو کیا تم حُسن پر مومن کی عملداری کے نتائج کا تصوّر کر سکتی ہو؟ میں تجھ سے کچھ بھی نہیں چاہتا...... نہ تیری نفرت اور نہ تیری محبت...... کیونکہ جب میں کچھ چاہتا ہوں تو صرف خدا کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ میں اُس سے اِس دماغی صلاحیت کے لئے دعا مانگتا ہوں جو ہمیں اس کلیتاً عارضی دنیا میں مطمئن اور پُرسکون رکھ سکتی ہو۔ میں ان تمام فضول و عبث چیزوں، ان کی علامتوں اور ان کی مماثلتوں کی مذمت کرتا ہوں جو مجھے اصل حقائق سے غفلت اور بے فکری میں مبتلا کر سکتی ہوں۔ تم بے فکر رہو، میں تم سے کسی چیز کا طلب گار نہیں ہوں۔ کیا ابنِ عباسؓ (۶۸ھ/۶۸۷ء) نے یہ نہیں کہا "محبت کے ہاتھوں مارے جانے والوں کیلئے نہ کوئی جائے پناہ ہے اور نہ کوئی صلہ ومعاوضہ"۔

اے راہِ حق میں میری ہمسفر بہن، کاش میں اپنی لاکھوں جذباتی غزلوں سمیت آگ میں جل کر انہیں تمہارے دل پر کندہ کر دیتا۔ تمہارے تصوّر میں بھسم ہو کر ایک صاف وشفاف روحانی پیکر میں ڈھل جاتا اور شروع ہی سے تمہاری زندگی کی رہنمائی کرنے لگتا۔ کاش میں اپنے قدموں کے نشان چھوڑتا ہوا آگے بڑھتا رہتا۔ جب میری بے آرامی کی نیند میرے ارادوں کو توڑ دیتی ہے تو جی کہتا ہے کہ کاش میں اپنی تھکی ہوئی آنکھوں کو پھوڑ کر اپنے دل کے کھنڈروں کی نذر کر سکتا اور چھلانگ لگا کر اس زندگی میں واپس آ جاتا اور تمہارے رُخِ روشن کے سامنے رقص کرنے لگتا۔ کاش خدا مجھے تمہاری یادوں کے عین درمیان ایک لازوال

MashalBooks.org

علاقے میں بسا دیتا۔

اے راہ خدا میں میری ہمسفر بہن؛ میرے دل میں ہمیشہ سے یہ خواہش موجود رہی ہے کہ اس دنیا کے عارضی پن سے انکار کر دوں لیکن اس پتے کی طرح جو بڑی دیدہ دلیری سے نا چتا رہتا ہے۔ تاوقتیکہ ندیا کا تیز بہاؤ اسے اپنے ساتھ بہالے جاتا ہے؛ زمین میں گڑے ہوئے پہاڑ کی طرح، جو نہایت اعتماد سے اپنا سر بلند کئے کھڑا رہتا ہے تاوقتیکہ ہوا اسے خشک کر کے ریزہ ریزہ کر ڈالتی ہے؛ اس دل کی طرح جو محبت کرنا چاہتا ہے مگر اپنے خوابوں میں غرق ہو جاتا ہے؛ اس ذہن کی طرح جو جاننے کی کوشش کرتا ہے مگر خوف اسے شل کر دیتا ہے؛ اِس ستارے کی طرح، جو اپنے آپ میں سمٹ جاتا ہے اور بالآخر آسمان میں جذب ہو جاتا ہے؛ خشک ہو جانے والے پتوں کی طرح جو پاؤں تلے روند دیئے جاتے ہیں؛ میں اپنی شیخیوں اور خودنمائی میں مگن رہتا ہوں؛ مغالطوں اور غلط فہمیوں پر مبنی سوچ کی طرح ایک روز میرا گل سڑ جانا، ایک ناگزیر حقیقت بن جائے گا۔

لیکن اس خودنمائی اور ناگزیر فرسودگی اور بوسیدگی کے پیچھے وہ محبت کارفرما ہے جو ہمیشہ باقی رہتی ہے اور بالآخر خدا تک جا پہنچتی ہے۔ یہ وہی محبت ہے جو تالے اور گانٹھ سے دُور، عقد نکاح اور پھیروں والے بندھن سے دُور، اشتراکِ عمل اور زبانی وعدے وعید سے بھی دُور ہے۔ یہ وہ محبت ہے جو دنیاداری کے تمام بندھنوں اور رکاوٹوں کو شکست دے سکتی ہے۔ میں بزدلانہ لمس یا لرزتے ہوئے بغل گیری کا متمنی نہیں ہوں۔ میں کسی اذیّت یا مایوسی سے دوچار نہیں ہونا چاہتا؛ میں اپنے احساسِ درد سے نجات نہیں چاہتا؛ میں زندگی پر سبقت لے جانا چاہتا ہوں؛ اپنی قسمت سے بہت آگے نکل جانا چاہتا ہوں۔ میں خدا سے متاعِ دنیا سے بلند تر چیزوں اور روحانی سکون؛ دائمی محبت اور فردوسِ بریں کا ساماحول مانگتا ہوں۔

میری محبوبہ؛ ایک بار نامور عالم دین ابن حزمؒ (متوفی ۴۵۶ھ/۱۰۶۴ء) نے کہا تھا کہ محبت ممنوعہ چیز نہیں؛ یہ کیفیتِ بے چینی ہے جو مصیبت بھی لاسکتی ہے اور راحت بھی۔ اگر ہم محبت کا علاج دنیاوی چیزوں سے کریں تو یہ بیماری؛ شہوت پرستی؛ اکتاہٹ؛ رسوائی اور بدنامی بن جائے گی۔ اگر ہم عظمتِ کردار کا مظاہرہ کریں تو اپنے اندر الوہیت کا احساس پائیں گے۔ تم میری محبت کے جواب میں مجھ سے محبت کرو یا نہ کرو مگر میں مطمئن ہوں کہ میں نے اپنے جسم اور اس کے تقاضوں سے آگے بڑھ کر اور اپنے عارضی پن کو خاطر میں نہ لا کر اور اپنی

ساخت میں استعمال ہونے والی مٹی کے تقاضوں پر قابو پا کر تم سے محبت کی ہے۔

میں ابن حزم کے ایک ہزار سال پہلے کے پند و نصائح کا ذکر بند کرتا ہوں اور دور حاضر کی طرف آتا ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ اہل مذہب میں کچھ دیوانے لوگ بھی ہوتے ہیں وہ کہہ سکتے ہیں کہ ''اسے ایسی فحش نظمیں لکھنے کی کیا ضرورت تھی؟ اس نے سیدھی راہ چھوڑ کر فحش گوئی کا سلسلہ کیوں شروع کر دیا ہے''۔ میں اس اعتراض کا وہی جواب دوں گا جو تم سے اب کہہ رہا ہوں۔ محبت میں کوئی گناہ نہیں ہے لیکن گناہ میں عیاشی اور شہوت پرستی بھی ہے' اگر آپ مذمت کرنا چاہتے ہیں تو گناہ کی مذمت کریں' محبت کی مذمت نہ کریں۔ کیونکہ ایسا کرنا ناشائستگی ہے اور کلمۂ کفر بھی ہے۔ کیا کلمۂ کفر کہنے والا انکارِ خدا کا مرتکب نہیں ہو جاتا؟ کیا خدا خوبصورت تر اور بلند تر نہیں ہے؟ کیا یہ بے ہودگی نہیں ہے کہ خدا کی تو تعریف کی جائے مگر ان عناصر اور ان صفات سے اظہارِ نفرت کیا جائے جو خدا کے جلال و جمال کی توضیح و تشریح کرتی ہیں۔ محبت کی اعلیٰ ترین قسم وہ ہے جو خدا سے کی جاتی ہے مگر محبت کی باقی اقسام بھی خدا کے حسن کے باغ میں لہلہاتے ہوئے پھولوں کی مانند ہیں۔

مئی ۲۰۰۰

باب 45

میرے شیخ کی الوداعی نصیحت

مغالطوں اور توہمات کا شکار ہو جانے والے دل کو کس سے شفا ملتی ہے؟ سچ کو سامنے پا کر جب کوئی خوف و ہراس میں مبتلا ہو جائے تو اسے کون سہارا دیتا ہے؟ جب وہ تقویٰ اور پرہیزگاری کی ساری علامات کو اپنے خوف کے کنوئیں کے اندر انڈیل لے تو اسے کون شفا دیتا ہے؟ جب ایک کند ذہن شخص پارسائی کا لبادہ اوڑھ لے تو کیا اس کے لئے خدائی روشنی مدھم یا بالکل ہی غائب نہیں ہو جاتی؟

میری کانفرنس' ''کانفرنس آف بکس'' میرے دل کو خدا کے حُسن و جمال سے منور رکھتی ہے اور میری خواہش پر مبنی حکایات کو مسترد کر دیتی ہے۔ یہ کتابیں مجھ پر سچائی کی چادر کے سوا کوئی پردہ نہیں رہنے دیتیں اور روحانی روشنی مجھ پر کوئی خوف طاری نہیں ہونے دیتی۔ یہ کتابیں مجھے غرور میں مبتلا ہونے سے بچاتی ہیں اور حقائق پر نظر رکھنے میں مدد دیتی ہیں۔

زندگی جو کبھی حسنِ مجسم ہوا کرتی تھی اب بکھر کر صرف یادداشت کے دائروں میں محصور ہو گئی ہے۔ اب اس کی بازیافت کا کوئی امکان نہیں لیکن اے میری کانفرنس' باقیات کو مجتمع کر لے' سچ کو بچالے اور اس کے حسن کو بحال کر دے۔

اب میں اپنی یادیں تازہ کرتا ہوں: صبح سویرے' ریڈیو سے قرآن کی پُر سوز قرأت شروع ہوتی تو میری ماں کچن میں روٹیاں پکا رہی ہوتی تھی...... میری چادر اور رومال ہمیشہ دروازے کے پیچھے لٹکے ہوئے ہوتے تھے۔ انہیں لے کر میں بلند آواز میں ''السلام علیکم'' کہہ کر مسجد کے لئے روانہ ہو جایا کرتا تھا۔ جب میں واپس آتا تو ماں کو نماز میں مصروف پاتا تھا۔ میری سکول یونیفارم کا نیوی کلر کبھی تبدیل نہیں ہوا۔ میں پتلون اور شرٹ کو احمقانہ لباس سمجھتا اور ان سے

MashalBooks.org

بہت نفرت کرتا تھا۔ ایک طلوعِ آفتاب کے وقت نشر ہونے والی خبروں میں بتایا گیا کہ اسرائیلی طیاروں نے پھر بمباری کر دی ہے' اس کے ساتھ ہی یہ رسمی اعلان بھی کیا گیا کہ ''ہماری دفاعی فورسز نے دشمن کو پسپا ہونے پر مجبور کر دیا ہے''۔ یہ جُملہ ہماری تذلیل اور شکست کا اعتراف ہوا کرتا تھا۔

ہمارے شیوخ نے کہا کہ مومن کا دل حسن کی آماجگاہ ہے اور ہر کام میں درجۂ کمال حاصل کرنا کمالِ حُسن ہے۔ چنانچہ سکول کی تعلیم کے دوران فیل ہو جانا یا کم نمبروں سے پاس ہونا' آسانی سے ہضم نہیں ہوا کرتا تھا۔ وہ یہ بھی کہتے تھے ''مومن کو جہاد کا حکم دے کر اس کے وقار میں اضافہ کر دیا گیا ہے۔ جبکہ جہاد کامیابی کے لئے ایک جدوجہد کا نام ہے''۔

سکول سے واپسی ہماری زندگی کی دوعملی پوری طرح واضح ہو کر سامنے آجایا کرتی تھی۔ ہمارا نیوی کلر ٹائیٹ لباس' ڈھیلے ڈھالے سفید لباس میں تبدیل ہو جاتا تھا اور ننگا سر ''کوفیہ'' سے ڈھک جاتا تھا' جیب میں مسواک رکھ لی جاتی تھی۔ چھوٹی سی داڑھی پر خوشبو لگا لی جاتی تھی۔ ماضی کا خواب اور حال سے لاتعلقی ہمارا عام طرزِ عمل تھا۔ تاہم یہ کبھی نہیں سوچا گیا تھا کہ ہم مسواک سے یا سر پر بندھے رومال سے دنیا کو تبدیل کر کے رکھ دیں گے۔ میں ہاتھ میں کتابیں لئے زور سے ''السلام علیکم'' کہہ کر مسجد کی طرف روانہ ہو جاتا تھا۔ ہم عقائد پر زیادہ بحثیں نہیں کرتے تھے اور نہ بلا وجہ علمیت بگھارنے کی کوشش کرتے تھے' صرف مطالعہ کیا کرتے تھے۔

ہماری زندگی ماضی اور حال میں منقسم تھی' دو ثقافتوں' دو ملکوں' دو قسم کے اساتذہ' دو قسم کے دوستوں اور دو قسم کی کتابوں میں بٹی ہوتی تھی' ہمارے لئے ان میں سے ایک قسم کو شیطانی راستہ اور دوسری قسم کو رحمانی راستہ قرار دینا کتنا آسان ہوتا تھا' اسی طرح ان میں سے ایک کو قابلِ تحسین اور دوسرے کو قابلِ مذمت سمجھنا بھی اسی دوعملی کا مظاہرہ تھا لیکن ان میں سے ایک جاہلیت کا راستہ تھا اور دوسرا اسلام کا راستہ تھا۔

میں چلچلاتی دھوپ اور اڑتی ہوئی ریت کی پرواہ کئے بغیر مسجد کی طرف جا رہا ہوتا جس کے کنارے پر چھوٹے چھوٹے سات درخت کھڑے تھے جو اپنی زبانِ حال میں ''تسبیح'' پڑھ رہے ہوتے۔ ان کے درمیان ایک سیمنٹ کے ٹوٹے ہوئے ستون کا ٹکڑا تھا۔ سالہا سال پہلے یہ میرا ''ساتھی'' اور میرے کئی سہانے خوابوں کا مرکز ہوا کرتا تھا۔ میں اس پر بیٹھ کر اوپر

سے دیکھنے والی دو آنکھوں کا منتظر رہتا تھا' دل میں دعا کر رہا ہوتا کہ میں اس کی صرف ایک ہی جھلک دیکھ لوں۔ میں سوچ رہا ہوتا وہ ایک چھوٹے سے لڑکے کو رومال میں اپنا سر چھپائے اپنا منتظر پا کر بہت محظوظ ہو گی۔ اگر میں دبی ہوئی آواز میں اسے ''السلام علیکم'' کہتا اور وہ اس کا جواب دیدیتی تو میں خوشی سے جھوم اٹھتا اور بادلوں کے ساتھ تیرنے لگتا۔لیکن جوانی بڑی ظالم چیز ہوتی ہے' اسی لئے میں ٹوٹے ہوئے ستون کے اس ٹکڑے سے بھی محبت کرنے لگا۔لیکن بالآخر اس نے مجھے چھوڑ دیا۔

میں اس گرم ریت کی حدت میں اکثر بلال ابن رباح (متوفی ۱۷۔۲۱ھ/ ۶۳۸۔ ۶۴۲ء) کو یاد کرتا جنہیں ان کا ظالم آقا گرم ریت پر لٹا کر سینے پر پتھر رکھ کرتا تھا' حضرت ابو بکر صدیق (متوفی ۲۲ھ/۶۳۴ء) نے رہا کرا دیا۔لیکن آج ہمیں کون رہائی دلائے گا۔

خدا ہمیں یاد دہانیاں کراتا ہے اور ہمارے ماضی حال اور مستقبل کو آپس میں جوڑتا رہتا ہے۔ان درختوں سے گزر کر آگے ایک مردہ بلی کا ڈھانچہ پڑا تھا جس پر کچھ کھال ابھی باقی تھی۔اسے دیکھ کر مجھے اپنا انجام بھی یاد آیا' میں دعا کرتا ہوں کہ خدا کرے کہ اس وقت خدا کے پُر شفقت ہاتھ مجھے ڈھانپ دیں۔ پاس ایک تاروں کی باڑ تھی جو سڑک کو آبادی سے جدا کرتی تھی۔اس کے پاس سے گزرتے ہوئے میں چیونٹیوں کے بلوں پر'' سلام'' بھیجنا نہ بھولتا۔ ہمارے کچھ بھائیوں نے باڑ کو کاٹ کر اس میں سے گزرنے کا راستہ بنا دیا تھا۔ جہاں سے دوڑتے ہوئے ہم سڑک کی دوسری جانب نکل جاتے تھے۔

فرشتہ صفت اساتذہ

مسجد میں ہم سبق پڑھتے اور اگلے اسباق کی بھی تیاری کرتے' اپنی یادداشت کی ناکامی پر ڈانٹ پھٹکار سنتے' بحث مباحثے میں سرگرمی سے حصہ بھی لیتے۔ مسجد عمر بن عبدالعزیز میں نماز مغرب سے نماز عشاء تک شیخ عادل عید کا حلقۂ درس جما رہتا۔ بدھ اور جمعرات کو نماز عشاء کے بعد شیخ الوردانی کا حلقہ ہوتا جس میں اصول اور قواعد کی تدریس ہوتی۔ شیخ ودیع ہر ہفتے میں تین گھنٹے قرآن مجید پڑھاتے تھے۔ ہماری گفتگو کچھ یوں ہوا کرتی تھی:۔ شیخ آج رات پانچ صفحے پڑھائیں گے'' ...... ''نہیں' انہیں اس بات پر سخت مایوسی ہو گی کہ ہم پچھلے ہفتے کے اسباق کے بارے میں الجھے ہوئے ہیں''

''انہوں نے کہا تھا کہ استحسان' قانون کا ۹/۱۰ حصہ ہے' اب وہ ہم سے اس کی وضاحت چاہیں گے'' ...... ''نہیں وہ ہمیں کہیں گے کہ ہم حدیث کے اندرونی تضاد کو دور کر کے انہیں آپس میں مربوط کریں''۔

ہم ہر رات ''کانفرنس'' سے مستفید ہوتے' ہر مضمون ہمارے لئے باعثِ کشش ہوتا تھا' ہر سوال ہمارے لئے ایک چیلنج ہوا کرتا تھا۔ ہم ہر کتاب میں الجھ کر رہ جاتے اور شیخ ہمیں الجھنوں سے نکال دیتے تھے۔ ہم روشنی کا پیچھا کرتے حتیٰ کہ وہ ہمیں اپنے اندر جذب کر لیتی تھی' ہمارے دلوں کو منوّر کرتی اور ہمارے ذہنوں میں تازگی پیدا کر دیتی۔ ہم اپنے شیوخ سے خدا کے حوالے سے پیار کرتے تھے۔ یہ محبت خالصتاً اللہ کے لئے تھی۔ ہماری روح خلوص اور بے ریائی کی خوگر تھی' لالچ اور خوف کا دور دور تک پتہ نہ ہوتا تھا۔ کلاسوں میں نہ گریڈ ہوتے تھے نہ کرسیاں اور نہ طبقے۔ کوئی بیوروکریٹک وزارت نہ ہوتی تھی۔ صرف محبت وعقیدت تقویٰ اور پرہیزگاری کا دور دورہ تھا۔

ایک روز شیخ عادل عید نماز مغرب سے ذرا پہلے مسجد میں آ گئے۔ ہم شوق واحترام کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے۔ ہمارا یہ اشتیاق ہمارے دلی جذبات کی عکاسی کرتا تھا جن کا اظہار کئی چھوٹی چھوٹی باتوں سے ہو جاتا تھا...... مثلاً پانی کا گلاس پیش کرنے کے انداز سے' سوال پوچھنے کے طریقے سے' یا کسی جملۂ تشکر ''بارک الله فیک'' سے۔ میں اس شیخ سے خاص عقیدت رکھتا تھا اور اسے آنحضرتؐ کی چھوٹی سی جھلک سمجھتا تھا۔ اللہ اس کی روح کو ہمیشہ سکون میں رکھے۔ شیخ عید نے بھی دیگر بہت سے شیوخ کی طرح اپنی دائمی مسکراہٹوں کے باوجود قاہرہ کے قلعوں کے اندر عقوبت خانوں کے ''مزے'' چکھے ہوئے تھے۔ جامعہ ازہر سے فارغ ہونے کے بعد اس نے میڈیکل سکول میں داخلہ لے لیا تھا' پانچویں سال کے امتحان کا پرچہ دینے کے بعد اسے گھسیٹ کر قید خانے پہنچا دیا گیا تھا جہاں بیس سال گزارنے کے بعد وہ منظر عام پر آیا تھا۔ جب ہم اس سے کہتے...... ''وہاں آپ نے بہت سی تکلیفیں اٹھائی ہوں گی یا شیخ......'' تو اس کا جواب یہ ہوتا...... ''بہتر یہ ہوگا کہ ان بھائیوں کو یاد کرو جو جان سے ہاتھ دھو بیٹھے''۔ میں ایک روز دوڑ کر اس کے پاس پہنچا...... ''کیف حالک یا شیخ؟''

اس نے مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا ''الحمدُ لِلّٰه...... کیا تم تیار ہو؟''

میں تیار ہوں لیکن یہ کافی نہیں' جب بندہ اپنے رب اور اس کی عظمتوں کو سمجھنے کی کوشش

کر رہا ہوتو میری ذہانت وہاں کیا معنی رکھتی ہے' میری تیاری کبھی بھی کافی نہیں ہوئی تھی۔ ہم مسجد کے بائیں کونے میں جمع تھے۔ جمعرات کا دن تھا' مسجد کے وسط میں تبلیغ کا حلقہ جما ہوا تھا' مقررین کی آوازیں بلند سے بلند ہو رہی تھیں' مجھے ان کے درمیان اپنا بیٹھا ہونا اکثر یاد آتا ہے' اس زمانے میں اسلام چند احادیث کے مجموعے کا نام ہوتا تھا اور قرآن صرف ایک آیت پر مشتمل سمجھا جاتا تھا۔ اس تبلیغ کے دوران ہم پڑھتے تھے...... " قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ O ...... (تم ان سے صاف کہہ دو کہ " میرا راستہ تو یہ ہے کہ میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں' میں خود بھی پوری روشنی میں اپنا راستہ دیکھ رہا ہوں اور میرے ساتھی بھی اور اللہ پاک ہے اور شرک کرنے والوں سے میرا کوئی واسطہ نہیں "...... سورۃ یوسف آیت ۱۰۸)

ان دنوں ہم بھاگ بھاگ کر دروازوں پر دستک دیتے' لوگوں کو اپنی طرف بلاتے' اپنے صاف اور روشن راستوں پر چلنے کی دعوت دیتے' چند علامات تھیں جو ہماری وضع قطع سے ظاہر تھیں۔ چھوٹے رومال' مسواکیں' داڑھیاں اور چند مشہور جملے جنہیں ہم جا و بے جا دہراتے تھے اور انہی کے نعرے لگاتے تھے مگر یہ سب کچھ کسی بصیرت کے بغیر تھا۔

ان دنوں میں ہر کسی کو اپنی طرف بلاتا تھا' اس دعوت میں اتنا مصروف رہتا کہ خود کو بھلا دیتا تھا۔ میرا سب کچھ میرے حلیئے سے ظاہر ہوتا تھا' میری گفتگو اور میری علامات پوری دنیا کی مذمت اور اس سے لاتعلقی کے اظہار پر مشتمل ہوتی تھیں' میں اپنی رائے دوٹوک یعنی توپ کے تابڑتوڑ گولے چھوڑنے کی طرح' دیا کرتا تھا۔ میری گفتگو تلوار کے پھل کی طرح صاف تھی اور میں بے خوفی سے تکفیر کی تلوار بازی کرتا رہتا تھا' یہ صورت حال اس وقت تک برقرار رہی جب ایک روز مجھ پر ایک اور دورہ پڑ گیا۔ میں نے نیند سے بیدار ہوتے ہی اپنی بہن' بھائی' والدہ اور والد کی مذمت کرنا شروع کر دی۔ یہ مذمت غالباً چند مسائل کے حوالہ سے تھی' داڑھی رکھنا' خوشبو استعمال کرنا' کسی امام کی بیعت کا لازم ہونا' موسیقی کا حرام ہونا' ٹیلی ویژن دیکھنا' ٹائی' پتلون' بریز' زیر جامہ پہننا' ٹوتھ پیسٹ' یا جیلو یا جام کا استعمال' ناک کے بال چننا' زیر ناف بالوں کی صفائی مخلوط اجتماعات' ٹیلی فون پر مردوں سے عورتوں کی گفتگو حرام ہونا' غیر اسلامی ریاضی پڑھنا پڑھانا' فن مصوری' شادی کی انگوٹھی پہننے کا ممنوع ہونا' صبح کا سلام' ناول لکھنا اور پڑھنا' بعض کتابوں کو تباہ کرنا' پانچوں نمازیں مسجد میں باجماعت ادا کرنا' اہل تشیع کی

MashalBooks.org

مذمت' یا سانس کے ذریعہ اندر کھینچی جانے والی ہوا کا حرام ہونا' مجھے یاد نہیں پڑتا کہ ان دنوں کی ان مقبول عام باتوں میں سے کونسی تھی جس کی وجہ سے میں ہر کسی کو لتاڑ رہا تھا۔ میرا والد عموماً مجھے نظر انداز کرتا اور مسلسل اپنے مطالعے میں مصروف رہتا تھا۔ مگر اس روز اس نے اپنی کتاب بند کر دی اور سیدھا مجھے دیکھتے ہوئے بولا...... "ٹھیک ہے تم نے خدا کا قانون پا لیا ہے جسے ہم سب بھول چکے تھے' ہم تمہاری اطاعت کرنے حتیٰ کہ اگر چاہو تو تمہاری بیعت کرنے کو تیار ہیں لیکن صرف ایک درخواست ہے وہ یہ ہے کہ تم میرے ساتھ چل کر شریعت کے حلقہ تعلیم میں شرکت کرو۔ وہاں جو کچھ کہا جائے وہ اگر تمہاری سمجھ میں آ جائے اور سارے سوالوں کے جواب دے سکو تو بس جو کچھ کہو گے ہم تمہاری اطاعت کر لیں گے۔

میں نے تاؤ میں آ کر سب کچھ قبول کر لیا مگر مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ میں جس بات پر رضا مند ہو چکا ہوں' اس سے تو میری پوری زندگی تبدیل ہو جائے گی' میں وہاں کا جا کر ایک سوال کا بھی جواب نہ دے سکا' حتیٰ کہ پوچھے جانے والے سوالوں کو سمجھنے سے قاصر رہا۔ حلقے میں کئی اصطلاحات "تخریج"، "ترجیح"، "تنقیح"، "دلیل العقل"، "سنن" اور "مسند" سے سابقہ پڑا۔ میں اگر ایک حدیث کا حوالہ دیتا تو مجھے دس اعتراضات کا سامنا کرنا پڑتا' صحابہ اور تابعین کے حوالے کے نظائر پیش کر دیئے جاتے۔ میں اتنا زچ ہوا کہ میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ میں پریشان ہو کر گھر لوٹ آیا مگر میں اپنی شکست ماننے کو تیار نہ تھا لیکن میں دل میں جانتا تھا کہ میں ایک موڑ پر آ گیا ہوں اور اس وقت تک سیدھا اس لئے دوڑ رہا تھا کہ کبھی مزاحمت سے سابقہ ہی نہیں پڑا تھا۔

اس واقعہ کے بعد بمشکل ایک ہفتہ گزرا ہو گا کہ میں شیخ عید کے ہتھے چڑھ گیا' جنہوں نے کئی کتابیں میرے ہاتھ میں پکڑا دیں' پھر کئی اور شیوخ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کئے۔ کئی راتیں کئی مسجدوں میں گزریں۔ ہم ایک حلقے میں بیٹھ کر پڑھنے لگے۔ استاد ہماری تصحیح کرتا اور سوالات بھی کرتا' یہ سلسلہ بڑھتا رہا۔ میرے سکول کے زمانے میں میرے قدم سستی سے اٹھ رہے تھے۔ مصر کی گرمیوں میں نماز فجر' نماز عصر اور نماز عشاء کے بعد حلقے منعقد ہونے لگے اور ذوق علم کے پودے پھلنے پھولنے لگے۔

اے میرے اساتذہ' اے قابل صد احترام شیوخ...... شیخ ودیع' شیخ الوردانی' شیخ خلف' شیخ العیسوی' شیخ علی الزناتی' شیخ ابراہیم الفضل' شیخ حسین عویدہ' شیخ عادل الرضی' شیخ الدجاوی'

شیخ الباقری، شیخ ابراہیم عبدالخالق، شیخ محمد غزالی، استاد حسن عبدالغنی اور استاد حسین مدرسی۔ میں آپ کو کیسے بُھلا سکتا ہوں؟

اور میں ایک گرم دن ریتلی ہواؤں کے جھونکوں کا مقابلہ کرتا ہوا، مسجد کی طرف رواں دواں تھا، جو میری آخری بار تھی، میں نماز عشاء کے بعد مسجد میں داخل ہوا۔ حلقہ ختم ہوا تو میں اپنے شیخ سے گلے ملا اور ان کے سینے سے چپک کر ہی رہ گیا۔ اس نے ہمیں ہاتھ پر بوسہ دینے سے منع کر رکھا تھا لیکن میں نے حکم عدولی کرتے ہوئے اس کا ہاتھ چوم لیا اور کہا......اے شیخ میں کل امریکہ روانہ ہو رہا ہوں۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ میں اس کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ مجھ پر بلا وجہ معقول ایک خوف طاری تھا، میں نے اجازت چاہی اور اس نے کہا......

''جاؤ بیٹے اللہ تمہارا حامی و ناصر ہو، علم کے لئے اپنے دل کے دروازے کھولے رکھنا، خواہ جہاں بھی رہو، علم میں سے تمہیں اپنا حصہ بقدر ہمت ملتا رہے گا۔

مئی ۲۰۰۰ء

MashalBooks.org

باب 46

استعماریوں کا تعصب

یہ ''کانفرنس'' صرف متوازن ذہنوں کے لئے حقائق کے دروازے کھولتی ہے۔ تحقیق اُس کا سرمایۂ حیات اوراس کے حُسن کی جان ہے۔ جبکہ حُسن کا اصل جوہراس کا متوازن ہونا ہے۔ حُسن توازن کی وہ حساس ترین کیفیت ہے جوصرف ربّ کائنات کے ترازو پر تلنے سے ظاہر ہوسکتی ہے۔ میں یہاں بیٹھ کر کانفرنس کے صفحات کوکھول رہاہوں تا کہ حسن کی اصل قوت کو بے نقاب کرکے ذہنوں کاعدم توازن دور کرسکوں۔ میں اپنے اندرمحبت کی نشوونما کررہاہوں کیونکہ وہ انصاف کے ترازو کی نگہداشت کرتی ہے۔ اگرمحبت اس ترازو کی نگہداشت کرنے کی قوت رکھتی ہے تو تعصب'اس نازک وحساس روح کے لئے انتہائی ناگواراور قابل نفرت چیز ہے۔ تعصب وہ عفونت وسڑاند ہے جودل کی قوتِ مدافعت کودیمک کی طرح چاٹ لیتی ہےاورفکر کی صلاحیتوں کوتہہ وبالا کر کے رکھ دیتی ہے۔

یہ استعماری قوتوں کا تعصب ہی تو تھا جس نے کچھ عرصہ پہلے ہماری پُرسکون زندگیوں میں بے جامداخلت کر کے ہمیں تباہ وبرباد کردیا تھا۔ اس نے سرمایۂ علم سے ہمارے رابطے منقطع کردیئے تھےاورہمیں یہ باور کرانے کی کوشش کی تھی کہ ہماراتہذیبی ورثہ محض ایک جھوٹ ہے۔ استعمار نے ہمارے دلوں' ہمارے ذہنوں' ہمارے اعضاوجوارح اور ہماری بصیرت کو روگ لگا دیا تھا جس کی بنا پر ہم اپنی تاریخ کو ایک بگاڑ اور ایک فساد کا تسلسل سمجھنے لگے اور معذرت خواہانہ انداز میں اس سے انکار کرنا شروع کر دیا۔ اس تعصب نے ہمارا ذہنی توازن بگاڑ دیااور ہم اپنی تاریخ کوایک فرضی مجموعۂ کمالات کے طور پر پیش کرنے لگےاور باقی سب کوارواحِ خبیثہ قرار دے دیا۔ خواہ یہ خوف یا نفرت کا تعصب ہے' استعماریت یا استعمار زدگی کا

تعصب ہے یا دوستی یا دشمنی کا تعصب ہے مگر نہایت کریہہ المنظر چیز ہے جس نے کہ خدا کے قائم کردہ توازن کا حلیہ بگاڑ دیا ہے۔

تعصب کا ایک نیا ''شاہکار'' ڈینیل پائپس (Daniel Pipes) کی ہرزہ سرائی کی صورت میں سامنے آیا ہے جس نے میری طبیعت مکدّر کر کے رکھ دی ہے۔ یہ ایسی بات نہیں کہ کوئی بہت ہی انوکھا یا طبع زاد قسم کا تعصب ہے لیکن اس کا جواب دینے پر جو وقت صرف ہونا ہے وہ بہت تکلیف دہ بات ہے۔ ایسے تعصب کے بارے میں کیا کہا جائے جو روح میں پھر خلفشار پیدا کر دے۔ ایسے لوگوں کے بارے میں کیا رائے قائم کی جاسکتی ہے جو بلاوجہ اپنے خبثِ باطن کا مظاہرہ شروع کر دیں اور تاریخ کو اس طوائف سے تشبیہہ دیں جس نے اپنے چہرے کو بے تحاشا رنگ وروغن تھوپ کر مزید بدنما کر لیا ہو یا جس کا وجود ہی دوسروں کے تلذّذ کیلئے یا ان کے سیاسی مقاصد پورے کرنے کیلئے بنا ہو۔

اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں ڈینیل پائپس کا نیا انکشاف یہ ہے۔ ''ان کی تاریخ محض ایک جُھوٹ ہے''۔ جیسا کہ ایک بلا دوسری بلا کو دعوت دیتی ہے یہ ''پائپس'' ایک اور مبتذل شخص ابن ورّاق کا ہمنوا ہے جو کمال ڈھٹائی کے ساتھ مسلمانوں کو مذہب اور خدا سے پیچھا چھڑانے کی علی الاعلان ترغیب دیا کرتا تھا' اس نے اس عنوان سے ایک کتابچہ لکھ کر ہمیں حیران وششدر کر دیا تھا کہ ''میں کیوں مسلمان نہیں'' اسی طرح برٹرینڈ رسل نے ''میں کیوں عیسائی نہیں'' کے عنوان سے کتاب لکھ دی ہے۔ رسّل نے تو بہرحال فلسفہ لکھا لیکن جو کچھ ابن ورّاق نے لکھا وہ رطب ویابس کے سوا کچھ نہیں تھا۔ اس مضحکہ خیز نام والے شخص نے چند گھٹیا قسم کے مضامین ڈھونڈھ نکالے اور انہیں اس عنوان "The Quest for the Historical Muhammad" کے نام سے کتابی شکل دے دی۔ کتاب کے دو ''تعارف'' ہیں جن میں سے ایک ''ابنِ راوندی'' کے فرضی نام سے لکھا گیا ہے۔ غالباً ہمارے معاصر مصنفین اس حرکت سے دو تاریخی شخصیات ''ابنِ راوندی'' (متوفی ۲۹۸ھ/۹۱۰ء) اور الورّاق (متوفی ۲۴۷ھ/۸۶۱ء) سے دوستی کی طرف اشارہ دے رہے ہیں۔ یہ دونوں شخصیتیں تیسری اسلامی صدی سے تعلق رکھتی تھیں۔ ان شخصیات کی ''مانویت'' (Manicheism) اور ملحدانہ نظریات اگرچہ اپنی جگہ متنازعہ ہیں مگر اس طبع زاد فکر کے مقابلے میں ہمارے جدید مصنفین محض نقّال اور بونے ہیں۔ غالباً وہ تصور بھی نہیں کر سکتے کہ مسلم مصنفین کا کوئی نام بھی ہوسکتا

MashalBooks.org

ہے۔ ماسوائے کسی کے ''ابن'' یا ''ابو'' ہونے کے۔ انہوں نے اپنے اصلی نام کے ساتھ سامنے آنے سے گریز کیلئے اپنے تعصب کے پیچھے پناہ لے لی ہے۔

فرضی نام تیقّن (Conviction) کا فقدان اور بزدلی وکم ہمتی چھپانے کے لئے اختیار کئے جاتے ہیں۔ بہرحال اصل مسئلہ مضحکہ خیز نام رکھنے والے افراد نہیں بلکہ ہمارا انا پرست اور زعم باطل میں مبتلا دیرینہ دوست ڈینیل پائپس ہے جو اپنے دیگر مسخرے دوستوں کی طرح اسلام کے بارے میں عربی مصادر کو ناقابل اعتماد قرار دیتا ہے اور دعویٰ کرتا ہے کہ ہم اسلام کو جو کچھ سمجھے بیٹھے ہیں وہ درست نہیں ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ ''اسلامی مآخذ آنحضرت ﷺ کی وفات سے ڈیڑھ سو سال بعد ضابطۂ تحریر میں لائے گئے تھے' مزید برآں غیر مسلم مآخذ مسلمانوں کی لکھی ہوئی مسلّمہ سیرت نبویؐ کی تردید کرتے ہیں اور جب ایک مسلمان اور ایک غیر مسلم اس پر اظہارِ خیال کرتے ہیں تو ہم سب جانتے ہیں کہ ان میں سے کس کی بات وزنی ہوسکتی ہے۔ پائپس تحریف پسند مؤرخین مثلاً جان وینسبر ڈ' یہودا نیوؤ' جوڈتھ کورین اور پیٹریشیا کرون کی مساعی کو خراجِ تحسین پیش کرتا ہے۔ اس کے خیال کے مطابق تاریخی تحریف پسندی (Revisionism) اس تصور کو چیلنج کرتی ہے کہ (۱) محمدؐ نے مکہ میں تبلیغ کی (۲) قدیم عرب میں عربی زبان مروّج تھی (۳) قرونِ اولیٰ کے مسلمان عربی بولتے تھے (۴) شروع کے دور کے مسلمان کچھ مختلف ہوتے تھے (۵) آنحضرتؐ ۵۷۰ء میں پیدا ہوئے تھے یا اس حوالے سے حضرت محمدؐ نامی کوئی شخصیت موجود تھی (۶) قرآن آنحضرتؐ پر نازل ہوا تھا یا سرزمین عرب میں اترا تھا۔ اس کے خیال کے مطابق قرآن یہودی وعیسائی روایات جمع کرکے مرتب کیا گیا تھا۔ وہ یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اسلامی تاریخ جیسا کہ مسلم مآخذ سے ظاہر ہوتی ہے' ایک مقدس جھوٹ کے سوا کچھ نہیں ہے۔

پائپس' ''سفید فام آدمی کے بوجھ'' کی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہوتے ہوئے مسلمانوں کو نصیحت کرتا ہے کہ وہ ترمیم پسندی کے مکتبۂ فکر سے صرفِ نظر کرنے کے متحمل نہیں ہوسکتے۔ بقول اس کے تحریف پسندی (ایک قسم کا) دردِ دانت ہے اور یہ غریب وپرہیزگار مسلمان جو اپنے مغالطوں اور توہمات کی لپیٹ میں آئے ہوئے ہیں یہ سمجھ رہے ہیں کہ یہ دردِ دانت اپنے آپ دور ہوجائے گا۔ لیکن پائپس' میری مہربان ماں کی طرح' جس نے مجھے کلی کرنا غرارے کرنا اور روزانہ غسل کرنا سکھایا تھا' مسلمانوں کو سکھا رہا ہے کہ دانت درد اپنے

آپ رفع نہیں ہو جاتا۔ اے سادہ لوح مسلمانو' تمہیں ڈاکٹروں اور دانشور رہنماؤں کی ضرورت ہے' پاپس کی ضرورت ہے' بیماریاں اور کمزوریاں اپنے آپ دور نہیں ہوتیں۔ خدا کا شکر ہے کہ پاپس موجود ہے جو اپنے نوآبادکار پیشروؤں کی طرح ہمیں تاریخ کی سچائیوں کا راستہ دکھا رہا ہے۔ ہم پر ہمارے تقویٰ کا ''جھوٹ'' واضح کر رہا ہے اور ہمیں ''حقیقت'' سے بھی باخبر کر رہا ہے کہ ہماری تو ہم پسند روحوں کا علاج سائنس کی معروضیت میں مضمر ہے۔ ہم اپنے آقاؤں کی مدد کے بغیر اپنے دانت درد' سر درد یا کسی اور درد پر کیسے قابو پا سکتے ہیں؟

تحریف پسندی کی عمارت دیگر تمام مسلّمہ تعصّبات کی مانند' متعدد مفروضوں کے سہارے کھڑی ہے۔ ان میں مفروضہ نمبر ا یہ ہے کہ تمام مسلمان بلاتخصیص جھوٹ بولتے ہیں۔ غالباً ان کا خمیر ہی خطا کی مٹی سے اٹھایا گیا ہے' یا شاید وہ سرتاپا مغالطوں کے کیچڑ میں پھنسے ہوئے ہیں جس کی وجہ سے انہیں حقیقت اور افسانے میں فرق ہی محسوس نہیں ہوتا۔ پاپس اور اس کے دیگر ترمیم پسندوں کے نزدیک مسلمانوں کا ضمیر انہیں دھوکہ دینے' جھوٹ بولنے یا مکاری و عیاری پر اس وقت تک نہیں ٹوکتا جب تک یہ برائیاں ان کے لئے مفید اور کارگر رہیں۔ دوسرا مفروضہ پہلے مفروضے کا ہی شاخسانہ ہے۔ وہ یہ ہے کہ غیر مسلم منابع بنیادی طور پر نسبتاً زیادہ قابل اعتماد ہوتے ہیں کیونکہ غیر مسلم لوگ تاریخی معروضیت (Historical objectivism) کے نظریے پر ایمان رکھتے ہیں۔ لہٰذا اگر ایک سو مسلم منابع ایک بات کہیں اور ایک سریانی (Syriac) منبع دوسری بات کہے تو نتیجہ صاف واضح ہے کہ اسے قبول کرنے میں کوئی تامل نہیں ہونا چاہئے۔ سریانی منبع جبلی طور پر زیادہ قابل اعتبار ہے کیونکہ یہ آزار پسند مسلمان جھوٹ کے سوا کچھ بول ہی نہیں سکتے۔ تیسرا مفروضہ بھی کچھ کم دلچسپ نہیں۔ وہ یہ ہے کہ مسلم تاریخ ایک ''تاریخ نجات'' ہے جو خودغرض اور ناقابل اعتبار مومنوں نے رقم کی ہے۔ مسلمان متعصب مذہبی مہاجرین ہیں جو اپنی گریز پا شناخت کے تعاقب میں مارے مارے پھرنے کے عادی بن چکے ہیں۔ دوسری طرف غیر مسلم بڑے دیانتدار لوگ ہوتے ہیں' ان کا مفاد بے ایمانی کا تقاضا کرتا ہو تب بھی وہ اس کے مرتکب نہیں ہوتے کیونکہ انہیں نجات کے لئے کچھ بھی نہیں کرنا پڑتا' خدا ان کی روحوں کو پہلے ہی نجات دے چکا ہے۔ چنانچہ ترمیم پسندی کی منہاجیات (Methodlogy) بڑی سادہ ہے اور وہ یہ کہ مسلمان اپنے یا دوسروں کے بارے میں خواہ کچھ بھی کہتے رہیں انہیں نظرانداز کرتے رہو اور اسی پر یقین کرو جو غیر مسلم

اپنے یا مسلمانوں کے بارے میں دعویٰ کریں۔ تحریف پسندی کا چوتھا مفروضہ جس کے بارے میں بہت کم اعتراف کیا جاتا ہے لیکن وہ منہاجیات اور نتیجے کے لحاظ سے ''بلا مغالطہ درست'' ہے' وہ یہ ہے کہ مسلمان ظالم لوگ ہیں ان کے پاس ان کی محنت کے نتیجے میں بھی جو چیز بہت اچھی حالت میں ہے وہ لازماً یہودیت' عیسائیت یا کسی اوراعلیٰ تر مہذب منبع سے اخذ شدہ ہوگی۔ لیکن ان کے اندر تشدد یا ظلم کا جتنا مادہ بھی قدرتی طور پر پیدا ہوا ہے وہ لازماً ان کی روح اور ان کے دل کی داخلی پیداوار ہے۔ ان کے پاس جتنی بھی خوبصورتی ہے' وہ انہوں نے یقیناً کہیں نہ کہیں سے چرائی ہوگی۔

ایک تحریف پسند شخص مسلمانوں پر گمراہ اور جذباتی ہونے کا الزام لگانے کے بعد یہ طعنہ بھی دے سکتا ہے کہ اسلامی تاریخ فرقہ وارانہ جھگڑوں کی فضا میں مرتب کی گئی ہے۔ اور یہ ان کے عقائد کی آویزش کے گرد گھومتی ہے۔

فرض کیجئے کہ اگر پیغمبر مبعوث نہ ہوتے' قرآن نازل نہ ہوتا اور حتیٰ کہ تاریخ بھی نہ ہوتی تو پھر فرقہ وارانہ جھگڑوں کا کیا سبب ہو سکتا تھا؟ پھر غالباً عربوں کی مشہور عالم ہوسِ مال و زر یا ان کی نسلی منافرت اور ان کی قبائلی برتری کی خواہش اس کا سبب بن جاتی۔ پھر یہ بات کہ سریانی یا یہودی ماخذ جو اپنے فرقہ وارانہ مفادات اور تعصّبات کے تابع ہیں' غیر اہم ہو جاتے کیونکہ غیر مسلم ہمیشہ اور ہر حال میں سچ بولتے ہیں۔ مزید برآں ایک یونانی ذریعۂ اطلاعات افواہوں یا خود مسلمانوں سے موصولہ ناقص روایات پر مبنی رپورٹنگ کر رہا ہوتا مگر اس سے اس کے قابل اعتبار ہونے پر کسی قسم کا اعتراض نہیں کیا جا سکتا تھا کیونکہ مسلمان جھوٹ بولتے ہیں اور غیر مسلم سچ کہتے ہیں۔

پائپس اور اس کے مضحکہ خیز ناموں والے دوست بڑی آسانی سے یہ بات نظر انداز کر دیتے ہیں کہ آنحضرتؐ کی سوانح حیات تو ان کی وفات کے بعد ایک صدی کے اندر لکھ لی گئی تھی۔ دوسری طرف وہ پودوں کی ڈنٹھلوں سے بنے ہوئے بھدے سے کاغذ (Papyri) اور سکوں پر کندہ لفظوں کے قابل اعتبار ہونے پر اظہار تفاخر کرتے ہیں لیکن اس کی وضاحت نہیں کرتے کہ وہ کن سکوں اور کن ڈنٹھل کے کاغذوں کی بات کر رہے ہیں؟۔ کیا وہ سکے اور وہ بھدّے کاغذ بلا لحاظِ ماخذ قابلِ اعتبار ہو سکتے ہیں؟ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ وہ پہلی صدی میں ان کاغذوں پر لکھی ہوئی آنحضرتؐ کی احادیث اور مسلمانوں کی تاریخ کے ان واقعات کو بھی نظر

انداز کر دیتے ہیں جن کی تصدیق بنی امیہ اور بنو عباس کے ادوار کے سکوں پر کندہ عبارتوں سے ہوتی ہے۔ وہ پیپرس پر ''سیز جن'' (Sezgin) اور دیگر لوگوں کی لکھی ہوئی ان عبارتوں کو بھی نظر انداز کر دیتے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام کی پہلی صدی میں لکھے ہوئے قرآن کی بھی وہی عبارت تھی جو اس وقت مروجہ عبارت ہے۔ مزید برآں وہ اس حقیقت کو بھی خاطر میں نہیں لاتے کہ قرآن دوسری اور تیسری اسلامی صدیوں کے تاریخی سیاق و سباق کی عکاسی نہیں کرتا بلکہ قریش، مکہ، مدینہ، منافقین اور آنحضرتؐ کے واقعات سے ہی پُر ہے۔ تحریف پسندوں کا دعویٰ ہے کہ مسلمانوں نے دوسری اور تیسری صدی میں دورِ عباسیہ میں قرآن مجید خود گھڑا تھا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ان کے پاس تاریخی سیاق و سباق پر غور کرنے کے لئے قریش یا مکہ کے لوگوں کے بارے میں باتیں کرنے کے سوا اور کوئی بہتر راستہ نہ تھا، جن کے بارے میں وہ خود بھی جانتے ہیں کہ یہ کوئی اہم باتیں یا تصورات نہیں تھے۔ کیا انہیں اس پر بھی غور کرنے کا موقع نہیں ملا کہ وہ مسلمان جو ان کے بقول جھوٹے اور دھوکہ باز لوگ تھے اپنی شاعری اور اپنے علم الاصنام پر انحصار کرنے کی بجائے، یہودیوں اور عیسائیوں کی رسومِ عبادات پر غور سے بہتر کوئی بہتر مشغلہ اختیار نہیں کر سکتے تھے۔ گویا مسلمانوں کی افسوسناک صورتحال یہی رہی کہ وہ جھوٹ بولتے رہے اور بالآخر اپنے جھوٹ پر ہی ایمان لے آئے۔

لیکن پائپس اور اس کے دوست یقیناً یہی دعویٰ کریں گے کہ ''مسلمان کوئی تاریخ نہیں رکھتے اور نہ ہی تاریخ کو سمجھ سکتے ہیں۔ لہٰذا اے غریب اور محرومِ تاریخ مسلمانو، اپنے جذبات میں مست رہو اور ان کے بہاؤ کے ساتھ بہہ جاؤ۔ کیا تم جانتے نہیں کہ تاریخی تحریف پسندی (Historical Revisionism) عیسائیت اور یہودیت پر بھی حملہ آور ہو گئی تھی؟ کیا تمہیں احساس نہیں ہے کہ دونوں مذاہب اگرچہ اس حملے سے بچ نکلے تھے مگر ان میں بے پناہ تبدیلیاں پیدا ہو گئی تھیں اور یہی کچھ اسلام کے ساتھ ہونے والا ہے''۔

''بہر حال میں یہ یقین دہانی کرانے پر تمہارا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ اسلام بچ نکلے گا لیکن غیر مسلموں کی تاریخ کے ضمن میں تحریف پسندی ایک نقادانہ تشکیک (Critical Scepticism) ہے لیکن اسلام کے معاملے میں یہ کھلم کھلا تعصب ہے۔ تاریخی تحریف پسندی کا آخر کونسا مکتبِ فکر ہے جس نے کبھی یہ دعویٰ کیا ہو کہ تمام یہودی، مسیحی، برطانوی یا فرانسیسی مآخذ ناقابلِ اعتبار ہیں اور اس کا کونسا مکتبِ فکر ہے جس نے کسی پوری کی پوری قوم کو جھوٹوں کی قوم قرار دیدیا ہو''۔

حقیقت یہ ہے کہ تحریف پسند عناصر اسلامی تاریخ کے معاملے میں سکالر کی سی دیانت اور دقیقہ رسی کے بغیر نظریاتی تخیل پرست کا روپ دھار لیتے ہیں۔ آیئے ہم پائپس کی منہاجیات (Methodology) کی مثال لیتے ہیں اور اس کے اسلوب پر غور کرتے ہیں۔

وہ کہتا ہے کہ لارنس کونراڈ (Lawrence Conard) بعض نامعلوم کتبوں اور یونانی تحریروں کی مدد سے اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ حضرت محمدؐ کا سالِ پیدائش ۵۷۰ء نہیں بلکہ ۵۲۲ء قرار پاتا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ پائپس نے کونراڈ کا تحقیقی مقالہ پڑھنے کی زحمت ہی گوارا نہیں کی۔ کونراڈ کی ساری توجہ مسلم محققین کی ان کاوشوں پر مرکوز رہی جو اس نقطے پر بحث و مباحثہ کرتے رہے کہ ''اصحاب الفیل'' کا سال کونسا تھا؟ اس نے ان بحثوں پر بھی تحقیق کی کہ حضرت محمدؐ کا سال پیدائش ...... ''عام الفیل'' ہی تھا؟ یا اس سے پہلے متولّد ہوئے تھے۔ کونراڈ نے اس دعوے کا بھی تجزیہ کیا کہ آپؐ پر پہلی وحی ۴۰ برس کی عمر میں نازل ہوئی تھی اور اس کا حاصل تحقیق یہ تھا کہ عربی اور غیر عربی ادب میں ۴۰ سال، پختگی کی عمر قرار پاتی ہے۔ لہٰذا آپؐ کا اس سال تبلیغ شروع کرنا محض ایک علامتی بات تھی۔ کونراڈ اس معاملے میں خود کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکا، جس پر اس نے بیسٹن (Beeston) اور کسٹر (Kister) کے اخذ کردہ نتیجے سے اتفاق کرتے ہوئے کہا...... کہ عام الفیل، ۵۲۲ء ہونے کے حق میں مضبوط شہادتیں موجود ہیں۔ پھر وہ آپؐ کا سالِ پیدائش مبہم ہونے کا ذکر کرتا ہے۔ پائپس نے کونراڈ کی غلط ترجمانی کی ہے اُس کی تحقیق اور اِس کا دعویٰ ایک دوسرے سے بہت دور ہیں۔ لیکن کونراڈ ایک سکالر ہے اور پائپس محض ایک تخیل پرست ہے۔

پائپس کے بہت سے مغالطوں کو بدنام زمانہ کتاب ''Hagarism'' سے تقویت ملتی ہے۔ علمی حلقوں کے بہت کم لوگ اس کتاب کو سنجیدگی سے لیتے ہیں۔ اس کے مصنفین کی بعد کی کتابیں خاصے سنجیدہ موضوعات پر ہیں۔ اگرچہ ''ہیگرازم'' عیاشی کے نقطۂ نظر سے لکھی گئی تھی لیکن اس سلسلے کے بعد کی کتابوں کے بارے میں ایسا نہیں کہا جا سکتا۔ تحریف پسندی پر مبنی بہت سی کتابیں ایسے لوگوں کی قلمکاری کا نتیجہ ہیں جو قابل افسوس سیاسی ایجنڈا رکھتے تھے۔ تمدنِ مشرق پر جس طرح کئی بے ہودہ کتابیں بھی وجود میں آئی ہیں، اسی طرح تحریف پسندوں نے اپنے فرضی دشمنوں کی کردار کشی اور ان کی اہم شخصیات پر کیچڑ اچھالنے کا سلسلہ شروع کر رکھا ہے۔ اسرائیلی ''دانشوروں'' کورین (Koren) اور نیوو (Nevo) کے تعصب کے کئی نمونے

سامنے آ چکے ہیں۔ ان کا دعویٰ ہے کہ عرب ماخذ کی' جب تک غیر عرب ماخذ سے تصدیق نہ ہو اسے قبول نہیں کیا جانا چاہئے۔ اگر دونوں میں تصادم ہو تو غیر عرب ماخذ کو معتبر جاننا چاہئے۔ ویلہاسن (Wellhausen) اور وانسبرو (Wansbrough) بائبل کی تعلیمات پر لکھنے والے مصنفین تھے۔ انہوں نے یہودیت اور عیسائیت کے بارے میں اپنا قلم بے حد حزم و احتیاط سے استعمال کیا مگر اسلامی تاریخ پر لکھتے ہوئے ان کا قلم بڑی حد تک بے لگام رہا۔

سچی بات یہ ہے کہ اسلامی تاریخ پر اظہار تشکیک کے لئے تحریف پسندوں نے جس مذہبی جنون کا مظاہرہ کیا ہے وہ سکے کا ایک رُخ ہے اور سترہویں صدی کی تحریک تقویٰ (جو جرمنی کے لوتھری گرجاؤں سے شروع ہوئی تھی) کے جذبے کے تحت جو اسلامی تاریخ لکھی گئی ہے وہ اس سکے کا دوسرا رخ ہے۔ دونوں رُخ عدم توازن کے 'شاہکار'' ہیں' دونوں انتہا پسندانہ ہیں اور دونوں بدصورت ہیں۔ لیکن تحریف پسندی کا امتیازی وصف اس کا تعصب ہے۔ تصور کیجئے کہ اگر یورپی تاریخ مسلم منابع پر انحصار کر کے لکھی جاتی۔ تصور کیجئے کہ ''جیوش ہسٹری آف سکینڈ ٹمپل'' رومن منابع پر انحصار کر کے لکھی جاتی۔ تصور کیجئے کہ کرسچیئن ہسٹری صرف یہودی منابع پر انحصار کر کے لکھی جاتی۔ تصور کیجئے کہ امریکی انقلاب پر کتاب صرف برطانوی منابع پر انحصار کر کے لکھی جاتی۔ تصور کیجئے کہ اسرائیلی تاریخ صرف فلسطینیوں کی آنکھ سے دیکھ کر لکھی جاتی۔ لیکن یہ ''تاریخیں'' اس طریقے سے لکھنا ناممکن ہے کیونکہ کوئی بھی سنجیدہ مؤرخ ان یورپی' امریکی یہودی' مسیحی اور اسرائیلی منابع کے بالکل صحیح ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ پائپس ان تحریف پسند مؤرخوں کے بارے میں کیا رائے قائم کرے گا جو مصر سے یہودیوں کے اخراج کو محض داستان قرار دیں۔ یا یہ دعویٰ کریں کہ فرسٹ یا سیکنڈ ٹیمپل کبھی موجود ہی نہ تھے کیونکہ یہودی تاریخ کے کسی بھی دور میں فلسطین میں آباد نہیں ہوئے۔ سچی بات یہ ہے کہ تحریف پسندوں کا تعصب منکرینِ ''قتلِ عام'' (Holocaust-deniers) کی یہود دشمنی کی طرح ہے جو ان کے جرمن دشمنوں کے منابع پر انحصار کر کے یہودیوں کی تاریخ قلمبند کرتے ہیں۔

نہیں' تحریف پسندی دانت کا درد نہیں ہے' یہ کسی قوم کی حقیقی شناخت سے انکار کی گستاخانہ کوشش ہے۔ یہ نوآبادیاتی نظام کی مکروہ ترین شکل اور خوف اور بدامنی کا عدم توازن ہے۔ تحریف پسندی' سراسر تعصب کا عارضۂ قلب ہے۔ جون ۲۰۰۰ء

MashalBooks.org

باب 47

ایک شیخِ کامل سے مکالمہ

''تم تغافل کے شکار رہے' ہم اب تمہاری آنکھوں پر بندھی پٹی کھول دیں گے''

یہ کانفرنس بصارت کی بحالی اور ہماری نیکیوں اور خطاؤں کے صحیح حساب کتاب سے زندگی پاتی ہے۔ یہ کانفرنس یادداشت کے ابھر آنے کی صلاحیت کی بدولت' ضمیر سے اپنا تعلق جوڑتی ہے اور تاریخ کی تہوں میں اپنی جگہ بناتی ہے۔ ضمیر اکثر اپنی چالاکی سے ہماری عقل کو چکر دے جاتا ہے لیکن کانفرنس ایک پاسبان کی طرح ایسے امکانات پر کڑی نگاہ رکھتی ہے۔ یہ نہ صرف ہماری دیکھی اور سوچی ہوئی باتوں کا محتاط ریکارڈ ہے بلکہ اس سے کہیں آگے بڑھ کر ہے۔

اے شیخ آپ اب بھی مجھے بہت یاد آتے ہیں۔ آپ کی آنکھوں میں چمک آپ کے رخساروں کے درمیان آگے کو نکلے ہوئے ہونٹ' آپ کے چہرے کی سفیدی میں جمی ہوئی جھریاں' آپ کے ہاتھوں پر ابھری ہوئی رگیں اور آپ کی گھنی سفید داڑھی' یہ تمام نقوش میرے دل پر نقش ہو چکے ہیں۔ مجھے یاد ہے کہ آپ ہر روز نمکین سفید پنیر میں ٹماٹر ملا کر تناول فرمایا کرتے تھے۔ مجھے یہ بھی یاد ہے کہ اسے کون آپ کے لیے از راہ نیازمندی تیار کیا کرتا تھا۔ مجھے یاد ہے کہ پرانی زرد چھپائی والی سستی کتابیں آپ کے سٹیشنری سٹور میں بکھری پڑی ہوتی تھیں جو نصف خالی رہتا تھا اور آپ کا کہنا تھا کہ ڈیلکس لبنانی پرنٹس کی چمک والے صفحات سے آپ کی آنکھیں دکھتی ہیں۔ لیکن جب ہم آپ کو قیمتی ایڈیشنز پیش کرتے تھے تو مجھے یاد ہے کہ آپ کتنی خوشی سے انہیں قبول کر لیا کرتے تھے۔ مجھے معاف فرمایئے اگر میں یہ کہوں کہ آپ صرف حلبی ایڈیشن خریدنے کے متحمل ہو سکتے تھے۔ مجھے آپ کا ایک پرانا ریڈیو

ٹیپ بھی یاد ہے جو پتہ نہیں کونسی متروک برانڈ کا تھا' مجھے آپ کے دست مبارک میں پکڑی ہوئی کتابیں بھی یاد ہیں۔ بوجہ ضعیفی آپ کے ہاتھوں میں پیدا ہونے والی لرزش کا بھی ہمیں احساس ہوتا تھا۔آپ کوازہری شیخوں کے بارے میں بتایا جاتا تھا کہ عرب میں بڑے بڑے قیمتی تحائف ملتے ہیں اور آپ کہتے تھے......''یقیناً ان شاءاللہ ہاں یہ اس وقت سوچا جائے گا جب ہم اہل مصر کی تعلیم سے فارغ ہو جائیں گے''۔

میں نے گرمیوں کے دوموسم آپ کی شاگردی میں گزارے آپ سے قرآن مجید کے کچھ پارے پڑھے لیکن میں نے آپ سے جواسباق پڑھے وہ میری یادداشت کے نگہبان اور میری روح کا سہارا بن گئے ہیں۔آپ ہمیشہ اپنی شفقتیں مجھ پر نچھاور کرتے رہے اور ایک دن جب میری طبیعت بے حد مضمحل تھی میں اپنے حال سے مغلوب ہو کر بوجھل قدموں سے آپ کے عباسیہ سٹور کی طرف چل پڑا' تمام طالب علم چلے گئے تو میں مضطرب انداز میں الجھے ہوئے لفظ دہرانے میں مصروف تھا اور سوچ رہا تھا کہ انہیں صحیح ترتیب کیسے دوں؟ اتنے میں آپ نے ''تحمید'' کی اور یہ اعلان فرما دیا کہ دن ختم ہو رہا ہے۔ میں فوراً بول اٹھا......''یا شیخ' کیا میں یہ کہہ سکتا ہوں......کہ میں جانتا ہوں......کہ قیامت کا دن ضرور آئے گا جسے میں اپنی کھلی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں اور میں اسی سے ڈرتا ہوں...... اس روز میرا سارا ریکارڈ میرے سامنے رکھ دیا جائے گا اور میں اپنی تمام دنیاوی غلط فہمیوں اور غلط کاریوں کو اپنے روبرو حاضر پا کر چیخ و پکار کرنے لگوں گا۔بعض اوقات میں جب مسجد میں بیٹھا ہوا ہوتا ہوں یا چادر اوڑھ کر خلوت میں بیٹھا ہوا ہوتا ہوں تو صاف ''دیکھ'' رہا ہوتا ہوں کہ صحیح کیا ہے اور غلط کیا ہے؟ لیکن جب میں اپنے روزمرہ کے معمولات میں مصروف ہوتا ہوں تو سب کچھ ''دھندلا'' جاتا ہے۔ میں اس دھند...... ذہنی انتشار اور اضطراب سے خود کو مغلوب پاتا ہوں۔ بات یہ نہیں کہ میں اپنے خدا کے بارے میں شک کرنے لگتا ہوں' بلکہ یہ ہے کہ ایک وقت میرے دل میں جو کچھ صحیح شکل میں تھا وہ مسخ ہو جاتا ہے۔ میں اپنا صحیح ہونے کا شعور کھو بیٹھتا ہوں۔ قوتِ فیصلہ جواب دے جاتی ہے اور تذبذب اور پریشان خیالیاں مجھے اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہیں''۔

شیخ نے اپنے ہاتھوں کی طرف دیکھا' اپنا سر ہلایا اور پھر بولے۔''ہاں ہاں میرے دوست میں جانتا ہوں کہ وہ دھند کیا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ لیکن میں کسی

علم کا دعویٰ نہیں رکھتا' سوائے خدا کی ذات پر بھروسے کے' میرے پاس کچھ نہیں۔ یہ جس دھند کا تم نے ذکر کیا ہے یہ ہمیں اندھا کر کے رکھ دے گی۔ یہ عجیب کیفیت ہے' ہم خدا کی پکار سنتے ہیں' اس کے راستے کو بھی جانتے ہیں' دل کو اس پر مطمئن بھی پاتے ہیں مگر اس کے بعد تذبذب میں ڈوب جاتے ہیں کہ اس راستے پر چلیں یا نہ چلیں۔ اسے ''حجوب'' کہتے ہیں...... بادل اور دُھند اور گرد و غبار جو ہماری بصیرت پر چھا جاتا ہے۔ لیکن جو کوئی ان کیفیات سے دو چار نہیں ہوتا وہ انسان نہیں ہے۔ اصل مسئلہ یہ دھند نہیں ہے۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ ہم اس دھند سے دوستی کرنے کا فیصلہ کب کرتے ہیں اور اس میں سے گزرتے ہوئے اور ٹھوکریں کھاتے ہوئے مقامِ طمانیت و سکون اور مسئلے کے حل تک کیسے پہنچتے ہیں؟

''میرے بیٹے غور سے سنو' خدا نے انسان سے جو کچھ کہہ دیا ہے وہ بالکل صحیح ہے۔ اس نے قرآن میں سب کچھ کہہ دیا ہے:۔

وَلَقَدْ خَلَقَناالْاِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِہٖ نَفْسُہٗ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِO اِذْ یَتَلَقَّی الْمتلَقِّیٰنِ وَعَنِ الِشَّمالِ قَعِیْدُ O مَایَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّالَدَیْہِ رَقِیْبٌ عَتِیْدٌO وَجآء تُ سَکْرَۃُ الْمَوْتِ بِالحَقِّ ذٰلِکَ مَا کُنْتَ مِنْہ تَحِیْدُO وَنُفَحَ فِی الصُّورِ ذٰلِک یومُ الْوَعِیْدِO وَجآءَ تُ کُلُّ نفسٍ مَّعَھَا سَآئِقٌ وَّشھیدٌO لَقَدْ کُنْتَ فِیْ غَفْلَۃٍ مِّنْ ھٰذا فَکَشْفَنَاعَنْکَ غِطَآ ءَ کَ فَبَصَرکَ الیَومَ حدِیْدُ O قَالَ قَرِیْنُہٗ ھٰذَا مَالَدَیَّ عَتِیْدٌ O ...... (ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے اور اسکے دل میں ابھرنے والے وسوسوں تک کو ہم جانتے ہیں' ہم اس کی رگِ گردن سے بھی زیادہ اس سے قریب ہیں۔ (اور ہمارے اس براہ راست علم کے علاوہ) دو کاتب اس کے دائیں اور بائیں بیٹھے ہر چیز ثبت کر رہے ہیں۔ کوئی لفظ اس کی زبان سے نہیں نکلتا جسے محفوظ کرنے کے لئے ایک حاضر باش نگراں موجود نہ ہو۔ پھر دیکھو وہ موت کی جان کنی حق لے کر آ پہنچی' یہ وہی چیز ہے جس سے تو بھاگتا تھا اور پھر صور پھونکا گیا یہ ہے وہ دن جس کا تجھے خوف دلایا جاتا تھا۔ ہر شخص اس حال میں آ گیا کہ اس کے ساتھ ایک ہانک کر لانے والا ہے اور ایک گواہی دینے والا۔ اس چیز کی طرف سے تو غفلت میں تھا۔ ہم نے وہ پردہ ہٹا دیا جو تیرے آگے پڑا ہوا تھا اور آج تیری نگاہ خوب تیز ہے۔ اس کے ساتھی نے عرض کیا یہ جو میری سپردگی میں تھا حاضر ہے...... سورۃ ق آیات ۱۶ تا ۲۳)

''خدا کا ریکارڈ ایک حیرت ناک سچائی ہے...... ایسا سچ جو ہماری وضاحت کا محتاج نہیں'

MashalBooks.org

اس میں کوئی پیچ پیچ اور کوئی مغالطہ وابہام نہیں اور نہ اس پر کوئی دھند یا سایہ ہے۔

کبر ونخوت کے حجوب میں' لاعلمی کے حجوب میں اور توہمات کے حجوب میں ہمارے خوف اور الجھنوں کے بھوت پریت اپنا شیطانی چہرہ دکھا رہے ہوتے ہیں۔ یہ بھوت پریت ہمارے سامنے اپنے روایتی ناچ ناچتے ہوئے اور اپنے طعن وتشنیع کے تیر برساتے ہوئے ہمیں اپنے پیچھے پیچھے آنے کی ترغیب دیتے رہتے ہیں جس کی وجہ سے ہمارے اندر بے چینی اور اضطراب کی ایک لہر سرایت کر جاتی ہے۔اور ہم آرام اور عیش وعشرت کے وعدوں کے جال میں پھنس کر ان کے پیچھے چل پڑتے ہیں۔لیکن تھوڑا سا چلنے کے بعد ہم ایک تاریکی میں ڈوب جاتے ہیں۔ جب ہم چاروں طرف سے خود کو گھرے ہوئے پاتے ہیں تو یہ ہم پر ہنسنے لگتے ہیں اور جھپٹ کر ہمارے ہوش وحواس کو اپنے قبضے میں لے لیتے ہیں۔ہم ان کا یوں پیچھا کرتے ہیں کہ ہمیں ان کے قدموں اور اپنے قدموں میں کوئی فرق محسوس نہیں ہوتا۔اس طرح ڈگمگاتے اور گرتے پڑتے ہوئے ہم دھند کے باسی (Dwellers) بن کر رہ جاتے ہیں۔

''اس دھند سے دو چار ہونا انسانی خاصہ ہے لیکن ''تقویٰ'' کے ہتھیار سے لیس انسان اپنی محتاط طبعی کی وجہ سے رک جاتا ہے اور خدا کی طرف جانے والے راستے پر چل پڑتا ہے۔ خردمند شخص اس وقت تک صبر کا دامن پکڑے رکھتا ہے جب تک ساری دھند چھٹ نہیں جاتی۔ جب راستہ بالکل صاف ہو جائے اور خدا کی روشنی دکھائی دینے لگے تو تیزی سے آگے بڑھنے لگتا ہے''

میرا ذہن ابھی صاف نہیں ہوا تھا' میں نے بے چین ہو کر کہا......''یا شیخ' اس پر ذرا اور روشنی ڈالئے۔اس دھند کی ماہیت کیا ہے؟ مجھے کیسے پتہ چلے گا کہ میں اس کی لپیٹ میں ہوں اور کیسے جانوں گا کہ میں خدا کی روشنی میں آگے بڑھ رہا ہوں''۔

''بیٹے' کیا میں تجھ سے پوچھ سکتا ہوں کہ کیا کبھی تمہارے دل میں شدید خواہش پیدا ہوئی ہے کہ میں اُٹھ بیٹھوں اور نماز ادا کروں؟ کیا تمہارے اندر کتاب کے مطالعے کا شوق پیدا ہوا ہے؟ کیا تم نے اپنی غفلت کے لمحات پر کبھی شرمندگی محسوس کی ہے؟ کیا تم خدا کی ناشکری کرنے پر کبھی پشیمان ہوئے ہو؟ کیا تمہیں کبھی اپنی جہالت ونادانی کا احساس ہوا ہے اور پھر تم نے خود سے کہا ہے کہ ''مجھے اپنی زندگی کا کوئی بہتر مصرف تلاش کرنا چاہئے''۔کیا تم نے کبھی

محسوس کیا ہے کہ میں اللہ کی راہ میں کافی خرچ نہیں کرتا' میں انسانوں کی بھلائی کے لئے کافی کام نہیں کرتا' میں کافی مطالعہ نہیں کرتا اور کافی دُعا نہیں کرتا۔ کیا کبھی ایسا موقع آیا ہے کہ تمہیں کوئی ترغیب دی گئی ہو اور تم نے فوراً کہہ دیا ہو...... ''نہیں نہیں' یہ ٹھیک نہیں ہے'' اور تمہارے دل میں فوراً خدا کی طرف رجوع کرنے کی خواہش پیدا ہو گئی ہو''۔

''جی ہاں' یا شیخ مجھے یہ سب کچھ کبھی کبھی محسوس ہوا ہے''

''میرے بیٹے' سنجیدگی و متانت کے یہ لمحات اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک عطیہ ہیں۔ یہ صراطِ مستقیم کی ایک جھلک ہے' اس پر ثابت قدمی سے گامزن رہنے سے بندے کا ضمیر روشن رہتا ہے' حتیٰ کہ وہ براہ راست خدا کے نور سے مستفید ہونے لگتا ہے۔ لیکن بیٹے ایسے نادر لمحات سے ہم بہت کم فائدہ اٹھاتے ہیں۔ ہم خدا کے اس عطیے کو اکثر ضائع کر دیتے ہیں۔ ہم ان لمحات سے یقیناً دو چار ہوتے ہیں لیکن ہم فائدہ اٹھانے سے ہچکچاتے ہیں کیونکہ ایک دوسری آواز کان میں پڑنے لگتی ہے جو کہتی ہے...... ''تم جسے انصاف سمجھ رہے ہو وہ درحقیقت انصاف نہیں ہے اور جسے غلط سمجھ رہے ہو وہ زیادہ غلط نہیں ہے جسے تم دل میں نامعقول حرکت سمجھ رہے ہو وہ اتنی زیادہ بری نہیں ہے' تم اسے بدصورتی سمجھتے ہو مگر وہ بدصورتی نہیں ہے' آواز کہتی ہے کہ اپنے ضمیر کی پکار کو مشکوک سمجھو' میرے بیٹے بس یہی دھند ہے اور اسی کو وسوسہ کہتے ہیں۔ ایک دانا آدمی جان بوجھ کر طوفان میں نہیں کودتا' طوفان میں اپنی کشتی کے بادبان نہیں کھولتا' ذہن چکرایا ہوا ہو تو چلنے کی کوشش نہیں کرتا۔ جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ حملے سے دو چار ہونا اور الجھاوؤں کا مقابلہ کرنا ایک نارمل بات ہے لیکن عقلمند کچھ دیر رک جاتا ہے 'اپنے قدموں کو مضبوطی سے جما لیتا ہے اور اس وقت تک محوِ دعا رہتا ہے جب تک ''حجوب'' دور نہ ہو جائے۔ تمہیں جان لینا چاہئے کہ ''حجوب'' ضرور ٹوٹے گا اور صراطِ مستقیم پر رواں دواں ہونے کا ایک اور موقع آ جائے گا۔ اصل مسئلہ یہ ہے...... اے میرے عزیز...... ہم حالتِ ''حجوب'' میں جتنا زیادہ چلیں گے اتنا ہی گم ہونے کا خطرہ مول لیں گے۔ دھند کے اندر جتنے زیادہ مقیم رہیں گے گمراہی اتنی ہی بڑھے گی۔''

آج کے دن تک مجھے سمجھ نہیں آتی کہ یہ آواز سن کر میری آنکھیں کیوں ڈبڈبا گئی تھیں۔ مجھے بہت زیادہ بوجھ محسوس ہوا اور پھر بہت زیادہ سکون بھی محسوس ہونے لگا۔ لمحہ بھر کے لئے میں سکتے میں رہا' میں ان کی دلفریب مسکراہٹ کو دیکھتا ہوا سوچنے لگا ''میرے لئے یہ کتنا بڑا

اعزاز ہو گا کہ میں اپنی زندگی کے آخری میں دموں تک آپ کے لئے ٹماٹر اور پنیر تیار کرتا رہوں"

میں نے پوچھا......"یا شیخ کیا اس موضوع پر کچھ مواد مل سکتا ہے جس کا میں مطالعہ کر سکوں۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ میرے دل کا حقیقی ردّعمل ہے۔ شاید یہ اس شاہراہ پر میرا پہلا قدم ہوگا۔"

شیخ مسکرائے کچھ توقف کیا اور سر ہلاتے ہوئے بولے......"جی ہاں اس موضوع پر پڑھنے کے لئے بہت کچھ موجود ہے اہل دانش نے اس پر بہت خامہ فرسائی کی ہے۔"

مجھے محسوس ہوا کہ میں شیخ کی خوش خلقی کا امتحان لینے کی آخری حدوں کو چھو لینے تک کا خطرہ مول لے چکا ہوں' بہرحال تھوڑی سی اور گستاخی کر کے میں نے کہا......"اے شیخ مجھے معلوم ہے کہ آپ مغرب سے پہلے گھر پہنچ جانا چاہتے ہوں گے اگر آپ ذرا سی مزید تکلیف اٹھالیں تو میں ایک اور سوال پوچھ لوں اور وہ یہ ہے کہ میں اپنے فریبِ نفس کی حدود کو کیسے ناپوں' میں کیسے جانوں کہ میں راہ گم کر بیٹھا ہوں؟"

وہ اسی شفقت سے بولے......"میرے بیٹے پہلے تمہیں یہ جاننا ہوگا کہ اس مسئلے پر پڑھنے کے لئے بہت سا مواد دستیاب ہے' ان شاء اللہ اس مواد کو تم اور میں اکٹھے مل کر پڑھیں گے۔ مگر تمہیں یہ بھی جاننا ہوگا کہ خدا کے سوا کوئی بھی نہیں جو ان حدود کو پہچانتا ہو جن تک تم' اس دھند کے زیر اثر گھومتے رہے ہو یعنی اس دھند کی حدود کہاں کہاں تھیں اور اس کی دبازت کتنی تھی؟ تمہارے سوا کوئی بھی دوسرا انسان نہیں جانتا کہ تمہارا دل دھندلایا ہوا ہے یا نہیں ہے؟ چنانچہ سوال یہ ہے کہ تم خود کو کس "حد" تک فریبِ نفس کا شکار سمجھتے ہو؟ اور خدا کے نزدیک تمہارے فریبِ نفس کی "حد" کہاں تک جاتی ہے؟۔ ان دونوں "حدود" کے مابین کیا فرق ہے؟ خدا کا ریکارڈ ہر قسم کے شک وشبے اور ہر غلطی سے پاک ہے۔ مغالطے کی حد اور دھند کے دبازت اتنی ہی ہوگی جتنا کہ خدا کے "ناقابل تردید ریکارڈ" اور "تمہاری سمجھ کے ریکارڈ" کے مابین تفاوت ہوگا۔ اب سوچ بچار تم خود کرو اور خود سے ہی سوال کرو۔ جتنا زیادہ غور کرو گے اتنا ہی سچ واضح ہوتا جائے گا۔ اس حدیثِ رسول کو ذہن نشین کر لو......

"اس دنیا میں پہنچنے والی تکلیفیں' آخرت میں پہنچنے والی تکلیفوں کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتیں۔ اگر اپنے اعمال پر غور کے لئے آخری کو وقت تک انتظار کیا جائے تو بڑی

رسوائیاں اٹھانا پڑیں گی۔

یہ تھے شیخ الدیجاوی' جواب اپنے رب سے ملاقات کے لئے وہاں پہنچ چکے ہیں جہاں بالآخر ہر ذی روح نے جانا ہے اور میں اپنے ''حجوب'' اور اپنی ژولیدگیٔ فکر کو سمجھنے کے لئے مسلسل کوشش کر رہا ہوں۔ لیکن جب بھی میں اس فرق پر غور کرتا ہوں جو خدا کے ہاتھ میں موجود میرے نامۂ اعمال اور میری دائمی دھند کے مابین ہے تو میں شیخ کے لئے نہایت عاجزی سے دعا کرنے لگتا ہوں۔ خدا اس نیک اور خوبصورت روح پر اپنی رحمتوں کا سایہ فگن کرے۔ میں دعا کرتا ہوں کہ وہ اپنے ریکارڈ کو ویسا ہی پائے جیسا کہ میں اس کے ریکارڈ کو جانتا ہوں......ایک صاف وشفاف اور بے داغ ریکارڈ کسی حجوب یا دھند کے بغیر......اور ہر فریب ومغالطے سے مبرّا۔

جون ۲۰۰۰ء

MashalBooks.org

باب48

یدِ بیضاء لئے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں

خدا' الاوّل و الآخر' المؤخر' الہادی' الجامع' الظاہر اور الباطن جیسے ۹۹ صفاتی ناموں کا مالک ہے۔ ہم اس ''ہادی'' سے ہدایت مانگتے ہیں مگر ہماری اخلاقی دھند (Moral Fog) کے اندر چھپے ہوئے مقناطیس' ہماری روح کے کمپاس (قطب نما) کو غلط راہ پر ڈال دیتے ہیں۔اس باطنی کمپاس کے خراب ہو جانے کی وجہ سے ہم دھند کے اندر کھو جاتے ہیں لیکن ہمارے رحمان ورحیم آقا' راستے کے ساتھ ساتھ ''اشارے'' (انڈیکیٹرز) رکھ دیتا ہے جو اس کی طرف ہماری رہنمائی کرتے ہوئے' ہمیں وہیں واپس پہنچا دیتے ہیں جہاں سے ہم آئے تھے۔ یہ اشارے دھند لے راستے کے ''نشان'' بن کر مضطرب اور پریشان مسافر کی ڈھارس بندھاتے ہیں اور اسے یہ آگاہی بھی دیتے ہیں' خدا کا عرش معلّٰی وہیں ہے جہاں یہ سب راستے بالآخر جا پہنچیں گے۔ یہ اشارے ہمارے چاروں طرف پائے جاتے ہیں۔یہ مظاہر فطرت میں بھی ہیں اور آسمانی کتب میں بھی ہیں اور حتیٰ کہ ان لوگوں میں بھی ہیں جو ہمارا راستہ کاٹ کر گزر جاتے ہیں۔

اے خدا تو مجھے پالتا ہے اور اس دھند میں میری رہنمائی بھی کرتا ہے۔تو نے مجھے وجدان عطا کیا ہے اور ایک خاص قسمت کا بھی تعین کر دیا ہے۔ میرا جسم مرجھا کر منتشر ہو جاتا ہے لیکن میرا دل تیرے حسن کی راہ پر ثابت قدمی سے گامزن رہتا ہے۔تو اس گمراہ دنیا میں ایک غیر متزلزل اور غیر متبدل بینائی ہے۔ میرا دل اور میری روح تجھی سے پیوست رہتے ہیں اور اس وقت بھی اس راہِ وفا پر ثابت قدم رہتے ہیں جب میرے اعضاء و جوارح میرا ساتھ چھوڑ جاتے ہیں۔ مجھے اس گوشت اور پوست کا کیا فائدہ ہے جو مجھے ایک لمحہ بھر کے لئے بھی

حقیقی مسرتوں سے ہمکنار نہیں کر سکتے۔

دھند میں لپٹے ہوئے، گوشت پوست میں ملفوف اور دنیا کے جھمیلوں میں مصروف، ہم اکثر اپنا راستہ کھو بیٹھتے ہیں، بے مقصد تیرتے، دھند کی تہوں میں الجھتے اور ''دردِ نہاں'' سے کراہتے ہوئے اپنی ذات کی گمشدگی کی ''بے چینی'' کو بالکل ہی نظر انداز کر دیتے ہیں اور خود کو یہ کہہ کر مطمئن کر لیتے ہیں کہ یہ محض ایک عارضی کیفیت ہے لیکن یہ ''دردِ نہاں اور بے چینی'' خدا کی طرف سے ایک انتباہ ہے، یہ گھڑی کا ایک الارم ہے جو ہمیں بیدار ہونے کی تلقین کرتا ہے۔ جب ہم اس الارم کے عادی ہو جاتے ہیں اور اسے محض ایک ساز سمجھنے لگتے ہیں تو یہ دھند ہمارا بسیرا بن جاتی ہے، خدا کے انتباہ کی شدت کم ہوتے ہوتے بالکل ہی ماند پڑ جاتی ہے۔

میں اکثر قاہرہ کے مضافات میں واقع ایسے اپارٹمنٹ میں بیٹھا رہتا تھا جس کی دیواروں کے شگاف بھی اس کی زینت بنے ہوئے تھے، ایک پرانی میز تھی جو ڈیسک کے طور پر بھی استعمال ہوتی تھی۔ ڈائیننگ چیئر پرانے سے پلاسٹک ڈھانپی رہتی پھر بھی کام دے رہی تھی۔ دورازے کے بالکل سامنے ایک بیڈ تھا جو لوہے کے فریم اور مصری کاٹن سے بھرے ہوئے گدے پر مشتمل تھا۔ اس بیڈ نے مجھے ٹائیفائیڈ اور دمے کے دورے پڑنے کے زمانے میں میری خاصی میزبانی کی تھی۔ اس عرصے میں زرد کتابیں اور خواب ہی میرا رومانس تھے۔ اس کمرے کے فرش پر کتابوں کے ڈھیر لگے رہتے، کچھ ٹیبل پر، کچھ کرسی پر اور کچھ بیڈ پر پڑی رہتیں اور کچھ میرے ہاتھ میں بھی ہوتیں۔ جہاں جہاں بھی ہوتیں ان کی کیٹلاگ میرے ذہن میں رہتی۔ بیڈ کے دائیں جانب دو کھڑکیاں تھیں جن میں سے ایک سے ہمسایوں کی نشست گاہ میں نظر پڑتی تھی اس لئے اس میں کتابیں رکھ کر اوٹ بنا دی گئی تھی۔ دوسری کھڑکی سے ایک پُر اسرار بلڈنگ دکھائی دیتی تھی جو آج کل اس کے باسیوں کی بداعمالیوں کے نتیجے میں سنسان پڑی ہوئی تھی۔ مجھے یاد ہے کہ جب اس پر سکیورٹی فورسز نے چھاپہ مارا تو اس کے باسی چیختے چلاتے ہوئے بھاگ نکلے۔ ان میں سے کسی نے...... ''یا سادات تعال الینا'' (اے سادات آ کر ہمیں بچاؤ)۔ یہ ایسے ہی تھا جیسے بھیڑیئے کو پکارا جائے کہ وہ آ کر بھیڑوں کو بچائے۔ سادات ان کی مدد کو نہ پہنچ سکا اور عمارت خالی ہوگئی جو آج تک بھوتوں کا بسیرا بنی ہوئی ہے۔

میں بیڈ پر بیٹھا ہوا بخاری شریف کے پورے متن کو حفظ کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ شیخ حسین نے مجھے اس سے روکا تھا مگر میں نے حفظ کرنے کا ہی تہیہ کر رکھا تھا۔ مجھے معلوم نہیں کہ میں بطور تضرّع وزاری اور عبادت ایسا کر رہا تھا یا خود نمائی اور ریاکاری کے جذبے کے تحت الفاظ کے ذریعہ اپنی علمیت کا مظاہرہ کرنا چاہتا تھا' میرا مشن کبھی مکمل نہ ہو سکا۔ لیکن وہ ماہ و سال ہی نمود و نمائش اور تصنّع کے تھے۔ جب ظہر کی اذان کے پُر شکوہ الفاظ کان میں پڑے تو میں نے کتاب بند کر دی' وضو کیا اور خوشبو وغیرہ لگائی اور بے داغ سفید لباس پہن کر مسجد کی طرف روانہ ہو گیا کیونکہ آج شیخ حسین سے میری ملاقات ہونے والی تھی۔

میں چار منزلوں کی سیڑھیوں سے اترتے ہوئے شیخ حسین کے بارے میں ایک مشہور واقعے کو یاد کر کے مسکرا دیا۔ وہ اسی گلی میں ایک اپارٹمنٹ بلڈنگ کے پانچویں فلور پر رہتے تھے۔ چوتھے فلور پر یعنی ان کے عین نیچے کی منزل پر تین اپارٹمنٹس کو آپس میں ملا کر ایک کر دیا گیا تھا یہ ایک انتہائی بدنام جگہ تھی۔ گاہک جو زیادہ تر خلیجی ممالک سے تعلق رکھتے تھے' رات دن اوپر نیچے آتے جاتے رہتے تھے۔ اکثر اوقات یہاں کالج پڑھنے کی عمر کی لڑکیاں آتیں جن میں سے بعض بالکل ہی نوخیز ہوتی تھیں۔ ایک بدصورت موٹی سی میڈم نائیٹ گاؤن پہنے ہوئے دروازے پر کھڑی ہوتی جو گاہکوں کو خوش آمدید اور الوداع کہتی تھی۔ بڑی بااثر عورت تھی' جس کے اعلیٰ طبقے سے تعلقات کی وجہ سے پولیس ادھر کا رُخ کرنے کی بھی جرأت نہیں کرتی تھی۔ ایک دن کا واقعہ ہے کہ ایک گاہک' جو نشے میں دھت تھا' انڈرویئر پہنے اپارٹمنٹس کے سامنے کھڑا تھا' دس بارہ لوگ جو پہلے ہی ان حرکتوں کی وجہ سے تنگ آئے ہوتے تھے' باہر نکل آئے اور مطالبہ کیا کہ اس چکلے کو یہاں سے اٹھایا جائے' اس پر لڑائی چھڑ گئی' لوگوں نے اندر جا کر اس اڈے کو تباہ و برباد کر دیا' پولیس بھی آ پہنچی جس نے اپنی روایتی پکڑ دھکڑ شروع کر دی' لوگوں کی ''بہادری'' کے اس کارنامے کی اطلاع پا کر شیخ حسین غصے میں آ گئے۔ انہوں نے کہا کہ تشدد کرنا آسان ہے لیکن جو چیز اکثر بہت آسان لگتی ہے وہ غلط بھی ہوتی ہے۔ ایسا کرنے کی بجائے تم اس اپارٹمنٹ والیوں اور والوں کے قریب تر کیوں نہیں آ گئے۔ تم یہاں آنے والے گاہکوں کو اپنے ہمراہ مسجد کیوں نہیں لے گئے تا کہ وہ نماز پڑھتے اور اس روش سے باز آ جاتے۔ کیا تم نے اپنی طاقت کا زبردست مظاہرہ کرنے کی بجائے ان مجبور عورتوں کو تحفظ دینے یا ان کی روزی کا معقول بندوبست کرنے کی کوئی کوشش کی تھی؟۔

چنانچہ شیخ نے اپنے شاگردوں کے تعاون سے ایک پُر جوش مہم شروع کردی۔ ان مساعی کی بدولت تین عورتیں اس مسجد کی مہمان بن گئیں' عیاش لوگوں نے ادھر آنا چھوڑ دیا اور قحبہ خانہ خالی ہو گیا۔ خدا مغفرت کرے۔ کیا ہمدرد اور غمگسار روح تھی جس نے اپنی پُر اثر باتوں سے کئی لوگوں کو علم وعرفان کی راہ پر ڈالا۔

بہرحال بعد نماز ظہر میں ان کے پاس بیٹھ گیا لیکن میں جلدی کی کیفیت پیدا نہیں کرنا چاہتا تھا' میں نے ان کے چہرے کی طرف دیکھنے سے گریز کیا اور اپنی گود میں نظر ٹکائے رکھی۔ میں شیخ کے حلقے میں پہلے بھی بیٹھتا رہا تھا لیکن وہ گرمیوں کے دن ہوتے تھے۔ میں ان سے کچھ اور احادیث پڑھنا چاہتا تھا۔ انہوں نے میری کافی رہنمائی کی تھی اور کہا تھا کہ میں مزید پڑھنے کے امکانات دیکھوں۔ مجھے ان کی مجلس بہت پسند تھی۔ اس لئے میں دلجمعی سے بیٹھا ان کی توجہ کا انتظار کررہا تھا۔ شیخ عموماً خاموش رہتے تھے جیسے کہ وہ اپنے من کی دنیا میں مگن ہوں۔ جب بولتے تو محسوس ہوتا کہ دہن مبارک سے لفظوں کی ایک پھوار برآمد ہو رہی ہے لیکن کچھ دیر بعد وہ الفاظ طوفانی بارش کی طرح برسنے لگتے۔

پھر میری طرف متوجہ ہو کر بولے...... ''کیا تم نے انتخاب کر لیا ہے؟''

''کتاب الاحکام (Positive Law) یا شیخ' کتاب الاحکام ٹھیک رہے گی'' کچھ توقف کے بعد میں نے سوچا کہ وہ کوئی شبہ نہ کر بیٹھیں اور کہا ...... ''میں ساری شریعت یا ''الہدایہ المرغینانی' یا ابن حزم کی المحلّٰی تک جو بھی آپ مناسب سمجھیں پڑھنا چاہتا ہوں۔''

اس پر وہ مسکرائے جیسے کہ کوئی راز چھپانے کی کوشش کر رہے ہوں۔ ''تم شریعۃ پڑھنا چاہتے ہو''۔ اپنی بات ایک مرتبہ پھر دہرانے کے بعد انہوں نے سوال کر دیا ...... ''لیکن شریعۃ ہے کیا؟''

میں اس سوال پر بوکھلا گیا' اس ڈر سے کہ کہیں میرا امتحان ہی نہ شروع ہو جائے جلدی سے بولا...... ''شیخ...... شریعۃ خدا تک پہنچنے کا راستہ ہے' یہ منشائے الٰہی جاننے کا ذریعہ ہے''

''ٹھیک ہے ٹھیک ہے...... لیکن اس کی نوعیت کیا ہے؟ اصل تصور کیا ہے''میں نے مزید وضاحت کرتے ہوئے ہیں جواب دیا...... ''شریعۃ کا مقصد عوام کی بھلائی اور بہبود ہے یعنی تحقیق مصالح العباد''

''ہاں ہاں ٹھیک ہے منابع و مصادر یہی بات کہتے ہیں۔ لیکن کسی چیز کی فطرت

MashalBooks.org

(Nature) اس کا تفاعل (Function) نہیں ہوتی۔ مثال کے طور پر مجھے زندگی کے متعدد ''کام'' کرتے ہوتے ہیں مگر کیا یہ کام میری فطرت کا خاصہ ہیں؟ مزید برآں' فرض کرو کہ میں تمہیں ایک پاؤنڈ دیتا ہوں تو میں نے تمہاری بہبود کا ایک کام کر دیا ہے تو کیا اس اقدام سے میں نے فی الحقیقت شریعت کا نچوڑ پیش کر ڈالا ہے؟''

میں اس وقت یقیناً گرفتارِ بلا دکھائی دے رہا ہوں گا کیونکہ شیخ مجھے عجیب طریقے سے دیکھ رہے تھے۔ پھر بولے.....''اگر ہمیں کسی چیز میں الجھاؤ محسوس ہو تو ہمیں کتاب اللہ سے رجوع کرنا چاہیئے۔ خدا نے کتنی بار لفظ 'شریعۃ' یا اس کا کوئی متبادل لفظ استعمال کیا ہے''

مجھے اپنا منہ خشک ہوتا ہوا محسوس ہونے لگا اور پسینے سے میری انگلیوں پر دھدّر میں کھجلی محسوس ہونے لگی.....''چار مرتبہ یا شیخ.....دو دفعہ بطور اسم اور دو بار بطور فعل''

''ٹھیک ہے اور خدا اس لفظ کو کیسے استعمال کرتا ہے۔''

میں نے اپنے حافظے پر دباؤ ڈالتے ہوئے کہا.....''میرے خیال میں خدا اسے بطور نعمت یا بطور عطیہ استعمال کرتا ہے.....مثلاً صحیح طریقہ.....نیکیوں کا ماخذ'' پھر کچھ توقف کر کے اس میں سب کچھ شامل کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا.....''.....اور اہل زبان کہتے ہیں کہ شریعۃ سے مراد پانی کا چشمہ ہے۔''

شیخ نے مسکراتے ہوئے کہا......''تم احکام...... پازیٹو لاز' قوانین یعنی قواعد کا مطالعہ کرنا چاہتے ہو جو کہتے ہیں کہ یہ کرو اور وہ نہ کرو.....لیکن کیا احکام' عطیۂ خداوندی کی حد ہوتے ہیں''؟

میں نے محسوس کیا کہ میں نے جو کچھ بھی توضیحات کی ہیں ان میں مطلوبہ گہرائی نہیں ہے لیکن میں یہ بھی جانتا تھا کہ شیخ حسین نے ایک بار خود فرمایا تھا کہ ''قضیہ'' (Issue) ہی ''صحیح سوال'' ...... (Right Question) ہوتا ہے۔ جہاں تک صحیح جواب کا تعلق ہے وہ صرف خدا جانتا ہے۔ میں نے ایک بار پھر توقف کیا اور دل میں سوچنے لگا......''کم از کم میں تو سوالات نہیں کر رہا ہوں''۔ میں نے اپنی طاقت مجتمع کرتے ہوئے کہا......''قانون یقیناً خدا کا عطیہ ہے کیونکہ اسی سے ہمیں خدا کی خوشنودی کا پتہ چلتا ہے''

''جواب بڑی حد تک درست ہے لیکن میرا سوال یہ نہیں تھا' چلو میں یہ پوچھتا ہوں کہ کیا یہ ممکن ہے کہ ایک شخص قانون کے مطابق تو چلتا رہے مگر اسے خدا کی خوشنودی حاصل

نہ ہو سکے''؟

''جی ہاں بالکل ہو سکتا ہے۔ وہ شخص غیر مخلص یا غیر متوازن ہو اور چھوٹے قانون کی خاطر بڑے قانون کو قربان کر ڈالتا ہو''

''ٹھیک ہے' بالکل صحیح ہے لیکن پھر ہم یہ پوچھتے ہیں کہ کیا یہ ممکن ہے کوئی شخص قانون کو نظر انداز کر دے اور خدا کی خوشنودی حاصل کر لے''؟

میں نے نفی میں جواب دیتے ہوئے کہا...... ''قانون کو نظر انداز کرنا' ناپسندیدہ حرکت ہے ایسے کرنے کا مطلب خدا سے یہ کہنا ہے کہ مجھے تیری مرضی کی کوئی پرواہ نہیں ہے''

''اچھا اب ہم یہ سوال پوچھتے ہیں کہ کیا دو آدمیوں کیلئے یہ ممکن ہے کہ وہ ایک قانون کے بارے میں باہمی اختلاف رکھتے ہوں' ان میں سے ہر ایک اس طریقے کے مطابق عمل کرے جسے وہ درست سمجھتا ہو' تا ہم ان کے اختلافات اور ان کے الگ الگ اعمال کو خدا کی تائید وحمایت حاصل ہو؟''

''جی ہاں'' میں نے کہا......''ان میں سے ہر ایک کو خدا کی خوشنودی حاصل ہو گی بشرطیکہ انہوں نے وہ اعمال تندہی اور خلوص کے ساتھ انجام دیئے ہوں''

''اب ہم پوچھیں گے کہ اس رائے کی بنیاد کیا ہے''؟

میں ایک بار پھر الجھ گیا جس پر میں نے کہا...... ''شیخ میں نہیں جانتا''

''خالد' قانون کی بات کرنے سے پہلے ہم کس چیز پر غور کرتے ہیں؟ قانون جاننے سے پہلے ہم کیا جاننے کی کوشش کرتے ہیں؟''

''یا شیخ میرے خیال میں ہم 'دلیل' یا 'دلائل' منشائے خداوندی کی نشانیاں یا اشارے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہم ایسی شہادتیں ڈھونڈتے ہیں جو اس معقول عقیدے کی بنیاد بن سکتی ہوں کہ خدا کیا کیا چیزیں پسند کرتا ہے۔''

''بہت اچھا میرے بیٹے یہاں تک تو درست ہے۔ اگر ایک آدمی دلیل اور خلوص کے ساتھ ایک دلیل کے مطابق عمل کرتے ہوئے بھی قانون تک نہ پہنچ سکے تو پھر کیا ہو گا؟''

''پھر بھی اس کی سعی کو خدا کی خوشنودی حاصل ہو گی'' میں نے جواب دیا۔

''ٹھیک ہے۔ لیکن اگر ایک شخص محض خبطی پن سے یا آنکھیں بند کر کے قانون پر عمل کرے لیکن دلیل یا شہادت کو خاطر میں نہ لائے تو؟''

میں نے کہا ''میرے خیال میں اندھی تقلید کو خدا کی خوشنودی حاصل نہیں ہوتی۔ کچھ نہ کچھ معقول بنیاد ضرور ہونی چاہیئے کہ قانون کیا ہے۔ کسی بنیاد یا شہادت کے بغیر کسی بات کو قانون قرار دے دینا خبطی پن اور جہالت ہے۔''

''اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اگر تم خدا کی مرضی ومنشا تلاش کرتے ہوئے زندگی گزارو تو کیا اس کا مطلب یہ ہوگا کہ تم شریعۃ کی روشنی میں زندگی گزار رہے ہو؟''

''میرے خیال میں تو ایسا ہی ہے'' میں نے جواب دیا۔

''اگر تم قوانین کے مطابق زندگی گزارنا اپنا نصب العین بنا لیتے ہو تو کیا اس کا مطلب یہ ہوگا کہ تم نے شریعۃ کے مطابق زندگی گزار دی ہے؟''

اب میں بُری طرح الجھ گیا اور دلیل کی سمت کا اندازہ ہی نہ کر سکا کہ ہم کس طرف بڑھ رہے ہیں۔ لیکن میں یہ جانتا تھا کہ شیخ نے محض بات برائے بات نہیں کہی۔ میں نے خاموشی میں ہی عافیت سمجھی۔ انہوں نے غور سے میری طرف دیکھا' میں اپنی انگلیوں کے دھڈ رکو سہلا رہا تھا۔ میری ہچکچاہٹ کو محسوس کرتے ہوئے وہ بولے'' بیٹے شریعۃ محض 'احکام' نہیں' یہ ایک طرزِ زندگی ہے۔ یہ قانون کا ایک مکمل طریق کار ہے' احکام اس طریق کار کی ضمنی پیداوار(By-Product) ہیں۔ شریعۃ نشانات' اشاروں' مظاہر' اور اغراض ومقاصد پر مبنی طریق کار ہے۔ مثبت احکامات(Positive Commands)' سڑک پر چلنے کے قواعد کے مماثل ہیں اور منشائے الٰہی کا حصہ ہیں لیکن قواعد بجائے خود' راستہ نہیں ہیں۔ مثبت قوانین یعنی 'احکامات' سڑک پر رہنے کیلئے کم سے کم (Bare Minimum) شرائط ہیں۔ یہ بیرونی حدود کا تعیّن کرتے ہیں۔ لیکن یہ بھی عین ممکن ہے کہ تم قواعد پر عمل کرتے ہوئے بھی راستہ کھو دو۔ قانون' انصاف کی تعریف متعین نہیں کرتا' یہ انصاف کی چند بیرونی حدود کا تعین کرتا ہے۔ قانون' اخلاق (Moratly) کی بھی تعریف متعین نہیں کرتا' اس کی چند بیرونی حدود بتاتا ہے۔ خوبصورتی کا بھی تعین نہیں کرتا' اس کی چند بیرونی حدود کا تعین کرتا ہے۔ اس لئے یہ عین ممکن ہے کہ بیرونی حدود کے اندر رہنے کے باوجود ہم بے انصافی کے مرتکب ہو جائیں' بد اخلاق اور بھدّے اور بدصورت کہلائیں۔ دوسری جانب اگر آپ بیرونی حدود کا احترام نہیں کریں گے تو نہ منصف بن سکیں گے' نہ بااخلاق بن سکیں گے اور نہ خوبصورت کہلا سکیں گے۔

میں نے پوچھا...... ''شیخ حسین' کیا آپ یہ مشورہ دے رہے ہیں کہ مجھے قانون کے علاوہ

MashalBooks.org

جمالیات اور اخلاقیات کا بھی مطالعہ کرنا چاہیئے یا یہ کہہ رہے ہیں کہ مجھے قانون کے طریق کار (Process) کا مطالعہ کرنا چاہیئے''

شیخ حسین نے میری بے صبری پر مسکراتے ہوئے کہا...... ''خالد' میرے بیٹے' میں صرف یہ کہہ رہا ہوں کہ یہ احکامات کا دور ہے' تمہارے بھائی بہنوں میں سے ہر ایک کو صرف مثبت احکامات میں دلچسپی ہے لیکن ان میں سے بہت ہی کم افراد خدا کی تلاش اور اس کی منشا کی تلاش میں دلچسپی رکھتے ہیں۔''

میں نے محسوس کیا کہ میں انہیں مایوس کر رہا ہوں چنانچہ میں نے مدافعتی انداز میں کہا۔

''شیخ' کیا آپ کا مطلب ''اصول'' (فقہ) سے ہے میں اب تک جن فقہی حلقوں میں شریک ہو چکا ہوں ان میں......''

''مجھے پتہ ہے' پتہ ہے'' انہوں نے میری بات کاٹتے ہوئے کہا ''اصول'' بمنزلہ زبان کی گرامر کے ہیں جبکہ احکام زبان کے پورے پورے فقرے ہیں۔ اگر تم پورے فقرے یاد کر لو لیکن گرامر نہ سمجھ سکو تو زبان کو کبھی استعمال نہیں کر سکو گے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر تم فقروں کو یاد کر لو اور ذخیرۂ الفاظ اور گرامر کو نظر انداز کر دو تو زبان کو نہیں سیکھ پاؤ گے۔

''میں یہ بات ایک دوسرے طریقے سے سمجھاؤں گا' احکام دوا کی مانند ہیں اور اصول ڈاکٹر کی طرح ہیں۔ تم دوا کے استعمال کا طریقہ اور اس کیلئے مناسب وقت کے بارے میں نہیں جانتے تو اس سے کیسے فائدہ اٹھا سکو گے؟

تم فنِ تشخیص کو نظر انداز کر کے دوا کیسے استعمال کرا سکو گے؟ سب سے بڑھ کر یہ کہ دواؤں اور ڈاکٹروں کو ''اچھی حالتِ صحت'' کی ضمانت نہیں سمجھا جا سکتا' ہو سکتا ہے کہ تم ڈاکٹروں کے مشورے کے مطابق عمل کرو اور تجویز شدہ دوائیں بھی استعمال کرو پھر بھی تمہاری صحت اچھی نہ ہو۔ ''اچھی حالتِ صحت'' کیلئے تمہیں ڈاکٹروں کے پاس جانے اور دوائیں لینے کے علاوہ بھی کچھ کرنا پڑے گا' وہ یہ ہے کہ تمہیں مناسب آرام بھی کرنا ہوگا غالباً کچھ اور بھی کرنا پڑے گا۔

''تمہیں یاد رکھنا ہوگا کہ صحت یاب ہونے کی بیرونی حدود...... یعنی احکام کیلئے دلیل' سبب اور مقصد کا ایک جامع نظام موجود ہے۔ تم کسی قانون کو جاننے کا اس وقت تک دعویٰ نہیں کر سکتے جب تک تم اس قانون کے لئے دلیل' سبب اور مقصد کو نہیں جانتے اور تم قانون

کو ہی خدا تک پہنچنے کا جامع راستہ قرار نہیں دے سکتے' قانون اس راستے کی محض حدود مقرر کرتا ہے۔

''میرے بیٹے' میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں مکمل طور پر عبودیّت کی زندگی اختیار کرنی چاہیئے' لیکن ہمیں محض اپنے اجسام اور اپنے ارادوں کے ساتھ بھی اس کے قانون کی اطاعت نہیں بلکہ اپنے ضمیر اور اپنے شعور کے ساتھ بھی اس کی فرمانبرداری کرنی چاہیئے۔ خدا کے احکامات کی بجا آوری اس امر کا تقاضا کرتی ہے کہ ہمارے بدن اس کے تابع ہو جائیں اور یہ تقاضا بھی کرتی ہے کہ ہمارا ذہن اور شعور بھی اس کی اطاعت پر آمادہ ہو جائے۔ تاہم جسم اور ذہانت کہیں تمہیں اس غلط فہمی میں مبتلا نہ کر دیں کہ بس اب ضمیر آرام سے ہوسکتا ہے۔ ذہن سڑک پر رواں رہنے کیلئے تمہاری رہنمائی کر سکتا ہے اور جسم سڑک پر چلنے کا کام کر سکتا ہے لیکن ضمیر کا کام یہ ہوسکتا ہے کہ وہ تمہیں بتائے کہ کیا منشائے خداوندی کی تکمیل ہو چکی ہے۔''

مجھے یہ محسوس ہوا کہ شیخ مجھ سے مخاطب نہیں بلکہ آگے آنے والی نسلوں سے خطاب کر رہے ہیں۔ مجھے ان کی معیّت میں سکون آ رہا تھا اور میں ہمہ تن گوش بنا ہوا تھا۔ میں ان کے مفہوم کو پوری طرح اپنے اندر جذب نہ کر سکا مگر میں یہ نہیں جانتا تھا کہ ان قیمتی لمحات کو اپنی لایعنی باتوں سے ضائع کروں' اس لئے میں نے اپنی زبان کو لگام دیئے رکھی اور ذہن پر زور دیتا رہا کہ وہ اس گفتگو کے آبدار موتیوں کو اپنے اندر اتار لے۔ عصر کی نماز کے بعد میں نے ان سے رخصت چاہی تا کہ وہ آرام کر سکیں۔ ہم ہفتوں' نماز کے بعد ملاقات کرتے رہے۔ میں اُن سے ''اصول'' پڑھتا رہا۔ مہینے بھر کے بعد میں بمشکل اصول الفقہ کے ابتدائی ابواب ''حسن'' اور ''قبح'' تک پہنچ سکا تھا۔ مجھے اپنی رفتار برقرار رکھنے کے لئے بہت محنت کرنا پڑتی تھی۔ مجھے اپنی ذہنی صلاحیت پر شبہ ہونے لگا تاہم اس وقت مجھے ایک غلط قسم کی تسکین حاصل ہونے لگی جب بعد میں ان اسباق میں شریک ہونے والے طلبا بھی میری ہی طرح مشکلات سے دو چار ہو گئے۔

جب شیخ حسین کا انتقال ہوا تو میں امریکہ میں ہی تھا۔ مجھے ان کی رحلت بڑی شاق گزری۔ ان سے سیکھی ہوئی جتنی باتیں میرے ذہن میں رہ گئی تھیں میں نے انہیں جذب کرنے کے لئے بڑی محنت سے کام لیا۔ افسوس کہ بہت سی باتیں ذہن سے نکل بھی گئیں۔

MashalBooks.org

اُن کی دنیا سے روانگی مجھے بے حد شاق گزری۔ میں نے یہ سیکھنے کی بہت کوشش کی کہ قانون' ایک تفتیش' ایک مکالمہ اور ایک طریق کار (Process) کا نام ہے جو ایک ''حکم'' پہنچنے کے لئے تک ہماری رہنمائی کرتا ہے۔

میں نے یہ بھی سیکھنے کی بہت کوشش کی کہ ''حکم'' ایک آخری درجہ (Step) ہے اور غالباً کم سے کم اہمیت رکھتا ہے۔ میں نے احکام کی استبدادیت (Despotism) اور طریق کار کی خوبصورتی کو بھی سمجھنے کی بہت کوشش کی' میں یہ بھی سمجھنے کی کوشش کرتا رہا کہ جب ہمارا شعور زائل ہو جاتا ہے تو ''حکم'' وہاں سے شروع ہونے لگتا ہے جہاں خوبصورتی کا خاتمہ ہو چکا ہوتا ہے۔ لیکن یہ اس وقت ہوا جب میں نے یہ سمجھا کہ ہم 'تقویٰ کو حُسن عطا کرنے کے لئے قانون پر بہت زیادہ انحصار کرنے لگے ہیں' درحقیقت یہ تقویٰ ہے جو قانون کو حُسن عطا کرتا ہے اور جب میں نے سمجھ لیا کہ قانون تقویٰ کو نہیں پا سکتا لیکن تقویٰ قانون کو پا سکتا ہے۔ جب میں نے یہ بھی سمجھ لیا کہ خدا کی طرف جانے والا راستہ خوبصورتیوں سے مزیّن ہے محض قانون سے مزیّن نہیں' تو مجھے محسوس ہوا کہ شیخ کی ذات میرے لئے واقعی ایک شمع تھی اور میں بالآخر شیخ کی تلاش میں کامیاب ہو گیا۔

جون ۲۰۰۰ء

باب 49

''کتاب الارجع''...... معطل فیصلے

آج رات جونہی میں نے درس مکمل کیا اور خود کو'' کانفرنس'' کی طرف سے تحقیق و تفتیش کے لئے پیش کیا تو مجھ وہ نوٹ بک یاد دلائی گئی جسے میں بہت عرصہ پہلے بھول بھال چکا تھا۔ بعض اوقات سیرت نبویؐ پڑھانا اور لیکچر کے مطلوبہ نتیجے تک پہنچنا' بارودی سرنگوں سے اٹے ہوئے علاقے میں چلنے کی طرح خطرناک ہوتا ہے۔ میرے تیز طرار شاگرد بڑی مستعدی سے سوال پر سوائے اٹھائے چلے جاتے ہیں۔ بعض اوقات میں ان کے چبھتے ہوئے سوالوں سے عاجز آ جاتا ہوں۔ پیغمبر اسلام کی سیرت محبوب کے باغ کی مانند ہے' آپ کوئی سا بھی پھول توڑ کر سونگھنا شروع کر دیں' اس کی خوشبو آپ کے جسم و جان کو معطر کر دے گی لیکن پھول توڑتے ہوئے ان کانٹوں سے محتاط رہنا پڑتا ہے جو پھولوں کیساتھ موجود ہوتے ہیں۔ 'احتیاط' پھول چننے کا لازمی حصہ ہوتی ہے' ورنہ زخمی ہو جانا یقینی ہوتا ہے۔ دماغ اگر خوشبو سے معطر ہوتا ہے تو اسے کانٹا چبھنے کی ٹیس سے بھی دوچار ہونا پڑتا ہے۔ خدا نے ایک قانون بنایا ہے جو پوری اس کائنات میں پھیلا ہوا ہے اور وہ یہ ہے کہ تم حُسن' محبت اور علم کے تمام رازوں کو بے نقاب کر سکتے ہو مگر ان کی قیمت مستقل مزاجی' قوتِ برداشت اور صبر کی صورت میں ادا کرنا پڑتی ہے۔ وَلَنَبۡلُوَنَّکُمۡ حَتّٰی نَعۡلَمَ الۡمُجَاهِدِيۡنَ مِنۡکُمۡ وَالصّٰابِرِيۡنَ وَنَبۡلُوَا اَخۡبَارَکُمۡO (ہم ضرور تم لوگوں کو آزمائش میں ڈالیں گے تا کہ تمہارے حالات کی جانچ کریں اور دیکھ لیں کہ تم میں مجاہد اور ثابت قدم کون ہیں۔ سورۃ محمد آیت ۳۱) بالآخر خدا کا وعدہ ہے ...... ''وَبَشِّرِ الصَّابِرِيۡنَ'' (اور خوشخبری دیدو صبر کرنے والوں کو...... سورۃ البقرہ آیت ۱۵۵)

صبر، کسی بندے میں شیخی اور تکبر نہ ہونے کا واضح اور یقینی ثبوت ہوتا ہے۔ چنانچہ ہر زمانے اور ہر موقع پر جو لوگ حق اور سچ کے لئے ثابت قدمی سے کھڑے ہو جاتے ہیں ان کے لئے کہا گیا ہے ...... وَالْعَصْرِ O اِنّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ اِلاّ الّذِیْنَ اٰمَنُوْ وَعَمِلُو الصالحاتِ وَتَوَا صَوْابالْحَقِّ وَتَوَاصَوْ بالصَّبْرِ O (زمانے کی قسم، انسان درحقیقت خسارے میں ہے، سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک اعمال کرتے رہے اور ایک دوسرے کو حق کی نصیحت اور صبر کی تلقین کرتے رہے......سورۃ العصر آیات ۱ تا ۳)

میرے شاگردوں نے مجھ پر سوالوں کی بوچھاڑ کر دی جس پر مجھے اپنے شیوخ کا زمانہ یاد آنے لگا، میں ان طلبا کی نتیجے پر پہنچنے کے لئے بے صبری دیکھ کر حیران ہو رہا تھا مجھے وہ بے چاری سبز نوٹ بک یاد آئی۔ جو برکتوں والے زمانے میں ہمیشہ میرے پاس رہتی تھی۔ اس پر میں نے ایک سفید چٹ لگائی ہوئی تھی جس پر "The Book of Suspended Judgment" ''کتاب الارجع'' لکھا ہوا تھا۔ ایک وقت یہ ''کتاب الجہل'' ہوا کرتی تھی لیکن میں نے جلدی ہی اس کا ٹائیٹل تبدیل کر دیا۔ میں اس میں اپنی تمام یادداشتیں، تمام راز، اپنی الجھنیں اور بھولی بسری باتیں لکھتا رہتا تھا، گویا یہ میری ہمراز تھی۔

''کتاب الارجع'' میرے شکوک و شبہات کا مخزن اور میری اوائل عمری کی بے چینیوں کو تسکین دینے والی دوا کی مانند تھی۔ ان دنوں علم کی تلاش، ایک گھڑ دوڑ کے میدان کی طرح تھی لیکن میں لڑکھڑائے اور ٹھوکریں کھائے بغیر نہیں دوڑ سکتا تھا۔ اگر میں محسوس کرتا کہ ایک علمی نقطہ مجھے اچھی طرح از بر گیا ہے تو میں اسے اپنے ذہن کے نہاں خانوں میں ہمیشہ کے لئے محفوظ کر لیتا تھا۔ بعد میں اس کی تفصیلات کی بار بار جانچ پڑتال کیا کرتا، تا کہ یہ اطمینان ہو جائے کہ کیا اس کی تمام جزئیات اور باریکیاں اپنی اپنی جگہ موجود ہیں لیکن زیادہ عرصہ نہ گزرتا کہ کسی استاد کی بتائی ہوئی بات یا کسی کتاب کے کسی نقطے یا کسی نظر انداز شدہ خیال سے یہ انکشاف ہو جاتا کہ میں جو کچھ سمجھا بیٹھا تھا اس کی تو کوئی اہمیت ہی نہیں ہے۔ اس طرح میرے پہلے تصور کی پوری عمارت زمیں بوس ہو جاتی تھی۔

اس بابرکت زمانے میں میں دیگر مضامین کے علاوہ سیرت نبویؐ کا بھی مطالعہ کیا کرتا تھا جس کے بعض نکات کی پیچیدگی مجھے سخت الجھنوں میں مبتلا کر دیتی تھی۔ میں خود سے سوال کرتا کہ تم اس عظیم ترین اور خوبصورت ترین شخصیت کو کیسے سمجھ سکو گے جس کے بارے میں ملنے

MashalBooks.org

والی روایات میں سے اکثر ایک دوسری سے متصادم ہیں؟۔ ایک ہی واقعہ کے بارے میں مختلف رپورٹوں کو کیسے ہم آہنگ کرو گے؟ تم کیسے جانو گے کہ کس نے کس سے روایت کی ہے اور ہر راوی کی کیا کیا خصوصیات ہیں؟۔ ہر راوی نے پیغمبر اور ان کے صحابہ کی زندگیوں کے بارے میں اتنا کچھ جمع کیا ہے' ان کی اپنی کیا کیا خوبیاں اور کمزوریاں تھیں۔ ان شخصیات کے حقیقی نقوش اور فرضی نقوش میں تمیز کیسے کرو گے؟ ان متضاد رپورٹوں کے ہوتے ہوئے تم اپنے نبیؐ کی بلند و بالا شخصیت اور ان کے حسن کی متوازن شبیہہ کیسے مرتب کرو گے؟ میں علم کی منازل طے کرتا رہا' آخر ایک روز میں ذہن میں بہت سے سوالات لئے ہوئے چند کتابیں لئے جا پہنچا تاکہ شیوخ کے روبرو بیٹھ کر اپنے شکوک پر تبادلۂ خیال کر سکوں۔ پہلے ظہر کی نماز پڑھی پھر شیخ عید کے سامنے بیٹھ گیا اور ان سے کہا کہ اگر وہ مجھے کچھ وقت عنایت کر دیں تو میں اپنی الجھنوں پر ان سے گفتگو کر سکوں۔ مگر یہ سن کر میری خوشی کی انتہا نہ رہی کہ انہوں نے مجھے اپنے گھر چل کر بات کرنے کی پیشکش کر دی۔ انہوں نے مسکراتے ہوئے فرمایا...... ''تم کبھی میرے گھر نہیں آئے' میرے خیال میں یہ سُنن اور قوانین کے منافی ہے......'' میں نے اس محترم شخصیت کے گھر کے بارے میں اپنے ذہن میں کئی مرتبہ نقشہ بنایا تھا میں سوچتا تھا کہ پتہ نہیں کہ ان کی الماریوں کی شیلف کیسی کیسی کتابوں سے مزیّن ہوں گے' لیکن میں نے خواب میں بھی نہیں سوچا تھا کہ مجھے گھر میں مدعو کئے جانے کا اعزاز حاصل ہو سکے گا۔ گھر کی طرف چلتے ہوئے میں نے ان کی صحت اور ان کے دل کی کیفیت کے بارے میں پوچھا' انہوں نے گفتگو کا رُخ میری تکلیف دہ الرجی کی طرف پلٹ دیا۔ اتنے میں ہم گھر پہنچ گئے۔ ان کا گھر کیا تھا بس کتابوں کا ایک گلستان تھا۔ کتابیں فرش پر بھی پڑی تھیں اور فرنیچر پر بھی رکھی ہوئی تھیں۔ میں یہ دیکھ کر ہنس پڑا کہ ان کی کتابوں نے ان کے عبا اور جُبّہ جیسے ملبوسات کو الماری سے بے دخل کر کے کچن میں پہنچا دیا تھا۔ میں نے پیشکش کی کہ میں موسم گرما میں ان کی کتابوں کو ایک ترتیب کے ساتھ سجا دوں گا' جس پر انہوں نے مسکرا کر کہا...... ''کیوں' کیا خدا نے تجھے کرامات کرنے کی طاقت دیدی ہے؟''

شیخ کا اصرار تھا کہ باقی باتیں کھانے کے دوران ہونگی۔ مجھے اس پر کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ کھانے میں ان کی اہلیہ بھی شریک ہوئیں جو ایک بڑی باوقار خاتون تھیں۔ اس سے قبل وہ میرے گھر والوں کا حال احوال پوچھ چکی تھیں اور مجھے یہ بھی کہہ چکی تھیں کہ میں ان کی طرف

سے اپنے والدین اور بھائی بہنوں کو ان کا سلام پہنچادوں۔ کھانے کے دوران شیخ عید نے مجھ سے نہیں پوچھا کہ میں کس مسئلے سے پریشان ہوں جس کا حل ڈھونڈ رہا ہوں' وہ ایسی باتیں کر رہے تھے جن سے ان کی اہلیہ محترمہ کو بھی دلچسپی ہو۔ میں یہ بات نوٹ کئے بغیر نہ رہ سکا کہ یہ اسلامی تعلیمات کی کتنی خوبصورتی ہے جس کا انہوں نے مظاہرہ کیا ہے۔ کھانا ختم ہونے کے بعد جب ان کی اہلیہ چائے لے آئیں تو شیخ نے کہا'' خالد' کچھ تعلیمی اسباق کے بارے میں گفتگو کرنا چاہتا ہے'' میں نے جلدی سے اس میں یہ بات شامل کر دی...... ''میں منہاجیات (Methodology) سے متعلقہ بعض امور کے بارے میں کچھ مشوّش ہوں''۔ وہ پیالیوں میں چائے ڈالتے ہوئے مسکرائیں اور یہ بات کہہ کر مجھے حیران کر دیا' جس پر میں آج تک حیران ہوں' انہوں نے کہا''مِنکم نستفید یا شیوخ'' (اے شیوخ ...... ہم آپ سے بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں)۔ یہ ''شیوخ'' بطور جمع کا صیغہ استعمال کرتے ہوئے انہوں نے مجھے بھی اپنے خاوند کیساتھ اس خطاب سے نوازا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ کسی نے میرے بارے میں ''شیخ'' کا لفظ استعمال کیا تھا حالانکہ میں مذہبی سکالر کہلانے کا بمشکل ہی مستحق بن سکتا تھا۔

میں نے کسی تاخیر کے بغیر اعتراف کیا کہ'' میں تو صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی زندگیوں کا مطالعہ کر رہا ہوں اور اس مطالعے پر مجھے بہت محنت کرنا پڑتی ہے۔ آپ کی زندگی کے بارے میں ملنے والی بعض روایات' ایک دوسری کی تردید کرتی ہیں۔ بعض واقعات بظاہر ناقابل الوقوع ہیں۔ میں نے ایسے واقعات بھی پڑھے ہیں کہ آنحضرتؐ نے کسی چیز کے بارے میں ایک عمومی قانون کا اعلان کیا لیکن پتہ چلتا ہے کہ وہ اعلان کسی ایک یا دو افراد نے سنا تھا۔ بعض منابع یہ کہتے ہیں کہ حدیث کے فلاں اور فلاں راوی قابل اعتماد ہیں' جبکہ دوسرے منابع انہیں ناقابل اعتماد قرار دیتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ میں جس مسئلے پر خلجان سے دوچار ہوں وہ کسی راوی کے معتبر اور قابل اعتماد ہونے کے بارے میں ہے۔ میں کیسے جانوں کہ کونسا راوی معتبر ہے اور کونسا ضعیف ہے؟ اس چیز نے مجھے شبہات (وسوسوں) میں مبتلا کر رکھا ہے''

اس پر شیخ کی اہلیہ نے یہ کہہ کر مجھے حیرت زدہ کر دیا...... '' **تِلکَ مَهدالایمان**'' (یہی تو صحیح ایمان ہے' حقیقی ایمان یہی ہے) میں پریشان ہو گیا اور شیخ نے میری پریشانی کو بھانپ لیا' وہ بولے...... ''اُمّ ...... ایک حدیث کا حوالے دے رہی ہیں جو''مسلم'' میں آئی

MashalBooks.org

ہے' اس کے راوی عبداللہ بن مسعود (متوفی ۳۲ھ/۶۵۲ء) ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ ''وسوسہ'' (شک وشبہ) کیا ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا...... ''تِلکَ مَهدالایمان'' ۔اسی طرح ابو ہریرہؓ (متوفی ۵۸ھ/۶۷۸ء) کی روایت ہے کہ چند افراد آنحضرتؐ کے پاس آئے اور بتایا کہ وہ بعض اوقات شکوک وشبہات سے دوچار ہو جاتے ہیں۔ یہ ایسے شکوک ہیں جن کا سب لوگوں کے سامنے اظہار کرنے سے شرمندگی محسوس ہوتی ہے۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ذاک صریح الایمان'' (صحیح ایمان کی یہی کیفیت ہوتی ہے) علماء کے درمیان اس بات پر اختلاف ہے کہ اسکے صحیح ترین معنی کیا ہیں؟

شیخ نے کچھ توقف کیا اور غالباً میں جلدی بول پڑا...... ''لیکن شیخ' دیکھئے یہی تو میں کہہ رہا ہوں پہلی روایت یہ کہتی ہے کہ شک صحیح اور اچھی چیز ہے اور دوسری روایت کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ شک کا سب کے سامنے اظہار نہ کرنا' صحیح اور اچھی بات ہے یا غالباً یہ معنی ہیں کہ شکوک وشبہات رکھنا اچھی بات ہے لیکن سب کے سامنے ان کا اظہار کرنا اچھی بات نہیں ہے۔ کیا روایات میں یہ فرق اس لئے تو نہیں پڑا کہ ابن مسعودؓ بہت پہلے حلقہ بگوش اسلام ہوئے تھے جبکہ ابو ہریرہؓ بعد میں مسلمان ہوئے صرف چار سال آپؐ کی معیت میں رہے۔ میں اس سے کیا نتیجہ اخذ کروں؟ یہی تو میری اصل پریشانی ہے۔

شیخ ایک بار پھر مسکرائے ......''اللہ تجھ پر کرم فرمائے' اے خالد۔ اس لئے تو میں تجھ سے بلند توقعات رکھے ہوئے ہوں۔ تمہارے ذہن میں ایک سوال پیدا ہوا ہے' یہی بات سب سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے جس کا تم زندگی بھر جواب تلاش کرتے رہو گے۔ دوسری روایت کے خواہ یہ معنی ہیں کہ اپنے شبہات کا سر عام اظہار نہ کرنا اچھا ہے' یا خواہ اس کا مطلب یہ ہے کہ شبہات کا پیدا ہونا اچھی بات ہے' یہ گرامر (قواعد) کا معاملہ ہے۔ راویوں کے معتبر ہونے میں ان کی آنحضرت صلعم سے قربت بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ لیکن تم ان معاملات پر اپنی تحقیق کا سلسلہ اپنی طبعی رفتار سے جاری رکھو...... وقت سے پہلے افزائش (Grow) پانے کی کیا ضرورت ہے؟۔

''لیکن شیخ!'' میں نے احتجاجی انداز میں کہا......''جب میں شیطانی آیات (احمد رشدی کی کتاب) پڑھتا ہوں تو......''

شیخ کی اہلیہ فوراً بول پڑیں......''شیطانی آیات؟ وہ بالکل بے ہودہ باتیں ہیں۔ ایسا

MashalBooks.org

کبھی نہیں ہوا''

شیخ عید ہنس پڑے...... ''تم نے دیکھا میری اہلیہ نے ازخود مسئلے کو حل کرلیا ہے۔ دوسری طرف ابن تیمیہ اس واقعہ کے مستند ہونے پر یقین رکھتے تھے۔ شیخ ایک بار پھر اپنی اہلیہ کے بول پڑنے پر ہنس دیئے جس نے یہ کہا تھا کہ ''یہ بے ہودہ بات ہے' ابن تیمیہ نے جو کچھ کہا بالکل غلط ہے'' شیخ نے کہا'' ''میری بیوی اس بات پر ابن تیمیہؒ کو معاف کرنے کے لئے ہرگز تیار نہیں ہے۔''

میں نے اپنی بات کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے کہا...... ''یا شیخ ...... دیکھئے کتابوں میں ماریہ قبطیہ (متوفیہ ۱۶ھ/ ۶۳۷ء) سے آنخضرت صلعم کے تعلق کے بارے میں متضاد روایات ملتی ہیں۔ اسی طرح زینب بنت جحش (متوفیہ ۲۰ھ/ ۶۴۱ء) سے آپؐ کی شادی کے بارے میں باہمی طور پر متصادم روایات موجود ہیں جنہیں آپؐ کے منہ بولے بیٹے زید ابن حارث (متوفی ۸ھ/ ۶۲۹ء) نے طلاق دیدی تھی۔ حضرت سودہؓ جن سے آپؐ نے حضرت خدیجہؓ (متوفیہ ۳ھ قبل از ہجرت) کے بعد نکاح کیا تھا' سے آپؐ کے تعلق کے بارے میں متضاد روایات ملتی ہیں اور یہ روایتیں بھی ملتی ہیں کہ آپؐ نے کبھی بھی اور کسی کو بھی نہ مارا' نہ بُرا بھلا کہا اور نہ کسی تضحیک یا توہین کی اور دوسری طرف یہ دعویٰ ملتا ہے کہ آپؐ نے شوہروں کو بیویوں کو زدوکوب کرنے کی اجازت دیدی تھی۔ میں ابھی مزید کچھ کہنا چاہتا ہی تھا کہ شیخ کی اہلیہ بول پڑیں ''ایسی لاکھوں روایات ملتی ہیں کہ نبی اکرمؐ نے کبھی کسی کو نہیں مارا اور کسی کو بے عزت نہیں کیا اور کوئی عزت نفس رکھنے والی مسلمان عورت ایسے شوہر کے ساتھ ایک دن بھی گزارہ نہیں کرے گی جو اسے مارنے کی جسارت کرے' اس میں کونسی الجھن ہے۔ کیا ہم دلدل میں سے مچھلیاں پکڑنے کی کوشش کریں گے اور پھر کیچڑ کی شکایت کریں گے؟''

مجھے شبہ ہوا کہ میں محترمہ کو ناراض کر بیٹھا ہوں' میں پریشان ہوا اور مسکرانے کی کوشش کرنے لگا تا کہ ماحول خوشگوار ہو سکے لیکن حضرت شیخ میری مدد کو آ گئے انہوں نے کہا...... ''خالد روایتوں کی تضاد کی بات کر رہے ہیں' دلدل سے مچھلیاں نہیں پکڑ رہے ہیں اور چاہتے ہیں کہ دلدل سے کیسے بچا جا سکتا ہے'' ان کی اس بات سے میری پریشانی کچھ دور ہو گئی۔ وہ پھر بولیں...... ''جی ہاں دلدل سے بچنے کے لئے پہلے تمہیں یہ جاننا ہوگا کہ دلدل ہے کہاں؟''

اب شیخ پوری طرح میری طرف متوجہ ہو گئے اور اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا......

MashalBooks.org

''نبی اکرمؐ نے فرمایا تھا کہ ان کی وفات کے بارے میں ان سے متعلق کئی باتیں مشہور کر دی جائیں گی' ان میں سے بہت سی محض اختراعات ہونگی' آپؐ نے واضح کر دیا کہ ان روایات کو قرآن کی روشنی میں پرکھا جائے اور جو اس سے مطابقت نہ رکھتی ہوں وہ درست نہ ہونگی' قرآن میں نبی اکرمؐ کے بارے میں کہا گیا ہے...... '' وَاِنَّکَ لَعَلیٰ خُلُقٍ عَظِیۡمٍ '' (اور بے شک تم اخلاق کے بڑے مرتبے پر ہو......سورۃ القلم آیت ۴) اور خدا یہ بھی فرماتا ہے...... وَمَآ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعالَمِين (اے نبیؐ ہم نے تم کو دنیا والوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے......سورۃ الحج آیت ۱۰۷) خدا ہمیں یہ تعلیم دیتا ہے کہ نبیؐ سخت مزاج نہیں ہیں۔ فَبِمَا رَحۡمَةٍمِّنَ اللهِ لِنۡتَ لَهُمۡ وَلَوۡ کُنۡتَ فَظّاً غَلِیۡظَ الۡقَلۡبِ لاَ نۡفَضُّوۡا مِنۡ حَوۡلِکَ ''(اے پیغمبر) یہ اللہ کی بڑی رحمت ہے کہ تم ان لوگوں کے لئے بہت نرم مزاج واقع ہوئے ہو۔ ورنہ اگر کہیں تم تند خو اور سنگ دل ہوتے تو یہ سب تمہارے گرد و پیش سے چھٹ جاتے'' ......سورۃ آل عمران آیت ۱۵۹) خدا ہمیں یہ بھی بتاتا ہے...... لَقَدۡ جَآءَ کُمۡ رَسُوۡلٌ مِنۡ اَنۡفُسِکُمۡ عَزِیۡزٌ عَلَیۡهِ ما عَنِتُّمۡ حَرِیۡصٌ علیکم بِالۡمُؤۡ مِنِیۡنَ رَءُ وۡفٌ رَّحِیۡمٌ (دیکھو! تم لوگوں کے پاس ''ایک'' رسول آیا ہے جو خود تم ہی میں سے ہے' تمہارا نقصان میں پڑنا اس پر شاق ہے' تمہاری فلاح کا وہ حریص ہے' ایمان لانے والوں کے لئے وہ شفیق اور رحیم ہے ......سورۃ التوبہ آیت ۱۲۸)۔ ایک مسلمان جانتا ہے کہ نبیؐ کی یہ لفظی تصویر بالکل سچی اور حقیقی ہے اور ان کی صداقت کے بارے میں ہمارا یقین' نقطۂ قطعیت تک پہنچا ہوا ہے۔ مسلمان کو نبیؐ کی ان صفات کی سچائی پر اس لئے بھی یقین ہے کہ یہ براہ راست خدا کی طرف سے کہی گئی ہیں۔ ہم سنت روایات بھی دیکھتے ہیں جو قرآن میں آنحضرت کی بیان کردہ صفات اور کردار کی پوری طرح تائید کرتی ہیں۔ آپؐ کے ایک مقرب صحابی انس ابن مالک (متوفی ۹۳ھ/ ۷۱۱ء) بتاتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے کبھی نہ کسی کی توہین کی اور نہ دل آزاری کی۔ آپؐ کی زوجہ محترمہ عائشہ صدیقہ (متوفیہ ۵۸ھ/ ۶۷۸ء) بتاتی ہیں کہ آپؐ ہمیشہ خاندان کو آرام و سکون پہنچاتے رہے۔ دو دیگر مقرب صحابی حضرت علیؓ اور حضرت ابن عباس بتاتے ہیں کہ آپؐ بچوں سے بے حد محبت کرتے تھے۔ نہایت رحمدل و فیاض تھے' نوجوانوں سے شفقت کے ساتھ پیش آتے' کسی پر نکتہ چینی نہیں کرتے تھے اور نہ کسی کو پریشان کرتے تھے۔ ہمیشہ معافی اور درگزر کا رویہ رکھتے اور لوگوں سے مسکراتے ہوئے ملتے۔ یہ سب باتیں آپؐ کی

حسین ترین تصویر پیش کرتی ہیں اور آپؐ کے ایک شفیق ترین ہستی ہونے کا ثبوت دیتی ہیں۔ پھر اچانک ہمارے سامنے ایک ایسی رپورٹ پیش کر دی جاتی ہے جو ان بیان کردہ صفات سے ایک مختلف تصور سامنے لے آتی ہے۔تو پھر ہمارا ردعمل کیا ہونا چاہئے؟۔

مجھے اس وقت یہ خیال نہیں آسکا کہ میں نے یہ کہہ کر ان کے اوپر ایک سوال دے مارا ہے کہ......''یا شیخ بتایئے ہم کیا کریں؟''

انہوں نے لمحہ بھر توقف کیا' میری طرف غور سے دیکھا اور پھر پوچھا......''خالد' کیا یہ مشکوک روایات ہی تمہارے لئے پریشانی بنی ہوئی ہیں؟ تم کسی سے اس لئے محبت کرتے ہو کہ تم نے اس بارے میں انتہائی معتبر لوگوں سے سن لیا ہے کہ وہ بہت عمدہ شخصیت کا مالک ہے پھر تم چند ایسے افراد سے ملتے ہو جو کم درجے کے اعتبار والے لوگ ہیں اور وہ تمہیں اسی شخص کے بارے میں ایک مشکوک (Problematic) سٹوری سنا دیتے ہیں تو کیا کرو گے؟

''میں اسے مسترد کر دوں گا''...... میں نے کسی حد تک اپنی ناپختگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔''نہ نہ'' شیخ عید نے کہا......''ہم اسے مسترد نہیں کرتے' ایک مشکوک رپورٹ' ہمیں پریشان کرنے کے لئے کافی نہیں ہونی چاہئے۔ ہونا یہ چاہئے کہ ہم کچھ توقف کر کے اس پر سنجیدگی سے غور کریں۔ ہوسکتا ہے کہ ہم نے اسے ایک مناسب پس منظر میں نہ دیکھا ہو۔ اس پر ہم کیا کرتے ہیں' ہم اپنا حتمی فیصلہ نہیں دیتے' فیصلے کو معطل کر دیتے ہیں۔''

''فیصلے کو معطل رکھتے ہیں؟'' میں نے ایسے کہا جیسے میں نے خود کلامی کی ہو۔

''جی ہاں ہوسکتا ہے کہ رپورٹ ناقابل اعتبار ہو' ہوسکتا ہے کہ مکمل طور پر جھوٹی ہو' ہوسکتا ہے کہ کسی گمراہ دوست یا منتقم مزاج دشمن نے جعل سازی کی ہو۔ مختلف لوگوں نے نبی اکرم کی طرف سے اور ان کے بارے میں مختلف روایات بیان کی ہیں۔ بعض لوگوں نے آپؐ کے بارے میں جو کچھ سنا اور جو کچھ دیکھا وہ روایت کر دیا' بعضوں نے اپنی سمجھ کے مطابق جو کچھ سنا یا دیکھا' اسے آگے بیان کر دیا' بعض لوگوں نے جو کچھ دیکھا یا سنا' اس کو اپنی تشخیص یا تطبیق کے مطابق روایت کر دیا' بعضوں نے خود روایات گھڑ کر آپؐ سے منسوب کر دیں اور بعض لوگوں نے اپنی طرف سے تو کچھ نہیں گھڑا' مگر ان کی بیان کردہ باتوں کو اگلی نسل کے راویوں نے مبالغہ اور حاشیہ آرائی کے ساتھ روایت کر دیا۔ تم اس وقت زندگی کے جس مرحلے میں سے گزر رہے ہو تمہارے اندر وہ چیز ابھی پیدا نہیں ہوئی کہ ان روایتوں میں سچی اور حقیقی باتیں

اخذ کر سکو' تو تمہیں کیا کرنا چاہئے؟ تمہیں یہ کرنا چاہئے کہ تم جو کچھ جانتے ہو اس پر قائم رہو' بطور مسلمان تم جانتے کہ آپ نہایت خوبصورت انسان تھے۔ تم یہ اس لئے جانتے ہو کہ خدا نے تمہیں ایسا بتایا ہے اور اسلئے بھی جانتے ہو کہ جتنے لوگ بھی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب تر تھے وہ ان کے بارے میں خدا کی بتائی ہوئی باتوں کی پوری طرح تائید کرتے ہیں جہاں تک اختلافی اور متنازعہ روایتوں اور دیگر قسم کے مسائل کا تعلق ہے تم انہیں بے شک یاد رکھو لیکن ان کے بارے میں اپنا فیصلہ معطل رکھو۔ جوں جوں تمہارے علم کا دائرہ وسیع ہوتا رہے' ان پر بار بار غور کرتے رہو اور اپنی ذہانت کو بروئے کار لا کر ان میں سے سچے کھوٹے کو پہچاننے کی کوشش جاری رکھو"۔

"لیکن شیخ"...... میں نے مداخلت کرتے ہوئے کہا......"میں کب جان سکوں گا؟ اور کب تک جاننے کے قابل ہو سکوں گا؟"

شیخ نے نہایت متانت سے کہنا شروع کیا......"بیٹے تم ذہانت اور مسلسل کاوش سے ایسے پیمانے پا لو گے جو اس کام میں تمہاری مدد کریں گے۔ اگر تم مستقل مزاجی سے تحصیل علم کا سلسلہ جاری رکھو تو ایک وقت ضرور آئے گا کہ اس علم کیساتھ انصاف کر سکو گے۔ تم بعض روایات کو غیر معتبر قرار دے سکو گے اور بعض روایات کے پس پردہ کارفرما محرکات اور حالات کو بھی پہچان سکو گے اور بعض ایسی روایات بھی ہونگی کہ تم ان کے بارے میں کسی فیصلے پر پہنچے بغیر دنیا سے رخصت ہو جاؤ گے اور معاملے کو اپنے شاگردوں پر چھوڑ جاؤ گے تا کہ وہ اس تحقیق کا سفر جاری رکھ سکیں۔

میں نے اپنے متفکر لہجے میں کہا......"یا شیخ آپ جانتے ہیں کہ میں اسلام میں مرجیہ فرقے سے اتفاق نہیں کرتا"

شیخ نے کہا......" وہ بالکل مختلف بات ہے۔ مرجیہ فرقے کا عقیدہ یہ تھا کہ بعض معاملات میں تم غیر جانبدار رہو اور ان کا فیصلہ خدا پر چھوڑ دو جو روز قیامت ان کا فیصلہ سنا دے گا۔ وہ مبہم اور پریشان کن مسئلوں کو حل کرنے کی کوشش ہی نہیں کرتے تھے' انہیں نظر انداز کر دیتے تھے۔ میں تمہیں کسی چیز کو نظر انداز کرنے کا مشورہ نہیں دے رہا ہوں۔ میں صرف یہ کہہ رہا ہوں کہ جن چیزوں کو تم نہیں جانتے ان کے بارے میں اپنا فیصلہ معطل رکھو لیکن انہیں جاننے کے لئے مطلوبہ اہلیت حاصل کرنے اور خود کو 'حلِ مسائل کے ذرائع' سے مسلح کرنے

MashalBooks.org

کے لئے مسلسل کوشاں رہو"۔

شیخ کی اہلیہ کچھ دیر خاموش رہیں لیکن بڑی توجہ سے سنتی رہیں۔ پھر اٹھ کر چائے کے خالی گلاس اکٹھے کرتے ہوئے بولیں...... "تم مرد لوگ جو چاہو کرو میرے لئے ذریعہ حل' میرا دل ہے۔ میں نبی اکرمؐ کو اپنی ہڈیوں کے اندر محسوس کرتی ہوں' جب میں کوئی عبارت پڑھتی ہوں تو جان رہی ہوتی ہوں کہ میں نبیؐ کی مجلس میں ہوں یا کسی شیطان کی۔"

شیخ مسکرا دیئے اور ان کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا...... "اللہ تجھ پر کرم کرے...... اگر ہم سب کے دل تمہارے دل کی طرح ہوتے ہیں تو ہمارے لئے کوئی پرابلم ہی نہ ہوتا لیکن جب دل کمزور ہو جائے تو دماغ کو ضرور اس کی مدد کرنی چاہیے"۔

وہ مسکراتے ہوئے کمرے سے نکلیں اور یہ کہتی ہوئی گئیں...... "یا شیخ عید جب عقل کمزور ہو جائے تو دل کو اس کا مددگار بن جانا چاہیے"

میں جانتا تھا کہ دونوں صحیح کہہ رہے تھے۔ دل اور دماغ دونوں کو ترقی دینے اور مضبوط بنانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ دونوں کو ایک دوسرے کا حلیف وہمنوا ہونا چاہیے۔ مجھے یہ بھی معلوم تھا کہ میرا دل اور دماغ کافی ترقی یافتہ یا مضبوط نہیں ہیں۔ چنانچہ گھر جا کر میں نے ایک سبز نوٹ بک اٹھائی اور اسے "کتابِ جہالت" کا نام دیدیا۔ میں نے بڑے غور وفکر کے بعد اس پر وہ سب چیزیں لکھنا شروع کر دیں جنہیں میں جاننا چاہتا تھا مگر جانتا نہیں تھا۔ دو دن میں میں نے اس پر بہت کچھ لکھ ڈالا اور اس کا نام "کتابِ جہالت" سے تبدیل کر کے "کتاب الارجاء The Book of Suspended Judgment" لکھ دیا۔ میں نے اس میں ہر رپورٹ' ہر خیال اور ہر وہ بات لکھ دی جس نے مجھے مخمصے میں ڈالا ہوا تھا مگر میں اس کا صحیح اور شافی جواب نہیں جانتا تھا۔ میں نے اپنے دل اور دماغ میں یہ فیصلہ کر لیا کہ کبھی کبھی ان پر دوبارہ نگاہ ڈالتا رہوں گا اور جیسے شیخ نے کہا ہے ان کے حل پر غور کیا کروں گا' چند سال بعد یہ میرا معمول بن گیا کہ "نوٹ بک" میں درج موضوعات پر نظر ڈالتا اور بعض موضوعات کو قلمزد کر دیتا' کیونکہ وہ میری سمجھ میں آ چکے ہوتے تھے۔ لیکن اگلے ہفتے مجھے یہ از سر نو لکھنا پڑتے تھے۔ اس طرح مسلسل ردوبدل کے نتیجے میں نوٹ بک کا ہر صفحہ پنسل اور سیاہی کے نشانات سے اٹ گیا۔ بالآخر میں نے یہ سیکھا کہ جس چیز کے بارے میں تم کچھ نہ جانو تو اس پر اپنے فیصلے کو معطل رکھنا' بڑا صبر آزما کام ہے اور صبر ہی تقویٰ اور پرہیزگاری ہے' اب

MashalBooks.org

میں اپنے فیصلے اپنے ذہن میں لکھتا ہوں اور فیصلوں کو اپنے دل میں معطل کرتا ہوں۔ یا غالباً اپنے فیصلے اپنے دل میں لکھتا ہوں اور اپنے ذہن میں معطل کر دیتا ہوں۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑا اور نہ کوئی فرق پڑتا ہے۔ تاوقتیکہ دل اور دماغ متوازن ہوں اور ایک دوسرے کے حلیف ہوں۔ میں ایک کو دوسرے کے ذریعہ تقویت دیتا ہوں اور طمانیت کی حالت میں رہتا ہوں، صبر سے کانٹوں کو برداشت کرتا ہوں اور پھولوں کی مہک سے محظوظ ہوتا رہتا ہوں۔

جولائی ۲۰۰۰ء

MashalBooks.org

باب 50

نبیؐ کے خواب دیکھنا

اے خدا کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس حقیر پُرتقصیر کی طرف سے درود وسلام قبول کیجئے۔ اگر آپ مجھے اپنی بارگاہ سے نکال دیں تو مجھے کوئی شکایت نہیں ہو گی کیونکہ اس شکایت کے لئے کوئی بنیاد ہی نہیں ہے۔ میں جانتا ہوں کہ میں ایک سُبک سرُ بے وقعت' بد باطن اور ایک ادنیٰ ترین آدمی ہوں میں اپنے آپ کو بہت ہی کمینہ وذلیل انسان سمجھتا ہوں۔ چنانچہ اگر آپ مجھے نظر انداز کریں تو میں سمجھتا ہوں کہ آپ کو یہی کچھ کرنا چاہیۓ۔ تاہم آپ نے کسی ایک شخص کو بھی نہیں دھتکارا' خاص طور پر ایسے شخص کو کیسے دھتکار سکتے ہیں جس کا دل آپ کی محبت سے سرشار ہے اور وہ آپ کی محبت کو اپنی قیمتی ترین متاع سمجھتا ہے۔ یہ بالکل سچ ہے کہ خدا اور اس کے فرشتے آپ پر درود اور سلام بھیجتے ہیں جیسا کہ قرآن میں بتایا گیا ہے اور ہمیں حکماً کہا گیا ہے۔ "یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْماً O (اے لوگو جو ایمان لائے ہو تم بھی ان پر درود وسلام بھیجو......سورۃ الاحزاب آیت ۵۶)

یہ قلبِ حزیں جو مناظر اور خوابیں دیکھتا رہتا ہے اس کے لئے بہت بڑی سعادت اور بیش قیمت ترین سرمایہ ہیں' میں ان شبیہوں کو سوتے جاگتے دیکھتا ہوں' انہیں "کانفرنس" میں بھی دیکھتا ہوں اور جو کتابیں پڑھتا ہوں' ان میں بھی پاتا ہوں۔ میں انہیں اپنی جہدِ زندگانی کے ہر لمحے میں دیکھتا ہوں اور اپنی پریشان حالی میں بھی۔ میں جب انہیں دیکھتا ہوں تو اپنی شرمساری اور ندامت کے باوجود اپنے اندر ایک قوت کو سرایت کرتی ہوئی محسوس کرنے لگتا ہوں۔

میں نے آپ کو آپ کی آخری علالت کے دوران دیکھا۔ مسلسل اور تیز بخار نے آپ کی

طاقت کو نچوڑ کر رکھ دیا تھا اور آپ سے بے حد پیار کرنے والے آپ کے پاؤں کی جانب انتہائی سراسیمگی کی حالت میں کھڑے تھے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ اپنا ہاتھ پیالے میں پڑے پانی میں بھگو کر اپنے چہرے مبارک پر مل رہے ہیں۔ مجھے ایسے لگتا ہے کہ میں دلوں کے ٹوٹنے اور گرتے ہوئے آنسوؤں کی صدائے بازگشت تک سن رہا ہوں' میں محسوس کر سکتا ہوں کہ آپ کے جسم کو مغلوب کرنے والی علالت پر یہ زمین کتنی پریشان ہے اور یہ مظاہر فطرت کتنے گھبرائے ہوئے ہیں' میں ان کی اس پریشانی کو بھی محسوس کر سکتا ہوں جو آپ کے جسم کو پہنچنے والی تپش کی وجہ سے انہیں لاحق ہو رہی ہے لیکن زمین اور مظاہر فطرت کو خدا کے سامنے اپنی غلامی کا پورا اعتراف ہے اور خدا کے فیصلے کے سامنے اپنی لاچاری اور بے بسی کی وجہ سے وہ کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ اپنے درد پر قابو پانے اور تقدیر کے بوجھ کو اٹھانے کی پوری کوشش فرما رہے ہیں۔ آپ اپنی امت کو مخاطب کرتے ہوئے یہ کہہ رہے ہیں...... ''جس سے کبھی کوئی غلطی ہوئی ہے اور اپنے انجام سے خوف کھا رہا ہے' اسے آگے آنے دو تا کہ میں اس کے لئے دعا کروں''۔ اس پر جو لوگ اٹھ کھڑے ہوئے ان میں سے ایک آدمی نے کہا...... '' میں جھوٹا ہوں اور منافق ہوں اور کوئی ایسا گناہ نہیں جو میں نے نہ کیا ہو''۔ اس پر عمر بن خطاب (اللہ ان پر اپنا فضل و کرم کرے) نے اس نادم اور متأسف شخص کی دیکھ کر اس پر ترس کھاتے ہوئے کہا...... ''اے میرے رفیق تو نے سب کے سامنے اتنی بڑی شرمندگی اپنے سر لے لی'' مگر آپ نے' آپ پر لاکھوں رحمتیں ہوں' فرمایا...... ''عمر' آخرت میں جو شرمندگیاں اور خجالتیں اٹھانا پڑ سکتی ہیں وہ اس دنیا کی شرمندگی سے بہت ہی زیادہ ہونگی۔ اے اللہ اس شخص پر جس نے یہاں اعتراف کیا ہے' اسے حق و صداقت کی زندگی عطا فرما اور اسے مغفرت والی راہ دکھا''۔

میں نے ڈرتے ڈرتے اپنی محبت کا اظہار کیا' تاہم یہ محبت کشاں کشاں مجھے ان کے قریب لے گئی' میں نے اپنی گھبراہٹ اور جھجک کو خاموشی میں چھپانے کی کوشش کی لیکن محسوس کرنے لگا کہ اگر میں نہ بولا تو گھٹن کے باعث جل جاؤں گا۔ میں سمجھ رہا تھا کہ میں جو کچھ چاہتا ہوں نہ صرف ناممکن ہے بلکہ انتہائی احمقانہ بھی ہے۔ لیکن بچپن سے یہ میرا واحد خواب تھا جو چلا آ رہا تھا۔ میں نے عرضِ مدعا کرتے ہوئے کہا۔ میں قوانین فطرت کو توڑ دینا چاہتا ہوں' تاریخ کو واپس لے آنا چاہتا ہوں اور صرف ایک دن آپ کی خدمت میں گزارنے کا

متمنی ہوں۔ میں آپ کے دست مبارک کو اپنے ہاتھوں میں لے کر اسکا بوسہ لینا چاہتا ہوں' آپ کے دل کی دھڑکن کو محسوس کرنا چاہتا ہوں۔ آپ کی منت کرتا ہوں کہ آپ میرے لئے دعا فرمائیں۔ میں آپ کی حرکات وسکنات کا مطالعہ کرنا چاہتا ہوں' آپ کی اداؤں اور آپ کی آنکھوں کی جنبش کو قریب سے دیکھنا چاہتا ہوں آپ کے ہر قدم کا اٹھنا اپنی یادوں میں محفوظ کر لینا چاہتا ہوں۔ آپ کے توازن اور آپ کے وقار کے احساس کو اپنے دماغ کے ہر خلیئے اور جسم کی ہر رگ کے اندر اتار لینا چاہتا ہوں۔ میں آپ کے حسن کو پوری طرح اپنے اندر جذب کر کے اپنے دل کی اصلاح کرنا چاہتا ہوں اور پھر انسانیت پر اپنے ایمان کی تعمیر نو کرنا چاہتا ہوں۔ تاہم میں جانتا ہوں اگر زمین اور قوانین فطرت اپنی جگہ سے نہ ہلے۔ تاریخ پیچھے ہٹنے کو تیار نہ ہوئی تو پھر مجھے اپنے تصورات اور خوابوں میں ہی زندگی گزارنا پڑے گی۔

میں اپنے خوابوں والے ذہن سے آپ کے خادم اور دوست ثوبان (متوفی ۵۴ھ/ ۶۷۴ء) کو دیکھ رہا ہوں۔ آپ نے ایک بار اس کے چہرے کو مرجھایا ہوا اور متفکر پایا۔ آپ نے اس سے پوچھا "ثوبان کیا بات ہے کیا بخار ہے یا کوئی دوسری تکلیف"۔ اس نے جو جواب دیا وہ میرے دل میں گھر کر گیا ہے۔ اس نے کہا...... "اے اللہ کے رسول' میں نہ بیمار ہوں اور نہ کوئی درد ہے میں جب تک آپ کو دیکھ نہ لوں تو بے چین اور پریشان رہتا ہوں۔ آپ جب آخرت کا ذکر فرماتے ہیں تو میں ڈرنے لگتا ہوں کہ بہشت میں جب آپ بلند ترین مقام پر ہونگے' میں اگر بہشت میں چلا بھی گیا تو مجھے بہت ہی نیچے کہیں جگہ ملے گی' آپ کے اور میرے درمیان بہت فاصلہ ہوگا' اگر مجھے جنت نہ ملی تو پھر میں آپ کو بالکل ہی نہیں دیکھ سکوں گا" ...... اے میرے نبیؐ ثوبان تو اس آیت کا مستحق ٹھہرا...... " فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ وَ حَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیْقًا O ۔(وہ ان لوگوں کے ساتھ ہونگے جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے' یعنی انبیاءؑ اور صدیقین اور شہداء اور صالحین' کیسے اچھے رفیق جو کسی کو میسر آئیں...... سورۃ النساء آیت ۶۹) ...... لیکن میرا کیا استحقاق بنتا ہے جبکہ میں آپ کو اپنے ذہن کی آنکھ سے اور دل کی محبت سے دیکھتا ہوں۔ میں اپنے آپ کو بخاری شریف کی اس حدیث کے الفاظ سے تسلی دیتا ہوں۔ جیسا کہ آپ نے فرمایا...... " آخرت میں ہر آدمی اس شخص کے ساتھ ہوگا جس سے وہ دنیا میں محبت کرتا رہا ہوگا"۔ لیکن میرا کیا دعویٰ ممکن ہوسکتا ہے جبکہ میں بہت بڑی

MashalBooks.org

بڑی شخصیتوں کے پیچھے پیچھے' بالکل آخر میں شاید کہیں پایا جاؤں۔

اے میرے نبیؐ میں آپ سے محبت کا اقرار کرتا ہوں۔ مگر میری محبت بت پرستوں جیسی عقیدت مندی اور قصیدہ خوانی نہیں ہے' یہ ثابت قدمی کا ایک اقرار نامہ' عقیدے سے وابستگی کا ایک عہد نامہ اور ایک سوچ اور نظریئے پر کار بند رہنے کا ایک عزم ہے۔ میں آپ کے مصائب اور آزمائشوں کی بھٹی میں پڑ کر صبر واستقلال کا مظاہرہ کرنے' آپ کی قوتِ برداشت اور نہایت پیچیدہ توازن قائم رکھنے کی لازوال کہانی اور آپ کے بے انتہا حسن کا مطالعہ کرنا چاہتا ہوں۔

آپ محض ایک انسان ہیں.....مگر نہایت خوبصورت انسان ہیں اور جملہ اقوام عالم کے لئے ایک نمونہ رحمت ہیں۔ مجھے خودغرضی اور سنسنی خیزی پر مبنی محبت میں کوئی خوبی دکھائی نہیں دیتی۔ مجھے اس محبت میں بھی کوئی خوبی دکھائی نہیں دیتی جو اپنے ذاتی شعور کی عیش یا لطف اندوزی کے لئے ہو۔ میں آپ کے نمونے کو اپنے اندر سمونا چاہتا ہوں۔ اپنی ذات کی کایا پلٹنا چاہتا ہوں اور اپنے ہمقوم افراد سمیت راہ نجات پر گامزن ہونا چاہتا ہوں۔ میں الفاظ کے معانی و مطالب' نزاکتوں اور اسرار کو سمجھنا چاہتا ہوں اور گروہوں اور گروہ بندیوں کے حقائق سے مطلع ہونا چاہتا ہوں۔ اگر میں آپ کی احادیث اور سنن کا مطالعہ کروں تو معلومات کا ایک پیچیدہ ذخیرہ سامنے آتا ہے۔ یہ دل و دماغ کی صلاحیتیں ہی ہیں جو ان وسیع معلومات کو خوبصورتی کا ایک مرقع بناتی ہیں۔ انہیں ایک اخلاقی نظام کی شکل دیتی ہیں' پھر یہ میرا چوکس دل اور کھوجی ذہن' آپ کو میرے خوابوں کی زینت بناتا ہے اور میرے محسوسات کی رہنمائی کرتا ہے۔

میں آپ کو ہجرت کے بعد اونٹ پر سوار مدینہ کی طرف جاتے ہوئے دیکھ رہا ہوں اونٹ اسی جگہ جا پہنچا ہے جہاں مسجد کی تعمیر مقدّر ہو چکی ہے' لیکن وہ زمین دو یتیم بچوں کی ملکیت ہے وہ اصرار کرتے ہیں کہ اسے بطور تحفہ قبول فرما لیجئے لیکن آپ پورا معاوضہ ادا کرنے پر مُصر ہیں۔ آپ نے لوگوں کے حقوق کو عمومیت یا مانوسیت کا معاملہ سمجھ کر خاطر میں نہ لانے والا رویّہ اختیار نہیں کیا۔ آپ نے اس موقف کو بھی پذیرائی نہیں بخشی کہ مقصد نیک ہو تو اس کے لئے اختیار کردہ ذرائع اپنے آپ جائز قرار پا جاتے ہیں۔ آپ نے لوگوں کے ساتھ عزت اور وقار کا سلوک کیا' جس کی وجہ سے انہوں نے ہر قسم کے خوف سے بے نیاز ہو کر عزت کی زندگی گزارنا

سیکھ لی۔

ہجرت کی زندگی کی صعوبتیں برداشت کرتے ہوئے مہاجرین کو اپنے وطن کی یاد ستانے لگی، بعض لوگ بیمار پڑ گئے۔ ابوبکر صدیقؓ (متوفی ۲۲ھ/۶۳۴ء) اور بلال ابن رباح (متوفی ۲۱۔۱۷ھ/۶۴۲۔۶۳۸ء) دونوں ملیریا کی وجہ سے بیمار پڑ گئے۔ جبکہ حضرت عائشہؓ (متوفیہ ۵۸ھ/ ۶۷۸ء) دونوں کی تیمارداری کرتی تھیں، وہ اپنے وطن کو شعروں کی زبان میں یاد کیا کرتے تھے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ کس طرح ان کی مشکلات کو آسانیوں میں بدلنے کی دعا مانگا کرتے تھے۔ آپ نہایت عاجزی کے ساتھ دعا کرتے تھے کہ خدا مدینے کو آزاد لوگوں کا مسکن بنا دے۔ اے میرے نبیؐ آپ کی دعا کو بالآخر شرف قبولیت حاصل ہوا۔ لیکن آج جب ہم ہجرتیں کرتے ہیں تو خوف ہمارا تعاقب کرتا رہتا ہے۔ ہمارے وقار کا مجروح ہونا ایک مسلسل اخلاقی مرض بن کر ہمیں چمٹ گیا ہے۔

ایک خدا کے نبیؐ...... میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ آسمان کی بہ نسبت زمین کی طرف زیادہ دیکھا کرتے تھے۔ ہمیشہ متفکر رہتے اور عجز وانکسار کو ہی اپنا اوڑھنا بچھونا بنائے رکھتے تھے۔ آپ کی نشست و برخاست میں پھر بھی وقار ٹپکتا تھا، آپ کی مجلس میں کوئی اجنبی آجاتا تو آپ فوراً اس کے لئے جگہ بنا دیتے اور اسے احترام کے ساتھ بٹھاتے۔ آپ اس سے خندہ پیشانی کے ساتھ پیش آتے، مسکراتے ہوئے ملتے، اس کی مزاج پرسی فرماتے، سلام کرنے میں سبقت کرتے، کبھی سختی یا ترشی کو قریب نہ آنے دیتے۔ اگر کوئی بات بہت ناگوار گزرتی تو صرف اتنا کرتے کہ خاموشی سے اپنا رُخِ انور پھیر لیتے۔ آپ تعریف کرنے میں بھی فیاض تھے۔ کسی پر طنز نہ کرتے اور نہ کسی کے لئے ہلکا لفظ استعمال کرتے۔ جھگڑنا، ناپسند کرتے اور آرام طلبی کو بھی پسند نہ کرتے تھے۔ جبکہ تاریخ کے چیلنجوں کے مقابلے کے لئے ہر وقت تیار رہتے تھے۔ میں آپ کو یومِ بدر کو میدان جنگ کی طرف جاتے ہوئے دیکھ رہا ہوں، علیؓ اور ابولبابہؓ بھی آپ کے ہمراہ تھے، جبکہ سواری کے لئے صرف ایک اونٹ تھا۔ انہوں نے سوار ہونے کے لئے اپنی باری آپ کو دینے کی کوشش کی تو آپ نے فرمایا...... ''تم مجھ سے زیادہ چلنے کی صلاحیت نہیں رکھتے، میرے اندر خدا کی رحمت کی طلب تم سے کم نہیں ہے''۔

جنگ بدر کے خاتمے پر خدا کی طرف سے نصرت و فتح کی خوشیوں کے درمیان آپ کو اطلاع ملتی ہے کہ آپ کی پیاری بیٹی رقیہؓ (متوفیہ ۲ھ/۶۲۴ء) اپنی بیماری سے شکست کھا

کر چل بسی ہیں؛ چنانچہ خوشی میں غم کے جذبات بھی شامل ہو گئے۔ خدا کی طرف سے عنایات اور اس کی آزمائشوں کا سلسلہ جاری رہتا ہے؛ میں نے اور بھی کئی مواقع پر آپ کو خوشی اور غم دونوں سے عہدہ برآ ہوتے دیکھا ہے اور آپ کے حیرت انگیز توازن پر غور کیا ہے۔ غزوۂ خیبر کے بعد اور خدا کی عطا کردہ فتح کی خوشیوں کے درمیان آپ کی صاحبزادی زینبؓ (متوفیہ ۷ھ/۶۲۸ء) نے زندگی کی آخری سانس لی اور آپ اس وقت اسکے پاس تشریف فرما تھے۔ آپ اپنے داماد کو دلاسہ دے رہے تھے اور بن ماں رہ جانے والی اپنی نواسی کو بھی سنبھال رہے تھے۔ پھر آپ نے اپنے دست مبارک سے اپنی صاحبزادی کو سپرد خاک کیا۔ آپ غزوہ تبوک سے واپس آئے تو پتہ چلا کہ آپ کی صاحبزادی اُمّ کلثومؓ (متوفیہ ۹ھ/۶۳۰ء) وفات پا چکی ہیں۔ آپ نے اس کے شوہر کو دلاسہ دیا؛ بیٹی کو دفنایا اور اپنے آنسو پونچھ لئے۔ سچ ہے کہ آزمائشیں کبھی ختم نہیں ہوتیں۔ پھر خدا کی عطا کردہ دیگر فتوحات کے اعزاز پاتے ہوئے؛ حجۃ الوداع کا زمانہ قریب آیا تو آپ کے صاحبزادے ابراہیم (متوفی ۱۰ھ/۶۳۲ء) کا آخری وقت آ گیا۔ وہ بیمار تھا؛ آپؐ پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ وہ آپ کو داغِ مفارقت دے گیا۔ وہ بڑا پیارا اور ہشاش بشاش بچہ تھا جس کی لپک جھپک سے آپ کا دل باغ باغ ہو جاتا تھا۔ آپ اسے اپنے بازوؤں میں تھام کر بے حد خوش جاتے تھے مگر اب آپ نے اس کا بے جان جسم اٹھایا ہوا تھا اور آپ کی محبت خون کے آنسو رو رہی تھی؛ اسی روز جب سورج کو گرہن لگا تو سوگواروں نے کہا کہ یہ آپؐ کے غم میں سورج کی شرکت کا مظہر ہے؛ جس پر آپ اٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ ''سورج اور چاند خدا کی نشانیاں ہیں کسی انسان کی موت سے انہیں گرہن نہیں لگتا۔'' اے خدا کے نبیؐ اس سے تین سال قبل آپ کی پیاری بیوی خدیجہؓ بنت خویلد (متوفیہ ۳ سال قبل از ہجرت) کی زندگی میں آپ نے اپنے دو بیٹوں القاسم اور عبداللہ کی وفات کے صدمے بھی برداشت کئے تھے۔

آپ جانتے ہیں کہ کسی کا ایک بیٹا فوت جاتا ہے تو اس کے شعور کا توازن ہمیشہ کے لئے بگڑ جاتا ہے۔ میں آپ کی منت کرتا ہوں کہ مجھے بھی میری تقدیر کی آزمائشوں میں متوازن رہنے کا سلیقہ سکھا دیجئے۔

غزوہ اُحد کے موقع پر میں دیکھتا ہوں کہ آپ اپنے آدمیوں سے کہیں زیادہ بڑے دشمن سے مقابلے کے لئے نکلے ہیں؛ وہاں پہنچنے سے پہلے عبداللہ بن ابی ابن سلول (متوفی ۹ھ/

MashalBooks.org

۶۳۱ء) مسلمانوں کی فوج میں سے ایک تہائی کو لے کر الگ ہو گیا اور آپ کو اور دیگر اہل ایمان کو ان کی تقدیر کے حوالے کر گیا۔ اُحد میں شکست کے باوجود آپ نے عبداللہ بن ابی اور اس کے بزدلوں کی فوج کے قتل عام کا فیصلہ نہیں کیا اور نہ ان کے خلاف کوئی دوسری انتقامی کارروائی کی۔ حضرت عمرؓ نے اس غدار کو قتل کرنے کی پیشکش کی تو آپ نے فرمایا...... ''محمد اپنے آدمیوں کو قتل نہیں کرتا''۔ عبداللہ بن ابی کے بیٹے عبداللہ نے اپنے باپ کی متواتر غداریوں کے پیش نظر خود اسے قتل کرنے کی پیشکش کی۔ آپ نے 'اے میرے پیغمبر...... فرمایا...... ''نہیں ہم اس پر رحم کریں گے۔ جب تک وہ ہمارے ساتھ رہتا ہے ہم اس سے حسن سلوک سے پیش آئیں گے اور جب غزوہ تبوک کے بعد وہ مرنے لگا تو آپ اس کا جنازہ پڑھانے لگے۔ حضرت عمرؓ نے اس رئیس المنافقین کے لئے اتنے بڑے اعزاز پر احتجاج کیا تو آپ عمر کی طرف دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا...... ''عمر میرے پیچھے کھڑے ہو کر جنازے میں شریک ہو جاؤ' مجھے جنازہ پڑھانے یا نہ پڑھانے کا اختیار دیا گیا ہے' اس لئے میں نے پڑھانے کا فیصلہ کر لیا ہے۔''

جب حاطب بن بلتعہ نے آپ کو دھوکہ دے کر اہل مکہ کو آپ کی جنگی تیاریوں کی خفیہ اطلاع بھجوا دی۔ وہ رقعہ آپ کے پاس پہنچ گیا جسے ہاتھ میں پکڑ کر آپ نے اس سے پوچھا ...... ''یہ کیا ہے حاطب؟'' اس کا جواب اتنا ہی شرمناک تھا جتنا کہ اس کا فعل شرمناک تھا۔ لیکن آپ نے اپنی کمال فیاضی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کی معافی قبول کر لی۔ جب مکہ فتح ہو گیا اور آپ نے سب کے لئے غیر مشروط عام معافی کا اعلان کر دیا لیکن فداللہ بن عمیر نامی شخص آپ کی چھاتی میں چاقو گھونپنے کا مکروہ ارادہ لے کر آپ کے اردگرد منڈلانے لگا۔ وہ قریب آیا تو آپ نے بڑے سکون اور مسکراہٹ سے پوچھا...... ''فداللہ تم کیا سوچ رہے تھے ؟'' وہ اس سوال پر گھبرا گیا اور بولا...... ''کچھ نہیں' میں تو خدا کے بارے میں سوچ رہا تھا'' آپ نے اسی مسکراہٹ کے ساتھ فرمایا...... ''فداللہ' خدا سے معافی طلب کرو اور جو کچھ کرنا چاہتے تھے اسے دل سے نکال دو'' آپ نے اس سے شفقت سے گفتگو کرتے ہوئے اس کے سینے پر دست مبارک رکھ کر اس کے دل کی آگ ٹھنڈی کر دی۔ وہ اپنی باقی ماندہ زندگی میں اکثر کہتا رہتا تھا...... ''میں انہیں قتل کرنے گیا تھا مگر جب واپس آیا تو ایسا ہو گیا کہ ان سے بڑھ کر کوئی آدمی بھی مجھے عزیز نہ رہا''۔ ایک اور موقع پر غارث ابن حارث اس وقت آپ کے

قتل کے ارادے سے آیا جب آپ تنہا ایک درخت کے نیچے بیٹھے تھے۔اس کے ہاتھ میں تلوار تھی۔اس نے آتے ہی پوچھا...... ''محمد آپ کو اب کون بچا سکتا ہے؟'' آپ نے بڑے آرام سے اس کی طرف دیکھا اور کہا...... ''اللہ''۔ وہ آپ کی بے خوفی اور اطمینان پر بڑا پریشان ہوا' احساسِ جرم کے بوجھ کی وجہ سے تلوار اس کے ہاتھ سے گر پڑی' آپ نے پھرتی سے وہ اٹھالی اور پوچھا...... ''غارث اب تمہیں کون بچائے گا؟'' آپ نے تلوار دور پھینک دی اور اسے معاف کر دیا' غارث مکہ میں اپنے آقاؤں کے پاس واپس پہنچا اور کہا...... ''میں تمہارے پاس' اس آدمی (کے علاقہ) سے ہو کر آ رہا ہوں جو دنیا کا بہترین آدمی ہے''۔آپ کے حسنِ سلوک سے آپ کے بدترین دشمن بھی آپ کے گرویدہ ہو گئے۔ایک بار آپ کے صحابہ جب دشمن کے ہاتھوں تکلیفیں اٹھا کر آپ کے پاس پہنچے اور آپ سے ان کے لئے بددعا کرنے کی استدعا کی تو آپ نے یہ دعا کی...... ''اے اللہ اہل ثقیف کو ہدایت کا راستہ دکھا'۔ اُحد میں جب آپ کا خون آپ کے صحابہ کے خون کے ساتھ مل گیا تو آپ سے درخواست کی گئی کہ آپ اہل مکہ کے لئے بددعا کریں۔آپ نے اپنا خون پونچھتے ہوئے جواب دیا'' مجھے بددعائیں کرنے والا بنا نہیں بھیجا گیا۔ میں حق کی طرف دعوت دینے والا بنا کر مبعوث کیا گیا ہوں۔ میں ان کے لئے رحمت بن کر آیا ہوں۔اے اللہ مکہ والوں کو ہدایت دے کیونکہ وہ (حق کو) نہیں جانتے۔'' آپ جنگ حنین میں بھی بھگوڑوں کے ہاتھوں پریشان ہوئے' ان میں سے بہت سے طلقا میدان چھوڑ کر بھاگ گئے' لیکن اہل ایمان ڈٹے رہے جن کی بدولت بالآخر آپ کا پلڑا بھاری رہا۔آپ نے بھاگ جانے والوں کو ایک بار پھر معافی دیدی۔ انہوں نے جتنی الٹی سیدھی معذرتیں پیش کیں آپ نے دریا دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے سب قبول کرلیں۔ دریں اثناء ایک صحابی ابوطلحہ (متوفی ۳۴ھ/۶۵۴ء) اپنی بیوی ام سلیم کے پاس پہنچے تو اس نے غصے سے خنجر نکال لیا...... یہ وہی ام سلیم تھیں جو کئی جنگوں میں آپؐ کے ہمراہ بہادری کا مظاہرہ کر چکی تھیں......ابوطلحہ نے اسے غضبناک حالت میں دیکھا تو پوچھا...... ''یہ کیا ہے ام سلیم؟'' وہ بولیں یہ خنجر ہے جس سے دشمن کا مقابلہ کیا جاتا ہے' اس سے میں آپؐ کو چھوڑ کر بھاگنے والوں کا بھی مقابلہ کروں گی۔ابوطلحہ نے آپؐ کی طرف دیکھ کر بیوی کی شکایت کی' ''اے خدا کے رسول آپ دیکھ رہے ہیں' یہ مجھے کیا دھمکی دے رہی ہے؟ آپ یہ صورتحال دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا' ''ام سلیم خدا ہم پر بہت مہربان رہا ہے' اس نے ہمیں

کامیابی عطا کردی ہے۔'' اے پیارے رسول آپ نے آئندہ آنے والی نسلوں پر یہ واضح کر دیا ہے کہ ایک مسلمان کی آبرو کعبہ کے تقدس کے برابر یا اس سے زیادہ ہے۔ آپ نے خطرات میں گھرے ہوئے ہونے کے باوجود ایسا معاشرہ قائم کر دکھایا جو غلامی، زیر دست آزاری، خوف وہراس، کلیسا بدری، تکفیر اور استحصال جیسی لعنتوں سے پاک تھا۔

''اے پیغمبرِ خدا میں ذلّت وخواری والی زندگی سے پناہ مانگتا ہوں اور عزت ووقار والی زندگی بسر کرنے کا متمنی ہوں۔ میں جب یہ دعا مانگتا ہوں تو اس وقت اپنے خوابوں میں آپ کو پاتا ہوں۔ میں اس زمانے کو اپنے تصور میں لاتا ہوں جب اسماءؓ بنت عمیس ہجرتِ حبشہ سے لوٹی تھیں، وہ واپس آنے والے ان بیشتر افراد میں سے تھیں جو جنگ خیبر کے بعد آئے تھے اور اس وجہ سے ابتدائی جدوجہد میں شامل ہونے سے رہ گئے تھے۔ یہ جدوجہد بہت سے تلخ اور شیریں واقعات پر مشتمل تھی۔ اسماءؓ آپ کی زوجہ محترمہ حفصہ بنت عمر ابن الخطاب (متوفیہ ۴۵ھ/ ۶۶۵ء) سے ملاقات کے بعد وہاں بیٹھی تھیں کہ حضرت عمرؓ آ گئے، غالباً انہوں نے ازراہِ مذاق کہا...... ہم نے پیغمبر کے ہمراہ ہجرت کی ہے اس لئے ان پر ہمارا حق تمہارے حق سے بڑھ کر ہے۔ پتہ نہیں یہ بات مذاقاً کہی گئی تھی یا نہیں اسماءؓ سخت غصے میں آ گئیں اور کہا......

''خدا کی قسم میں جب تک تمہاری یہ بات نبیؐ کو نہ بتا دوں مجھ پر کھانا پینا حرام ہے، نہ جھوٹ بولوں گی اور نہ کمی کروں گی اور نہ اس میں کوئی مبالغہ کروں گی۔ چنانچہ وہ دوڑی دوڑی آپ سے شکایت کرنے پہنچ گئیں۔ آپ نے فرمایا ''اس کا حق تیرے سے زیادہ نہیں، عمر اور اس کے ساتھیوں نے خدا کی راہ میں ایک بار ہجرت کی اور تم (حبشہ جانے والوں) نے دو دفعہ کی ہے (پہلے حبشہ جا کر اور پھر مدینہ آ کر)'' اسماء ایک پُر عزم اور حوصلہ مند خاتون تھی، ایسی خاتون کا آپ پر یقیناً بہت حق تھا۔ اس نے ابوبکر صدیقؓ (متوفی ۲۲ھ/۶۳۴ء) کو بہت متاثر کیا جس پر انہوں نے اس سے نکاح کر لیا۔ ان کی وفات کے بعد وہ آپ کے چچا زاد اور صحابی حضرت علیؓ کی زوجیت میں آ گئیں۔ ہاں یہ اس کا حق بنتا تھا، لیکن آپ پر ہمارا کیا حق ہے؟

جب مدینے کی خواتین نے شکایت کی کہ مجالس میں مرد بولنے میں ان پر سبقت لے جاتے ہیں، اس پر آپ مسکرائے اور مردوں کے لئے الگ دن مقرر کر دیا۔ بخاری شریف میں انس ابن مالک (متوفی ۹۳ھ/۷۱۱ء) کی یہ روایت موجود ہے کہ مدینہ میں کوئی بھی عورت

آپ کا ہاتھ پکڑ کر آپ کو کہیں بھی لے جا سکتی تھی اور آپ اس کے پاس اس وقت تک موجود رہتے جب تک وہ اپنی پوری بات آپ کے گوش گزار نہ کر لیتی۔ اور یہ روایت بھی انس ابن مالک کی ہے کہ مدینہ کی ایک معمر خاتون نے آپکے پاس آ کر کہا...... ''اے پیغمبر مجھے آپ سے ایک چیز کی ضرورت ہے'' آپ نے فرمایا ''تم مدینے کی کوئی سی جگہ منتخب کر لو میں اس وقت تک وہاں بیٹھا رہوں گا جب تک تمہاری بات پوری نہ ہو جائے''۔ پھر آپ اور وہ ایک جگہ پر جو اس کی پسند کی تھی بیٹھے رہے وہ جب تک بولتی رہی آپ خاموشی سے سنتے رہے۔ خدا نے ٹھیک ہی کہا تھا۔ **وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَا نْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ** (اگر کہیں تم تند خُو اور سنگ دل ہوتے تو یہ سب تمہارے گرد و پیش سے چھٹ جاتے ...... الِ عمران آیت ۱۵۹) لیکن اے میرے پیارے نبیؐ آج ہم اصل میں مطلوب چیزوں کی بجائے فتنوں کے طلب گار بنے ہوئے ہیں۔ اگر کوئی ضرورتمند خاتون کسی مرد کا ہاتھ پکڑ لے تو مرد غالباً غراتے ہوئے اپنا ہاتھ چھڑوا لے گا...... ''چھوڑو میرا ہاتھ، دفع ہو جاؤ''......

جب عمرؓ نے سنا کہ آپ کی ازواجِ مطہرات آپ سے دلیل بازی کرتی ہیں اور غیر متوازن ہو جاتی ہیں وہ اس پر احتجاج کرنے کے لئے آئے اور کہا کہ عورتوں کو ایسا رویّہ اختیار نہیں کرنا چاہیئے۔ یہ بات سن کر آپؐ نہایت خوبصورتی سے مسکرائے۔ آپ کی یہ مسکراہٹ ہزار لفظوں پر بھی بھاری تھی اور نہایت فصیح و بلیغ جواب تھا جو آپ نے بغیر کچھ کہے دے دیا۔ آپ کا یہ کریم النفسی اور بلند حوصلگی کا تبسم تھا۔ آپ کی یہ مسکراہٹ توازن اور معاملہ فہمی کا خوبصورت ترین اظہار تھا جو دلوں کو موم کر کے رکھ دیتا تھا۔ یہ تبسم کسی ملاقاتی کو بیعت کر لینے سے بھی زیادہ آپ کا فدائی بنا دیتا تھا۔ جریر ابن عبداللہ نے کہا تھا'' میں جب سے مسلمان ہوا مجھے آپؐ کی طرف سے کبھی بھی بے توجہی کی شکایت پیدا نہیں ہوئی، وہ جب بھی میری طرف دیکھتے مسکرا دیتے تھے''۔ جب کوئی شخص آپ کے ہاتھ کا بوسہ لینے کی کوشش کرتا آپ اپنا ہاتھ کھینچ لیتے اور فرماتے ''ایسا نہ کرو، میں تم میں سے ہی ہوں''

جب اہل خانہ میں سے کوئی آپ کو بلاتا تو جواب میں مسکراتے ہوئے ...... ''لبیّک'' فرماتے۔ دراصل آپ اپنے خاندان کی بڑی خدمت کرتے...... اپنے کپڑوں میں سے خود جوئیں نکالتے، اپنے جوتوں کی خود مرمت کرتے، اپنے چھوٹے موٹے کام کر ڈالتے، گھر کی صفائی کرتے، آٹے کے پیڑے بناتے، اونٹوں کو چرانے کے لئے لے جاتے اور واپس لا کر ان کی

MashalBooks.org

ٹانگیں باندھتے۔ اپنے کھانے میں خادموں کو شریک کرتے اور بازار سے چیزیں خرید کر خود گھر لاتے۔ جب عائشہؓ (متوفیہ ۵۸ھ/ ۶۷۸ء) سے پوچھا گیا کہ حضرت محمدؐ اہل خانہ سے کیسا سلوک کرتے تھے تو انہوں نے جواب دیا ”خاندان کی خدمت کے لئے ہر وقت تیار رہتے تھے۔“

اے میرے نبیؐ انس ابن مالکؓ آپؐ کے گھر میں دس سال خدمت کرتے رہے لیکن آپ نے نہ کبھی انہیں جھڑکا اور نہ طعن وملامت کی۔ آپ کی جب کبھی ان پر نظر پڑتی آپ مسکرا دیتے تھے۔

آپ نے ایک شخص زید ابن صعنہ کی کچھ رقم دینا تھی؛ ایک بار آپ‘ عمرؓ کے ہمراہ کہیں جا رہے تھے تو اس نے قریب آ کر آپ کو گریبان سے پکڑ لیا اور بولا ...... ”اے آلِ عبدالمطلب آپ قرضے واپس کیوں نہیں دیتے“۔ عمرؓ آگے بڑھے اور اس کی سخت ڈانٹ پھٹکار کی اور اسے پیچھے دھکیل دیا۔ اے میرے پیارے نبیؐ آپ مسکرائے اور کہا ”عمر اس کی ضرورت نہیں، ہم تجھ سے اس سے کچھ زیادہ چاہتے ہیں۔ تم مجھے مشورہ دو کہ میں اپنا قرضہ کیسے اتاروں اور زید کو مشورہ دو کہ وہ اپنے حقوق مانگتے ہوئے نرمی کا سلوک کیا کرے“۔ آپ نے کچھ عرصہ کے بعد اسکا قرضہ واپس دیدیا اور ساتھ کچھ مزید بھی دیا۔ زید آپ کے رویّے سے اتنا متاثر ہوا کہ مشرف بہ اسلام ہوگیا‘ میں آپ کو ایک بار انس بن مالک کے ہمراہ چلتے ہوئے دیکھ رہا ہوں‘ اتنے میں پیچھے سے آنے والے ایک بدو نے آپ کی قبا کو گردن والے حصے سے پکڑ لیا‘ جس سے آپ کی گردن مبارک پر ایک سرخ سا نشان پڑ گیا‘ آپ نے پیچھے مڑ کر اس وحشی کو دیکھا اس نے چیخنے کے انداز میں مطالبہ کیا...... ”آپ کو خدا نے جو کچھ دیا ہے‘ اس میں سے کچھ مجھے بھی دو“۔ آپ مسکرائے اور اس نے جو مانگا تھا وہ آپ نے اسے عطا کر دیا۔ میں سوچتا ہوں کہ آپ کی اس قبا کو یقیناً نقصان بھی پہنچا ہوگا‘ یہ آپ خاصے عرصہ سے پہنے چلے آ رہے تھے اور یہ آپ کی واحد قبا تھی۔ پھر میں آپ کو حنین میں اسی پرانی قبا میں ملبوس کھڑے ہوئے پا رہا ہوں اور آپ خدا کی دی ہوئی کچھ دولت لوگوں میں بانٹ رہے تھے۔ اتنے میں گنواروں کا ایک گروہ آپ پر ٹوٹ پڑا‘ انہوں نے آپ سے سب کچھ چھین لیا حتیٰ کہ آپ ایک درخت کے ساتھ جا لگے‘ آپ کی وہ واحد قبا بھی چھین لی گئی۔ آپ نے انہیں بتایا کہ آپ کے پاس یہ واحد قبا ہے یہ واپس دے دی جائے اور آپ کے پاس تن کے کپڑوں کے سوا کچھ

MashalBooks.org

بھی نہیں ہے اور نہ آپ اپنے لئے کوئی دولت رکھنا چاہتے ہیں۔ یہ کوئی انوکھی بات نہ تھی کیونکہ انس ابن مالک نے بتایا ہے کہ آپ نے زندگی بھر نرم روٹی نہیں چکھی۔ عائشہؓ سے یہ بات سننا بھی میرے لئے حیرت کی بات نہیں کہ تین تین ماہ گزر جاتے تھے کہ آپ کے گھر میں چولہا نہیں جلتا تھا۔ مجھے اس بات پر بھی حیرت نہیں ہوئی کہ وفات کے وقت آپ کے گھر میں سوائے بھنے ہوئے چند دانوں کے کھانے کے لئے کچھ بھی نہیں تھا۔ اس سے بھی بڑی بات یہ کہ جس وقت آپ دنیا سے رخصت ہوئے آپ کی ڈھال ایک یہودی تاجر کے پاس گروی پڑی ہوئی تھی۔

پھر بھی اے میرے پیارے رسولؐ آپ اپنے الوداعی لمحات میں بخار اور اعضا شکنی کے درد کی وجہ سے بے حال ہو رہے تھے اور آپ یہ کہنے کیلئے اٹھ بیٹھے کہ ''لوگو! تلخی یا دشمنی میرا وطیرہ نہیں' مجھے سب سے زیادہ پیارے وہ ہیں جن کا میرے اوپر کوئی حق ہے اور وہ اس حق کا مطالبہ کرتے ہیں۔ اگر کسی کا جائز حق ہے تو وہ اسے مانگ کر مجھے ہلکا کر دے تاکہ میں سکون سے اپنے رب کے پاس جا سکوں''۔ آپ نے ظہر کی نماز بیٹھ کر ادا کی جس کے بعد آپ نے ایک بار پھر اپنی وہی خواہش دہرائی۔ بالآخر ایک آدمی اٹھ کھڑا ہوا اور اس نے کہا کہ آپ کے ذمہ اس کے تین درہم ہیں۔ جو آپ نے فوراً ادا کر دیئے۔ اگر کسی نے آپ سے دعا کی درخواست کی تو آپ نے فوراً دعا کر کے اس کا دل خوش کر دیا۔ اس کے بعد آپ کے بوجھ ختم ہو چکے تھے اور ہمارے بوجھوں کا آغاز صاف دکھائی دے رہا تھا۔

آپ کے آخری الفاظ جائیداد غلبہ حاصل کرنے یا بادشاہتوں کے قیام کے بارے میں نہ تھے۔ آپ کی آخری وصیت نمازوں کی باقاعدہ ادائیگی اور غریبوں کو ظلم سے تحفظ دینے کے بارے میں تھی۔ آپ نصیحت کے الفاظ بار بار دوہرا رہے تھے تاوقتیکہ ہونٹوں نے ساتھ دینا چھوڑ دیا اور الفاظ سرگوشیوں میں بدل گئے۔ آپ زندگی میں بھی خوبصورت رہے اور خوبصورتی کے ساتھ ہی موت سے ہمکنار ہوئے اور آپ کا آخری خوبصورت کام یہ تھا کہ آپ اپنے دانتوں کو صاف کر رہے تھے۔ پھر آپ نے مسواک نیچے رکھ دی اور آنکھیں موند لیں۔

آپ کا سر مبارک حضرت عائشہؓ کی گود میں تھا' وہ آپ کے بالوں کو سہلا رہی تھیں اور اپنے آنسو بہا رہی تھیں۔ جب آپ کا سر مبارک بھاری ہو گیا تو وہ سمجھ گئیں کہ خدا کا پیارا نبیؐ اب زندگی کے بوجھ سے آزاد ہو گیا ہے۔

اس طرح، اے میرے نبیؐ میں آپ کے بارے میں سوچ بچار کرتا ہوں، یہی میرے تصورات اور یہی میرے خواب ہیں ۔ جی ہاں یہ میری عزیز ترین خواہش ہے کہ کاش میں قوانین تاریخ کو توڑ کر آپ کی قربت کی راحت پا سکتا لیکن میں جانتا ہوں کہ محبت کی پرستش کوئی نیکی نہیں ہے۔ ہم صرف خدا کی پرستش کرتے ہیں آپ محض ایک انسان تھے۔ میرا دل خوبصورتی کا طلبگار ہے اور آپ خوبصورت ترین انسان تھے۔ اس خوبصورتی کے ساتھ میں وہی کچھ کرتا ہوں جو مجھے کرنا چاہئے۔ میں اس میں محو رہتا ہوں اور اسے اپنے دل کی نبضوں میں جذب کرنا چاہتا ہوں۔ یہ میرے دل کی تہوں میں اور میری رگ و پے میں محفوظ ہے۔ اے میرے پیارے رسولؐ خوبصورتی میری زندگی کی بصیرت اور میرا واحد خواب ہے۔

جون ۲۰۰۰ء

MashalBooks.org

باب 51

عورتیں بطور نو آبادی

یہ کانفرنس دل و دماغ کے لئے ''سکن'' اور سکینہ'' ہے۔قرآن مجید میں آتا ہے...... اَللّٰہُ الَّذِیۡ جَعَلَ لَکُمُ الَّیۡلَ لِتَسۡکُنُوۡا فِیۡہِ وَ النَّھارَ مُبۡصِرًاO ...... (وہ اللہ ہی تو ہے جس نے تمہارے لئے رات بنائی تا کہ تم اس میں سکون حاصل کرو اور دن کو روشن کیا۔ سورۃ المؤمن آیت۶۱) لیکن جب رات آتی ہے تو اس کانفرنس کو حقائق سے آگاہی حاصل ہوتی ہے۔ حقائق کھلتے ہیں تو خوبصورتی اور بدصورتی کے معنی سامنے آتے ہیں۔

''سکینہ'' یا ''سکینت'' اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کیلئے حیرت انگیز تحفہ ہے جو ان کا دامن طمانیت اور مسرتوں سے پر بھر دیتا ہے۔اس گرانقدر تحفے پر اس کا شکر ادا کیا جانا چاہیۓ یہی تقویٰ کی اصل جان ہے اس کی ناقدری موجبِ شرم ورسوائی اور بدترین دغابازی ہے خدا اس تحفے کا ذکر کرتے ہوئے مزید فرماتا ہے۔ وَمِنۡ رَحۡمَتِہٖ جَعَلَ لَکُمُ الَّیلَ وَالنَّھارَ لِتَسۡکُنُوۡا فِیۡہِ...... (خدا نے دن اور رات بنائے تا کہ تم رات میں سکون حاصل کرسکو اور دن کو اپنے ربّ کا فضل تلاش کرو۔ سورۃ القصص' آیت۷۳) تو پھر ہم اس کا جواب تشدد' چپقلشوں اور بُغض وعناد کی صورت میں کیوں دیتے ہیں؟ خدا نے ہمارے لئے گھروں کو بھی ذریعۂ طمانیت بنایا ہے۔ وَاللّٰہ جَعَلَ لَکُمۡ مِنۡ م بُیُوۡتِکُمۡ سَکَناً۔(اللہ نے تمہارے لئے تمہارے گھروں کو جائے سکون بنایا ہے۔ سورۃ النحل آیت۸۰) تو ہم ان گھروں کو اجاڑنے اور درہم برہم کرنے کی کوشش کیوں کرتے ہیں۔؟ خدا نے نماز اور تقویٰ کو اطمینانِ قلب کا ذریعہ بنایا ہے پھر ہم میں سے ہر ایک اپنے تقویٰ کی بنیاد' پر دوسروں کے تقویٰ کا دشمن کیوں بنا ہوا ہے؟

MashalBooks.org

خدا نے شوہروں اور بیویوں کو ایک دوسرے کیلئے ذریعۂ تسکین بنایا ہے۔ خَلَقَ لَکُمْ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ اَزْوَاجاً لِّتَسْکُنُوْٓا اِلَیھا (اس نے تمہارے لئے تمہاری ہی جنس سے بیویاں بنائیں تا کہ تم ان کے پاس سکون حاصل کرو۔ سورۃ الرّوم آیت ۲۱) ھُوَالَّذِی خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍوَّ جَعَلَ مِنْھا زَوْجَھَا لِیَسْکُنَ اِلَیْھا (وہ اللہ ہی ہے جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی کی جنس سے اس کا جوڑا بنایا تا کہ اس کے پاس سکون حاصل کرے۔ سورۃ الاعراف آیت ۱۸۹) لیکن خدا کے اس رحم وکرم اور انعام کا ہم جواب یہ دیتے ہیں کہ ہم دوسروں کو اپنے غلام بناتے ہیں بے وفائی اور دغابازی کرتے ہیں نمک حرامی اور فریب دہی کے مرتکب ہوتے ہیں۔

میں اس کانفرنس میں سخت تشکیک اور تذبذب کی حالت میں بیٹھا ہوں اور زیر لب بڑبڑا رہا ہوں اور یہ آیت بار بار ذہن میں گردش کر رہی ہے۔ اَلَیْسَ مِنْکُمْ رَجُلٌ رَّشِیْد ......(کیا تم میں کوئی بھلا آدمی نہیں ہے؟ سورۃ ھُود آیت ۷۸) حالات نے مجھے مطمئن کرنے کی کوشش کی مگر ذہن کو چیلنج کیا کہ وہ سکون کیلئے مطلوب ٹکڑوں کو آپس میں کیسے جوڑے گا۔ میں جانتا ہوں کہ اگر میں توازن قائم نہ کر سکا تو فریب نظری کی کیفیت سے چھٹکارا پانے کی کوششیں مجھے تنہائی اور مایوسی سے دوچار کر دیں گی۔ گوشے کھدروں میں جا بیٹھنے سے راحتیں تو حاصل ہو جائیں گی مگر یہ گمنامی کی زندگی ہوگی مگر زندگی کی تمام آویزشوں میں سے میرے لئے اس سے زیادہ کراہت آمیز کوئی چیز نہیں کہ میں اخلاقی تشخص (Moral Identity) کے مسئلے پر دوسرے مسلمانوں سے معرکہ آرائی شروع کر دوں۔ میرا پیشہ قانون کی تدریس ہے لیکن بطورِ مسلمان میں اخلاقیات کا طالب علم ہوں۔ بطورِ قانون دان، میں نے معدلت (Equity) کا علم بلند کر رکھا ہے۔ اگر قانون مبنی بر انصاف ہو تو اس کا احترام کرتا ہوں اگر یہ غیر منصفانہ ہو تو اس پر تنقید کرتا ہوں اور اگر میں غلطی پر ہوں تو خدا سے استدعا (Plead) کرتا ہوں کہ وہ کم از کم میری کاوشوں کو ضرور شرفِ قبولیت بخشے۔

مجھے یاد آتا ہے کہ میں نے طلاق کے متعدد کیسوں میں ثالثی کی، مصالحت کرائی، گواہی دلائی اور ان پر دلائل بھی دیئے، ان میں بعض کیس ایسے بھی تھے جن میں معقولیت کا ایک شائبہ تک نہیں تھا۔ ایک ایسا کیس بھی آیا کہ شوہر تیس سال کے بعد محض اس بنا پر طلاق دینا چاہتا تھا کہ اسے ایک اور عورت پسند آ گئی تھی۔ وہ اپنے ہمراہ ایک خوبصورت امام کو لے کر آیا جس

نے مجھے بتایا کہ خدا نے مرد کو طلاق کا صوابدیدی اختیار دے رکھا ہے اس کی اس آزادی میں رکاوٹ ڈالنا ''حرام'' سے کم نہیں ہے۔ تیس سالہ رفاقت کے باوجود بیوی اس گھر میں تین ماہ سے زیادہ قیام کا کوئی حق نہیں رکھتی۔ جہاں تک نان نفقے کا تعلق ہے یہ بھی تین ماہ کے اخراجات ہیں اگر کچھ لچک دکھائی جائے تو وہ ایک سال کے خرچے تک بات جاسکتی۔ امام نے مزید کہا کہ یہ خدا کا قانون ہے مجھے اس میں اپنے ذاتی نظریات ٹھونسنے کی جرأت نہیں کرنی چاہئے تیس سال تک گھریلو کام کاج کی خدمت اور حقوق زوجیت کے عوض خدا اسے تن کے کپڑوں کو ہمراہ لے جانے کی اجازت دیتا ہے لیکن ہمیں اس کے زیورات بھی فراموش نہیں کرنے چاہئیں مزید برآں اس نے یہ بھی کہا کہ عورت کی آزادی اور وقار اسی قانون میں محفوظ ہے۔

اسی طرح ایک اور کیس آیا' یہ عورت چھ سال اس خاوند کے ہاں رہی اور اس کے تین بچے ہوئے۔ شوہر کا دل ایک اور عورت پر آ گیا اُسے بیاہ کر لانے لگا تو اس نے احتجاج کیا جس پر اُس نے اُسے عدالتی طور پر طلاق دے دی لیکن اسلامی طور پر نہ دی اور دوسری عورت سے اسلامی اور عدالتی طریقے کے مطابق شادی کر لی مگر اُسے کہیں باہر رکھا۔ جب اُس نے حقوقِ زوجیت سے انکار کر دیا تو وہ دوسری بیوی کو اس گھر لے آیا اور پہلی بیوی اور اُس کے بچوں کو خرچہ دینا بند کر دیا۔ یہ شخص ایک اور ''امام'' کو میرے پاس لے آیا جس نے کہا کہ پہلی عورت دوسری شادی پر اعتراض کے باوجود اس کی بیوی ہے اس کا خرچہ فرائض زوجیت کی ادائیگی سے مشروط ہے اسے عیاشی کی دوسری شکل قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اگر پہلی عورت اس کے لئے تیار نہیں ہے تو وہ طلاق لینے کی مجاز ہے لیکن اُسے بچے شوہر اور اس کی دوسری بیوی کے حوالے کرنا ہوں گے۔ امام نے مجھے یہ تنبیہ بھی کی کہ میں امریکی عدالتوں سے رجوع کرنے کی کوشش نہ کروں کیونکہ یہ شیطانی عدالتیں ہیں جن میں اخلاق نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔

اس قسم کے کیسوں میں' جن میں اخلاق کا ایک شائبہ تک نہیں' شوہر نے بیوی کی جنسی طور پر توہین کی اور بڑی ڈھٹائی سے کہا کہ اسے اسلامی طور پر ایسا کہنے کا حق حاصل ہے۔ دوسری طرف عورت کے والدین بیٹی پر زور دیتے رہے کہ وہ ہر حال میں اس کے ساتھ نباہ کرے اور اُس کی یہ مکروہ حرکتیں برداشت کرتی رہے کیونکہ طلاق یافتہ بیٹی کو گھر بٹھانا ان کیلئے

طعنہ بن جائے گا۔ والدین نے بیٹی کو سمجھاتے ہوئے کہا کہ خدا کا قانون اولاد کو اطاعتِ والدین کا حکم دیتا ہے۔ جب والدین اپنی اولاد کو ذلّت کی زندگی گزارنے پر مجبور کر رہے ہوں تو کوئی دوسرا شخص مختلف بات کیسے کہہ سکتا ہے؟ جب میں نے کہا کہ خدا صرف والدین کی عزت کرنے کیلئے کہتا ہے' اطاعت کیلئے نہیں کہتا کیونکہ خدا یہ کبھی پسند نہیں کر سکتا کہ معقولیت اور انسانی وقار آمرانہ اختیار کے سامنے سر جھکا دے جس پر ان لوگوں نے بیک زبان مجھ پر کلمۂ کفر ادا کرنے کا الزام لگا دیا۔

ایک اور کیس میں جو اس نوعیت کے بہت سے کیسوں میں سے تھا' بتایا گیا کہ شوہر بیوی بچوں کی آئے روز پٹائی کرتا رہتا ہے۔ عدالت میں ''امام'' نے شوہر کے حق میں بیان دیتے ہوئے کہا کہ شوہر نے دیانتداری سے اپنی اسلامی ذمہ داری کے تحت ایسا کیا ہے اسلام اسے یہ اختیار دیتا ہے۔ ایک اور کیس میں ایک عورت نے مار پٹائی اور آئے دن کی تذلیل سے تنگ آ کر بچوں سمیت گھر چھوڑ دیا اب اس نے طلاق لینے کی کوشش کی تو ''امام'' نے اُسے بتایا کہ طلاق کا اختیار شوہر کے پاس ہے وہ صرف خلع لے سکتی ہے اور وہ بھی شوہر کو سب کچھ واپس دینے کے ساتھ مشروط ہے۔ شوہر چاہے تو خلع دے' چاہے تو نہ دے۔ اس نے یہ بھی کہا کہ شوہر نان نفقے کی ذمہ داری سے بَری ہے کیونکہ تم ''نشوز'' (نافرمان) ہو۔ جب تک وہ خود تمہیں طلاق نہ دے یا اس نے اسے پیشگی یہ حق تفویض نہ کر رکھا ہو تمہیں طلاق نہیں مل سکتی طلاق کی صورت میں ۹ سالہ بچہ اپنے باپ کی تحویل میں رہے گا۔ جہاں تک بدسلوکی کے الزام کا تعلق ہے' اسلامی نقطۂ نظر سے یہ عدالت میں قابلِ سماعت (Admissible) نہیں ہے۔

مار پٹائی کے ایک اور کیس میں (ایسے کیسوں کی تعداد ناقابلِ یقین حد تک زیادہ ہے) ایک خاوند ایک مسکراتے ہوئے ''امام'' سمیت میرے گھر آیا' یہ مسکراتا ہوا لونڈا کسی وجہ سے کالج سے نکال دیا گیا تھا' اس کے بعد اس نے شام میں ایک ''شیخ'' سے چند اسلامی کتب پڑھ لیں اور مولویانہ وضع قطع بنا کر اس نے خدا کی ترجمانی کرنے کے اختیارات حاصل کر لئے۔ شوہر بھی مسکراتے ہوئے چہرے مہرے والا تھا' اس نے نہایت مؤدبانہ طریقے سے مجھے سلام کیا مجھ سے نہ صرف معانقہ کیا بلکہ میرے بے ریش چہرے پر بوسہ بھی دیا۔ اُس کی بیوی جس کا چہرہ آنسوؤں سے تر تھا کونے میں سہم کر بیٹھ گئی۔ شوہر' امام کے ساتھ بیٹھ گیا اور

اعصابی مریض کی طرح بار بار اپنے ہاتھ بھی مل رہا تھا۔امام نے کہنا شروع کیا...... ''برادر' میرا یہ بھائی کہتا ہے کہ آپ شوہر کے حقِ تادیب کے خلاف بولتے رہتے ہیں شوہر کو خدا نے اپنی بیوی کو مارنے کا حق دیا ہوا ہے آپ کی یہ تبلیغ بہنوں کو ''فتنے'' (بغاوت) پر اُکسا رہی ہے۔ حضرت عمرؓ نے ''فتنے'' کو ہوا دینے والوں کو لعین قرار دیا ہے' آپ جو کچھ کر رہے ہیں اس کی وجہ سے بہنیں آمادۂ فساد ہو رہی ہیں یہاں کی ساری مسلم برادری بہت پریشان ہے۔

میں نے اس کی طرف غور سے دیکھا اور ایک ٹھنڈی سانس لے کر کہا...... ''اے برادر قرآن میں آتا ہے' اَلَیْسَ مِنْکُمْ رَجُلٌ رَّشِید'' ...... (کیا تم میں کوئی معقول آدمی ہے؟) اگر آپ چند منٹ کیلئے اپنی اس زبان کو روکیں تو میں کچھ عرض کروں۔ جہاں تک لفظ 'تادیب' کا تعلق ہے بیوی' بچہ نہیں ہوتی کہ اس پر اس لفظ کا اطلاق ہو سکتا ہو۔ بیوی کی ڈانٹ ڈپٹ سے متعلق روایات قرآن کے احکاماتِ 'معروف' اور 'احسان' سے متصادم ہیں۔اور قرآن میں جو لفظ 'قوام' آیا ہے اس کے معنی 'خدمت' اور 'حفاظت' کے ہیں اس کے معنی 'تادیب' ہرگز نہیں ہیں اور جو لوگ بیوی کو زدوکوب کرنے سے متعلقہ احادیث کو 'صحیح' کا درجہ دیتے ہیں کیا وہ نہیں کہتے کہ پٹائی سے نہ زخم آنا چاہیئے اور نہ درد ہونا چاہیئے؟ ازراہ کرم مجھے یہ بتا دو کہ شاخ سے کندھے پر ضرب لگانا 'تادیب' کیسے قرار پا سکتا ہے؟۔نہیں بالکل نہیں۔ مار پٹائی کو اگر محض حماقت نہیں سمجھتے ہو تو اُسے مذاق بھی مت سمجھو۔ جہاں تک 'فتنے' کا تعلق ہے اس سے بڑھ کر کوئی فتنہ نہیں کہ خدا کی طرف ایک ایسی بات منسوب کر دی جائے جو صریحاً اخلاق سے متصادم ہے......''

اس نے میری بات فوراً کاٹ دی' اس کے ماتھے پر شکنیں پڑ گئیں اور مسکراہٹ بالکل غائب ہو گئی ...... اور بولا...... ''سبحان اللہ ضالّ المضلّین ...... میں تمہیں خوب جانتا ہوں شیطانہم الا کبر' انت۔ میں تمہارے اخلاق معقولیت اور خوبصورتی کے پرچار کو اچھی طرح جانتا ہوں یہ سب بکواس ہے یہ شیطان کی طرف سے پھیلائی ہوئی بدعت ہے۔ صراط المستقیم صرف ایک ہے۔اسلام میں دلیل اور کٹ حجتی کی کوئی گنجائش نہیں۔ یہ دلیل بازی حرام ہے' بالکل حرام ہے اور تم یہ جو کچھ انکل ٹام کی سی باتیں کرتے ہو سب غلط ہیں معقولیت' اخلاق اور خوبصورتی وہی ہے جسے خدا ''معقولیت'' اور ''اخلاق'' قرار دیتا ہو اور خدا شوہر کو حقِ تادیب عطا کرتا ہے۔

میں نے تقریباً سرگوشی کے انداز میں کہا...... ’’مجھے معلوم نہیں تھا کہ اسلام میں اخلاق اور خوبصورتی فضول سی چیزیں ہیں اور یہ بھی معلوم نہیں کہ خدا نے ہمارے ذہنوں کو فالتو سی چیز بنا دیا ہے‘‘

میں نے کونے میں دبکی ہوئی بیوی کی طرف دیکھا اور کہا...... ’’بہن صاحبہ کیا آپ اپنے شوہر کے حقِ تادیب کو تسلیم کرتی ہیں کیا یہ مانتی ہیں کہ اسے تمہیں ڈانٹنے اور زدوکوب کرنے کا حق حاصل ہے؟‘‘

اس نے نہایت باوقار اور توانا لہجے میں کہا...... ’’میرا شوہر مجھ سے نہ زیادہ ذہین ہے اور نہ زیادہ پاکباز اور نہ مجھ سے بڑھ کر متوازن شخصیت کا مالک ہے‘ اسے یہ حق تادیب کہاں سے اور کس بنا پر حاصل ہوا ہے؟۔ نبی اکرمؐ نے کبھی اپنی بیویوں پر انگلی تک نہیں اُٹھائی کبھی ان کی تذلیل وتوہین نہیں کی اور نہ کبھی ڈانٹ پھٹکار کی تھی۔ آپؐ کی سیرت تو یہ تھی کہ گھر کے کاموں میں ہاتھ بٹاتے تھے اپنے جوتے خود مرمت کرتے‘ کپڑے دھوتے اور گھر کی صفائی بھی کرتے تھے آپؐ میں فخر وغرور کا شائبہ تک نہیں تھا۔ یہ لوگ اپنے بلندتر ہونے کی باتیں تو بہت بڑھ چڑھ کر کرتے ہیں مگر کہاں ہے ان میں اس محبوبؐ کی سنت پر عمل کرنے کا جذبہ؟ میں رسولِ خدا کے حُسن وخوبصورتی اور بلندیٔ اخلاق پر ایمان رکھتی ہوں۔ اگر میرا شوہر اس کو نہیں سمجھ سکتا تو میں ایسا شوہر تلاش کرنے کی آزادی چاہتی ہوں‘ جو ایسا ایمان رکھتا ہو بس اس سے زیادہ نہیں بولوں گی۔‘‘

اس کا مؤثر اور سنجیدہ اظہار خیال سن کر میں آبدیدہ ہو گیا‘ میرے منہ سے بے ساختہ نکل گیا...... سچ ہے کہ ......**جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ کَانَ زَهُوْقاً O** (حق آ گیا اور باطل مٹ گیا‘ باطل تو مٹنے ہی والا ہے۔ سورۃ بنی اسرآئیل ...... آیت ۸۱) میری بہن آپ کو تنسیخ نکاح کے لئے چارہ جوئی کا حق حاصل ہے اگر کوئی دوسری بنیاد نہ ہو تو بھی ’’اعدم الکفاءۃ‘‘ (**Unsuitability of marital Partner**) اس کے لئے مضبوط بنیاد بن سکتی ہے۔

ایسے متعدد کیسز موجود ہیں جن کی تفصیلات سے گدھے جیسے احمق اور پاگل پن کی کیفیات رکھنے والے مردوں کے حالات قلمبند کر کے لاکھوں صفحات بھرے جا سکتے ہیں‘ لیکن اصل نقطہ یہ ہے کہ خدا نے ہماری بیویوں کو ہمارے لئے ’’سکینہ‘‘ بنایا اور ہم نے جواب میں

MashalBooks.org

انہیں اپنی رعیت بنالیا' ان سے دغا بازی اور دھوکہ دہی کی ہے۔ خدا نے زوجہ کی ''سکینہ'' کو گھر کے آرام و راحت کا ذریعہ بنایا' مگر ہم نے اس نعمت کو پاؤں تلے روندنا' اپنا پیدائشی حق سمجھ لیا ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ جب ہم اپنی بیویوں کی توہین کرتے ہیں تو زندگی کی روح کے انکار کے مرتکب ہو جاتے ہیں۔ ہم اسلام اور آزادی کی بات تو بڑے فخر سے کرتے ہیں مگر بیویوں کو پردے اور دیواروں کے پیچھے دھکیل دیتے ہیں اور اس کو حیاء کا نام دیتے ہیں۔ ان مردوں میں کہاں حیا پائی جاتی ہے جو اپنی خواہشات نفسانی کو کنٹرول نہیں کر سکتے اور عورتوں کو اپنے بے لگام تخیلات (Fantasies) کی تکمیل کا ذریعہ بنا لیتے ہیں۔ جب ہم عورتوں کو اظہار خیال سے' اپنے طور پر زندگی کے معمولات کی تکمیل سے اور آزادی کے ساتھ سانس لینے سے روکتے ہیں تو ہم اپنی شوخ چشمی اور بے حیائی کا ثبوت فراہم کرتے ہیں' یہ کیسی حیا ہے کہ ہم اپنی خواہشات نفسانی پر قابو پانے کے لئے اپنے دلوں کی صفائی تو نہ کر سکیں لیکن اپنی بہنوں اور بیویوں کو اپنی رعیت اور اپنی نو آبادی بنا لیں؟۔

میں جتنا اپنی قوم کے معاملات پر غور کرتا ہوں مجھے اتنا ہی اس بگاڑ کا احساس ہوتا ہے جو ہماری نفسیات میں سرایت کر چکا ہے۔ ہمارے بانکے اور بہادر مردوں کو تو ایک غیر قوم نے صدیوں تک غلام بنائے رکھا۔ انہیں پاؤں تلے روندا اور کچل دیا' ہمارے شاون ازم (Chauvinism) کے مارے ہوئے مردوں نے شکست کو نسوانیت سے متلازم قرار دیدیا۔ جتنی غیروں کے ہاتھوں ان کی اپنی تذلیل ہوئی اتنی ہی انہوں نے عورتوں کی تذلیل کر دی' نو آبادیت کے ماروں نے خود نو آبادکاروں کا روپ دھار لیا' انہوں نے اپنی مردانگی کی صفات سے محرومی کا بدلہ عورتوں سے لے لیا اور انہیں اپنی کالونیوں میں تبدیل کر دیا۔ اصل شرم کی بات یہ ہے کہ ہم نے اللہ کی نعمتوں کو جھٹلا کر اپنی بدصورتی کو مذہب کے پردے میں چھپانے کی کوشش کی ہے۔

جون ۲۰۰۰ء

باب 52

محبوب کا نقشِ پا

کیا ہم اپنے اس محبوب کے نقشِ پا کا سراغ لگا سکتے ہیں جو مدتوں پہلے وہاں سے گزر کر جا چکا ہے؟ کیا ہمیں اس کی مہک' اس کی نکہت یا اس کی خوشبو نصیب ہو سکتی ہے؟۔ کیا ہم اس کی یادوں' اس کے حسین تبسم یا اس کے لطیف اشاروں میں سے کسی کا سراغ پا سکتے ہیں؟ کیا چودہ سو سال پہلے کے حسن کی تلاش کے لئے ہم بہت لیٹ نہیں ہو گئے؟ ان سوالات کا جواب تلاش کر کر کے میرا سر چکرانے لگا ہے' لیکن مجھے کچھ وعدے یاد آ رہے ہیں جن کی وجہ سے میں مایوس ہونے سے انکاری ہوں۔

میں ان سوالوں سے پریشان ہو کر ''کانفرنس'' کی جانب دوڑا' کاغذ اور سیاہی کی طرف لپکا' نشریات اور رپورٹوں کی طرف متوجہ ہوا تاکہ یہ معلوم کروں کہ کس نے کس سے روایت کی اور آگے پھیلائی' میں نے سارے مواد کو محبت کی گرمجوشی سے کھنگالنا شروع کر دیا۔ میں جو تلاش کر رہا ہوں وہ پیغمبرؐ کی ذات نہیں ہے کیونکہ آپؐ وفات پا چکے ہیں۔ میں تو آپؐ کی روح کی خوشبو کا متلاشی ہوں' میں آپؐ کے خوبصورت روئے مبارک کی ضوفشانی محسوس کرنا چاہتا ہوں اور آپؐ کے دست مبارک کے لمس سے محظوظ ہونے کا متمنی ہوں۔ جی ہاں میں احادیث' سُنن اور مسانید تلاش کر رہا ہوں۔ حتیٰ کہ آپؐ سے متعلقہ تخیلات اور خوابوں کو بھی تلاش کر رہا ہوں۔ جو لوگ آپؐ سے محبت کرتے ہیں وہ میری بات کو سمجھ جائیں گے اور جو دوسرے ہیں' انہیں ریت میں آپ کے نقوشِ پا کی صرف تاریخ میں دلچسپی ہو گی۔ لیکن محبوب کی خوشبو تو روح کے اندر سفر کرتی ہے نہ کہ بوجھل ہواؤں کے دوش پر یا اس سرزمین کے کھنڈرات میں چھپی ہوتی ہے۔

اس تلاش و جستجو کے نتیجے میں میں نے جو کچھ پایا وہ اس عہد کی خصوصیات اور اس سر زمین کے مناظر ہیں، جس میں آپ بہ نفسِ نفیس تشریف فرما تھے۔ ان روایات سے تو صرف یہ پتہ چلتا ہے کہ محبوبؐ نے کیا فرمایا، کیا کیا کام کیے اور کن کن مقامات کو اپنے وجودِ اطہر سے رونق بخشی، لیکن میں ان باقیات کے سامنے ٹکٹکی باندھ کر کھڑا نہیں رہنا چاہتا اور نقوشِ پا کو تکتے ہوئے ان کا پیچھا نہیں کرنا چاہتا۔ میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ یہاں بکھری ہوئی آپؐ کی خوشبو کو اپنی سانسوں میں سمیٹ لوں اور اس کے ذرات کو اپنی روح کے اندر جذب کر کے اپنے دماغ کے ہر خلیئے کو اس سے معطر کر لوں۔ جی ہاں، آپ جانتے ہیں کہ میں یادیں نہیں منانا چاہتا اور نہ یادگاریں تعمیر کرنا چاہتا ہوں، میں سابق دور کی یادوں میں گم نہیں ہونا چاہتا اور نہ کوئی نیا روضہ تعمیر کرنے کا خواہشمند ہوں۔ میں علامتیں اور خاکے بھی نہیں بنانا چاہتا، میں قطعوں اور لفظی تصویروں کا متلاشی بھی نہیں۔ میرے دوستو! میرے محبوب کی سنت کسی نقشے کا نام نہیں۔ اسے تو ہاتھوں سے چھوا ہی نہیں جا سکتا، یہ تو ہمارے نہاں خانۂ دل کے اندر رہتی ہے۔

میں ان کے قدموں کے پیچھے پیچھے چل کر منبع تک پہنچنے کا قائل نہیں ہوں۔ میں اپنی پٹڑی اور اپنی راہ پر چلنے کا قائل ہوں، کیونکہ عملی زندگی میں کوئی دو راستے بالکل ایک جیسے نہیں ہوتے۔ لیکن میں شاہراہِ زندگی پر اپنی خواہش کے مطابق نہیں بلکہ ان کی خواہش کے مطابق چلنا چاہتا ہوں۔

نبیؐ کی نقل کرنا، ایک تلبیس (Impersonation) کے سوا کچھ نہیں ہے کیونکہ ان کے اعلیٰ وارفع کردار کا رُوپ اختیار کرنا کسی بھی انسان کے بس میں نہیں ہے کیونکہ جونہی اس عظیم کردار کی نقالی کی جائے گی اس کی قدر و قیمت زائل ہو جائے گی۔ ان کی سنت کا مثنیٰ پیش کرنا محض ایک تضمین بن جائے گی جو توہین آمیز جعلسازی اور گستاخی پر مبنی دروغ بافی ہو گی۔ نبیؐ کی صحیح پیروی کا مطلب نقالی کرنا نہیں بلکہ ان کے پیش کردہ نمونے کے مطابق عمل کرنا ہے۔

حسن یہ نہیں ہے کہ جس کی نقالی نہ کی جا سکے، اس کی تلبیس کی جائے یا ویسا ہی سوانگ بھرا جائے بلکہ حسن یہ ہے کہ نبیؐ کی سچائیوں کو عملی زندگی میں ڈھالا جائے۔ سچائیوں کو عملی زندگی میں سمو دیا جائے۔ سچ کو انفرادی مزاج کی حدود کے اندر مقید نہیں کیا جا سکتا۔ ہم اپنے محبوب کی سنت کی پیروی کی استعداد نہیں رکھتے، لیکن ہم اس کو اپنی زندگی کا حصہ لازماً بنا سکتے

ہیں۔ بالکل ایسے جیسے کہ خوشبو کو اپنے سانس کے ذریعہ اندر لے جا کر پھر واپس نکال دیا جاتا ہے۔

چنانچہ میں اپنی زندگی کی شاہراہ پر اپنی قسمت کے دوبدو کھڑا ہوں لیکن میں اس کا سامنا' اس کی خوشبو اور اس کی مہک سے' اس کی بتائی ہوئی سچائیوں سے اور اس کی سجھائی ہوئی خوبصورتی سے کر رہا ہوں۔ میں ایک وقار اور ایک توازن کے ساتھ نہایت سنجیدگی اور تحمل سے کھڑا ہوں اور قبل اس کے کہ خدا کی طرف سے مجھے بلاوا آ جائے میں اپنے نامۂ اعمال پر مسلسل غور کرتا رہتا ہوں کیونکہ فائل بند ہو جانے کے بعد کچھ بھی نہیں کیا جا سکے گا' جب مجھے کوئی مسئلہ پیش آئے یا کسی دلیل کا جواب دینا ہو تو میں اسے اپنے اندر کافی دیر رو کے رکھتا ہوں' بہت سا وقت سوچ بچار کی نذر کر دیتا ہوں۔ میں اپنے آپ سے ایک ایسا بنیادی نوعیت کا سوال پوچھتا ہوں جو زمان و مکان کی حد بندیوں سے ماورا ہے اور وہ یہ ہوتا ہے ''یہ مسئلہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آتا تو آپؐ اسے کیسے حل فرماتے؟''

زندگی خواہ جو کچھ بھی دیتی ہو یا لیتی ہو' اس کے خواہ کچھ بھی درد یا غم ہوں اس کی خوشیوں اور راحتوں کے خواہ جو بھی لمحات ہوں' میں پیغمبرؐ کی مہک کو اپنی سانس کے ساتھ اپنے اندر لے جاتا ہوں پھر پوچھتا ہوں'' یہ صورتحال پیغمبرؐ کو درپیش ہوتی تو آپ کیا فیصلہ صادر فرماتے''؟

مثلاً آپؐ کس سے شادی کرتے؟ کیسے محبت کرتے؟ اپنے ہمسایوں سے کیسا سلوک کرتے؟ گھر میں کیسے گزارا کرتے؟ گھر میں خوشی ہوتی' کوئی تنگی ترشی ہوتی تو کیا کرتے؟ کوئی شخص ہاتھ بڑھاتا تو کیسے جواب دیتے؟ غربت اور محرومی میں کیا کرتے؟ کار چلانا پڑتی تو کیسے چلاتے؟ کاروبار کیسے کرتے؟

اے ابن عبداللہ ابوالقاسم میرے نبیؐ' میرے محبوب آپ خدا کی حیرت انگیز تجلیات میں سے تھے۔ میرا دل آپ کے حسن کا گرویدہ ہے آپ پوری کائنات میں سے سب سے بڑھ کر خوبصورت تھے۔ اے میرے پیغمبر سچی بات یہ ہے کہ میرے لئے مرا دل محض بیکار چیز ہے' میں آپ کے دل کے ذریعہ زندہ رہنا چاہتا ہوں۔ میں آپ کے لئے اپنی والہانہ محبت کا کیسے اظہار کروں؟ اگر صرف یہ کہوں کہ میں'' آپ سے محبت کرتا ہوں'' اس سے میری تسلی نہیں ہوتی۔ میرے پاس کوئی الفاظ اور کوئی جملے نہیں جن سے میری چاہت کی صحیح ترجمانی ہو سکتی ہو' زبان اظہارِ جذبات کا محض ایک نظام ہے' جب الفاظ میرے دل سے نکلتے ہیں تو میرا

ذہن انہیں ایک سانچے میں ڈھال کرایک خاص مفہوم پیدا کر دیتا ہے لیکن کبھی کبھی اصل مفہوم کوخلط ملط بھی کر دیتا ہے، چنانچہ میں خاموشی اختیار کر کے ایک جگہ کھڑا ہو جاتا ہوں اور اپنے گرد و پیش کا جائزہ لیتا ہوں۔ جب آپؐ کے نقشِ پا کی جھلک دیکھتا ہوں یا آپ کے قدموں کی چاپ سنتا ہوں تو اس آواز کی سمت دوڑ جاتا ہوں کہ وہیں آپ کی خوشبو پائی جاتی ہوگی۔ جب پا لیتا ہوں تو اسے اپنی سانسوں میں کھینچ لیتا ہوں، اسے اپنی روح پر چھڑکتا ہوں۔ اس سے اپنے دل کو دھوتا ہوں اور ذہن کے ہر خلیئے کو نئی شکل دیتا ہوں۔ پھر اپنا بوجھ اٹھائے اپنے مخصوص راستے پر چل پڑتا ہوں لیکن راہ میں کئی آسائشوں، کئی مشکلات اور کئی آزمائشوں سے بھی دو چار ہوتا رہتا ہوں، مجھے کوئی تضمین نہیں کرنا پڑتی اور نہ کوئی سوانگ بھرنا پڑتا ہے، صرف اپنی حقیقی شخصیت کے بل بوتے پر راستہ طے کرتا رہتا ہوں اور پھر ہر مقام پر اور ہر انگیخت پر لحہ بھر کے لئے رک کر خود سے پوچھتا ہوں ''اس صورتِ تحال میں میرے پیغمبر ہوتے وہ کیا عمل کرتے؟''

جون ۲۰۰۰ء

MashalBooks.org

باب 53

شادی ذریعۂ قرب الٰہی

''کانفرنس آف بکس'' میں شریک ہونے والا ہر شخص اپنے ہاتھ میں کتابیں اٹھائے ہوئے آیا' یہ مختلف زمانوں' مختلف مقامات اور مختلف ممالک کی نمائندگی کر رہے ہیں اور ایسے چلے آرہے ہیں جیسے کسی جلوس میں شریک ہوں' ان کی آمد کا مقصد خدا کی حاکمیت اور اس کے ناقابل انکار اقتدار کے بارے میں اپنے اپنے نظریات پیش کرنا ہے۔ یہ انسان نہیں بلکہ روحیں ہیں جنہیں ان کے گوشت پوست نے باہر نکال پھینکا ہے۔ ان کا اخراج اس لئے عمل میں آیا ہے تاکہ یہ بے شمار الفاظ کے روپ میں ڈھل جائیں ...... ان روحوں کو موجودہ شکل ''سچائی'' اور ''زمانے'' نے عطا کی ہے تاکہ یہ انسانی روپ سے ماورا ہو کر ہمارے حال کو ہمارے ماضی کے ساتھ متصل کر سکیں۔ اب وہ قرطاس اور الفاظ میں ڈھل چکے ہیں جو کسی حد تک مادی اور کسی حد تک ملکوتی ہیں ...... یعنی دونوں حالتوں کی درمیانی حالت میں ہے۔ جمالیاتِ حُسن (Esthetics of beauty) کی طرح اس کی سچائی تقدیر کی مانند سچی ہے۔ روحیں کتابوں کو اٹھائے ہوئے اور کتابیں' کتابوں کو اٹھائے ہوئے آرہی ہیں جو دانائیوں اور حماقتوں کا ملا جلا جلوس ہے اور دونوں کو لفظوں کے بے پناہ ذخیرے کی تائید حاصل ہے۔ میں نے اپنی اس شبانہ مجلس میں ان کا پُر جوش خیر مقدم کیا اور انتظار کرنے لگا کہ میرا گوشت پوست کب میرا پیچھا چھوڑتا ہے اور کب میں نئی صورت اختیار کرتا ہوں۔ یعنی دو حالتوں کی درمیانی حالت (Ethereal Form) میں آتا ہوں۔

اے میرے خدا میں اپنی تقدیر کے بارے میں عجلت کا مظاہرہ نہیں کر رہا ہوں۔ لیکن مجھے یہ اعتراف ہے کہ میں اپنی موجودہ حالت میں بے حد مضطرب ہوں۔ میں اس بے ثبات

دنیا کی زیادتیوں اور بے اعتدالیوں سے تنگ آ چکا ہوں۔ یہ کبھی دیتی ہے اور کبھی لیتی ہے۔ جب دیتی ہے تو مضطرب ہو جاتا ہوں اور جب لیتی ہے تو مایوس ہو جاتا ہوں۔ لیکن یہ دنیا حالت خواب میں سفر کی مانند ہے یہ بندے کو جذبات میں سرشار کر کے اڑاتی رہتی ہے لیکن کوئی ایسی چیز پلے نہیں پڑنے دیتی جو حقیقی وجود رکھتی ہو۔ اس دنیا کے ساتھ پنجہ آزمائی خواب کے ساتھ پنجہ آزمائی کی طرح ہے' البتہ جب اس کے مناظر کا انکار کر دو گے تو پتہ چل جائے گا کہ سوتے ہوئے کیا کیا چیز تم سے اوجھل رہی تھی۔

جب میں آنکھیں کھولتا ہوں اور اپنی موجودہ شکل سے دستبردار ہوتا ہوں تو پتہ چلتا ہے کہ میں بیدار ہونے والا ہوں۔ پھر اے خدا میں اٹھتا ہوں اور تجھے اور کانفرنس کو تلاش کرنے کیلئے آنکھیں بند کر لیتا ہوں۔ جب میں تجھے پا لیتا ہوں تو جانتا ہوں کہ میری ہیئت پھر تبدیل ہو جائے گی۔ خوشی کے ان لمحات میں میں اپنی ناقابل کنٹرول پاور کی وجہ سے جل اٹھتا ہوں۔ دل کی یہ بے قابو آگ مجھے اذیت سے دوچار کر دیتی ہے۔ میں اپنی ملکوتی (Etherial State) حالت میں واپس جانے کیلئے جلنے لگتا ہوں' یہ عالمِ بے خودی کے مناظر حالتِ بیداری میں بھی مجھے دکھائی دیتے رہتے ہیں۔ تاہم میں اپنی حالت اور اپنی حدود کو دوسروں کی بہ نسبت بہتر طور پر جانتا ہوں۔ میں یہ بھی سمجھتا ہوں کہ اگر میں ایسی کتاب بن جاؤں جس کے اندر معقولیت اس کی حماقتوں سے زیادہ ہو تو میں اپنی کاوشوں سے مطمئن ہو جاؤں گا کیونکہ الفاظ کی سچائیوں سے منسلک رہنا خدا کے حسن میں سے حصہ ملنے کے مترادف ہے اور سچائیوں میں سے حصہ ملنا ایک ملکوتی تقلب (Etherial Transformation) ہے......

میں انہی خیالوں میں محو تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی جس سے میرا انہماک درہم برہم ہو گیا/ میرے ہر ملاقاتی کی آمد میرے لئے ایک اعزاز ہوتی ہے لیکن وہ میرے تقلب کو بھی آزماتا ہے۔ اب کے ایک خاتون آئی تھی' اس کے چہرے پر تشویش کی لہروں سے اندازہ ہو رہا تھا کہ شادی کے مسئلے پر کوئی الجھن ہو گی جو اس کی آمد کا باعث بنی ہے۔ میرے خیال میں دنیا کے تمام مسائل میں اس سے زیادہ پیچیدہ کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ شادی کا آغاز تو خدا کے نام سے ہوتا ہے لیکن میں بعد میں الجھنوں کا انبار لگ جاتا ہے۔ یہاں آنے والی دیگر خواتین کی طرح اس نے بھی اپنے جذبات پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے گفتگو شروع کی' اس کے

چہرے کے تاثرات اس کے اندرونی کرب کی نشاندہی کر رہے تھے۔اس نے کہا:

''میں ایک پاکستانی ہوں' میرے والدین مجھ پر شادی کرنے کیلئے دباؤ ڈال رہے ہیں' میں اپنے والدین سے بے حد محبت کرتی ہوں اور احترام بھی کرتی ہوں۔ میں اپنی زندگی کے فیصلوں کے لئے ان پر اعتماد رکھتی ہوں۔ انہوں نے اس مقصد کیلئے مجھ سے ایک پاکستانی میڈیکل سٹوڈنٹ سے متعارف کرایا۔ ان کا خیال ہے کہ وہ بہت اچھا شوہر ثابت ہوگا۔ وہ کہتے ہیں کہ شادی نصف ایمان ہے۔ خدا چاہتا ہے کہ میں شادی شدہ زندگی بسر کروں' میرے والدین مذہبی لوگ ہیں' میں بھی حتی الوسع مذہبی احکام کے مطابق زندگی بسر کرتی ہوں' ان کے لئے یہ بہت بڑی بات ہے کہ میرا خاوند پاکستانی ہونے کے علاوہ ڈاکٹر بھی ہو۔ میں آپ سے یہ معلوم کرنے آئی ہوں کہ اسلام میں شادی کے کیا قواعد ہیں اور ایک اچھے شوہر کے سلسلے میں اسلام کے کیا ضوابط ہیں''؟

میں اس سوال پر ٹھٹکا کہ پتہ نہیں مجھے کتنی لمبی تقریر کرنا پڑ جائے لیکن میں نے اپنی زبان کو لگام دیئے رکھی' میں نے یہ سوچنا شروع کر دیا کہ ہم ہمیشہ قواعد پر ہی کیوں سوچتے ہیں' ہم موزوں تر اور خوبصورت تر کے بارے میں کیوں نہیں سوچتے؟ کیا ہم ''خدائے قواعد'' کی پرستش کرتے ہیں یا ''خدائے خوبصورتی'' کی عبادت کرتے ہیں؟ میں شادی کی خوبصورتی کو سمجھتا ہوں اور شادی کی حقیقت کو بھی جانتا ہوں لیکن شادی کے قواعد کو میں ہضم نہیں کر سکتا۔ کیا شوہر کا پاکستانی ہونا اور ڈاکٹر ہونا قواعد کا حصہ ہے' خوبصورتی کا حصہ ہے یا حقیقت کا حصہ ہے؟ اس ضمن میں ہمارے تذبذب کا اصل سبب کیا ہے؟

میں نے تقریری انداز کی بجائے بالکل غیر جذباتی لہجے میں کہا...... ''بہن صاحبہ' میں نے قرآن وسنت کا فی مطالعہ کیا ہے مجھے یقین ہے کہ ان میں شوہر کے پاکستان ڈاکٹر ہونے کی شرط کا کہیں بھی ذکر نہیں آیا''۔

میری بات پر وہ کچھ پریشان ہو کر بولی'' لیکن میرے والدین چاہتے ہیں کے مجھے استحکام اور مسرتوں بھری زندگی ملے''۔

''ہاں بہن' یقیناً وہ یہی چاہتے ہیں' اسی لئے ان کی معلومات کے مطابق یہی شخص تمہارے لئے موزوں ہے لیکن مستحکم اور خوشیوں بھری زندگی شوہر نہیں' خدا دیتا ہے۔''

میرے جواب پر اسے اطمینان نہ ہو سکا' پھر بولی ......'' لیکن خدا چاہتا ہے کہ ہم اس

سے اپنی بھلائی کی توقع کرنے سے پہلے خود اپنی بھلائی والی تدابیر اختیار کریں۔''

میں نے سوچا کہ اب وقت آ گیا ہے کہ میں اپنے ''تقلب'' کی خود آزمائش کروں اب جاگنے کا وقت آ چکا ہے...... میں نے کہا...... ''بہن تمہارا کہنا بالکل بجا ہے' خدا انسانوں میں تبدیلی اسی وقت لاتا ہے جب وہ خود اپنے اندر تبدیلی لے آئیں...... اِنَّ اللّٰهَ لا يُغَيِّرُ مَا بِقَومٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوا ما بِاَنْفُسِهِمْ. (حقیقت یہ ہے کہ اللہ کسی قوم کے حال کو نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنے اوصاف کو نہیں بدل دیتی ......سورۃ الرعد آیت ۱۱) لیکن اس کے لئے کسوٹی کیا ہے؟ خدا کی طرف سے بدلنے کے اقدام کے لئے کیا کسوٹی ہے؟ کیا اس کا مطلب محفوظ مالی حالت ہے؟ کیا اس سے مراد طمانیتِ روح ہے؟ جب ہم شادی کو نصفِ دین کہتے ہیں تو کیا یہ عجیب بات نہیں ہے؟ اور کیا باقیماندہ نصف حصہ' خالصتاً دنیاوی لوازمات نہیں ہے؟''

میں نے جو کچھ کہا اس پر اس نے ایسا تاثر دیا جیسے وہ اسے عام فہم زبان میں سمجھنے کی کوشش کر رہی ہے' میں نے اس کے انداز کو بھانپ لیا اور کہا...... ''بہن بہت سے علماء نے ''شادی نصف ایمان'' والی حدیث کے مستند ہونے پر تنقید کی ہے' میں بھی اسے معتبر اور صحیح حدیث نہیں سمجھتا' تاہم یہ ایک ایسے کلچر میں سے آئی ہے جو اسلامی اخلاق پر مبنی تھا' بطور انسان ہم خدا سے اس کا فضل و کرم مانگتے رہتے ہیں ہم اپنے معاملاتِ زندگی میں اسے اپنا شریک اور اپنا محافظ بنانے کے متمنی ہوتے ہیں۔ اسی سوچ کے تحت شادی میں تین اجزاء سمجھے جاتے ہیں۔ لہٰذا شادی کا آغاز ہی اس کے نام سے کیا جاتا ہے' اس کی سلامتی کے لئے بھی اسی سے دعا کی جاتی ہے اور اگر شادی ختم ہو جائے تو وہ اقدام بھی اسی کے مقرر کردہ قواعد' معیار اور حسنِ سلوک کا مظہر ہونا چاہئے''۔

وہ میرے لہجے پر حیران ہوئی اور اپنی آواز صاف کرتے ہوئے بولی ''لیکن کیا خدا کی پارٹنر شپ ہر شادی کے اندر موجود رہتی ہے''؟

اس پر مجھے بہت سی شادیوں کی ناگواریاں یاد آ گئیں اور میں جانتا ہوں کہ ناپسندیدہ شادیوں کو خدا کی تائید اور اس کی خوشنودی حاصل نہیں ہوتی...... ''کیا آپ نے وہ حدیث سنی ہے۔' جو شخص کسی عورت سے شادی کے لئے ہجرت کرے' یا کسی بزنس کے لئے ہجرت کرے تو اسے اپنی ہجرت کا مقصود مل جاتا ہے اور جو کوئی خدا اور اس کے رسول کے لئے ہجرت کرتا ہے تو اس ہجرت سے اسے خدا نصیب ہوتا ہے''۔

اس نے اثبات میں سر ہلایا میں نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا...... ''اگر ہم خدا کی خوشنودی کے لئے شادی کریں تو اسی سے ہماری شادی کی حیثیت متعین ہو جاتی ہے اور اگر ہم مالی استحکام یا تحفظ کی خاطر شادی کریں تو یہ دنیاوی مقاصد کے لئے بھی شادی قرار پا جاتی ہے، ہم ہر شادی خدا سے عہد کا نام لے کر کرتے ہیں۔ اس طرح خدا کا نام لینا یا تو محض ایک رسمی بات ہو گی یا حقیقتاً بھی خدا ہی کی خوشنودی مطلوب ہو گی۔ کیا خدا نے یہ بات شادی ہی کے حوالے سے نہیں کی ...... **وَاَخَذْنَا مِنکُمْ میثاقاً غلیظاً** ......(اور وہ تم سے پختہ عہد لے چکی ہیں۔ سورۃ النساء آیت ۲۱) خدا نے یہی زبان اسرائیل کے ساتھ میثاق کے ضمن میں استعمال کی ہے...... **وَاَخَذْنَا مِنھُمْ میثاقاً غَلِیُظاً** (اور اس پر ہم نے ان سے پختہ عہد لیا...... سورۃ النسآء آیت ۱۵۴) اور نبیوں کے ساتھ میثاق کے لئے بھی یہی الفاظ استعمال کئے۔ **وَاَخَذْنَا مِنھُمْ میثاقاً غَلِیُظاً** (اور سب سے ہم پختہ عہد لے چکے ہیں...... سورۃ الاحزاب آیت ۷)۔ چنانچہ شادی کا معاہدہ بھی اسی طرح کا سنجیدہ معاہدہ ہے جیسا کہ نبیوں کے ساتھ خدا کا معاہدہ ایک سنجیدہ عمل ہے کیا خدا نے اس کا مذاقاً ذکر کیا ہے؟

لیکن معاہدے کا مقصد کیا ہے؟ شادی کیوں کی جاتی ہے؟ اور اس کے ذریعے کیا مقصد حاصل کیا جاتا ہے؟ ہم بستری تو اس کے مقاصد میں سے صرف ایک ہے لیکن خدا بار بار فرماتا ہے کہ شادی ایک ''سکن'' اور ''سکینہ'' (سکون وطمانیت) ہے، یہی الفاظ اس نے پُرسکون رات اور نبی اکرمؐ کو دیئے گئے تحفۂ نماز کے ذریعے طمانیتِ قلب کے لئے استعمال فرمائے ہیں، اے میری بہن ''سکون وطمانیت'' استحقاقِ زندگی (Entitlement of life) نہیں ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کا کرم وبخشش اور عطیہ ہیں۔

لیکن ہم یہ عطیہ کیسے حاصل کریں اور اس کے کیسے مستحق بنیں؟ یہ ہمیں خدا کے ساتھ معاہدہ کرنے سے، اسے اپنی ازدواجی زندگی کا پارٹنر بنانے سے اور معاہدے کے تحت اپنے فرائض اور ذمہ داریاں پوری کرنے سے ملے گا اور اسی کے ذریعہ ہم اس حقیقی سکون کے مستحق بن سکیں گے جب ہم ایسا کریں گے تو خدا ہمیں شادی کی حقیقی مسرتیں عطا فرمائے گا۔ چنانچہ خدا ہر اس رشتۂ مناکحت کا حصہ دار (پارٹنر) بن جاتا ہے جو اس کے نام سے استوار کیا جائے لیکن اس پارٹنر شپ سے استفادے کا انحصار فریقین کے طرز عمل پر ہوتا ہے اگر ہم اپنی شادی شدہ زندگی مادی دولت کے مسرفانہ اظہار سے شروع کریں گے تو اسے مشکل ہی سے ایک

MashalBooks.org

بابرکت آغاز کہا جا سکے گا۔ اگر اس معاہدے کے تحت پیدا ہونے والی ذمہ داریاں جذبۂ اطاعت کے ساتھ پوری کرتے رہیں گے تو خدا کی عنایات مسلسل میسر آتی رہیں گی''۔

مجھے اس وقت سخت حیرت ہوئی جب اس نے ساری ذمہ داری اپنے والدین پر ڈال دی۔ اس نے کہا...... ''لیکن میرے والدین میرے لئے پُرسکون ازدواجی زندگی کے متمنی ہیں' ان کے منتخب کردہ مرد سے مجھے یہ چیز کیوں حاصل نہ ہوگی؟''

مجھے اس سوال سے سخت مایوسی ہوئی' میں خدا کی خوشنودی اور رشتوں میں خدا کی پارٹنر شپ کے موضوع پر اظہار خیال کر رہا تھا اور اس نے اپنے والدین کے فیصلے کے درست ہونے پر گفتگو شروع کر دی تھی' میں نے برہمی کے لہجے میں کہا...... ''سنو بہن ہم نے رشتۂ ازدواج کے بارے خدا کی تائید حاصل کرنے کے ضمن میں جو کچھ کہا وہ بے ربط گفتگو نہیں تھی' یہ ایک سنجیدہ سوچ' نیک ارادوں اور مستقل مزاجی پر مبنی گفتگو تھی' میں آپ کے والدین کو نہیں جانتا اور نہ ہی ان کے مقصد سے کوئی آگاہی رکھتا ہوں۔

اگر ہم دنیاوی مال ومتاع اور مادی آسائشوں کو مدنظر رکھ کر کوئی شادی کریں اور خدا کی خوشنودی حاصل ہونے کی بھی توقع رکھیں تو یہ محض فریب نفس ہوگا۔ آپ کے والدین سے معذرت کے ساتھ میں یہ کہوں گا' اس شخص کے ساتھ نکاح ان کا نہیں آپ کا ہونا ہے۔ ''خدا کے ساتھ معاہدے'' کے تحت یہ ان کی ذمہ داری نہیں' آپ کی ذمہ داری ہے۔ قیامت کے روز ازدواجی زندگی کے بارے میں فیصلوں کا جواب انہوں نے نہیں' آپ نے دینا ہے۔ میدان محشر میں کھڑی ہو کر آپ یہ نہیں کہہ سکیں گی کہ ''مجھے میرے والدین نے ایسا کرنے کو کہا تھا''۔ آپ والدین کی طرف سے کسی اچھے فیصلے پر غور کر سکتی ہیں لیکن فیصلہ آپ کو خود کرنا ہے۔ یہ آپ کی ذمہ داری ہے اور خدا کے ساتھ آپ کے وعدے کا حصہ ہے۔ آپکے والدین سے ایک بار پھر معذرت کرتے ہوئے یاد دلاتا ہوں کہ اس معاشرے کے بیشتر والدین اولاد کے لئے رشتے کا فیصلہ خالصتاً مال ومتاع کی بنیاد پر کرتے ہیں اور صرف ثقافتی معیار کو اہمیت دیتے ہیں۔ ہمیں یہ بات فراموش نہیں کرنی چاہئے کہ ثقافتی اور سماجی نقطۂ نظر سے کسی کا موزوں ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ وہ شخص دینی لحاظ سے اور خدا کے ساتھ ہمارے میثاق کے حوالے سے بھی موزوں ترین رشتہ ہے۔ میری بہن...... یہ سارا مسئلہ والدین سے متعلق نہیں ہے' یہ آپ سے متعلق ہے اور آپ کے خدا سے متعلق ہے' یہاں ایک سوال تو یہ ہے کہ کیا آپ

MashalBooks.org

خدا سے اپنے معاہدے کے حوالے سے اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہوسکیں گی یا نہیں؟ اور دوسرا سوال یہ ہے کہ کیا آپ کا رفیقِ زندگی خدا کے ساتھ آپ کی پارٹنر شپ تعمیر کرنے میں آپ کی مدد کرسکتا ہے یا نہیں؟

اس نے احتجاجی انداز میں کہا...... ''تو کیا میرے والدین میرے لئے موزوں رفیق زندگی کو منتخب نہیں کر سکتے''؟

یہ سوال سن کر مجھے یوں محسوس ہوا کہ میں شاید اپنے الفاظ ہی ضائع کرتا رہا ہوں۔ موصوفہ غالبًا نفسیاتی طور پر'' والدین سے بے جا پیوستگی'' کے عارضے ...... (Parental Fixation) کی شکار تھی' اس کا احساس ہوجانے کے باوجود میں نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا'' اس کا انحصار والدین کے شعور پر اور ان کی تصورِ شادی پر ہے۔ عام طور پر دیکھا یہ گیا ہے کہ جن لوگوں کی شادیاں الجھنوں کا شکار ہو جائیں وہ اپنے بچوں کی شادیوں میں سخت گیرانہ رویہ اختیار کر لیتے ہیں' ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ اپنی ناکامیوں کی تلافی کے لئے ایسا کر رہے ہیں' جیسا کہ میں نے پہلے کہا ہے' میں آپ کے والدین سے متعارف نہیں ہوں' لیکن اگر ہمیں بڑے بڑے سکالرز کی اندھی تقلید کی بھی اجازت نہیں ہے جو کہ وارثانِ انبیاء ہوتے ہیں تو ہم والدین کی بھی کورانہ تقلید کے مکلّف نہیں ہیں۔ جیسے کہ میں کہہ چکا ہوں یہ براہ راست آپ کی ذاتی ذمہ داری ہے کہ آپ اپنی راہ کا خود انتخاب کریں۔ ذاتی ذمہ داری کے حوالے سے آپ کو مغیث اور بریرہ کا واقعہ تو ضرور یاد ہوگا' کیا آپ کو یہ واقعہ معلوم ہے؟

''مغیث اور بریرہ؟ ...... مجھے تو اس کا کوئی پتہ نہیں''

''اچھا تو ...... واقعہ یوں ہے۔ بریرہ نامی ایک خاتون کی شادی ایک شخص مغیث سے ہوئی تھی جو اس سے پاگل پن کی حد تک پیار کرتا تھا۔ لیکن بریرہ اتنی ہی اس سے نفرت کرتی تھی۔ اس لئے نباہ مشکل ہوگیا اور بالآخر طلاق ہوگئی۔ اس کے بعد مغیث کے لئے زندگی گزارنا ایک مسئلہ بن گیا وہ ہر وقت روتا رہتا' بریرہ کے گھر کے چکر لگاتا اور آہیں بھرتا' اس کی داڑھی آنسوؤں سے تر رہتی۔ ہر کوئی اس کیساتھ ہمدردی کرتا۔ پھر وہ نبی اکرمؐ کے پاس پہنچا۔ آپؐ نے بریرہ سے کہا کہ کیا وہ شوہر کے پاس چلی جائے گی؟ بریرہ نے نبی اکرمؐ سے پوچھا کہ کیا یہ خدا کا حکم ہے۔ آپ نے کہا کہ نہیں۔ یہ صرف ایک ذاتی اپیل ہے۔ جس پر بریرہ نے مغیث کے ساتھ آباد ہونے سے انکار کر دیا''۔

وہ کچھ مسکرائی جس پر میں نے آگے بیان کرنا شروع کر دیا۔ ''ایسے بہت سے واقعات ہیں جو اس نقطے کی وضاحت کرتے ہیں۔ جعفر خاندان کی ایک عورت کو خدشہ تھا کہ اس کا والد اسے ایسے شخص سے شادی پر مجبور کر دے گا جسے وہ بالکل پسند نہیں کرتی۔ اس نے عبدالرحمٰن اور مجمع ابن جاریہ سے ملاقات کی' یہ دونوں انصاری صحابی تھے۔ انہیں اس سے ہمدردی پیدا ہو گئی۔ بہر حال انہوں نے اسے تسلی دی اور بتایا کہ اسے اس مسئلے پر زیادہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ ایسا واقعہ خنساء بنت خدم کے ساتھ بھی پیش آیا تھا' اسے والد نے جبراً ایک شخص سے بیاہ دیا تھا جسے وہ پسند نہیں کرتی تھی' اس نے نبی اکرمؐ سے شکایت کی جس پر آپؐ نے ان کا نکاح منسوخ کر دیا تھا۔ اسی طرح ثابت ابن قیس (متوفی ۱۲ھ/۶۳۳ء) کی بیوی نبی اکرمؐ کے پاس آئی اور اپنے شوہر سے طلاق دلوانے کی استدعا کی۔ وہ طلاق لینے کی کوئی وجہ نہ بتا سکی ماسوائے کہ اس کے کہ اسے اپنے شوہر سے کوئی محبت نہیں ہے۔ جس کی بنا پر اسے خدشہ تھا کہ معاملہ اسی طرح چلتا رہا تو وہ اس سے بدسلوکی کر بیٹھے گی۔ اس نے کہا میں محسوس کرتی ہوں کہ مجھ سے کفر سرزد ہو جائے گا یعنی اس سے ناانصافی اور ظلم کی مرتکب ہو جاؤں گی۔ آپؐ نے اسے کہا کہ وہ ثابتؓ سے لیا ہوا باغ اسے واپس کر دے' اس پر آپ نے اسے طلاق دلوا دی۔ اس میں جس نقطے پر زور ہے وہ یہ ہے کہ شادی براہ راست اور ذاتی نوعیت کی ذمہ داری ہے''۔

اس نے دونوں ہاتھ آپس میں ملائے اور گہری سانس لیتے ہوئے کہا...... ''ٹھیک ہے مگر میں کیسے جانوں کہ مجھے کس سے شادی کرنی ہے؟''

اس کے رویہ میں کچھ نرمی آئی جس پر مجھے یہ کہنے کا حوصلہ ہوا...... ''پہلا قدم یہ ہے کہ اپنے آپ کو جانو اور اپنے جذبات کو سمجھنے کی کوشش کرو' شادی ایک دلجمعی اور ایک آہنگ اور ایک توازن کا مسئلہ ہوتی ہے۔ اگر توازن قائم نہ ہو سکے تو ہم ایک دوسرے کے حقوق کی پامالی کے مرتکب ہو سکتے ہیں۔ توازن کے بغیر ہم صحیح طریقے سے خدا کی طرف سے بھی رجوع نہیں کر سکتے اور نہ کسی انسان سے اچھا سلوک کر سکتے ہیں۔ شادیوں میں یہ اکثر ہوتا ہے کہ ہم ایک دوسرے کے حقوق سلب کرتے ہیں اور دوسرے لوگوں سے تعلقات میں بھی ہم ایک دوسرے کے حقوق غصب کرتے ہیں۔ اپنے داخلی جذبات کی گھٹن اور ذاتی کمزوریوں کا بدلہ دوسروں سے لیتے ہیں۔ اپنی ذات کے بارے میں پوری طرح آگاہ ہوئے بغیر ہم دوسروں

کے بارے میں آگاہی نہیں پا سکتے۔شعورِ ذات حاصل نہ ہوتو ہم یہ نہیں جان سکتے کہ کسی دوسرے انسان کے اندر کیا سچائیاں ہیں۔ہم یہ نہیں جان سکتے کہ دوسرے فرد کی حقیقی فطرت کیا ہے' ہم اکثر یہ کر بیٹھتے ہیں کہ اپنی طرف سے کوئی بھی بات ایجاد کر کے دوسرے کے سر منڈھ دیتے ہیں۔اصل بات یہ ہے کہ اپنے بارے میں جاننا ایک مشکل اور طویل عمل ہے۔ایک بار اگر ہم خود کو جان لیں تو ہم دوسرے فرد کے بارے میں بہت کچھ سیکھ جائیں گے''

''اپنی ذات کے علم کے علاوہ ہمیں اور کیا کرنا چاہئے''؟ اس نے کچھ نرم لہجے میں پوچھا۔میں نے کہا'' آپ کو ایسا پارٹنر تلاش کرنے کی کوشش کرنی چاہئے جو خدا سے پارٹنر شپ کے معنی جانتا ہو' میرا یہ مطلب نہیں کہ وہ محض نماز روزے کا ہی پابند ہو' بلکہ یہ ہے کہ وہ خدا سے پارٹنر شپ کا احترام کرنے کا جذبہ بھی رکھتا ہو' اسباب دنیا اور اس کی آسائشوں کی بہ نسبت خدا سے زیادہ قرب رکھتا ہو' پھر میں نے کچھ رک کر چھیڑنے کے انداز میں کہا'' اگر وہ پاکستانی ڈاکٹر ہو تو بھی ٹھیک رہے گا' اس سے ہمیں کوئی خاص کد نہیں ہونی چاہئے''

اس پر وہ مسکرائی جس سے میرا دل بلیوں اچھلنے لگا' میں نے کچھ حوصلہ پا کر بات آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔''اب میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ ہماری زندگیوں کا رہنما کون ہے۔یعنی ہمیں کس انسان سے رہنمائی حاصل کرنی چاہئے''؟

''ظاہر ہے کہ وہ پیغمبرِ خدا ہی ہو سکتے ہیں' صلی اللہ علیہ وسلم''

''یقیناً وہی ہیں' ہم ان کی سنت کی پیروی کرتے ہیں اور اس بات پر غور کرتے ہیں کہ اس صورتحال میں آپ' صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا فیصلہ ہوتا؟ آپؐ کس سے شادی کرتے؟ جب ہم شادی کریں تو ہمیں ایسا پارٹنر منتخب کرنا چاہئے جو سنتِ رسول سے محبت رکھتا ہو اور حضورؐ کو اپنے لئے نمونۂ عمل سمجھتا ہو۔اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ ایسے شخص کو تلاش کر لیں جو خود کو نبی سمجھتا ہو۔یا نبی کا روپ بھرتا ہو اور ''Impersonate'' کرتا ہو بلکہ ان کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کرتا ہو۔میں اس آدمی کے بارے میں نہیں کہہ رہا ہوں جو سمجھتا ہو کہ نبی' صلی اللہ علیہ وسلم صرف ظاہری شکل وصورت ایک خاص وضع کے مطابق بنانے پر زور دیتے تھے یا سنت کو محض ایک فیشن شو سمجھتا ہو۔میں اس آدمی کے بارے میں کہہ رہا ہوں جو اپنے دل کو نبی' صلی اللہ علیہ وسلم کے دل جیسا بنانے کی کوشش کرتا ہو''۔

اس پر وہ تقریباً چلا اٹھی......''افوہ' وہ معیار' ایسا معیار کہاں سے آئے گا' پھر تو میری کبھی

بھی شادی نہ ہو سکے گی' دنیا میں ایسے لوگ کتنے پائے جاتے ہیں'

میں نے جواب دیا...... ''الفضل فاالفضل...... بہتر سے بہتر کی تلاش۔

اس راہ کا بہترین مسافر' پھر دوسرے درجے کا بہترین' پھر تیسرے درجے کا بہترین' اگر آپ اپنے دل کی تطہیر کریں اور نہایت خلوص کیساتھ اپنی مساعی بروئے کار لائیں تو آپ اس شخص کو یقیناً پالیں گی۔ آپ اس سے محبت کرنے لگیں گی جو آپ کو اس حقیقی محبت کی یاد دلا دے گا۔ اگر آپ پیغمبرؐ سے محبت کریں تو آپ کو ایسے شخص سے محبت ہو جائے گی جو پیغمبر سے محبت کرتا ہے۔ پیغمبر سے محبت رفتہ رفتہ اور قدم بہ قدم پیدا ہوتی ہے۔ پیغمبر کی محبت ایک سفر کی طرح ہے' اس راہ پر چل پڑو تو منزلیں خود بخود طے ہوتی چلی جائیں گی' اعلیٰ سے اعلیٰ تر مقام آتا رہے گا' اگر آپ اپنے نفس کو سمجھنے کی کوشش کریں اور اس کی تطہیر کریں تو آپ کو اپنے گرد و پیش میں حضور صلعم کی ہلکی ہلکی جھلک دکھائی دی جانے لگے گی۔ مزید برآں یہ بھی یاد رکھیں کہ ہم جو کچھ پسند کرنے لگیں گے وہ رفتہ رفتہ ہمارے معاشرے کی پسند بھی بننے لگے گا۔ اگر لوگ ڈاکٹروں سے شادی کرنا اپنا مقصد بنا لیں تو دیکھ لیں گی کہ معاشرے میں ڈاکٹروں کی بھرمار ہو جائے گی' اگر لوگ ایسے افراد سے شادی کرنا اپنی اولین ترجیح بنا لیں جو سُنت کو عزیز تر از جان سمجھتے ہوں تو سیرت محمدی کا مطالعہ کرنے والوں کی تعداد ایک دم بڑھ جائے گی' ہم سیرت پاک کا جتنا زیادہ مطالعہ کریں گے اتنا ہی ہمارا اخلاق سنورے گا''

اس نے کچھ فکر مند ہو کر کہا...... ''فرض کیجئے کہ میں ایسا شخص تلاش کر لیتی ہوں لیکن اگر وہ مجھے پروپوز نہ کرے تو پھر میں کیا کروں گی؟''

میں نے بلا تامل جواب دیا...... ''پھر آپ اسے پروپوز کریں' ثقافتی روایت تو یہی ہے کہ پروپوزل مردوں کی طرف سے آتی ہے' اسلامی نقطۂ نگاہ سے یہ ثقافتی روایت' ایک قسم کا غرور ہے۔ ہمارے پاس حضرت خدیجہؓ کی مثال موجود ہے' دیگر خواتین بھی تھیں' جنہوں نے یا تو نبی کریمؐ کے لئے شادی کا پیغام بھیجا یا آپؐ کے صحابہ میں سے کسی ایک کے لئے پیغام بھیجا تھا۔ بلاشبہ ثقافتی طور پر غیر مروجہ قدم اٹھانا' عزتِ نفس کے لئے بہت بڑا امتحان ہو گا' لیکن اس عزت نفس کا موازنہ اس عقیدے سے کریں جسے ہم عزیز تر از جان سمجھتے ہیں۔ یہ درست ہے کہ حیا کا احساس ایک خوبصورت جذبہ ہے لیکن سچائی کی طلب اور تلاش اس سے بڑھ کر خوبصورت ہے۔ مثال کے طور پر ایک بار ایک عورت نے انس بن مالکؓ (متوفی

۹۳ھ/ ۷۱۱ء) اور ان کی بیٹی کی موجودگی میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ساتھ شادی کی درخواست کر دی۔ انسؓ کی بیٹی نے کہا کہ اس عورت کی یہ حرکت شرم اور نسوانی وقار کے منافی تھی۔ آپؐ نے فوراً اسے ٹوکا اور اس عورت کی راستبازی کی تعریف فرمائی' چنانچہ اسی حوالے سے البخاری' ابن المنیر (متوفی ۷۳۳ھ/ ۱۳۳۳ء) ابن حجر (متوفی ۸۵۲ھ/ ۱۴۴۹ء) اور ابن دقیق العید وغیرہم نے قرار دیا ہے کہ کسی عورت کا مرد کو شادی کا پیغام دینا نہ گناہ ہے اور نہ قابل شرم و ملامت ہے''۔

اب وہ کچھ تھکی سی دکھائی دی لیکن مسکراتے ہوئے سرگوشی کے سے انداز میں بولی......
''لیکن کیا شادی کرنا بہت ہی ضروری ہے''؟

میں یہ سن کر دنگ رہ گیا...... ''کیا مطلب ہے آپ کا؟'' اس سے پوچھا تو وہ بولی ''میں یہ کہنا چاہتی ہوں کہ کیا لوگوں کو ضرور شادی کرنی چاہئے؟...... کیا یہ مذہبی فریضہ ہے؟ میرے والدین ہمیشہ کہتے رہتے ہیں کہ شادی نہ کرنا گناہ ہے' شادی کر لینا نہ کرنے سے ہر حال میں بہتر ہوتا ہے' کیا یہ درست ہے؟''

میں نے جواب دیا...... ''بہن صاحبہ آنحضرتؐ کا ارشاد ہے کہ جو شخص بھی شادی کی اہلیت رکھتا (رکھتی) ہو اسے ایسا ضرور کر لینا چاہئے۔ لیکن اس میں زور...... شادی کی ''اہلیت'' (Ability) ''کیفیتِ تیاری (Readiness) اور ''صلاحیت'' (Capacity) پر دیا گیا ہے۔ شادی' معاشرے کا بنیادی بلڈنگ بلاک ہے' اس لئے اس کے لئے بہت زور دیا گیا ہے' بلکہ مطلوب ترین چیز قرار دیا گیا ہے۔ لیکن یہ فریضہ' مطلق و غیر مشروط (Absolute) نہیں ہے۔ مثال کے طور پر' ہمیں یہ کہہ کر کہ خدا نے شادی کا حکم دے رکھا ہے' ایک سفاک قاتل سے شادی نہیں کر لینی چاہئے۔ ہم تیاری کی حالت میں نہ ہوں' اپنے رفیق (رفیقۂ) زندگی اور خاندان سے متعلق ذمہ داریاں پوری نہ کر سکتے ہوں تو محض اس بنا پر شادی نہیں کر لینی چاہئے کہ خدا نے ایسا کرنے کا حکم دیا ہوا ہے' یہ ایک مسلمہ رواج ہے۔ اسے ایک معاہدہ بھی کہا جا سکتا ہے جس کے تحت فریقین کو چند فرائض اور چند ذمہ داریاں پوری کرنا ہوتی ہیں۔ شادی کو خدا کی خوشنودی کے حصول کا ذریعہ بنایا جانا چاہئے۔ ایک دوسرے کے حقوق تلف کر کے خدا کی ناراضگی مول نہیں لینی چاہئے۔ بعض متقی و پرہیزگار لوگوں مثلاً حنبلی ابن تیمیہ یا شافعی الامام النووی نے عمر بھر شادی نہیں کی۔ مجھے یقین ہے کہ انہوں نے اسی

لئے شادی نہیں کی تھی کہ انہیں احساس تھا کہ وہ اپنی رفیقۂ حیات کے ساتھ انصاف نہیں کر سکیں گے۔ چنانچہ انہوں نے کم درجے کا نقصان قبول کیا۔ غیر شادی شدہ رہنا اور دیگر افراد کیساتھ ناانصافی نہ کرنا' اس سے تو بہتر ہے کہ شادی تو کر لی جائے لیکن خاندان کے ساتھ غیر منصفانہ سلوک کیا جائے۔ ابن تیمیہ کی والدہ ان کے لئے دلہن تلاش کرنے لگی تو انہوں نے والدہ کو شدید اصرار کر کے اس سے روکا اور کہا کہ میرے حالات مجھے بتا رہے ہیں کہ میں اپنی بیوی سے انصاف نہیں کر سکوں گا۔ چنانچہ سوال یوں بنتا ہے: ''کیا ہر قسم کی شادی' بالکل شادی نہ کرنے سے بہتر ہوتی ہے''؟ اس کا جواب نفی میں ہے۔ لیکن اگر سوال یہ ہو' ''کیا شادی سنتِ رسول ہے اور ہر مرد و عورت کو اپنے اندر مطلوبہ صلاحیتیں پیدا کر کے رشتۂ مناکحت میں منسلک ہو جانا چاہئے'' تو اس کا جواب ''ہاں'' میں ہے۔

سنتِ رسول کو ذہنی یا روحانی خودکشی کا کبھی جواز نہیں بنایا جانا چاہئے اور اس سنت کو ایسی پارٹنر شپ قبول کرنے کا بھی ذریعہ نہیں بنایا چاہئے جو خدا کے نزدیک پسندیدہ نہ ہو۔

وہ ایک بار پھر مسکرائی اور کچھ دیر خاموش بیٹھی رہی جس سے میں نے یہ سمجھا کہ وہ اب رخصت ہونا چاہتی ہے۔ مگر ایک دم بول اٹھی...... ''ٹھیک ہے مگر میں اعتراف کرتی ہوں کہ میں خدا کے ساتھ پارٹنر شپ کے تصور کو نہیں سمجھ سکی۔''

میں نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے کہا...... **''تعملوا اللہ فی ماتعمل''** جس کے معنی یہ ہیں کہ تم جو کام بھی کرو تو یہ سمجھتے ہوئے کرو کہ تم اللہ کے ساتھ معاملہ کر رہے ہو۔ شادی شدہ زندگی کے پارٹنر کے طور پر یہ سوچا کرو کہ جس طریقے سے پیسہ یا وقت خرچ کر رہی ہوں' اس کے بارے میں خدا کیا سوچے گا؟ پھر خود یہ سوال کرو کہ میں جس طریقے سے اپنی قوت استعمال کر رہی ہوں کیا خدا سے پسند کرے گا؟ میں جو گفتگو یا بحث مباحثہ کر رہی ہوں کیا خدا اسے پسند فرماتا ہے؟ خدا ہمیں آپس میں کیسی محبت کرنے کا حکم دیتا ہے؟ ہم جانتے ہیں کہ اگر ہم ایک دوسرے کی طرف سے دیکھ کر مسکراتے ہیں خدا ہم سے خوش ہوتا ہے' ہم ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں تو وہ اسے پسند کرتا ہے۔ ہم آپس میں سلام دعا کرتے ہیں تو ہمیں اس کی خوشنودی حاصل ہو جاتی ہے۔ بہ الفاظ دیگر ہم جو کچھ بھی کرتے ہیں ہم اپنے خدا کے ساتھ مصروف وقت گزارتے ہیں۔ اگر ہم اپنی زندگی کو خوبصورت بنانے کے لئے مسلسل کوشاں رہتے ہیں تو خدا کی خوشنودی ہمیں حاصل رہتی ہے' یعنی خدا نیکی کی زندگی گزارنے

MashalBooks.org

والوں کا پارٹنر بن جاتا ہے"۔

اس گفتگو کے بعد وہ بہن رخصت ہو گئی' روانہ ہونے سے پہلے اس نے ایک گہری سانس لی' میرا شکریہ ادا کیا اور مجھے دعا دی' میں نے بھی خدا کا شکر ادا کیا کہ میری عقل' میری حماقتوں سے بھاری ہے' مجھے یہ معلوم نہیں کہ میرے لفظوں کا اس پر کیا اثر پڑا' یہ بھی معلوم نہیں کہ اس نے کیا فیصلے کیئے مجھے یہ بھی پتہ نہیں کہ اس نے میری باتیں بیداری کی حالت میں سنیں یا ذہناً سوئی رہی۔ لیکن جو بات میں یقینی طور پر جانتا ہوں وہ یہ ہے کہ ہم دونوں نے اپنے اپنے حقائق کا انتخاب کیا' ہم نے سفر دنیا میں اپنے اپنے پارٹنرز اور رفقا کا انتخاب کر لیا۔

میں نے روشنیاں گل کرتے ہوئے اور جانے کی تیاری کرتے ہوئے خدا سے بصیرت کے لئے دعا مانگی اور اس سے معافی طلب کی۔ "اے خدا میں جانتا ہوں کہ ہم خطا کار انسان ہیں لیکن میں یہ بھی جانتا ہوں کہ جب ہم تیرے پارٹنر بنتے ہیں تو ہم ایک تقلب سے دوچار ہو جاتے ہیں' ہم نہ تو فرشتوں کی طرح پاک صاف بن جاتے ہیں اور نہ ناکارہ دنیا کی خستہ حال مخلوق بنے رہتے ہیں۔ ہم ملکوتیت کا حصہ بن جاتے ہیں اور دونوں حالتوں کے مابین ایک حالت (State between two states) میں ڈھل جاتے ہیں۔

اے خدا میں تیرے سامنے منت وزاری کرتا ہوں کہ تو میری پارٹنر شپ کو قبول فرمائے میرے تقلّب (Transformation) میں میری مدد فرما اور مجھے اس قابل بنا دے کہ میں آبرومندی سے تیرے پاس آسکوں۔

جون ۲۰۰۰ء

MashalBooks.org

باب 54

حسن کے موتی

(گمشدہ تہذیب کی از سرِ نو تلاش)

جہالت اور نادانی نے اپنے لیے محفوظ کمین گاہیں تعمیر کر رکھی ہیں جہاں وہ اپنے مکر و فریب کا جملہ ساز و سامان لیے اپنے شکار کا انتظار کرتی رہتی ہے۔ آخر ہم جانتے بوجھتے ہوئے اس کے فریب میں کیوں آجاتے ہیں؟ اس نے ہمیں عیش و آرام کے نام پر دھوکے اور دماغی فتور کے سوا کیا دیا ہے؟ ہم خدا کی عظمت کے مظاہر اور زندگی کی ناپیدا کنار وسعتوں کو اپنے سامنے پانے کے باوجود آنکھیں کیوں موند لیتے ہیں؟ جب ہم ایمان رکھتے ہیں کہ ہمیں زندگی کی ہر آزمائش اور دکھ مصیبت میں صرف اللہ سے مدد مل سکتی ہے اور وہ ہمیں ہر مشکل میں اپنی طرف رجوع کرنے کی ہدایت بھی کرتا ہے تو پھر ہم ان بدروحوں سے کیوں امید لگا لیتے ہیں جو ہمارے بے سروپا اندیشوں اور ہماری توہم پرستوں ہی سے غذا حاصل کرتی ہیں۔

یہ ذلیل و آوارہ روحیں راتوں کو اپنی پناہ گاہوں سے نکل کر ہماری طرف آتی ہیں، ہمیں اشارے کر کے اپنی جانب بلاتی ہیں اور ہمارے کانوں سرگوشیاں کرتی ہیں کہ ''آؤ ہمارے سینے میں سمٹ جاؤ، ہم تمہیں عیش و آرام دیں گی غموں اور افسردگیوں سے بچائیں گی اور جو بھی چاہو گے حاضر کر دیں گی۔ تمہیں نئی نئی چیزوں کی ضرورت ہو، یا جو کچھ تمہارے پاس پہلے سے موجود ہے اس میں اضافہ مطلوب ہو یا اس کے تحفظ کی ضمانت مطلوب ہو وہ بھی تمہیں ہم سے ہی ملے گی۔ علم سے مغلوب ہونے کی بجائے علم کو مغلوب کر لو یا اس سے جان چھڑا لو، اگر تمہارا ذہن مزاحمت کرے تو اسے میٹھی نیند سلا دو۔''

ہم میں سے ہر ایک الجھنوں اور پریشانیوں سے نجات اور عیش و آرام کا طلب گار ہوتا

MashalBooks.org

ہے۔عیش و آرام کی کوئی مقرر حد نہیں ہوتی، جب یہ میسر آتا ہے تو اس میں مسلسل اضافے کی خواہش ہمیں تنگ کرنے لگتی ہے۔ جہالت، تمناؤں اور خواہشات کو بے لگام اور خودسر کر دیتی ہے۔لیکن نشہ اترنے کے بعد کی کیفیت متانت (Sobriety) کا ایک ایک لمحہ ہم پر بھاری ہونے لگتا ہے اور ہم اس اذیت سے جلد از جلد نجات پانے کے لیے جہالت کی کمین گاہ میں مزید اندر گھستے چلے جاتے ہیں۔حتیٰ کہ وہ وقت آ جاتا ہے کہ ذہنوں کا تعفن، نشے کے خوف کے پسینے میں شامل ہو جاتا ہے۔ پھر ہم پر انکشاف ہوتا ہے کہ ہم نے جسے سکون بخش پناہ گاہ سمجھا تھا وہ ایک زمین دوز قید خانہ ہے جو دنیا کی ذلیل ترین جگہ ہے۔

میں علم کے ساحل پر سراسیمہ اور منجمد کھڑا ہوں اور اس کے سمندر کی وسعتوں، اس کی گہرائیوں اور اس کے جلال و جمال پر غور کر رہا ہوں۔ اس کی وسعتوں میں کہیں کہیں حق و صداقت کے شفاف موتی بھی پائے جاتے ہیں۔خوبصورتی کے موتی بھی یہیں کہیں موجود ہیں اور ہمارے وجود کے توازن کا شعور بھی یہیں پایا جاتا ہے۔ یہ وہ چیزیں ہیں جنہیں تلاش کرنے کا حکم ہمیں اپنے رب کی طرف سے ملا ہوا ہے۔ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ اگر ہمیں سچ کی تلاش کے لیے ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر میں غوطہ لگانا پڑے تو اس سے بھی نہیں گھبرانا چاہیے۔

میں سوچتا ہوں تو میرا ذہن طرح طرح کے تفکرات سے کیوں دوچار ہو جاتا ہے۔ کیا میں سارے سمندروں کی تہوں کو تلاش کے لیے کود پڑوں، لیکن اگر میں گم ہو گیا یا تھکاوٹ اور درد سے نڈھال ہو گیا تو پھر کیا ہو گا؟ کیا میں وہاں کے پانی کا ہر قطرہ تک پی جاؤں لیکن اگر میں پھٹ گیا یا ڈوب گیا تو پھر کیا ہو گا؟ کیا میں وہاں سے ملنے والے ہر گھونگھے کو باہر نکال لاؤں یا اس بات سے خوفزدہ ہو جاؤں کہ ممکن ہے ان میں سے کسی کے اندر شیطانی سانپ کا زہر چھپا ہوا ہو؟ کیا میں غوطہ لگا کر پوری قوت اور یقین کے ساتھ تلاش جاری رکھوں یا راہ میں آنے والی ہر نئی چیز کو شک و شبہے کی نظر سے دیکھوں؟ لیکن اگر میں جہالت کی کمین گاہوں سے، مایوسی کا شکار ہو جانے کے خوف کے باعث، دور رہا تو میں علم کے سمندروں سے بھی اس خوف کی بنا پر دور رہوں گا کہ ممکن ہے کہ میں پھٹ جاؤں، یا ڈوب جاؤں یا کسی زہریلے سانپ کے ڈسنے سے مر جاؤں۔ لیکن اگر ایسا ہو گیا تو میں تلاشِ حسن کا شہید بن جاؤں گا۔ چنانچہ میں خدا سے دعا مانگتا ہوں کہ وہ میری آنے والی زندگی کو اطمینان و سکون اور سلامتی طبع کے موتیوں سے مالا مال کر دے اور مجھے بخشش اور اپنی خوشنودی عطا فرمائے۔

گمشدہ تہذیب کے خانہ بدوش، خوف کی وجہ سے کانپ رہے ہیں۔ انہیں خوف ہے کہ انہیں ہر طرف لاشیں ہی لاشیں دکھائی دینے لگیں گی، انہیں تلاش کے کام میں نقصان سے دوچار ہونے کا بھی خوف ہے اور یہ خوف بھی ہے کہ اس سے قدامت کے ڈھانچوں پر ان کی گرفت ڈھیلی پڑ جائے گی۔ شاندار ماضی کی یادوں کی زنجیروں نے انہیں فالتو اور ازکار رفتہ مخلوق قرار دے کر نہایت سختی کے ساتھ اپنی گرفت میں لیا ہوا ہے۔ پرانے الفاظ اور خیالات الاپے جا رہے ہیں۔ رفت و گزشت ہو جانے والے نخلستانوں کے نام پکار پکار کر التجائیں اور مناجات کی جا رہی ہیں اور ہر سراب ان کے لیے پیشین گوئی بن رہا ہے۔ بالآخر ان خانہ بدوشوں نے یا تو جہالت کی کمین گاہوں کے اندر یا ان کے آس پاس اپنے عارضی ٹھکانے بنا لیے ہیں، یا اگر انہوں نے ہمت کر کے سمندر میں سے کوئی گھونگھا نکال بھی لیا تو بوجۂ خوف اسے کھولنے کی جرأت نہیں کر سکیں گے کہ مبادا اس میں سے برآمد ہونے والے نئے تصور کے موتی ان کی جہالت کو بے نقاب کر کے ان کی رسوائی کا سبب بن جائیں۔

ہم تہذیب دنیا کے بے خانماں بچے، دنیائے افکار کے اچھوت اور ایک ناقابل ذکر مخلوق ہیں جسے فرسودہ نظریات کی پھینکی ہوئی ہڈیوں کو کھرچ کھرچ کر زندہ رہنا ہے۔ ہم علم کے موتیوں کے قریب جانے سے اس لیے خوفزدہ رہے کہ کہیں ہم اپنی تقدس مآب یادداشتوں سے منحرف نہ ہو جائیں۔ حتیٰ کہ ہم نے خدا کے کلام کو صرف بطور یادداشت محفوظ رکھا ہوا ہے۔ نہ کہ موتیوں کی تلاش کے لیے ایک کارآمد نظریئے کے طور پر حرزِ جان بنایا ہے۔

لیکن کسی نظریئے کی زندگی ان موتیوں کے حوالے سے متعین ہوتی ہے جو اس کے فروغ کا ذریعہ بن سکتے ہوں، نہ کہ ان مزاروں کے حوالے سے جو صرف ان کی یادگار بنے رہتے ہوں۔ میں اس ''کانفرنس'' میں تاریخ کے ان یتیموں کے اضطراب اور ان کے یادِ ماضی (Nostalgia) کے زخموں کو سہلاتا رہتا ہوں۔ کیا وہ دن نہیں آ سکتا ہم ایک ''گمشدہ تہذیب'' قرار پا جائیں اور ہماری یادیں صرف کہانیوں، داستانوں اور متقیانہ صنمیات (Pietistic Mythology) میں باقی رہ جائیں۔

طلاق کی پیچیدگیاں

میرا ذہن انہی سوچوں میں غلطاں و پیچاں تھا کہ وہ زیرک خاتون ایک بار پھر آ گئی جو

MashalBooks.org

پہلے بھی خواتین کے حقوق کے حوالے سے مجھ سے گفتگو کرتی رہتی تھی۔ مجھے اس کی آمد پر یک گونہ خوشی ہوئی کیونکہ اس کے نظریات میں ایک توانائی اور ایک وقار کی جھلک ملتی ہے۔ معمول کی سلام و دعا کے بعد اس نے سابق گفتگو کے پس منظر میں بات آگے بڑھاتے ہوئے کہا:

''برادر محترم، یہاں ایک مسلمان بہن کے ساتھ سخت بدسلوکی ہو رہی ہے، اس کی اکثر بے عزتی اور مار پٹائی ہوتی رہتی ہے، پولیس میں رپورٹ موجود ہے، میڈیکل رپورٹس سے بھی تشدد کا ثبوت مل چکا ہے لیکن جب فرد جرم پیش ہونے کا وقت آیا تو اس نے تعاون کرنے سے انکار کر دیا۔ تاہم اس نے ایک امریکی عدالت میں ''بے قصور طلاق'' کے سرٹیفکیٹ کے لیے کیس دائر کر دیا ہے۔ لیکن کچھ لوگوں نے اسے مشورہ دیا کہ جو شادی اسلامی طریقے سے ہوئی ہو وہ لازماً اسلامی طریقے سے ہی ختم ہونی چاہیے۔ اس کا شوہر اسے طلاق دینے سے انکاری ہے اور اصرار کر رہا ہے کہ وہ واپس گھر آ جائے۔ بھائی صاحب میں نے اسے یہ مشورہ دیا ہے کہ وہ مہر واپس دے کر شوہر سے اسلامی طرز پر ''بے قصور طلاق'' لے لے۔ لیکن دوسرے لوگوں کی طرف سے اسے مشورہ یہ ملا ہے کہ اس طریق کار میں شوہر کی رضامندی لازمی چیز ہے۔ اس نے مہر 5000 ڈالر وصول کیا تھا جو کبھی کا خرچ ہو چکا ہے۔ پھر میں نے اسے مشورہ دیا کہ وہ کسی مذہبی سکالر کے پاس جا کر ''بر بنائے ظلم و زیادتی'' طلاق کا مطالبہ کرے۔ لیکن کسی امام نے اس کی مدد نہ کی۔ اب وہ قرآن کی زبان میں 'معلقہ' کے طور پر رہ رہی ہے یعنی نہ وہ شوہر والی ہے اور نہ طلاق یافتہ ہے۔''

پھر وہ رک گئی اور میں بولنے لگا۔ ''بہن صاحبہ، اس سے ایک دلچسپ سوال پیدا ہوتا ہے۔ اگر جج کوئی مدد نہ کر سکے یعنی اس کے پاس گواہ ہی شرط پر پورا اترنے والا کوئی فرد نہ ہو یا وہ کیس اس کے دائرہ اختیار میں نہ ہو تو کیا کیا جا سکتا ہے؟ کیا شادی برقرار ہی رہتی ہے اور طلاق مؤثر نہیں ہو سکتی؟ اگر ہمارے پاس کسی واضح نتیجے پر پہنچنے کے لیے کوئی بھی ذریعہ نہ ہو تو ہم کیا سمجھیں؟ شادی یا طلاق؟ تسلسل نکاح کا ''قانونی قیاس'' (استصحاب) کہتا ہے کہ واضح طور پر منسوخ ہو جانے تک، شادی برقرار رہتی ہے۔ لیکن ''قیاس قانونی'' کہتا ہے کہ ''فرد کی ابتلا'' (**Hardship**) کو رفع کرنا ضروری ہوتا ہے۔ اسے فقہی اصطلاح میں ''رفع الحرج'' یا ''دفع الضرار'' کہا جاتا ہے، اس کا تقاضا دوسری سمت میں اشارہ کرتا ہے۔ یہاں دو

سوال پیدا ہوتے ہیں، پہلا یہ کہ دو قانونی مسلمات(Maxims) کے مابین مناسب ترین توازن کیسے قائم کیا جائے؟ اور دوسرا سوال یہ ہے کہ میاں بیوی کے علیحدہ ہو جانے کے بعد کتنا عرصہ گزر جانے پر شادی کو منسوخ(Dissolved) قرار دیا جا سکتا ہے؟ خدا کہتا ہے:

اَلطَّلَاقُ مرتٰنِ، فَاِمۡسَاکٌ بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡ تَسۡرِيۡحٌ بِاِحۡسَان—

طلاق دو بار ہے۔ پھر یا تو سیدھی طرح عورت کو روک لیا جائے یا بھلے طریقے سے اس کو رخصت کر دیا جائے......سورۃ البقرہ آیت ۲۲۹

لیکن سوال یہ ہے کہ اگر اس ہدایت کو توڑتے ہوئے عورت کو معلق چھوڑ دیا جائے تو اخلاقی تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے مسلمہ ضابطوں اور نظائر میں کس حد تک رد و بدل کیا جا سکتا ہے؟ کیا ہم ''ایلاء'' کی بنیاد پر ''قیاس'' کو بروئے کار لاتے ہوئے یہ کہہ سکتے ہیں کہ چار ماہ کی علیحدگی کے بعد طلاق خود بخود واقع ہو گئی ہے یا ''عدت'' کی بنیاد پر یہ قیاس کر سکتے ہیں کہ عورت کو طلاق مل چکی ہے یا ہم قیاس سے بالکل ہی کام نہیں لیتے اور اس کی بجائے ابتدائی اصولوں پر ہی انحصار کریں گے۔''

میرے ذرا توقف پر بہن صاحبہ فوراً بول اٹھیں۔ ''بھائی، عدالتی (سول) طلاق پر کیوں نہ انحصار کریں؟ کیوں نہ کہیں کہ ''امریکن سول ڈائیورس'' ہو چکی ہے تو اسلامی شادی بھی منسوخ ہو چکی ہے؟

میں نے سر کھجاتے ہوئے کہا...... ''مجھے پتہ نہیں لیکن میرا خیال ہے کہ اس کا انحصار اس امر پر ہے کہ آپ کے نزدیک ''ازدواجی قول وقرار'' سے مراد کیا ہے۔ میرا مطلب یہ ہے کہ اگر آپ شادی کو دیگر سول معاہدوں کی طرح کا ایک معاہدہ سمجھتی ہیں تو یہ انہی قوانین کے تحت تشکیل پاتا اور منسوخ ہوتا ہے جن کے تحت کوئی فرد اپنی زندگی گزار رہا ہے۔ مثال کے طور پر میں ایک کار خریدتا ہوں، تو یہ معاہدہ اس ملک کے قانون کے تابع ہوگا جس میں میں رہ رہا ہوں۔ اگر دو مسلمان ایک کار خریدنے یا بیچنے کا معاہدہ کرتے ہیں تو معاہدے کی عدالتی تنسیخ، معاہدے کے تحت پیدا ہونے والی ذمہ داری کو بھی ختم کر دیتی ہے۔ فریقین کو اسلامی قانون کے تحت اس معاملے کی توثیق کرانے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ کیونکہ ملکی قانون کو تمام ''سول معاہداتی ذمہ داریوں(Contractual obligations) پر حاوی سمجھا جاتا ہے۔ اصول یہ ہے کہ معاہدہ خواہ غیر مسلم ملک میں ہو، اس کے تحت فریقین کی ذمہ داریاں غیر مسلم ممالک

میں بھی اسی طرح قابل نفاذ (Enforceable) ہوتی ہے، جس طرح مسلم ممالک میں ہوتی ہیں تاوقتیکہ وہ معاہدہ اسلام کی پبلک پالیسی سے متصادم نہ ہو۔ لیکن دوسری طرف اگر اسلامی شادی محض ایک سول معاہدہ نہیں ہے بلکہ ایک مذہبی معاہدہ بھی سمجھی جاتی ہے پھر اس کا تجزیہ بالکل دوسرے انداز میں کرنا پڑتا ہے۔ اگر اسلامی شادی کا معاہدہ ''معاملات'' کی بھی ایک قسم ہے اور ''عبادات'' کی بھی۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ ''سول معاہدہ'' بھی ہے اور ''مذہبی معاہدہ'' بھی۔ تو اس کی ''سول'' تنسیخ کافی نہیں ہے، اسلامی شادی کا معاہدہ، اسلامی طور پر منسوخ ہونا چاہیے۔ بہرحال میری رائے یہ ہے کہ شادی ان ''افعال'' میں سے ہے جو خالصتاً ''سول'' اور خالصتاً ''مذہبی رسوم'' (مابین ''معاملات'' اور ''عبادات'') کے بین بین آتے ہیں۔ لہٰذا شادی کو سول اور مذہبی، دونوں طریقوں کے مطابق منسوخ کرایا جانا چاہیے۔ میرے خیال میں خدا کی نظر میں اس بات کی بڑی اہمیت ہے کہ کیا دو افراد اسلامی طریقے کے مطابق آپس میں منسلک ہوئے اور اسلامی طریقے کے مطابق ہی ایک دوسرے سے الگ ہوئے؟ اس ''سول جزو'' "Civil Component" کا مقصد، فریقین کے مالی مفادات کا تحفظ کرنا ہوتا ہے۔ اگر آدمی ''طلاق'' کا لفظ کہتا ہے تو خدا کی نگاہ میں شادی، اسی لمحے ختم ہو جاتی ہے۔ تاہم ''سول طلاق'' کئی ماہ بعد جا کر ختم ہوتی ہے۔ اسی طرح جب دو افراد گواہوں کی موجودگی میں اور بعوض مہر معاہدہ کرتے ہیں تو خدا کی نظر میں وہ اسی لمحے میاں بیوی بن جاتے ہیں۔ ''سول شادی'' خدا کی نگاہ میں ان کے درجے (Status) میں کوئی بہتری نہیں لاتی۔ اگر ہم ''سول سیکولر'' اور ''اسلامی شادی'' کے درمیان تمیز نہیں کریں گے تو مضحکہ خیز نتائج سے دوچار ہو جائیں گے۔ لوگ اسلامی حلف کے مطابق اور گواہوں کی موجودگی میں ایجاب و قبول کریں تب بھی وہ اس وقت حرامکاری (Fornication) کے مرتکب قرار پاتے رہیں گے تاوقتیکہ وہ سول سرٹیفکیٹ حاصل نہیں کر لیتے۔ اسی طرح اگر ایک جوڑا لاکھوں بار طلاق طلاق کے الفاظ دہراتا رہے تب بھی وہ شادی شدہ ہی کہلائیں گے اور ازدواجی تعلقات قائم کرنے کے مجاز رہیں گے تاوقتیکہ وہ ریاست کی جانب سے طلاق کی ڈگری حاصل نہ کر لیں۔ اگر اسلامی شادی خدا کے ساتھ ایک اقرار نامہ ہے تو مجھے سمجھ نہیں آتی کہ خدا اس وقت تک اسے کیوں معرض التوا میں رکھے گا جب تک سیکولر سٹیٹ اس پر اپنی مہر تصدیق ثبت نہ کر دے یعنی وہ خدا ہو کر بھی ریاستی ڈگری کا تابع بنا رہے گا۔''

اس پر خاتون نے بلاتوقف پوچھا...... ''لیکن اگر شادیوں اور طلاقوں کی دستاویزات کا مقصد فریقین کے قانونی حقوق کا تحفظ کرنا ہو تو ریاستی اقدامات اس کام کے لیے کافی کیوں نہیں ہوسکتے؟''

اس کے جواب میں، میں نے کہا...... ''میں آپ سے اتفاق کر لیتا بشرطیکہ اسلامی شادی اور طلاق کا مقصد انضباطی نوعیت کا ہوتا لیکن خدا صرف اس شادی کو معتبر اور باوزن عہد نامہ قرار دیتا ہے جو مرد اور عورت نے خدا سے کیا ہو۔ اس سے میں یہ نتیجہ اخذ کرتا ہوں کہ شادیاں صرف انضباطی کارروائیاں نہیں بلکہ تقدس کی حامل (Sacramental) بھی ہوتی ہیں۔ جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ یہ کسی حد تک ''عبادات'' اور کسی حد تک ''معاملات'' کی حیثیت رکھتی ہیں لہٰذا ریاست کے انضباطی اقدامات، مذہبی مقاصد کے لیے ناکافی قرار پاتے ہیں۔

اس نے احتجاجی انداز میں کہا...... ''اس سے میرا ذہن بالکل ماؤف ہوگیا ہے۔ پھر ریاست کے پاس اسلامی شادی کی منسوخ کرنے کا کوئی اختیار نہیں' اس کا شوہر اسے ہرگز طلاق نہیں دے گا اور کوئی مسلمان سکالر اس مسئلے کو حل کرنے کا اختیار ہونے کے دعوے کی جرأت نہیں کرے گا۔''

''جی ہاں'' میں نے اس کی تشویش کو بجا قرار دیتے ہوئے کہا...... ''یہ بیحد اہم مسئلہ ہے لیکن آپ کا یہ کہنا درست نہیں کہ کوئی شخص مسئلے کو حل کرانے کی ذمہ اری قبول کرنے کی جرأت نہیں کرے گا۔ میں کئی کیسز نمٹا چکا ہوں اور میں نے اسلامی اصولوں کے مطابق متعدد طلاق نامے جاری کیے ہیں۔ جہاں تک امریکہ میں ہونے والی شادیوں کا تعلق ہے، میری رائے یہ ہے کہ اگر کوئی عورت ''معلقہ''(Suspended) بن جائے شوہر کے ساتھ نہ رہ سکے اور خاوند کو طلاق دینے پر تیار نہ کر سکے جبکہ طلاق کے لیے کافی وجہ موجود ہو تو وہ طلاق لینے کی حقدار ہو جاتی ہے۔ اگر ''کافی وجہ'' نہ ہو اور شوہر خلع قبول کرنے پر تیار نہ ہو تو میں یقین کر لیتا ہوں کہ اسے معقول موقع دے دیا گیا ہے چنانچہ میں طلاق ڈگری کر دیتا ہوں۔ میرے خیال میں سردست اس مسئلے کا یہی موزوں ترین حل ہے تاوقتیکہ اس کے لیے کوئی اداراتی (Institutional) حل نہ نکل آئے۔''

اس پر اس نے سوال کیا...... ''پھر عورت ہی کو حق طلاق تفویض کیوں نہ کر دیا جائے؟''

MashalBooks.org

میں سوال کو نہ سمجھ سکا، جس پر میں نے اس کی مزید وضاحت کے لیے کہا تو اس نے کہا...... ''جب آپ کہتے ہیں کہ آپ اس خاوند سے حق طلاق لے کر خود اسے بروئے کار لا سکتے ہیں یعنی طلاق کی ڈگری جاری کر سکتے ہیں تو یہ حق براہ راست عورت کو کیوں حاصل نہیں ہوسکتا کہ اپنے بارے میں وہ خود فیصلہ کرے۔''

میں نے سر ہلایا ''اچھا تو آپ یہ کہہ رہی ہیں کہ میں شوہر سے اس کا طلاق دینے کا حق غصب کر لیتا ہوں۔ مگر وہ شوہر ہرگز یہ نہیں سمجھتا کہ میں اس کی بیوی پر اس کی جانب اختیار (Jurisdiction) استعمال کر رہا ہوں، لیکن عملی صورت یہی ہے کہ یہ اختیار مجھی کو مل جاتا ہے یا میں اس کے حق کو غصب کر لیتا ہوں اور آپ یہ اصرار کر رہی ہیں کہ فیصلہ صادر کرنے کے اس حق کو عورت خود ہی کیوں نہیں غصب کر لیتی۔''

''جی ہاں یہی کہہ رہی ہوں۔''

میں نے جواب دیتے ہوئے کہا...... ''ایسا کرنے سے ایک سنگین مسئلہ پیدا ہوسکتا ہے۔

جیسا کہ آپ جانتی ہیں فقہا نے مردوں کو طلاق کا اختیار دیا ہے...... کہ وہ کسی بھی وقت' کسی وجہ کی بنا پر یا بغیر کسی معقول وجہ کے' طلاق دے سکتے ہیں اور شادی ختم ہو جاتی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس ''مفروضے'' پر اعتبار کرتے ہیں کہ مرد ایک ہولناک اختیار ......طلاق دینے کے اختیار...... کو صحیح طریقے سے استعمال کرنے کی پوری صلاحیت رکھتے ہیں، اور عورتیں ہر لحاظ سے ان کے برابر ہیں لیکن انہیں مردوں کو طلاق دینے کا اختیار حاصل نہیں ہونا چاہیے۔ انہیں یہ اختیار ملنے سے کچھ پیچیدگیاں پیدا ہونے کا خطرہ ہوتا ہے۔ مثلاً یہ کہ عورت نکاح نامے میں یہ درج کر سکتی ہے کہ اگر فلاں فلاں صورت حال پیدا ہوگئی تو مجھے طلاق پانے کا حق حاصل ہو جائے گا۔ وہ یہ بھی لکھوا سکتی ہے کہ 'اگر خاوند دوسری بیوی لے آیا تو میں خود کو طلاق دے دوں گی۔ حتیٰ کہ تمہاری طرف سے دوسری بیوی کو طلاق بھی دے سکوں گی، ...... یہ شرط بھی لگا سکتی ہے 'حق مہر میں کچھ کمی کرنے کے عوض تم (میرے شوہر) مجھے یہ حق دو گے کہ میں کسی وجہ کے بغیر بھی خود کو طلاق دے دوں۔ فقہا کی اکثریت کے خیال میں یہ تفویض کردہ اختیار طلاق بعض صورتوں میں ناقابل تنسیخ (Irrevocable) ہو جاتا ہے، خاص طور پر اس صورت میں کہ یہ کسی خدمت یا معاوضے کا صلہ ہو۔ یہ حلف کی شکل بھی اختیار کر سکتا ہے۔ مثلاً شوہر یہ معاہدہ تحریر کرے کہ 'میں قسم اٹھاتا ہوں کہ میں بیوی کو اس کے آبائی

گاؤں یا قصبے سے باہر نہیں لے جاؤں گا۔' اسے اس کے والدین سے ملنے سے نہیں روکوں گا، اگر میں اس معاہدے کی خلاف ورزی کروں تو یہ بیوی مجھ پر طلاق ہو جائے گی۔' علاوہ ازیں متعدد فقہا بشمول ابن تیمیہ کی رائے یہ ہے کہ، ایک عورت یہ شرط بھی عائد کر سکتی ہے کہ 'مجھے مارنے کی صورت میں، خواہ وہ جائز ہو یا ناجائز، شادی خود بخود اور ناقابل تنسیخ طور پر، ختم متصور ہو گی۔' یہ تمام فارمولے خواہ نکاح نامے میں ''بشروط'' کے زمرے میں ہوں یا ''تفویض''، ''تخییر'' یا ''تملیک'' کی شکل میں ہوں اسلامی قانون میں مسلمہ ''تدابیر'' (Devices) ہیں جن کے ذریعے بیوی اپنی طلاق کو اپنے کنٹرول میں لا سکتی ہے اور اپنی قسمت کی خود مالک بن جاتی ہے۔

''بہن صاحبہ، ان کے علاوہ تین اور صورتیں بھی ہیں۔ ایک یہ کہ بیوی قسم اٹھا کر یہ اعلان کر سکتی ہے کہ آج سے لے کر اتنے دنوں تک تم میرے لیے میرے بھائی کی طرح ہو گے۔ اگر وہ عورت اپنی قسم کا کفارہ ادا کرنے سے انکار کر دے تو اس کا شوہر اس کے ساتھ ازدواجی تعلقات قائم نہیں کر سکتا۔ ایسی قسم کھانے سے وہ اپنے ازدواجی تعلقات کو پٹڑی سے اتار دیتی ہے۔ اب اس بات پر غور کیجیے کہ فقہا کی خاصی بڑی تعداد نے عورت کو یہ اجازت دی ہے کہ وہ اپنے خاندانی امور اور طلاق کے معاملے میں منصف (Judge) بن سکتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ سماجی تجربات سے پتہ چلتا ہے کہ مرد طلاق کے اختیار کو اکثر غلط طور پر استعمال کرتے ہیں جو آدمی بھی کسی مسلمان ملک میں رہ چکا ہے وہ جانتا ہے کہ مرد چھوٹی چھوٹی باتوں پر بھی بیوی کو طلاق کی قسم کھا لیتے ہیں اور اکثر غیر منصفانہ طور پر بیویوں کو طلاق دے دیتے ہیں۔''

خاتون نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا...... ''ٹھیک ہے، اب ہم ان چھ باتوں پر غور کرتے ہیں۔ نمبر ۱، بیوی یہ فیصلہ کرتی ہے کہ اس نے شادی کرنی ہے یا نہیں، اگر کرنی ہے تو کس سے کرنی ہے؟ نمبر ۲، وہ اپنی جائیداد کو کنٹرول کر سکتی ہے۔ نمبر ۳، وہ مختلف قانونی تدابیر سے جن کا آپ ذکر کر چکے ہیں' خاوند کو طلاق دینے کا اختیار حاصل کر لیتی ہے۔ نمبر ۴، وہ قسم کھا کر کفارہ ادا کرنے سے انکار کر کے ازدواجی تعلقات سے منکر ہو جاتی ہے۔ نمبر ۵، بہت سے فقہا نے عورت کو خاندانی معاملات میں 'جج' مان لیا ہے، اور نمبر ۶، مرد طلاق کے اختیار کو اکثر غلط استعمال کرنے کے مرتکب ہوتے رہتے ہیں۔ میں ان سب باتوں کو اچھی طرح سمجھتے

ہوئے بھی آپ کے نقطہ نظر کو نہیں جان پائی۔ میں اس میں اس بات کا اضافہ کرتی ہوں کہ یہ امر حیران کن نہیں ہے کہ مرد طلاق کے اختیار کو اکثر غلط استعمال کرتے ہیں جیسے کہ پرانا مقولہ چلا آ رہا ہے کہ ’بے پناہ اختیارات، بے پناہ تباہی کا سبب بنتے ہیں۔‘‘

میں اس خاتون کی ذہانت اور نکتہ رسی کی داد دیئے بغیر نہ رہ سکا اور مسکراتے ہوئے کہا...... ’’بہن صاحبہ! اگر ہم ان چھ نکات کو اچھی طرح سمجھ سکیں اور انہیں بروئے کار لا سکیں تو ان میں مزید اضافہ بھی کر سکتے ہیں۔ کیا ان سے یہ سوال پیدا نہیں ہوتا کہ ’مردوں کو طلاق کا اختیار‘ ماسوائے پیشگی تحریری معاہدے کے‘ کیوں دیا گیا ہے؟ تنسیخ نکاح کے اختیار کے سلسلے میں قیاس قانونی (Legal Presumption) مردوں کی کیوں حمایت کرتا ہے؟ ہم یہ اختیار عورتوں کو منتقل کر کے ان کی ذمہ داریوں کے بوجھ میں مزید اضافہ کیوں کریں؟‘‘

اس پر اس نے ہنستے ہوئے کہا...... ’’میرے خیال میں اس کا جواب بہت واضح ہے۔ یہ اس لیے ہے کہ خدا نے اپنے قانون میں ایسا ہی چاہا ہے۔ اس نے مردوں کو خصوصی طور پر طلاق کا اختیار دے کر عورتوں پر تسلط عطا کر دیا ہے۔‘‘

’’لیکن کیوں؟‘‘ میں نے پوچھا۔

’’اس لیے کہ خدا نے مردوں کو عورتوں پر فوقیت دی ہے اور انہیں ان کی ضروریات کے کفیل بنا دیا ہے۔ قرآن میں یہی تو کہا گیا ہے۔‘‘

میں نے کہا...... ’’میرا جواب کچھ اثبات میں ہے اور کچھ نفی میں۔ جہاں تک عورتوں پر مردوں کی فوقیت کا سوال ہے اس کا ذکر اس مخصوص سیاق وسباق میں آتا ہے جس میں عورتوں کو حمل کے تعین کے سلسلے میں کچھ عرصہ انتظار کا حکم دیا گیا ہے اور مصالحت کے مواقع کھلے چھوڑے گئے ہیں۔ ملاحظہ ہو سورہ البقرہ کی آیت 228 وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْءٍ۔ (جن عورتوں کو طلاق دی گئی ہو وہ تین مرتبہ ایام ماہواری آنے تک اپنے آپ کو روکے رکھیں۔)

اسی آیت کے آخری حصہ میں فرمایا گیا ہے۔

وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ.

(البتہ مردوں کو عورتوں پر ایک درجہ ہے اور اللہ سب سے غالب اقتدار رکھنے والا اور حکیم و دانا موجود ہے۔)

عورت کی مرد پر فوقیت

حمل اور مادریت عورتوں پر کوئی اضافی بوجھ نہیں۔ اور یہ کہنا کہ مردوں کو ان پر فوقیت حاصل ہے عورتوں کی اس ذمہ داری کا نتیجہ نہیں، یہ توصیفی اور تشریحی بیان بھی ہوسکتا ہے حتیٰ کہ معذرت خواہانہ بھی ہوسکتا ہے۔ علاوہ ازیں اگر مردوں کو اپنی جسمانی طاقت کی بنا پر عورتوں پر فوقیت حاصل ہے تو عورتوں کو ان کی ذہانت کی وجہ سے ان پر سو گنا فوقیت بھی حاصل ہوسکتی ہے۔

میں آپ کو ایک دلچسپ بات سنانا چاہتا ہوں۔ ایک عالمہ فاضلہ خاتون جو اپنے تقویٰ کی وجہ سے خاصی شہرت رکھتی تھیں ایک فقیہہ سے شکایت کی کہ میرا شوہر مجھ پر طنز کرتا ہے کہ وہ خواہ کیسا بھی ہے، مجھ پر فوقیت رکھتا ہے، فقیہہ نے جواب دیا کہ وہ بس ایک ہی درجہ آپ پر فوقیت جتا سکتا ہے، یہ مان لیجیے مگر آپ کو اپنے علم اور تقویٰ کی بنا پر اس پر ہزار گنا فضیلت حاصل ہے۔''

میں نے ایک لمحہ رک کر خاتون کے چہرے پر نظر ڈالی تا کہ اس کے تاثرات سے اپنی بات کا ردعمل معلوم کرسکوں، جب وہ مسکرائی تو میری ہمت بڑھ گئی میں نے اپنا بیان جاری رکھتے ہوئے کہا ''جہاں تک مردوں کے ''قوام'' (سرپرست یا کمانے والے) ہونے کے ذکر کا تعلق ہے۔ بحوالہ سورۃ النسآء آیت 34

''اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ'' آپ کو یاد ہے کہ ہم اس پر پہلے اظہار خیال کر آئے ہیں۔ یہ آیت واضح طور پر ''قوام'' کی حیثیت کو ایک خاص علت یعنی کمانے کی صلاحیت اور خرچ کرنے کے ساتھ مشروط کرتی ہے۔ بہ الفاظ دیگر یہ مردوں کو غیر مشروط حیثیت عطا نہیں کرتی۔ وہ محض مرد کے طور پر پیدا ہوجانے کی وجہ سے افضل نہیں بن جاتے۔ اس کے لیے کچھ پیشگی شرائط عائد کی گئی ہیں۔ وہ پوری ہونا ضروری ہیں۔ اگر پوری نہ کی جائیں، یعنی مرد اقتصادی طور پر خاندان کی کفالت نہ کرتا ہو، یا عورت خود جدوجہد کر کے شوہر کے برابر کما لاتی ہو، یا وہ کمانے کی اہلیت رکھتی ہو اور کسی وجہ سے اس اہلیت کو بروئے کار نہ لا سکتی ہو تو مرد کی ''قوامیت'' دھری کی دھری رہ جائے گی۔''

اس نے فوراً جواب دیتے ہوئے کہا...... ''چلیے ٹھیک ہے، فرض کیجیے کہ مردوں کے ''قوام'' ہونے یا انہیں فوقیت حاصل ہونے سے کوئی پرابلم پیدا نہیں ہوتا، پھر بھی قرآن انہیں طلاق کا اختیار دیتا ہے اور مسلمانوں کی صدیوں سے چلی آنے والی روایت بھی یہی ہے۔''

''محترمہ آپ نے ایک نہایت دلچسپ مسئلہ کھڑا کر دیا ہے۔ بتایئے قرآن مجید کی کونسی آیات مردوں کو طلاق کا اختیار دیتی ہے؟''

اس نے میری طرف یوں دیکھا جیسے وہ مجھ سے اسی سوال کی توقع کر رہی تھی اور بولی مثلاً سورۃ البقرہ کی آیت 230 فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلاَ تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجاً غَيْرَهٗ پھر اگر (دوبارہ طلاق دینے کے بعد شوہر نے عورت کو تیسری بار) طلاق دے دی تو وہ عورت پھر اس کے لیے حلال نہ ہوگی الا یہ کہ اس کا نکاح کسی دوسرے شخص سے ہوا اور وہ اسے طلاق دے دے۔

اسی سورۃ کی آیت 237 میں کہا گیا ہے۔ وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ اگر تم نے ہاتھ لگانے سے پہلے دے دی ہو لیکن مہر مقرر کیا جا چکا ہو تو اس صورت میں نصف مہر دینا ہوگا۔

سورۃ الطلاق کی آیت نمبر ا میں کہا گیا ہے: يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ اے نبیؐ۔ جب تم عورتوں کو طلاق دو تو انہیں ان کی عدت کے لیے طلاق دیا کرو۔

ان آیات سے صاف واضح ہوتا ہے کہ مردوں کو عورتوں کو طلاق دینے کا اختیار حاصل ہے۔''

میں اس خاتون کے مطالعہ سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ چنانچہ میں نے کہا ''خدا آپ کے مطالعۂ قرآن پر آپ کو اجر وثواب عطا فرمائے لیکن آپ اجازت دیں تو میں آپ کی توجہ تین اہم نقاط کی طرف مبذول کراؤں۔ پہلا نقطہ یہ ہے کہ آپ نے جو آیات پڑھیں ان میں سے کوئی آیت بھی واضح طور پر مردوں کو عورتوں کو طلاق دینے کا اختیار نہیں دیتی بلکہ باور کرتی ہیں کہ ایسا ہی ہو رہا ہے۔ جب ہم کہتے ہیں کہ یہ آیات مردوں کو طلاق کا اختیار دیتی ہیں تو دراصل یہ کہتے ہیں کہ متن میں یہ بات مضمر (مفہوم النص) ہے۔ لیکن بہن صاحبہ، اس صورت میں بھی کیا اس کے معنی یہ ہیں کہ اس مضمر مفہوم کے برعکس مراد لینے کی ممانعت ہے؟''

وہ کچھ پریشان ہو گئیں اور کہا...... ''میں اس کا مطلب نہیں سمجھ سکی۔'' میں نے وضاحت کرتے ہوئے کہا...... ''میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اگر متن میں یہ فرض کیا گیا ہے کہ حالات کا عمومی رخ ''ا'' ہے تو کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ متن ہمیں سوائے ''ا'' کے کوئی دوسرا رخ مراد

لینے سے منع کرتا ہے اور اگر ہم ''ب'' والا رخ مراد لیتے ہیں تو ہمیں اس کی اجازت نہیں ہے۔ مثال کے طور پر قرآن نے غلامی کا موجود ہونا تسلیم کیا ہے تو کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ غلامی ہمیشہ موجود رہنی چاہیے۔ قرآن مرد کو اپنی بیوی اور اپنی ملک یمین (جنگ میں گرفتار شدہ عورتوں) کے ساتھ جنسی تعلقات رکھنے کی اجازت دیتا ہے کیا اس سے مراد یہ ہے کہ قرآن ہمیں ملک یمین کو قابو میں لانے کا نسخہ بتا رہا ہے۔ قرآن نے ایک خاص تاریخی سیاق و سباق کے حوالے سے حالت جنگ میں گرفتار ہونے والی عورتوں کو معاشرے میں باعزت طور پر کھپانے کی ایک تدبیر سمجھائی ہے، غلامی کو تسلیم کیا ہے اور اسی طرح مردوں کو طلاق کا اختیار دیا ہے۔ لیکن قرآن نے واضح طور پر غلامی کو سند جواز عطا نہیں کی اور نہ ہی مردوں کو طلاق کا یکطرفہ (Unilateral) اختیار دیا ہے۔''

''جی ہاں مگر''...... اس نے میری بات کاٹتے ہوئے کہا...... ''قرآن نے غلامی کے اثرات کو کم کیا ہے۔''

''جی ہاں'' میں نے بھی اسی طرح بات کاٹتے ہوئے کہا...... ''قرآن نے مردوں کے یکطرفہ اختیار طلاق کی بھی تخفیف کی ہے۔ آپ نے جن آیات کا حوالہ دیا تھا ان پر پھر سے غور کیجیے۔ جہاں جہاں بھی اس کا ذکر آیا ہے آیت کا عمود مرد کی مزید خودمختاری پر نہیں گرتا بلکہ اس کے صوابدیدی اختیار میں کمی آتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ اور عورتوں کو مزید حقوق ملتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ کہیں تو یہ کہا گیا ہے کہ عورتوں کو دیئے ہوئے مہر اور تحائف واپس نہ لو اور کہیں یہ کہا گیا ہے کہ طلاق دینے کے بعد انہیں گھر بدر مت کرو، کبھی نان نفقہ دینے کی ہدایت کی گئی ہے، یا انہیں زیادہ سے زیادہ مراعات دینے کا حکم دیا گیا۔ ہر حکم اور ہدایت میں مرد کے اختیارات بڑھانے کی بجائے عورت کو مرد کے ان اختیارات سے تحفظ دینے پر زور دیا گیا ہے جو نزولِ قرآن کے زمانے میں مرد رواجی طور پر استعمال کرتا چلا آ رہا تھا۔ آپ نے جن آیات کا حوالہ دیا ہے میں ان کے علاوہ بھی کئی آیات پیش کرتا ہوں جن سے میرے اس موقف کی تائید ہوتی ہے۔ مثلاً سورہ الطلاق کی آیت ٦ میں کہا گیا ہے۔ ''ان کو (زمانہ عدت میں) اسی جگہ رکھو جہاں تم رہتے ہو جیسی کچھ بھی جگہ تمہیں میسر ہو اور انہیں تنگ کرنے کے لیے انہیں نہ ستاؤ۔ اور اگر وہ حاملہ ہوں تو ان پر اس وقت تک خرچ کرتے رہو جب تک ان کا وضع حمل نہ ہو جائے۔ پھر اگر وہ تمہارے لیے (بچے کو) دودھ پلائیں تو اس کی انہیں

MashalBooks.org

اجرت دو اور بھلے طریقے سے (اجرت کا معاملہ) باہمی گفت وشنید سے طے کرلو۔''

سورۃ المجادلہ کی آیت ۲ میں کہا گیا ہے ''تم میں سے جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہارِ کرتے ہیں ان کی بیویاں ان کی مائیں نہیں ہیں، ان مائیں تو وہی ہیں جنھوں نے ان کو جنا ہے۔ یہ لوگ سخت ناپسندیدہ اور جھوٹی بات کہتے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ بڑا معاف کرنے والا اور درگزر کرنے والا ہے۔'' سورۃ البقرہ کی آیت 229 میں کہا گیا ہے ''طلاق دو مرتبہ ہے۔ پھر یا تو سیدھی طرح عورت کو روک لیا جائے یا بھلے طریقے سے اس کو رخصت کر دیا جائے اور رخصت کرتے ہوئے تمہارے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ جو کچھ تم انہیں دے چکے ہو اس میں سے کچھ واپس لو۔'' اب میں دوسرے اہم نقطے کی طرف آنا چاہتا ہوں جس پر ہمیں ضرور غور کرنا چاہیے۔ قرآن اکثر طلاق یا مصالحت کا حوالہ اس طرح دیتا ہے جیسے کہ یہ ایک اجتماعی فیصلہ ہو اور شوہر اور بیوی دونوں کا مشترکہ معاملہ ہو۔ مثال کے طور پر سورۃ البقرہ کی آیت 227 کہتی ہے: اگر انہوں (شوہر اور بیوی) نے طلاق ہی کی ٹھان لی ہو تو جان لیں کہ اللہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔ اسی سورۃ کی آیت 230 کہتی ہے ''اگر وہ (شوہر اور بیوی) دوبارہ ایک دوسرے کی طرف رجوع کرنا چاہیں تو ان کے لیے کوئی ملامت نہیں۔'' سورۃ النسآء کی آیت 35 کہتی ہے ''اگر وہ (شوہر اور بیوی) آپس میں مصالحت کرنا چاہیں تو خدا ان کی کوششوں میں مدد دے گا......'' قرآن شادی کو ذریعۂ سکون اور باہمی اعتماد قرار دیتا ہے اور طلاق کی صورت میں بھی ایک دوسرے سے شفقت کا برتاؤ کرنے کا مشورہ دیتا ہے۔ یہ پند و نصائح مردوں کے یکطرفہ اختیار طلاق کے تصور سے مطابقت نہیں رکھتے۔ علیحدگی کے طریق کار کو بھی شریفانہ سلوک کا تابع بنانے کی بار بار تلقین کی گئی ہے۔ غلامی کے بارے میں بھی یہی انداز اختیار کیا گیا ہے۔ قرآنی مباحث میں غلامی کو بطور ادارہ لیا گیا ہے لیکن غلاموں کے انسانی حقوق کے تحفظ پر اتنا زور دیا گیا ہے کہ اہل اسلام کو انہیں آزاد کرنے کی ترغیب ملتی رہی ہے۔

''بہن صاحبہ، تیسرا نقطہ جس پر ہمیں غور کرنا چاہیئے ان الفاظ کے حوالے سے قرآنی اسلوب ہے۔ نوٹ فرمایئے کہ'' قرآن مردوں کو عموماً یوں مخاطب کرتا ہے۔ ''اے مردو، اگر تم عورتوں سے شادی کرو تو یوں اور یوں کرو'' مثال کے طور پر سورۃ الاحزاب کی آیت 49 دیکھئے (اس کے بعض حصوں میں) کہا گیا ہے۔ ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو جب تم مومن عورتوں سے نکاح کرو اور پھر انہیں ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دے دو تو تمہاری طرف سے ان پر کوئی

عدت لازم نہیں ہے۔ جس کے پورا ہونے کا تم مطالبہ کر سکو' قرآن اگرچہ عورتوں سے شادی کرنے والے مردوں کو مخاطب کر رہا ہے، لیکن کوئی شخص یہ کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا کہ شادی کرنا، مرد کا فیصلہ ہے۔ بہ الفاظ دیگر قرآن یہ فرض کرتا ہے کہ مرد عورتوں سے شادی کریں گے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ شادی کرنا مرد کا یکطرفہ فیصلہ ہے۔ اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ اس میں عورتوں کی مرضی شامل ہونا ضروری نہیں اور یہ مطلب بھی نہیں کہ عورتوں کو شادی میں پہل کرنے سے منع کر دیا گیا ہے یا انہیں مردوں کو ''پروپوز'' کرنے سے روک دیا گیا ہے۔ ہم یہ دلیل کیوں نہیں دے سکتے کہ طلاق کے لیے بھی عورت کی رضامندی ضروری ہے۔ یا ہم یہ دلیل کیوں نہیں دے سکتے کہ طلاق کے سلسلے میں بھی عورت کو برابر کا اختیار ہے؟

اس نے لمحہ بھر کے لیے توقف کیا اور متفکرانہ انداز میں بولی...... ''لیکن برادر محترم مسلمانوں کے صدیوں پرانے طرز عمل کا کیا کیا جائے۔''

''بہن صاحبہ'' میں اس طرز عمل کو عزت کی نگاہ سے دیکھتا ہوں۔ میں اسے قابل ستائش اور قابل مطالعہ سمجھتا ہوں۔ لیکن یہ اب میرے لیے قابل تقلید نہیں ہے اور میں اس سے نہایت ادب کے ساتھ اختلاف کرتا ہوں۔ الرازی (متوفیٰ 606ھ/1210ء) اور الامیدی (متوفی 631ھ/1233) جیسے بہت سے فقہا نے بڑے دلنشین انداز میں دلیل دی ہے کہ جو شخص مسلمہ اجماع (consensus) سے اختلاف کرے تو وہ کافر نہیں ہو جاتا اور نہ ہی اس سے اسے گناہ ہوتا ہے۔ میں اپنی ایک رائے رکھتا ہوں اور دوسروں کو بھی اپنے ہمنوا بنانے کی کوشش کرتا رہتا ہوں۔ لیکن ایک قانونی روایت کے مطابق میں پہلے سے موجود مثال پر اس وقت تک عمل پیرا رہوں گا جب تک میں اپنے دور میں فقہا کی ایک معقول تعداد کو قائل نہیں کر لیتا کہ یہ مثال اب قابل تقلید نہیں رہی۔ یہاں میں یہ بات کہنا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ پہلے سے چلی آنے والی روایت بہت زیادہ مستحکم اور واضح نہیں ہے۔ آپ فتاوٰی ابن تیمیہ (متوفیٰ 728ھ/1328ء) یا الونشریسی (متوفیٰ 914ھ1508ء) کو دیکھیں تو معلوم ہو جائے گا کہ بعض مسلمان خواتین نکاح نامے میں یہ شرط لکھوا لیتی تھیں کہ انہیں حق طلاق حاصل ہوگا۔''

خاتون کچھ دیر خاموش رہی اور پھر بولی ''میں اپنی دوستوں اور ملنے جلنے والی عورتوں کو کیا بتاؤں؟ کیا آپ یہ کہہ رہے ہیں کہ عورتوں کو نکاح نامے میں یہ شرط درج کروائے بغیر بھی مرد کے برابر طلاق کا اختیار مل جانا چاہیے۔''

''میں دراصل یہ کہہ رہا ہوں کہ مرد کو بے روک ٹوک طلاق کا اختیار حاصل ہونے سے متعلق شواہد اتنے قوی نہیں ہیں جتنے بظاہر دکھائی دیتے ہیں۔ قرآن نے تو صرف پہلے سے چلی آ رہی سماجی روایت کی بنا پر بات کی ہے۔ میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ مردوں نے اس اختیار کو بہت بری طرح استعمال کیا ہے جس کے شواہد آج بھی بکثرت ملتے ہیں۔ شریعہ کا رہنما اصول یہ ہے کہ انسانی زندگی کے لیے مشکلات کم کی جائیں اور آسانیاں بڑھائی جائیں۔ اس لیے اس کی روشنی میں مسئلے پر از سرِ نو غور کیا جانا چاہیے۔ ہمارے ہاں تعلیم اور شعور کی سطح بلند ہو رہی ہے' خواتین خاصی متحرک ہو چکی ہیں، اس صورت حال کی جتنی جلدی ممکن ہو سکے اصلاح ہو جانی چاہیے۔ دوسری طرف یہ چیز بھی ملتی ہے کہ خواتین کی دستگیری کے لیے جو سماجی اور مالیاتی نیٹ ورک پہلے ہوا کرتا تھا وہ تمام مسلم معاشروں میں روبہ زوال ہو چکا ہے۔ اس سے مجھے خیال آتا ہے کہ میں تمام مآخذ اور مصادر کا نئے سرے سے مطالعہ کروں اور اپنے آپ سے وہ سوالات کروں جو طبقۂ خواتین کو پریشان کر رہے ہیں اور ان کا حل تلاش کروں۔ بہرحال میں نے سرخ جھنڈا لہرا دیا ہے اور اپنے مسلمان بھائیوں سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ اس اجتماعی مسئلے کا (جو ہماری نصف آبادی کے لیے باعث اذیت بنا ہوا ہے) حل تلاش کرنے میں میری مدد کریں۔''

وہ پھر مسکرائی اور کسی حد تک طنزیہ انداز میں کہنے لگی...... ''لیکن اس کا کیا بنے گا کہ آپ کے مسلمان بھائی آپ کو صرف ایک مغرب زدہ انکل ٹام کہتے ہیں جو ان کے خیال میں سی آئی اے کو خوش کرنے کی کوشش کرتا رہتا ہے۔''

میں یہ سن کر اپنی ہنسی پر قابو نہ رکھ سکا اور کہا...... ''خدا ہمیں خوف اور جہالت کے نفسیاتی دوروں سے محفوظ رکھے۔ آپ نے جس سہیلی کی حالت زار کا ذکر ہے اسے اس حال تک سی آئی اے یا مغرب نے تو نہیں پہنچایا میں تو مظلوم طبقے کی بھلائی کے لیے کام کرنے اور اسلامی تعلیمات میں موجود انصاف کے تصورات کو رواج دینے کی وکالت کر رہا ہوں۔''

اس نے سر ہلاتے ہوئے کہا...... ''بھائی صاحب، آپ اپنے مسلمان بھائیوں کو اس امر کی تلقین کریں کہ وہ خدا کی کتاب کی صحیح معنوں میں عزت کریں اور اس میں چھپے موتیوں کو باہر لا کر بنی نوع انسان کو فائدہ پہنچائیں۔''

اگست 2000

باب 55

ذہین بھگوڑا

کبھی کبھی دنیا' مجھ پر اتنے رازوں کے انکشافات کرنے لگتی ہے کہ مجھے ان کی بارش ہوتی محسوس ہوتی ہے جیسے میں کوئی خواب دیکھ رہا ہوں۔ تصورات متشکل ہو ہو کر مجھ پر نازل ہونے لگتے ہیں ان کے ساتھ شور وغل بھی مچتا ہے جس سے کانوں کے پردے پھٹتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔ بہت سے منہ کھلے ہوئے ہوتے ہیں جن میں سے بے ترتیب خیالات اتنی تیزی سے برآمد ہوتے ہیں جیسے کوہ آتش فشاں کے دہانے میں سے دھکتا ہوا لاوا باہر آ رہا ہو۔ یہ مناظر دیکھ دیکھ کر میرا سر چکرانے لگتا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ اب تھوڑی دیر میں، میں پاگل ہو جاؤں گا۔ میں خود پر قابو پانے کی کوشش کرتا ہوں تو اتنا زور لگانا پڑتا ہے کہ آنکھوں میں سخت کھنچاؤ محسوس ہوتا ہے، کانوں میں درد ہو جاتا ہے اور سر ابلنے لگتا ہے۔ ہوش و حواس برقرار رکھنے کے لیے سر کے بالوں کو مٹھیوں میں بھینچتا ہوں لیکن اس سے اندر کے ابال میں کوئی فرق نہیں پڑتا اور سر میں شدید درد محسوس ہوتا ہے۔ میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ وہ مجھے ''ذہین بھگوڑا'' (Intellectual Refugee) بننے سے محفوظ رکھے۔ پتہ نہیں یہ دعا قبول ہوتی ہے یا نہیں؟

مجھے تقریباً بیس سال پہلے اپنا گھر بار چھوڑا پڑا تھا کیوں کہ وہاں اپنے خیالات کی رجسٹریشن کرانا ہوتی تھی اور اس کے لیے ایسے لوگوں سے بولنے کا لائسنس حاصل کرنا پڑتا تھا جو بے دماغ انسانی پتلے تھے۔ میرے وطن مالوف میں ہر چیز منصب شاہی پر متمکن شخص کی کرسی کے گرد گھومتی تھی اور ملک بھر کے دماغوں میں سے بس صرف ایک کو بولنے کا حق حاصل تھا۔ اگر بغیر اجازت کوئی شخص بول پڑتا تو اس کا تعاقب کر کے اس کے دماغ کو ''ضبط'' اور اس

کی بات کو ''گرفتار'' کرلیا جاتا۔ پھر اسے اذیت دے دے کر مسخ کر دیا جاتا اور ایک ایسے قبرستان میں دفن کر دیا جاتا تھا جو مسخ شدہ افکار کے لیے مخصوص تھا۔ پھر بھی الفاظ بھوت بن کر قبروں سے نکل بھاگتے اور اپنے قاتلوں کو ہمیشہ ڈراتے رہتے تھے۔

امریکہ پہنچ کر میں یہاں کے مسلمانوں میں رہتے ہوئے شدید الجھنوں میں مبتلا ہو گیا ہوں اور ذہین بھگوڑا بننے کے خطرے سے دوچار ہوں۔ یہاں لفظوں کی بہت بڑی دولت موجود ہے کیونکہ یہاں ہر کوئی بولتا ہے لیکن یہاں ''فکر''(Thought) اور ''تقریر'' (Speech) کے درمیان تناسب(Proportionality) کی خطرناک حد تک کمی پائی جاتی ہے۔ یہاں کے مسلمانوں کے منہ سے الفاظ سامان آتشبازی کی طرح برآمد ہوتے ہیں اور باہر نکلتے ہی پھٹ کر ختم ہو جاتے ہیں۔ الفاظ کے لیے علم کو غیر ضروری سمجھا جاتا ہے اور ''فکر'' کو ایک فالتو سی چیز خیال کیا جاتا ہے۔ دراصل ہماری مسلم کمیونیٹی میں مبلغوں کو ٹیچرز سمجھا جاتا ہے اور شریعت پر ان کی مکمل اجارہ داری ہے۔ ایک فقیہہ کی یہ کوالیفکیشن نہیں ہے کہ وہ فقہ کا علم رکھتا ہو کیونکہ گواہوں کے ساتھ مغز کھپائی اور ثبوت کی تلاش غیر ضروری عیاشی ہے۔ مبلغوں کی دنیا میں کتابیں، ان کا مطالعہ اور منہاجیات(Methodology) بالکل غیر ضروری مشاغل ہیں۔ تجزیاتی وتنقیدی بصیرت اور عقل کے استعمال کو کفر قرار دے دیا گیا ہے۔ یہاں جن لوگوں کو 'ماہرین' کا درجہ دیا جاتا ہے ان میں ماہرین غذائیت، نرسیں، میڈیکل ڈاکٹرز ماہرین جڑی بوٹی، کمپیوٹر سائنٹسٹ اور انجینئرز کی بے شمار اقسام شامل ہیں جو شریعت پر طبع آزمائی کے لیے بالکل آزاد چھوڑ دیئے گئے ہیں۔

مسلمانوں کا غیر منطقی رویہ

میں مسجد مسجد پھرا ہوں اور لوگوں کے غیر منطقی رویوں کا مشاہدہ کرتا رہا ہوں۔ ہمارے مرد زندگی کے ہر شعبے میں کام کرتے ہیں اور نیم برہنہ عورتوں کے ساتھ آزادانہ میل ملاپ رکھتے ہیں لیکن مسلمان عورتوں کے ساتھ مسجد کے ایک ہی کمرے میں نماز پڑھنا حجاب کے احکامات کے منافی قرار دیتے ہیں۔

نبی اکرمؐ نے اپنی مسجد (مسجد نبویؐ) میں عورتوں کو چھپانے کے لیے کوئی چادر آویزاں نہیں کی تھی اور نہ ہی آپؐ نے کسی فرد کو دوسرے انسانوں سے الگ تھلگ کرنے کی کوشش

کی۔عورتیں آپ کے پاس آتیں، آپ کو ہاتھ سے پکڑ کر اپنی ضروریات کا ذکر کرتیں۔آپؐ کے زمانے میں مرد اور عورتیں مسجد کے اندر اور باہر آزادی سے ایک دوسرے سے ملتے جلتے تھے۔ایک بار جب آپؐ نے خطبۂ عید دیا،عورتوں نے شکایت کی کہ آپ کی آواز اچھی طرح سنائی نہیں دی، جس پر آپ نے ان کے لیے خطبہ دوہرا دیا۔آپؐ، ابوبکر صدیقؓ (متوفیٰ 22ھ/634ء) اور دیگر صحابہ ام ایمن اور ام ہانی جیسی خواتین سے ملاقات کے لیے ان کے گھروں میں جایا کرتے تھے۔مسجد الحرام اور مسجد نبوی میں،عورتوں کے لیے پردے کا الگ انتظام کبھی نہیں ہوا۔مسلمانوں کا کوئی فرقہ ان تاریخی حقائق سے انکار نہیں کر سکتا۔تاہم امریکہ میں کسی مسجد میں مردوں اور عورتوں کے درمیان جتنا موٹا پردہ آویزاں کیا جائے اس کو اتنا ہی گہرا اسلام سمجھا جاتا ہے۔باوجود اس حقیقت کے کہ فقہا کی ایک بڑی تعداد نے قرار دیا ہے کہ عورتوں کو مردوں سے الگ کرنے کے لیے اگر کوئی ایسی رکاوٹ کھڑی کر دی جائے جس سے کہ وہ بالکل ہی اوجھل ہو جاتی ہوں ان کی نماز صحیح نہیں ہوتی۔

ایک مسجد میں میری مڈھ بھیڑ ایک جعلی ماہر شریعت سے ہوئی جو اعلان کر رہا تھا کہ عورت بہت بڑا فتنہ ہوتی ہے، اس کی قربت ترغیب گناہ ہوتی ہے، لہٰذا مردوں کے ایمان کو بچانے کے لیے عورتوں سے دور رکھا جانا چاہیے۔ میں نے ایک آدمی سے پوچھا، یہ کون صاحب ہیں تو مجھے بتایا گیا کہ یہ اس قصبے کا گائناکالوجسٹ ہے اور بیشتر مسلمان عورتیں ......جنہیں یہ بہت بڑا فتنہ قرار دیتا ہے......اس سے علاج کرواتی ہیں۔ میں نے دل میں دعا کی ''اے اللہ ہمیں اس پاگل پن سے بچا۔'' جو شخص عورتوں کا علاج معالجہ کر کے اپنی روزی کماتا ہے اور ہفتے کے پانچوں دن، عورتوں کی ٹانگوں کے درمیان گزارتا ہے لیکن ''ویک اینڈز'' پر یہاں مسجد میں آ کر عورت مرد کے درمیان دوری پیدا کرنے کا درس دینے لگتا ہے۔ یہ حیاء کا کیسا پرچارک ہے؟ لیکن سب سے زیادہ افسوس ناک بات یہ ہے کہ اتنے زیادہ لوگ جو گردن جھکائے اس کی وعظ و نصیحت سنتے ہیں وہ اتنے شرمناک تضاد کا نوٹس کیوں نہیں لیتے؟ اس پر مجھے ایک اموی خلیفہ ہشام ابن عبدالملک (عہد حکومت 105-125ھ/724-743ء) یاد آیا جس نے مردوں کی موجودگی میں عورتوں کے طواف کعبہ کی ممانعت کر دی۔ جب اس نے یہ حکم دیا تو عطا ابن ابی رباح (متوفیٰ 114ھ/732ء) اور دیگر فقہائے مکہ احتجاجاً اٹھ کھڑے ہوئے انہوں نے کہا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ

وسلم خواتین سمیت طواف کرتے تھے تو تو کیسے روک سکتا ہے؟ اس پر ہشام نے پریشانی کے عالم میں اپنا حکم واپس لے لیا۔ لیکن ہمارے دور کے فقہا کو ایسی مثالیں دیکھ کر کوئی پریشانی نہیں ہوتی اور نہ انہیں اپنے فتوے واپس لینے کی جرأت ہوتی ہے۔ ہم آج جس مقام پر پہنچ چکے ہیں یہ مقام افسوس وندامت ہے۔ ''مدونات سحون'' میں ایک روایت آتی ہے کہ ایک فقیہہ ابن القاسم (متوفی 191ھ/806ء) نے مالک بن انس (متوفی 179ھ/796ء) سے پوچھا کہ کیا مردوں کی نماز عورتوں کے پیچھے کی صف میں ادا ہوسکتی ہے؟ واقعہ یہ ہوا تھا کہ چند مرد کچھ تاخیر سے مسجد نبویؐ میں پہنچے۔ انہوں نے دیکھا کہ جماعت ہورہی ہے اور ساری جگہ عورتوں سے پر ہوچکی ہے، جس پر انہیں نہایت عاجزی کے ساتھ ان کی صفوں کے پیچھے کھڑے ہونا پڑا۔ امام مالک کا فتویٰ یہ تھا کہ اس صورت میں بھی مردوں کی نماز ہوجاتی ہے، انہیں لوٹانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ خدا ہمیں ہدایت دے اور ہماری جہالت کو معاف فرمائے۔

جاہل مقررین

میں مسلم کمیونٹی میں آمدورفت رکھتا ہوں جس کی وجہ سے کئی الٹی سیدھی تقریریں سننے کا اتفاق ہوتا رہتا ہے۔ ہم کانفرنسوں، اجلاسوں اور مذاکروں کے بہت عادی ہوچکے ہیں جن کی رونق بڑھانے کے لیے گلے پھاڑ پھاڑ کر نعرے لگائے جاتے ہیں۔ مقرر خواہ کتنی ہی بے ربط اور غیر منطقی باتیں کرے، اسے نعروں کے ذریعے داد ضرور ملتی رہتی ہے۔ جھنڈے اور جھنڈیاں بھی دکھائی دیتی ہیں اور لمبے لمبے بینرز بھی آویزاں ہوتے ہیں۔ ان نعروں میں تحسین بھی ہوتی ہے اور بے جا فخر ومباہات کا اظہار بھی ہوتا ہے۔ جب ہر قسم کی تقریر پر داد مل سکتی ہے تو مقرر کو ذہانت کی کیا ضرورت رہ جاتی ہے؟ بس خوبصورت اور چمکدار داڑھی اور صاف ستھرا لباس ہی کافی ہوتا ہے۔ نعرے لگانے والوں کو داد دینے کے اصولوں اور آداب سے کوئی غرض نہیں ہوتی۔ نہ ان کی کوئی رہنمائی کرنے والا ہوتا ہے اور نہ یہ خود کو کسی کے سامنے جوابدہ سمجھتے ہیں۔

یہ بھی بڑے شرم کی بات ہے کہ امریکہ کے مسلمان دنیا کی واحد قوم ہیں جو کسی مقرر کی تقریر کے دوران تالیاں نہیں بجاتے۔ بلکہ یوں ہوتا ہے کہ کوئی شخص زور سے چلاتا ہے ''نعرۂ

تکبیر'' باقی سب لوگ بیک آواز، اکتا دینے والے لہجے میں، کورس کی شکل میں تین دفعہ اس کا جواب دیتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ نبی کریمؐ نے طواف کعبہ کے دوران تالیاں بجانے سے منع فرمایا تھا۔ لیکن اس سے یہ مطلب کیسے لے لیا گیا کہ کسی خوشی کے موقع پر یا کسی کو داد دینے کے لیے تالیاں بجانے کی ممانعت ہوگئی ہے۔ طواف کعبہ کے دوران تالیاں بجانا بت پرستی کا مظہر تھا، لیکن کیا آپؐ نے مسلمانوں کو جائز خوشی کے اظہار کے لیے تالیاں بجانے سے منع فرما دیا تھا؟ اگر عورت نماز کے دوران تالی بجا سکتی ہے تو اسے بے حیائی کی علامت کیسے قرار دیا جا سکتا ہے۔ میں حیران ہوتا ہوں کہ اگر تالیاں بجانا قابل ملامت بات ہے تو لوگوں کو داد و تحسین کے کلمات کہنے سے کون روکتا ہے، تحسین کے کلمات بلند کرنا، احمقانہ نعرے بازی سے تو بہر حال بہتر ہوتا ہے۔

یہاں کی مسجدوں میں آمدورفت سے مجھے ایسے مسلمانوں سے بھی ملنے کے مواقع ملے جو سمجھتے ہیں کہ کوئی قانون جتنا زیادہ سخت ہوگا اس کی ''اسلامیت'' اتنی زیادہ مستند ہوگی۔ خدا اور اس کا رسولؐ آسانی اور سادگی کو اسلام کی نشانی قرار دیتے ہیں اور یہ مسلمان مشکل پسندی کو تقویٰ کی نشانی سمجھتے ہیں۔

ہمارے ہاں کسی سکالر کے میرٹ کا تعین اس کے مطالعے یا علم سے نہیں ہوتا بلکہ اس امر سے ہوتا ہے کہ وہ نامعقولیت کے دائرے کو کتنا دور دھکیل سکتا ہے؟ جتنی زیادہ نامعقولیت کا ثبوت دے گا، اتنا ہی بڑا ''عالم'' کہلائے گا۔ ایک مثال میرے سامنے یہ آئی کہ ایک نام نہاد عالم نے ایک خاتون کو تیرہ سال کی نمازیں دوہرانے کا مشورہ دیا اور ساتھ یہ بھی کہا کہ پانچ وقت کی فرض رکعتوں کے ہمراہ سنتیں (سنن الواجبہ) بھی دوہرائے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ اس عرصہ میں وضو غلط طریقے سے کرتی رہی تھی۔ اپنی بات کو زیادہ معتبر بنانے کے لیے اس نے یہ بھی کہا کہ سارے عرصے کی نمازیں دوہرانا اقرب الی التقویٰ ہے۔ اس خاتون نے میرے ہاں درس میں شرکت سے اسی بنا پر معذروی ظاہر کی کہ اسے پچھلی ساری نمازیں دوہرانے کے لیے بہت سا وقت درکار ہوتا ہے۔ اگر میں اسے اس کے برعکس مشورہ دیتا تو اس بنا پر وہ نہ مانا جاتا کہ سادہ لوح مسلمانوں کے دل میں مشکل پسندی کو تقویٰ کی نشانی کے طور پر نقش کر دیا گیا ہے۔ کیا ایسے لوگوں کے دل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کے لیے کوئی جگہ ہوگی کہ ''علم پر صرف کیے گئے چند لمحات ہزار نمازوں سے بہتر ہوتے ہیں۔''

کیا ان علما کو یہ بات سمجھ آ سکتی ہے کہ وضو میں تھوڑی سی فنی غلطی سے نمازیں باطل نہیں ہو جاتیں۔ اور یہ بھی کہ اگر بالفرض ساری نمازیں دوہرانا ہی پڑ جائیں تو سنتیں دوہرانا ضروری نہیں ہوتیں۔

یہاں تک تو تھا مذہبی رجحانات رکھنے والوں کا احوال، اب دوسروں کی بھی سن لیجیے۔ یہ لوگ یہاں کے کلچر کی ہر چیز کی مذمت کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ جس ہوا میں سانس لیتے ہیں اس کو بھی بری کہتے ہیں۔ یہ جہاں بھی جاتے ہیں کافروں کی برائیوں اور ان کے گناہوں کے تذکرے کرتے ہیں اور مسلمانوں کو سوسائٹی سے الگ تھلگ ہو کر زندگی گزارنے کی تبلیغ کرتے ہیں۔ پھر اچانک آپ پر یہ انکشاف ہوگا کہ یہ افراد فوجی صنعت کی ملازمت کر کے روزی کما رہے ہیں۔ بعض لوگ بڑے زور شور سے دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کی نفسیات پر امریکی کلچر کا سایہ تک نہیں پڑا مگر ان کی زبان اور اسلوب امریکی رنگ میں رنگا جا چکا ہے۔ مثلاً...... ''جو کوئی بھی تمہاری کشتی کو دھکیل رہا ہے'' یا ''ہمیشہ نمبر وَن کے متلاشی رہو'' کیا ان لوگوں کے یہ فقرے اسلامیت کی ترجمانی کرتے ہیں؟ اسی طرح یہ تصورات بھی انکی فکر و نظر میں رچ بس گئے ہیں کہ ''مذہب ایک پرائیویٹ معاملہ ہے''، ''یہ ایک ذاتی جذبہ اور اچھا لگنے والا ایک احساس ہے۔'' ان کے لیے اسلام، منشائے خداوندی کے سامنے سرِ نیاز جھکانا اور قلبی اطاعت نہیں رہا بلکہ خدا کی ''محکومی'' قبول کرنے کے مترادف ہے۔

سب سے زیادہ افسوس ناک بات یہ ہے کہ یہاں مسلم کمیونٹی کا تشخص، قانون، اصول، دینیات یا اخلاقیات کے حوالے سے نہیں ہوتا اور نہ خدا، سچائی یا خوبصورتی کے حوالے سے ہمیں پہچانا جاتا ہے۔ ہمارا تشخص صرف عدم تحفظ کی شدت کی نسبت سے ہوتا ہے، ہم عہد حاضر کی سلیقہ مند اور اختراع پسند (Innovative Synchronism) مخلوق نہیں بلکہ معاشرے کا ایک ڈرپوک اور بدہئیت و بے ہنر حصہ (Scary Deformity) ہیں اور جو لوگ اس بھدے و بدنما تصور کے مخالف ہیں اور اس داغ کو اپنی پیشانی سے ہٹانا چاہتے ہیں انہیں معاشرے سے کاٹ کر پھینک دیا جاتا ہے اور وہ ذہین بھگوڑے قرار پا جاتے ہیں۔

جولائی 2000ء

باب 56

اور جب شیطان بول اٹھے گا

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:
كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (اب دنیا میں وہ بہترین گروہ تم ہو جسے انسانوں کی ہدایت واصلاح کے لیے میدان میں لایا گیا ہے۔ تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور بدی سے روکتے ہو۔" سورۃ ال عمران۔ آیت 110)

اللہ تعالی اس قوم کی تعریف کرتا ہے جو اچھائیوں کو فروغ دیتی ہو اور برائیوں سے خود بھی باز رہتی ہو اور دوسروں کو بھی باز رکھنے کی کوشش کرتی ہو۔ قرآن مجید نے خدا کی پسندیدہ اور چنیدہ قوم بننے اور کہلانے کے لیے ایک شرط بتا دی ہے، یہ معاملہ اصولی ہے، نسلی نہیں ہے۔ اور کسی قوم کے شاندار ماضی کا بھی نہیں ہے۔ ماضی میں اگر کوئی قوم خدا کی نگاہ میں اچھی تھی تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اس کی آئندہ نسل کو بھی پسندیدہ قوم کی حیثیت حاصل رہے گی۔ خدا کی طرف سے سرفرازی عطا کرنے کا وعدہ مشروط ہے غیر مشروط نہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو کوئی ناانصافی کو دیکھ کر چپ سادھے رکھتا ہے وہ گونگے شیطان کی مانند ہوتا ہے۔ خدا ہمیں حکم دیتا ہے کہ ہم ہمیشہ سچ بولیں اور انکے خلاف بھی سچائی کی راہ پر ڈٹے رہیں جو ہمیں بے حد پیارے ہوں۔ حسب ونسب خونی رشتے اور محبت باعث برتری نہیں، برتری کلمۂ حق کو حاصل ہے اور اس کا کھلم کھلا اظہار کیا جانا چاہیے۔

ہمارے بزرگ و برتر اور رحمان ورحیم خدا نے اہل ایمان کو حق کے پرچم کو سربلند رکھنے کا حکم دیا ہوا ہے اور وہ ہم سے توقع رکھتا ہے کہ ہم ہمیشہ حق وصداقت کا ساتھ دیں گے۔ اگر

MashalBooks.org

اپنے قبیلے اور اپنے اعزہ واقربا اور والدین کے خلاف بھی گواہی دینی پڑے تو اس سے بھی گریز نہ کریں گے۔قرآنی الفاظ میں:

كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰى اَنْفُسِكُمْ اَوِالْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا فَلاَ تَتَّبِعُوْا الْهَوٰىٓ اَنْ تَعْدِلُوْا وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْراً.

(انصاف کے علمبردار اور خدا کے واسطے گواہ بنو اگر چہ تمہارے انصاف اور تمہاری گواہی کی زد خود تمہاری اپنی ذات یا تمہارے والدین اور تمہارے رشتہ داروں پر ہی کیوں نہ پڑتی ہو۔فریق معاملہ خواہ مالدار ہو یا غریب، اللہ تم سے زیادہ ان کا خیر خواہ ہے۔لہٰذا اپنی نفس کی پیروی میں عدل سے باز نہ رہو اور اگر تم نے لگی لپٹی بات کہی یا سچائی سے پہلو بچایا تو جان رکھو کہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ کو اس کی خبر ہے۔سورۃ النسآء آیت۔135)

ہم کیسے گواہی دے سکتے ہیں، جبکہ ہمیں اپنے عقوبت خانے کی دیواروں کے سوا کچھ بھی دکھائی نہ دے رہا ہو؟ اگر ہم آزاد نہ ہوں اور خوف کے سایوں میں پل رہے ہوں تو کیسے گواہی دے سکتے ہیں؟ کیا اہل ایمان کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ آزادی کی قربان گاہوں پر جا کر اپنی قربانی پیش کر دیں جبکہ قربان گاہیں بھوتوں اور شیطانوں کے کنٹرول میں ہوں؟ ان کی سب سے زیادہ دل شکنی تو اس بات سے ہوتی ہے کہ یہ بھوت اور شیطان خود کو مسلمان اور اہل ایمان کہتے ہیں۔تاہم اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ وہ خود کو کیا سمجھے بیٹھے ہیں۔نام کسی کو اس عہد کے تحت عائد ہونے والی ذمہ داریوں سے سبکدوش نہیں کرتا جو اس نے اپنے رب سے کر رکھا ہو۔اصل اہمیت عہد کی سچائی کی ہے۔جبکہ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جب متقی اور پرہیزگار لوگ چپ سادھ لیتے ہیں تو پھر شیطان بولنے لگتا ہے۔

میں کانفرنس میں بیٹھا اس عہد کی سچائی کی گواہی دے رہا ہوں، میرے ہاتھ میں ''رسالة ابليس الى اخوانه'' مصنفہ ''البیہقی'' (متوفی 494ھ/1100ء) پکڑی ہوئی ہے۔فاضل مصنف بڑے عرصے تک حنفی معتزلی رہا۔پھر حقائق کے بوجھ نے اسے ''زیدی'' مسلک اختیار کرنے پر مجبور کر دیا اور یہی کتاب مکہ میں اس کے قتل کا سبب بن گئی۔اب وہ اس کانفرنس میں شریک ہے۔اس کی یہ تصنیف ''رسالة ابليس'' لاکھوں مسودوں تلے دبی ہوئی

تھی تاوقتیکہ میرے مرشد و مربی حسین مدرسی نے اسے چھپوا دیا۔ البیہقی نے اپنی اس کتاب میں پوچھا ہے کہ اگر روز قیامت شیطان بولا تو وہ کیا کہے گا اور کس کی تعریف کرے گا؟ پھر مصنف خود ہی جواب دیتا ہے کہ شیطان ہر اس مسلمان کی تعریف وتوصیف کرے گا اور اس بات پر اس کا شکریہ ادا کرے گا کہ اس نے ہر نامعقول، غیر منصفانہ اور بھدی چیز کو خدا کے ساتھ منسوب کر کے اس کے لیے آسانیاں پیدا کر دی تھیں۔ جتنے لوگ اسلام کا حلیہ بگاڑنے اور اسے احمقوں کا مذہب بنا کر پیش کرنے میں لگے ہوئے ہیں نہ صرف خود گمراہی میں مبتلا ہیں بلکہ دوسروں کو بھی گمراہ کر رہے ہیں، شیطان اگر ان کا شکریہ ادا نہ کرے تو کیا کرے؟

مجھے اس امر پر حیرت ہونے لگی کہ اگر شیطان کو آج ہمارے بارے میں کچھ کہنا پڑے تو وہ کیا کہے گا؟ ہماری بیشمار صفات میں سے کس کس صفت کو سراہے گا؟ میرے خیال میں وہ ہمارے ان توہمات، ہیجانات اور شکوک وشبہات کی تعریف کرے گا جو ہمیں خدا کو چھوڑ کر دوسروں کی درگاہوں پر سجدہ ریز ہونے کی ترغیب دیتے ہیں۔ شیطان اس بات پر بھی خوشی منائے گا کہ خدا نے ہمیں ''اقراء'' کا حکم دیا اور ہم ''فلسفہ فعالیت'' (Activism) کے ہسٹیریا کے اسیر اور نامعقولیت کی راہ کے راہی بن گئے۔ کیا شیطان کی نگاہ میں اس سے بہتر کوئی قوم ہو سکتی ہے جو اپنی بیوقوفی پر جشن بنائے اور دلائل ومعقولیت کو کفر سمجھے۔ کیا فسق وفجور کی دنیا کے لیے اس قوم سے کوئی بہتر تحفہ ہو سکتا ہے جو علم کو وجود ہستی کی سچائیوں کا صدر دروازہ سمجھنے کی بجائے محض ایک ذریعہ آرائش وخودنمائی سمجھتی ہو۔ کیا شیطان یہ دیکھ کر خوشی سے بے حال نہیں ہو جاتا ہوگا کہ ایک قوم اپنے ماضی سے کچھ بھی سیکھنے کو تیار نہیں بلکہ عقل کی گاڑی کے لیے نئے سرے سے پہیے ایجاد کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔ کیا اس سے بڑی کوئی گمراہ ہو سکتی ہے کہ ایک قوم اس ''علم'' کے خلاف گواہی دینے کے لیے اٹھ کھڑی ہو جس کا اسے کچھ بھی پتہ نہیں اور صرف سنی سنائی باتوں کی بنیاد پر لوگ ایک دوسرے سے بڑھ کر گواہ بننے کی کوشش کر رہے ہوں؟ کیا حقیقت سے آگاہی کے بغیر شہادت دینا اور تقریریں کرنا، جھوٹ، دھوکہ اور دروغ حلفی نہیں؟ شیطان ان لوگوں کے بارے میں کیا کہے گا جو جابر حاکموں کو منبر پر بٹھا دیں اور جاہلوں کو قیادت کی ذمہ داری سونپ دیں؟ شیطان ان لوگوں کی کتنی تعریف وتوصیف کرے گا جو مذہب کو محض وقت گزاری کا مشغلہ سمجھتے ہوں۔ کیا شیطان ہمارے نابالغ ذہن کے بزرگواروں کو دیکھ کر خوشی نہیں مناتا ہوگا جو اسلام کو صرف ایک فیشن شو سمجھتے ہیں اور جن کا سارا

MashalBooks.org

مبلغ علم ان کی خودرائی پر مشتمل ہے؟ انہیں نہ کتابوں کی ضرورت ہے اور نہ علم کا کوئی احتیاج ہے اور وہ محض عمر بڑھ جانے کی وجہ سے خود کو عظیم المرتبت سمجھنے لگے ہیں۔ جوں جوں ان کی داڑھی کے بال بڑھ رہے ہیں، اسی تناسب سے ان کی ''عقل اور تقویٰ'' کی شہرت میں اضافہ ہو رہا ہے۔

شیطان کو اس سے زیادہ خوشی کیسے ہو سکتی ہے کہ وہ اپنے سامنے ایک ایسی قوم کو پا رہا ہے جو اپنی حلفی شہادت (Testimony) کو خود سنسر کر رہی ہے۔ کتاب کے اصل متن کی تطہیر کر رہی ہے اور اس کے بعض اہم اجزاء کو ممنوعہ قرار دے رہی ہے۔ اس سے زیادہ ستم ظریفی کیا ہو سکتی ہے کہ جن لوگوں سے حرمین شریفین کے تقدس کی حفاظت کی توقع کی جاتی ہے وہ اسلام کے ذہنی ورثے کا حلیہ بگاڑنے پر تل گئے ہیں۔ اس سے زیادہ قابل نفرت بات کیا ہو سکتی ہے کہ مدعیان تقویٰ و پرہیزگاری اسلام کے ذہنی ورثے کے چور بن چکے ہیں؟ اس قوم سے زیادہ بدصورت قوم کونسی ہو سکتی ہے جو افکار پر پابندی لگا دے، ضمیر کا گلا گھونٹ دے، اپنے سکالرز کے چہروں کو مسخ کر دے اور پھر اپنے ان اقدامات کو اپنا مذہبی فریضہ سمجھے؟ کسی قوم کے لیے اس سے بڑھ کر مضحکہ خیز بات کیا ہو گی کہ وہ نعرہ تو یہ لگائے کہ صرف خدا سے ڈرو لیکن دوسرے انسانوں سے لرزہ براندام رہتی ہے۔ مجھے شیطان کا یہ فخریہ اعلان اپنے کانوں سنائی دے رہا ہے کہ سرزمین نبوی میں ستم کے پہاڑ توڑے جا رہے ہیں عقوبت خانے انسانوں سے کھچا کھچ بھرے ہوئے ہیں۔ بندوں کے حقوق کی دھجیاں بکھیری جا رہی ہیں لیکن ان کے حقوق سے پہلے خدا کے حقوق پامال کیے جا رہے ہیں۔ ہم اپنے خدا کو کیا بتائیں کہ اس سرزمین میں ہزاروں عورتوں کی عصمت دری کی جاتی ہے اور ہزاروں تارکین وطن کو شدید بدسلوکی اور بے حرمتی کے شکار ہونا پڑتا ہے۔ جبکہ ارتکاب جرم کرنے والے سزا سے اس لیے بچ جاتے ہیں کہ قومی وقار پر حرف نہ آنے پائے۔

کیا شیطان انسانی تذلیل کے ان واقعات پر خوشیاں نہیں مناتا ہو گا؟ وہ اس قوم کے بارے میں کیا کہتا ہو گا جو اپنی آبادی کے خلاف شہادتوں کو منظر عام پر نہیں آنے دیتی اور یہ کام پردہ پوشی، حیاداری کے نام پر کیا جاتا ہے؟ شیطان اس خاتون کے بارے میں کیا کہتا ہو گا جسے سیاہ کپڑوں میں لپیٹ کر پردوں کے پیچھے بٹھا دیا جاتا ہے اور حکم دیا جاتا ہے کہ وہ اپنا منہ کھولنے کی کوشش نہ کرے؟ ہم میں سے بعض لوگوں کا دعویٰ ہے کہ عورت پر صرف نگاہ پڑ

جانے اور اس کی آواز سنائی دے جانے سے، شیطان کی فسوں کاری کے بغیر بھی ہمیں ترغیب گناہ مل جاتی ہے۔ کیا یہ ستم ظریفی نہیں کہ ہم نے شیطان کو بتا دیا ہے کہ اسے خوش ہونے کے لیے کوشش کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، ہم خود ہی اسے شاد کام بنا دیں گے۔

یہ نا قابل تردید حقیقت ہے کہ شیطان اکثر تقویٰ کی آڑ میں اپنی کاروائیاں دکھاتا ہے۔ اگر ہم ایسے لوگوں کے تقدس کے پردے کو اٹھا کر دیکھیں تو اس کے پیچھے شیطان اطمینان سے بیٹھا اپنے دانت نکوس رہا ہوتا ہے۔ امام ابن تیمیہ نے ایک بار کہا تھا ''بزدلی بڑی حد تک تقویٰ سے مماثلت رکھتی ہے، اس کا سبب یہ ہے کہ یہ دونوں اجتناب اور گریز ہی پر مبنی ہوتی ہیں۔'' لیکن تقویٰ کا گریز و اجتناب بھی جہالت اور حماقت کے پیچھے خود کو چھپا سکتا ہے۔ حقیقی تقویٰ اور جعلی تقویٰ میں فرق کرنا بے حد مشکل کام ہے۔ ہم نے زندگی کی بے شمار برائیوں پر ظاہری پرہیزگاری کا پردہ تان رکھا ہے۔

اگر شیطان بول پڑا تو وہ کیا کہے گا؟ ہمارا اجتماعی وجود تو خود ہی برائیوں اور عیبوں سے گل سڑ کر جھڑنے کے قریب پہنچ چکا ہے اور اس میں سے نکلنے والی سڑاند خوف و ہراس کے باعث بوجھل ہو چکی ہے۔ ہم اپنے بارے میں کیا گواہی دے سکتے ہیں، جب ہم نہ بولے تو شیطان خود بول اٹھے گا۔

جون 2000ء

MashalBooks.org

باب 57

کتاب اللہ میں تحریف

اس ''کانفرنس'' کی بنیاد کتاب کے حسن پر رکھی گئی ہے جبکہ ہماری تہذیب ہی کتابوں کی تہذیب ہے۔ خدا کی سمت جانے والے ہمارے راستے کی رہنمائی بھی کتاب ہی کرتی ہے ہمیں اپنی صلاحیتوں کی قدرو قیمت کا احساس بھی کتابوں سے ہوتا ہے۔ ہمارا خدا ہم پر کتاب کے ذریعے ظاہر ہوا ہماری شناخت کا تعین بھی کتابوں نے کیا۔ چنانچہ ہم کتاب کو کیسے مسخ کر سکتے ہیں اور کتابوں سے بے وفائی کرنے والوں میں سے کیسے ہو سکتے ہیں؟

یہ لوگ کس گھمنڈ پر خود کو خدا کے سپاہی قرار دیتے ہیں اور کس شوخی کے ساتھ اس کے اختیارات اپنے ہاتھ میں لے لیتے ہیں، یہ کس ڈھٹائی سے اپنے اندیشوں اور نفرتوں کو خدا کی کتاب کے اندر داخل کر دیتے ہیں۔ ستم بالائے ستم یہ کہ یہ خود کو خدائی محافظ بھی کہتے ہیں۔ دنیا میں ہونے والوں گناہوں میں اس سے بڑا گناہ کیا ہو سکتا ہے کہ خدا کے کلام کو غصب کیا جائے اور پھر بے خوف ہو کر اس کی غلط ترجمانی کی جائے؟

خدا نے عہد کر رکھا ہے کہ وہ اپنے کلام کو تبدیل کرنے والوں سے ذرا بھی نرمی نہیں کرے گا اور ان کی اس حرکت پر انہیں دردناک عذاب میں مبتلا کرے گا۔ (دیکھ لیجیے: سورۃ النسآء کی آیت 46، سورۃ المآئدہ کی آیت 13، سورۃ یونس کی آیت 64، سورۃ الکہف کی آیت 27) خدا کے متعلق ایسی بات کہہ دینا جس کا کہنے والوں کو پتہ ہی نہیں، یا جو بات کہنے کی انہیں اجازت نہ ہو خدا نے ان کے بارے میں سخت نفرت کا اظہار کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو سورۃ البقرہ آیت 80، سورۃ الاعراف آیت 28، سورۃ یونس 68) پھر بھی ہم ایسے زمانے میں اور ایسے مقامات پر رہتے ہیں جہاں خدا کے کلام کو تبدیل کرنے کی پوری آزادی ہے۔ اور

اسے مسخ کر کے بھی پیش کیا جا سکتا ہے۔ بڑے بڑے اسلامک سنٹرز اور بلند بانگ لیڈروں اور لفاظ مبلغوں کو اس کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔

ان کے تکبر اور گھمنڈ نے انہیں باور کرا دیا ہے کہ وہ اسلامی کتب میں جیسے چاہیں تبدیلی کر سکتے ہیں، کس کی مجال ہے کہ روک ٹوک کرے۔ ان لوگوں نے قرآن کی تفسیروں میں بھی ردو بدل کرنے سے گریز نہیں کیا۔ عام مسلمان اتنے بڑے گناہ پر بھی خاموش تماشائی بنے رہتے ہیں۔ مثال کے طور پر ''تفسیر الجلالین'' کی شرح ''حاشیات السوی'' میں سے متعدد پیراگراف حذف کر دیئے گئے ہیں۔ اگر کوئی یہ سمجھا ہے کہ مالکی فقیہہ احمد السوی (متوفیٰ 1241ھ/1353ء) نے جائز حدود سے تجاوز کیا ہے لیکن اس سے کسی دوسرے کو فراڈ کرنے اور السوی کے متن میں ردوبدل کا اختیار نہیں مل جاتا۔ ابوحیان الاندلسی (متوفیٰ 754ھ/1353ء) کی تفسیر قرآن ''النہرالمد'' میں سے وہ حصے حذف کر دیئے گئے ہیں جن میں خدا کے عرش کے بارے میں ابن تیمیہ کے نظریات کا حوالہ دیا گیا تھا۔ طبع شدہ متن میں سے متذکرہ جملے کوئی حوالہ یا اشارہ دیئے بغیر خارج کر دیے گئے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی نیم خواندہ بیوروکریٹ کسی شاہزادے یا بادشاہ کے عطا کردہ تکیے پر ٹیک لگائے بلند پایہ فقہا کی تحریروں میں ردو بدل کرنے کے احکامات صادر کر رہا ہے، حالانکہ اس کم مایہ شخص کو ان فقہا کے ساتھ کوئی نسبت ہی نہیں ہے۔ ان لوگوں نے فقہائے کرام کی تحریروں کو ایڈٹ کرنے پر ہی اکتفا نہیں کی بلکہ ان کی دست برد سے قرآن مجید اور احادیث کے انگریزی تراجم بھی محفوظ نہیں رہ سکے۔

تقریباً پانچ سال سے سعودی عرب کا چھپا ہوا قرآن مجید کا ایک خوبصورت ترین انگلش ٹرانسلیشن امریکہ کے تقریباً سبھی اسلامک سنٹرز میں مفت تقسیم کیا گیا ہے۔ یہ ترجمہ جسے میں ''ٹروجن ہارس ٹرانسلیشن'' کہتا ہوں، مسلمانوں کے ہر بک سٹور اور ہر انگلش سپیکنگ اسلامک سنٹر میں دستیاب ہے، اس کے مترجمین یا مصنفین مدینہ یونیورسٹی کے پروفیسرز ہیں، پرنٹنگ انتہائی نفیس ہے، گویا جی کھول کر اخراجات کیے گئے ہیں، صفحہ اول پر عبدالعزیز بن باز کی طرف سے اس کے مستند ہونے کا سرٹیفکیٹ چھپا ہوا ہے۔ یہ صاحب ''ادارة البحوث العلميه والافتاء والدعوة والارشاد'' کے سربراہ ہیں۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ یہ انگریزی زبان سے بالکل نابلد ہیں لیکن انہوں نے دقیق انگریزی میں کیے گئے ترجمے کے مستند ہونے کا

سرٹیفکیٹ جاری کر دیا ہے۔ تاہم انصاف کی بات یہ ہے کہ انگریزی میں ان کی سند کے الفاظ کا ترجمہ پوری دیانتداری سے کیا گیا ہے کیونکہ اس میں ان کے مخصوص مزاج کی جھلک صاف طور پر محسوس ہو رہی ہے۔ کتاب کے کور پر لکھی ہوئی عبارت سے اس سے یہ تاثر دیا گیا ہے کہ اس کا قاری نہ صرف قرآن کے معنوں سے مستفید ہو گا بلکہ اسے مصنفین کی بصیرت قرآنی کے علاوہ قرونِ اولیٰ کے جید علما، الطبری، القرطبی، ابن کثیر اور بخاری کی تفاسیر سے بھی استفادے کا موقع ملے گا۔ کتاب میں ایک کالم میں قرآن کا عربی متن ہے اور سامنے والے کالم میں ہر آیت کا انگریزی میں ترجمہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ صفحے کے نچلے حصے میں وہ احادیث نقل کی گئی ہیں جو اس کی وضاحت کرتی ہیں۔ لیکن عربی متن کی یہ تفسیر تصرف بے جا کے سوا کچھ نہیں، بعض اوقات اتنی بے تکلفی برتی گئی ہے کہ خوف آنے لگتا ہے۔

انگریزی متن میں خارجی نمود بری طرح کھٹکتی ہے، جس کی تصدیق اس امر سے ہوتی ہے کہ جگہ جگہ جملہ ہائے معترضہ کو خطوط وحدانی میں دے کر عبارت کو من پسند معنی پہنا دیئے گئے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ جو قاری عربی نہیں جانتا وہ یہ تاثر لیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ خدا کے کلام کے اصل معانی وہی ہیں جو خطوط وحدانی میں دیئے گئے ہیں۔ میں اس ''تجاوز'' کی وضاحت کے لیے چند ایک مثالیں پیش کروں گا۔ مصنفین نے 33ویں سورۃ الاحزاب کی آیت 59 کا ترجمہ یوں کیا ہے:

> ''اے نبیؐ اپنی بیویوں اور اپنی بیٹیوں اور اہل ایمان کی عورتوں سے کہہ دیجیے کہ وہ اپنے جسموں کو پوری طرح چادروں (حجاب) میں لپیٹ لیا کریں (خود کو پوری طرح ڈھانپ لیا کریں ماسوائے ایک، یا دونوں آنکھوں کے تاکہ راستہ دیکھ سکیں) یہ ان کے لیے بہتر ہو گا تاکہ دیکھنے والوں کو پتہ چل جائے (کہ ہم آزاد اور باوقار خواتین ہیں) اور وہ انہیں تنگ نہ کریں۔ اور اللہ معاف کرنے والا اور نہایت مہربان ہے۔''

اس ترجمے میں مصنفین کا اصرار ہے کہ خدا کا حکم یہ ہے کہ عورتیں ایک بڑی چادر میں خود کو یوں ڈھانپ لیا کریں کہ سوائے ایک یا دونوں آنکھوں کے سب کچھ چھپ جائے۔ یہاں مصنفین نے کھلے دل سے ''چادر'' کو ''پردے'' کے مساوی قرار دیا ہے اور ان کے کہنے کے مطابق خدا نے واضح طور پر حکم دیا ہے کہ چادر یا پردے کو پوری طرح عورت کا جسم

ڈھانپ دینا چاہیے۔ مصنفین کا یہ دعویٰ عربی کے الفاظ کی روشنی میں ناقابل مدافعت ہے۔
اس آیت کا محتاط اور لغوی ترجمہ یوں بنتا ہے:

> ''اے نبیؐ اپنی بیویوں، بیٹیوں اور اہل ایمان کی عورتوں سے کہہ دیجیے کہ وہ اپنے کپڑوں کو نیچے (یا ممکن ہو تو اپنے اوپر کھینچ لیں) یہ ان کے لیے بہتر ہے تا کہ وہ پہچانی نہ جا سکیں اور تنگ نہ کی جائیں۔ اور اللہ معاف کرنے والا اور نہایت مہربان ہے۔''

یہاں عربی متن کے یہ الفاظ غور طلب ہیں، ''یُدْنِیْنَ عَلَیْھِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِھِن'' ان کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ ''اپنے کپڑوں کو نیچے کھینچیں'' اور یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ ''اپنے کپڑوں کو اپنے جسموں کے قریب تر کر لیں'' ''جَلَابِیْبِھِن'' کے لفظی معنی ''ان کے کپڑے'' ہیں۔ ''جلباب'' جو ''جلابیب'' کا واحد ہے، اس سے مراد ''پہنی جانے والی پوشاک'' ہے، ڈھانپی جانے والی چادر نہیں۔ ''جلباب'' ایک ڈریس یا عربوں کی عبا کی طرح ہوتی ہے جسے ٹانکے لگے ہوتے ہیں یا ڈوریوں میں بندھی ہوتی ہے۔

سنگل پیس کا کپڑا مثلاً چادر یا عبایہ جسے جدید دور کی عورت اپنے جسم پر لیتی ہے، اسے عام زبان میں ''جلباب'' نہیں کہا جائے گا۔ ''یُدْنِیْنَ'' کے لفظی معنی ''قریب لانا'' یا ''نیچے کرنا'' ہے، جو ''پوشاک'' بنتی ہے۔ اس لیے اس آیت سے یہ تعبیر لی جا سکتی ہے کہ ٹانگیں ڈھانپ لی جائیں یا دھڑ کو زیادہ احتیاط کے ساتھ ڈھانپ لیا جائے جو بھی حیا کے تقاضوں کو پورا کر سکے۔ لیکن اصل متن مصنفین کے ترجمے کی تائید نہیں کرتا۔

فقہا کے درمیان اس آیت کے بارے میں شروع سے ہی اختلاف موجود رہا ہے۔ بعضوں کا کہنا ہے کہ یہ ٹانگوں یا چھاتی کو ڈھانپنے کا حکم دیتی ہے لیکن اکثریت کا خیال ہے کہ یہ پورے جسم کو سوائے چہرہ، ہاتھ اور پاؤں کے، ڈھانپنے کا تقاضا کرتی ہے۔ ایک قلیل تعداد جن میں عبیدہ السلمانی اور ابن عباس شامل ہیں، ان کا خیال ہے کہ یہ عورتوں کو صرف چہرہ ڈھانپنے کا حکم دیتی ہے۔ خاص طور پر اہم بات یہ ہے کہ ابن عباس کے خیالات کے بارے میں ملنے والی روایات تضاد سے مبرا نہیں ہیں۔ بعض روایات میں یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ وہ چہرہ اور ہاتھ ڈھانپنے کے حق میں نہیں تھے۔ بہت سے فقہاء جو اقلیتی رائے کے حامی تھے، ان کی دلیل یہ تھی کہ عورتوں کو ہاتھ اور چہرہ ڈھانپنے کی ہدایت بطور مذہبی فریضہ نہیں دی گئی تھی بلکہ اس

MashalBooks.org

لیے دی گئی تھی کہ غلام عورتوں اور آزاد عورتوں کی الگ الگ شناخت ہو سکے۔ آزاد اور غلام عورتوں کے مابین امتیاز کے نقطے سے ایک نہایت اہم اور دور رس مسئلہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اس لیے اس پر زیادہ اچھی طرح غور کیا جانا چاہیے۔ تقریباً سبھی شارحین اس بات پر متفق ہیں کہ یہ آیت عورتوں کی عصمت کی حفاظت کے لیے اتاری گئی تھی، وہ بتاتے ہیں کہ مدینے میں چند نوجوانوں اور بدمعاشوں کا ایک گروہ دندناتا پھرتا تھا جو عورتوں کو ہراساں کرتا رہتا تھا اور موقع ملنے پر راتوں کو ان کی بے حرمتی بھی کر ڈالتا تھا۔ یہ غنڈے غلام عورتوں کو تلاش کرتے تھے، آزاد عورتوں سے دور رہتے تھے ان کی شناخت لباس سے ہی کرتے تھے۔ اگر عورت جلباب پہنے ہوتی تو وہ اسے آزاد سمجھ کر قریب نہیں جاتے تھے، اگر ایسا نہ ہوتا تو اسے غلام سمجھ کر چھیڑ چھاڑ شروع کر دیتے تھے۔ ان مفسرین کے مطابق یہ آیات خاص طور پر اسی مسئلے کی وجہ سے نازل ہوئی تھیں، نتیجتاً بہت سے لوگوں نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ ''جلباب'' کے لیے ''علت'' اسی قسم کے مسائل تھے۔ لہٰذا اب اس ''علت'' کا تجزیہ کر کے قانون اس کے مطابق بننا چاہیے۔ اگر مسئلہ آزاد عورت اور غلام عورت کے فرق کا نہ ہو، اور خواتین کو ہراساں کرنے یا عصمت دری کا خطرہ بھی نہ ہو تو پھر اس آیت سے یہ احکامات اخذ کرنا درست نہیں۔

اس تجزیئے سے شرم وحیا اور محفوظ طرز عمل کے لیے ایک عمومی اخلاقی اصول اخذ کرنا بالکل ممکن ہے اور یہ دلیل بھی لائی جا سکتی ہے کہ یہ آیات شرم وحیا اور ضبط نفس کے لیے سماجی اقدار کا تعین کر رہی ہیں۔ پہلے دور کے فقہاء کی اکثریت نے اس آیت پر انحصار کر کے یہ موقف اختیار کیا تھا کہ غلام عورت کا ''عورة'' (جسم کے خفیہ حصے جنہیں لازماً ڈھانپ کر رکھا جانا چاہیے) اور آزاد عورت کے ''عورة'' سے مختلف ہوتا ہے۔ یعنی آزاد عورت کا سارا جسم ''عورة'' ہے ماسوائے چہرے ہاتھوں اور (غالباً) پاؤں کے۔ لیکن فقہا کے کہنے کے مطابق کنیز کو بال، گردن اور بازو ڈھانپنے کی ضرورت نہیں، بعضوں نے سینے کو ڈھانپنا بھی غیر ضروری قرار دے دیا۔ اس سے قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس امتیاز کا سبب کیا ہے؟ کیا کنیز کے بال، بازو یا سینہ آزاد عورت کے ان اعضا کے مقابلے میں کم دلکش ہوتا ہے۔ اس کا جواب یقیناً اثبات میں نہیں ہے۔ کنیز کا جسم، آزاد عورت کے جسم سے ہرگز کم درجے کا دلکش نہیں ہوتا۔ لہٰذا اس جواب کا انحصار بڑی حد تک معاشرتی معیارات (Social Norms) پر ہے۔ اس دور کے معاشرتی معیارات وضع کرنے والوں نے کنیزوں کے بالوں

کو کھلے رکھنے کو بے حجابی اور ناشائستگی قرار نہیں دیا تھا۔ جبکہ آزاد عورتوں کے ''جلابیب'' نہ اوڑھنے یا نہ پہننے کو باعث شرم سمجھا جاتا تھا۔ جلابیب میں بدن چھپ جانا اور بالوں کا بھی جزوی طور پر ڈھانپا جانا مطلوب تھا۔ اس سے اور بھی بڑے بڑے سوالات پیدا ہو گئے۔ ایک سوال یہ کہ یہ آیت ایک خاص سماجی دستورالعمل پر کس حد تک اثر انداز ہوتی ہے۔ اور دوسرا یہ کہ اس خاص مقصد کی تکمیل کے بعد اس کی کس حد تک تعمیم (Generalisation) کی جا سکتی ہے۔ اس آیت کی تعمیم کا ایک طریقہ تو یہ ہے کہ اس سے بنیادی اخلاقی اقدار ''کشید'' کی جائیں یعنی شرم و حیا اور سلامت روی کے طور طریقے اخذ کیے جائیں، یہ خیال خاصا بحث طلب ہے۔ یہاں ایک اہم ترین نقطہ بعض پیچیدہ مسائل کو جنم دیتا ہے جن پر گہرے غور و فکر کی ضرورت ہے۔ لیکن آیت کے بارے میں ایک خاص اقلیتی رائے کو زبردستی نافذ کرنا، خدا کے کلام کو محدود کرنا اور اسے غلط معنی پہنانے کے مترادف ہے۔ مصنفین نے متن کو دانستہ طور پر منفرد معنوں کے اندر محدود کر کے عورت کے بارے میں اپنے تعصّبات کو فروغ دیا ہے۔

عورت اور پردے کے موضوع پر ہی مصنفین نے سورۃ النور (24) کی 31 ویں آیت کا ترجمہ یوں کیا:

> اور مومن عورتوں سے کہہ دیجیے کہ وہ اپنی نظروں کو نیچی رکھیں (ممنوعہ چیزوں کو دیکھنے سے) اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں (غیر قانونی جنسی افعال سے) اور اپنی آرائش بدن کو ظاہر نہ ہونے دیں ماسوائے ان حصوں کے جو کھلے رہتے ہیں۔ (مثلاً ہتھیلیاں، ایک یا دو آنکھوں کے جتنا کہ وہ راستہ دیکھنے کے لیے استعمال ہوتی ہیں یا اوپر کا لباس مثلاً اوڑھنی، دستانے، ہیڈکور، اپرن وغیرہ۔) اپنے جُیُوبِهِنَّ (اپنے بدن، چہرے، گردن اور سینے) کو اوڑھنیوں سے ڈھانپے رکھیں اور اپنے زیب و زینت کو کسی پر ظاہر نہ کریں ماسوائے اپنے خاوندوں اور باپوں کے............''

لیکن اس کا لغوی لحاظ سے درست اور زیادہ دیانت دارانہ ترجمہ یوں ہونا چاہیے تھا۔

''اور مومن عورتوں سے کہہ دیجیے کہ وہ اپنی نظروں کو نیچی رکھیں، اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی آرائش بدن کو ظاہر نہ ہونے دیں سوائے ان حصوں کے جو عام طور پر کھلے رہتے ہیں اور یہ کہ اپنی اوڑھنیوں سے اپنے سینوں کو

ڈھانپے رکھیں اور اپنے حسن کی نمائش نہ کریں، ماسوائے اپنے خاوندوں اور باپوں......"

قرآنی عربی عورتوں کو ہدایت دیتی ہے کہ وہ اپنی "خمر" لیں اور اپنی "جیب" (جمع "جیوب") کو ڈھانپیں۔ عربی زبان یہ کہتی ہے:

وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُوْرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ

جس کا مطلب یہ ہے کہ عورتیں اپنی "خمر" لیں اس کے ساتھ ڈھانپیں یا اسے اپنے سینے پر رکھیں۔ ابن منظور (متوفی 711ھ/1311ء) کی تیار کردہ لغت "لسان العرب" جو نہایت معتبر ڈکشنری مانی جاتی ہے، اس کے مطابق "خمر" کے معنی کپڑے کا ایسا ٹکڑا ہے جو سر پر باندھا جاتا ہے یا رکھا جاتا ہے۔ مرد کی پگڑی کو بھی "خمر" کہا جا سکتا ہے۔ اور پگڑی باندھے ہوئے مرد کو "مختمر" کہا جا سکتا ہے۔ "جیب" انسان کی چھاتی کو کہتے ہیں۔ اس سے وہ جگہ بھی مراد لی جا سکتی ہے جہاں گردن اور چھاتی ایک دوسری کو ملتی ہیں اور عورت کے پستانوں کے درمیان نشیبی جگہ کے آغاز (Cleavage) کو بھی "جیب" کہا جا سکتا ہے۔ علاوہ ازیں قمیض، لباس کے بالائی حصے یا پاکٹ کے لیے بھی یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔ فقہا کا کہنا ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں "خمر" ایک ایسا کپڑا ہوتا تھا جسے عورتیں اپنے گلے میں ڈال کر پیچھے کی طرف پھینک دیتی تھیں اور ان کا سر اور چھاتی ننگی رہتی تھی۔ بظاہر یہ آیت یہ ہدایت دیتی ہے کہ سر پر یا گلے میں ڈالے جانے والے "خمر" سے چھاتی بھی ڈھک جانی چاہیے۔ مفسرین قرآن بار بار اس بات پر زور دیتے ہیں کہ مکہ اور مدینہ کی عورتیں خواہ سر ڈھانپ بھی لیتیں مگر چھاتی کھلی رکھتی تھیں عین ممکن ہے کہ وحی کے ان الفاظ کا مقصد ان عورتوں کو اس کپڑے سے چھاتیاں بھی ڈھانپنے کی تاکید کرنا ہو۔ لیکن خواہ پوزیشن کچھ بھی ہو اس آیت میں اس طرف کوئی اشاہ نہیں کہ "خمر" سے چہرہ یا ہاتھ ڈھانپے جانا چاہئیں۔ اگر اس آیت کا مطلب چہرہ ڈھانپنا ہوتا تو الفاظ یہ ہوتے "وَالْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى وُجُوهِهِنَّ" (انہیں ہدایت کر دو کہ "خمر" کو چہرے پر ڈالا کریں۔) جو چیز چہرے کو جزوی طور پر ڈھانپتی ہے اس کے لیے عموماً "نقاب" کا لفظ استعمال ہوتا ہے اور جو چیز سر پر لی جاتی ہے اسے "خمر" کہا جاتا ہے۔ لیکن قرآنی آیات میں "نقاب" کہیں بھی نہیں آیا۔ اگرچہ آیت واضح طور پر بال ڈھانپنے کا مطالبہ نہیں کرتی، یہ دلیل دی جا سکتی ہے کہ یہ آیت ایسا "قیاس" (Assume) کر رہی ہے

MashalBooks.org

لیکن اس آیت میں سے اس سے زیادہ مفہوم اخذ کرنے کا مطلب پٹڑی پر سے بالکل ہی اتر جانے کے مترادف ہوگا۔

یہ بات بھی نوٹ کی جانی چاہیے کہ یہ آیت یہ بیان کر رہی ہے کہ عورتوں کو اپنی زینت کا اس سے زیادہ اظہار نہیں کرنا چاہیے جتنا کہ بالعموم ظاہر ہو جایا کرتا ہے۔ عربی میں......''الا ماظہر منھا'' جو کہا گیا ہے یہ غیر معین مجموعۂ الفاظ (Ambiguous Phrase) ہے۔''وہ جو معمول کے طور پر دکھائی دے جائے۔'' اس سے یہ سوال سامنے آ کھڑا ہوگا کہ کیا رسم ورواج یا سماجی پیمانے شرم وحیا کے تصورات پر اثر انداز ہو سکتے ہیں؟ فقہا کی اکثریت کا اصرار یہ ہے کہ ''وہ جو معمول کے طور پر دکھائی دے جائے'' سے دو واضح مفہوم نکلتے ہیں۔ پہلا ہے ''عرف'' یا ''عادۃ'' (مروجہ طور طریقے) اور دوسرا مفہوم ''حرج'' (اذیت یا جھنجھٹ) ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ یہ فقرہ ان چیزوں کی طرف اشارہ کرتا ہے جو مسلمہ طور پر بناؤ سنگھار کی ذیل میں آتی ہیں اور باعث تحریص وترغیب بھی بن سکتی ہیں۔ لیکن وہ ایسا بناؤ سنگھار ہیں جسے اس لیے نہیں ڈھانپا جاتا کہ یہ عام طور پر نہیں ڈھانپی جاتیں، یا اس لیے کہ اس سے خواہ مخواہ کا جھنجھٹ (Hardship) مول لینا پڑتا ہے۔ چنانچہ ابوحیان اندلسی (متوفیٰ 754ھ/1353ء) اور الرازی (متوفیٰ 606ھ/1210ء) جیسے فقہا نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے اس سے پیدا ہونے والے تین قضیوں پر بحث کی ہے۔ پہلا یہ کہ وہ اعضا جو عموماً دیکھنے میں آتے ہیں، دوسرا یہ کہ وہ اعضا جو اس لیے دکھائی دے جاتے ہیں کہ انہیں ڈھانپنے میں غیر ضروری پریشانی اٹھانا پڑتی ہے اور تیسرا یہ کہ متذکرہ دو صورتوں کو دائرہ حجاب میں کیسے لایا جائے؟ حجاب کے یہ معنی نہیں ہیں کہ زیب وزینت کی تمام شکلوں یا ترغیب کا سبب بننے والی تمام صورتوں کو ختم کر دیا جائے۔ اس ضمن میں دو باتیں کہی جا سکتی ہیں ایک یہ کہ تحریص وترغیب کا مکمل خاتمہ اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک عورت کو معاشرے سے بالکل ہی خارج نہ کر دیا جائے۔ اور دوسری یہ کہ قرآن تسلیم کرتا ہے کہ بعض زینتیں قدرتی ہیں اور ان کا اظہار جائز ہے۔ پردے کا کم سے کم تقاضا یہ ہے کہ بدن کو کپڑوں میں رکھا جائے اور چھاتی کا حصہ لازماً ڈھانپا جائے۔ زیادہ تر فقہا نے اس بحث سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ چہرہ اور ہاتھ ایسا سنگھار ہیں کہ جنہیں ڈھانپا نہیں جا سکتا کیونکہ عورتوں کو ایسا کرنے کے لیے کہنا ان کے لیے مشکلات کا باعث بنے گا۔ اور اس لیے بھی کہ مسلمہ معاشرتی رسوم ایسا کرنے میں

رکاوٹ بنیں گی۔ بعض فقہا نے روزمرہ کے مسائل کو سامنے رکھتے ہوئے عورت کے کانوں، کلائیوں، گردن، پاؤں اور نصف بازو کی لمبائی کے برابر پنڈلیوں (گھٹنے سے نیچے) کو کھلا رکھنے کی اجازت دی ہے۔ دیگر فقہا نے یہ دلیل دی ہے کہ چونکہ نماز یا حالت احرام میں عورت اپنا چہرہ ہاتھ اور پاؤں ننگے رکھ سکتی ہے تو یہ اعضا ہر حال میں ننگے رکھے جا سکتے ہیں۔ لیکن بعض فقہا نے جن کی تعداد کافی زیادہ ہے اس کی مخالفت کرتے ہوئے کہا کہ ''عبادت'' کے دوران والی حالت کو دوسرے حالات میں جسم کے متذکرہ حصوں کو کھلا رکھنے کا جواز نہیں بنایا جا سکتا۔ عبادت کے دوران پردے کے قواعد اور ہوتے ہیں اور اس کے بعد کے لیے ان سے مختلف ہوتے ہیں۔ بعض فقہا مثلاً سعید ابن جبیر (متوفی 95ھ/714ء) نے بالوں کو کھلا رکھنے کی مخالفت کی ہے اگرچہ وہ بالوں کو عورت کے ''عورہ'' کا حصہ قرار نہیں دیتے۔ فقہا کی اکثریت کا کہنا ہے کہ صرف آزاد عورت کے بال ''عورہ'' کا حصہ ہوتے ہیں کنیز کے بال ''عورہ'' کا حصہ نہیں ہوتے۔

جیسے کہ اوپر کہا جا چکا ہے کنیز اور آزاد عورت کے لیے پردے کے قواعد میں نمایاں طور پر فرق ہے، غالباً اس فرق کی وجہ یہ ہے کہ کنیزیں سماجی اور اقتصادی زندگی میں فعال کردار ادا کرتی تھیں بنا بریں فقہا کی خاصی تعداد نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ انہیں اپنا سر، بازو اور گھٹنوں کے نیچے ٹانگیں ڈھانپنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ بعض تو یہاں تک چلے گئے کہ انہوں نے کنیزوں کی چھاتیاں ڈھانپنا بھی غیر ضروری قرار دے دیا۔ لیکن ان کی یہ رائے قرآنی آیات سے براہ راست متصادم ہوتی ہے۔ کنیزوں کے سلسلے میں زیادہ تر امتیازی قواعد کی بنیاد مسلمہ سماجی رسوم اور ان احکامات کے نتیجے میں ان کے لیے پیدا ہونے والی مشکلات (Hardships) ہیں۔ فقہا نے ان دو وجوہ پر انحصار کرتے ہوئے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ کنیزوں کی جسمانی آرائش آزاد عورتوں سے کافی مختلف ہوتی ہے، دلچسپ بات یہ ہے کہ چند ایک فقہا نے یہ بھی کہہ دیا کہ مفلوک الحال عورتیں، جنہیں سخت محنت کر کے اپنی روزی کمانا ہوتی ہے وہ بھی انہی احکامات پردہ پر عمل کر سکتی ہیں جو کنیزوں کے لیے مخصوص ہیں۔

آج آزاد عورت اور کنیز کے مابین امتیاز اگر بالکل ختم نہیں ہوا تو کم از کم بے معنی ضرور ہو چکا ہے۔ اس لیے سارا مسئلہ از سر نو غور و فکر کا متقاضی ہے۔ مسلمہ سماجی طور طریقے اور عملی مشکلات چند اخلاقی تقاضوں کا بھی احساس دلاتی ہیں۔ ان دونوں عناصر کی تطبیق عملی

مشاہدے اور تجربے کی بات ہے محض متن کے مفہوم کا معاملہ نہیں۔ بہ الفاظ دیگر اگر قانون ان دو مختلف قدروں (Values) کو اپنے اندر شامل کرتا ہے یعنی اس دور کے مسلمہ معاشرتی طور طریقوں کو ملحوظ رکھتا ہے اور عملی مشکلات کو بھی دور کرتا ہے تو پھر ان دونوں کو حیاء کے تقاضوں کے ساتھ متوازن بنانے کی ضرورت کا بھی احساس دلاتا ہے لیکن مسلمہ معاشرتی اطوار کیا ہیں اور عملی مشکلات کی نوعیت کیا ہے، ہر زمانے اور ہر مقام پر ان کا الگ الگ تعین ہو گا۔ ایسا کرنے کے لیے اس دور اور اس مقام کی عورتوں کی رائے کو فیصلہ کن اہمیت حاصل ہونی چاہیے کہ وہ کن امور کو اپنے لیے عملاً مشکل سمجھتی ہیں۔ یہ بات صرف مردوں کی صوابدید پر ہی نہیں چھوڑی جاسکتی کہ وہ عورتوں کی تزئین وزیبائش میں سے کیا کچھ نظر آنا ''عام سی بات'' قرار دیں۔ اس معاملے کی اصل فریق عورت ہے اور اسی کی آواز کو فیصلہ کن رائے سمجھا جانا چاہیے۔ متن کے معنوں میں جس حد تک گنجائش ہو، ہر دور کے صاحب فکر لوگوں کو ضرورت اور آسانیوں کی حدود کے اندر اس کا تعین کر دینا چاہیے۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ قرآن کا یہ مطالبہ نہیں ہے کہ معاشرے میں سے ''فتنے'' (ترغیبات) کے تمام ذرائع کی بیخ کنی کر دی جائے اور نہ ہی وہ توقع رکھتا ہے کہ ایسا ہو جائے گا۔ قرآن مختلف مفادات اور حقوق کے درمیان ایک توازن قائم کرتا ہے اور ہرگز نہیں چاہتا کہ پردہ اور حیاداری کا سارا بوجھ عورتوں پر ڈال دیا جائے۔ خدا یہ بھی نہیں چاہتا کہ مردوں کی کمزوری عورتوں کے لیے مشکلات اور پریشانی کا سبب بن جائے۔ جس تجویز میں ان حقائق کو تسلیم نہ کیا گیا ہو وہ قرآن کے الفاظ اور اس کی روح کے مطابق نہیں ہو گی۔

تاہم اس ترجمے کے مصنفین جن غلط مفروضوں کے تحت کام کر رہے ہیں ان میں ایک یہ ہے کہ قرآن معاشرے میں سے ہر قسم کی ترغیبات کو جڑ سے اکھاڑ دینا چاہتا ہے اور یہ کہ اس کام کا سارا بوجھ عورتوں کو برداشت کرنا چاہیے۔ لہٰذا انہیں سر سے لے کر پاؤں تک ڈھانپ دیا جائے ماسوائے ایک گھومنے والی آنکھ کے انہیں بالکل ملفوف کر دیا جانا چاہیے اور مرد خوش باش پھرتے رہیں۔ دلکش نسوانی اعضا ان کی بے فکری میں خلل نہ ڈال سکیں۔ ان غلط مفروضوں سے بھی بدترین بات یہ ہے کہ وہ اس مردانہ عیش پرستی پر مبنی نظریئے کو خدا کے حکم کے طور پر پیش کر رہے ہیں۔ اور خدا کی کتاب کو اپنی ثقافتی سوچوں کا جامہ پہنا رہے ہیں جس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ ان کے ترجمہ میں ذرہ بھر بھی اس عظیم کتاب کی سنجیدگی اور متانت منعکس

نہیں ہوتی۔ بلکہ ان کے استبدادی افکار وخیالات کی نمائندگی ہوتی ہے۔

ترجمے کے متن سے مصنفین کے مخصوص عقائد کا بالکل کوئی اشارہ نہیں ملتا۔ انہوں نے اپنے خیالات کے ناقابل تبدل ہونے کے تاثر کو تقویت دینے کے لیے متذکرہ بالا آیات کے سلسلے میں ایک حدیث کا دو بار حوالہ دیا ہے، جو فٹ نوٹ کے طور پر دی گئی ہے۔ اور وہ یہ ہے:

> ''بہ روایت صفیہؓ بنت شیبہ۔ عائشہؓ کہا کرتی تھیں ''جب یہ آیت اتری کہ انہیں اپنی اوڑھنیوں سے اپنے پورے جسم، چہرے، گردن اور چھاتیوں کو ڈھانپ لینا چاہیے تو ان (عورتوں) نے اپنی کمر پر باندھی جانے والی چادروں کے کناروں کو کاٹ کر اس کپڑے سے اپنے چہرے ڈھانپ لیے۔''
>
> (صحیح بخاری، جلد ۶ حدیث نمبر ۲۸۲)

جو آدمی عربی زبان پر عبور رکھتا ہو، اسے اس شرمناک بددیانتی پر شدید صدمہ پہنچتا ہے جس کا اس حدیث کے ترجمے میں ارتکاب کیا گیا ہے۔ مصنفین نے عائشہؓ (متوفیہ 58ھ/678ء) کی طرف منسوب بیان کو جو بخاری شریف میں موجود ہے انتہائی غلط طور پر پیش کیا ہے۔ اصل میں بخاری میں یہ بیان یوں آیا ہے۔ جب سورۃ النور (24) کی آیت 31 نازل ہوئی عائشہؓ نے کہا: ''[عورتوں نے] اپنے پوشاک لیے اور ان کے کناروں سے ٹکڑے کاٹے اور یَختَمَرْنَ بِھَا' اس کے معنی یہ ہوئے کہ ان عورتوں نے اپنے کپڑوں کے ٹکڑے کاٹے اور انہیں بطور خمر پہن لیا۔ جیسا کہ پیچھے بتایا جا چکا ہے خمر کپڑے کا ایسا ٹکڑا ہو سکتا ہے جو سر پر اوڑھا جائے چنانچہ غالب گمان یہ ہے کہ عورتوں نے کپڑوں سے کاٹے ہوئے ٹکڑے سر پر لے لیے تھے۔ اسی رپورٹ کے بارے میں ایک اور روایت بھی بخاری شریف میں ہے جس میں کہا گیا ہے کہ صرف مکہ کی مہاجر خواتین (المہاجرین) نے اس حکم کی فوراً تعمیل کی تھی۔ ایک اور مقام پر مذکور اسی روایت میں کہا گیا ہے کہ انصار کی خواتین نے فوراً تعمیل کی تھی۔ تاہم عربی کے اصل الفاظ میں اس کا بالکل کوئی اشارہ نہیں ملتا کہ چہروں پر پردہ کیا جاتا تھا۔

عائشہؓ کی روایت سے زیادہ سے زیادہ یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ عورتیں اپنے سر ڈھانپا کرتی

تھیں۔ لیکن اس بات پر سوائے اظہار حیرت کے اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ عورتیں اپنی کمر کے نیچے کے ملبوس کے کناروں سے اتنا بڑا کپڑا کاٹ لیتی تھیں کہ وہ سر اور چہرے کو ڈھانپ لیتا تھا۔ کیا اس کے معنی یہ ہیں کہ انھوں نے وہاں کے کپڑے کو کاٹ کر اپنی ٹانگوں کو ننگا رہنے دیا تھا؟ تاہم اس حدیث کے بارے میں متعدد روایتوں نے اسے متنازعہ بنا دیا ہے۔ اور بعض روایتیں یہ بھی بتاتی ہیں کہ مدینہ کی عورتوں کا ردعمل یہ تھا کہ انہوں نے اپنی چھاتیاں ڈھانپ لی تھیں۔

ایک اور مثال میں، جبکہ ایسی مثالیں بہت ہیں کہ قرآنی آیات کو غلط معنی پہنائے گئے ہیں۔ سورۃ النساء ۴ کی آیت ۳۴ کا یوں ترجمہ کیا گیا ہے:

> ''مرد عورتوں کے کفیل ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے کیونکہ وہ اپنے وسائل سے (ان کی ضروریات کے لیے) ان پر خرچ کرتے ہیں۔ اس لیے راستباز عورتیں اطاعت کرتی ہیں (اللہ کی اور اپنے خاوندوں کی) اور خاوند کی غیر حاضری میں اس چیز کی حفاظت کرتی ہیں جس کی حفاظت کے لیے اللہ نے انہیں حکم دے رکھا ہے (یعنی اپنی عصمت اور خاوند کی املاک وغیرہ) اور جن عورتوں کا تم چال چلن خراب پاؤ تو (پہلی بار) ان کی سرزنش کرو، پھر ان کے بستر الگ کر دو اور (آخر میں) انہیں مارو (ہلکے طور پر اگر یہ کارگر ہو)......''

اصل عربی متن میں عورت کی اطاعت کے ''پابندگان'' (Recipients) ان کے شوہر نہیں۔ عربی الفاظ ان عورتوں کے بارے میں ہیں جو پارسا ہیں، اللہ کے سامنے عاجزی کا اظہار کرتی ہیں اور خدا کے احکامات پر عمل کرتی ہیں۔ ان کا ترجمہ کرتے ہوئے معنوں کو بگاڑ کر نہ صرف ان میں شوہروں کا حوالہ شامل کیا گیا ہے بلکہ شوہروں کی اطاعت کو خدا کی اطاعت کے برابر بھی قرار دیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں یہ ترجمہ قاری پر واضح طور پر یہ تاثر چھوڑتا ہے کہ شوہر بیویوں کو ہر اس حرکت پر سزا دے سکتے ہیں جو ان کے خیال کے مطابق ''چال چلن کی خرابی'' ہو۔ اس سے بالکل ہی ایک دوسری بحث نکل آتی ہے۔ شوہروں کو بطور ایک زمرہ، سارے اختیارات مل جائیں وہ جج بھی ہوں جیوری بھی اور اپنے صادر کردہ حکم کو نافذ کرنے والے بھی ہوں اور بیویوں کے ''کردار کے برا ہونے'' کا تعین بھی وہ خود کریں۔ اور

پھر اس سوال کا کیا جواب ہوگا کہ فرض کیجیے کہ شوہر بیوی سے کم درجے کا متقی ہو؟ اصل متن لفظ ''نشوز'' استعمال ہوا ہے جس کے معنی ہیں ''سنگین گمراہی''، ''کھلم کھلا بد چلنی''۔ خواہ صورت کوئی بھی ہو، یہ آیت شوہروں کو بیویوں کی پٹائی کا اختیار نہیں دیتی۔ لفظ ''ازواج'' (شوہر) کا خدا کے متن میں ذکر نہیں آیا ہے جیسا کہ میں اسے سے پہلی ایک کانفرنس میں واضح کر چکا ہوں۔ آیت ''جنسی بد چلنی'' کی بات کر رہی ہے جو کہ ''طرز عمل کی خرابی'' کی بالکل دوسری قسم ہے، خاص طور پر اسلامی قانون کے حوالے سے یہ الگ موضوع بنتا ہے۔

قرآن مجید کا یہ ترجمہ (The Noble Quran) امریکہ میں وسیع پیانے پر تقسیم ہو رہا ہے اس ترجمے کے مطابق خدا نے عورتوں کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنے چہرے، اپنی گردنیں اپنی چھاتیاں، اپنے بازو، ٹانگیں اور ہاتھ چھپائیں۔ مزید برآں قاری کو مطلع کیا گیا ہے کہ خدا نے اہل ایمان سے اپنی مکمل اطاعت کا مطالبہ کیا ہے اور پھر اس نے اسی قسم کی اطاعت کے مستحق شوہروں کو بنایا ہے۔ مترجمین نے متن کو پوری آزادی سے اپنے من پسند الفاظ کا جامہ پہنایا ہے جس میں خدا کی منشا یہ بتائی گئی ہے کہ وہ عورتوں کو تربیت یافتہ کتوں کا درجہ دیتا ہے اور ان سے توقع کرتا ہے کہ وہ ہر حال میں وفادار، خوفزدہ، شیریں و مسرت بخش اور اطاعت گزار بن کر زندگی بسر کریں۔ خواہ خاوندوں کے اپنے کرتوب کچھ بھی ہوں۔ انسان یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ وہ کتنی متعفن روحیں ہیں جو اس خواہش کو خدا سے منسوب کرتی ہیں کہ عورتیں مردوں کی غلیظ انا کے بدبودار تالاب میں قیدی بن کر رہ جائیں۔ اور اس لیے تکلیف اٹھائیں کہ مرد اپنی شہوت کو کنٹرول نہیں کر سکتے۔ انہوں نے خدا کے رحمان اور رحیم ہونے کی کتنی بری تصویر کھینچی ہے۔

مترجمین کے کہنے کے مطابق خدا نے ایسے پردے کا حکم دیا جس سے چہرہ ڈھانپا جائے، ماسوائے ایک یا دو آنکھوں کے اور صرف ہتھیلیاں دکھائی دیں۔ آنکھیں چھپانے کے لیے نہیں کہا گیا جو بظاہر عورتوں کے ساتھ ایک رعایت ہے تاکہ وہ چل پھر سکیں اور اس صورت میں کیا ہوگا اگر عورت نابینا ہو اور اس نے سرکاری ادارے سے راہ دکھانے والے کتے (Seeing-eye dog) کی خدمات بھی حاصل کر رکھی ہوں۔ ان لوگوں کے نزدیک کتے شیطانی مخلوق ہیں۔ لہٰذا عورت کو ایک غلام کی خدمات حاصل کر لینی چاہئیں جو اسے گلیوں میں پھراتا رہے۔ اس طرح اس مہیب اور پر خطر دنیا میں ایک غلام، دوسرے غلام کو لیے مردوں کی

خدائی کی قربان گاہ پر اپنی قربانی پیش کرتا رہے گا۔

مگر میں یہ سوچے بغیر نہیں رہ سکتا کہ عورت صرف ہتھیلیاں ظاہر کرنے کے لیے ہاتھ کی پشت کو کیسے ڈھانپ سکے گی؟ ترجمے میں دستانے پہننے کی تجویز دی گئی ہے شاید آج کے دور کے دستانے پیغمبرؐ کے زمانے میں نہیں ہوتے ہوں گے کیا یہ دستانے ''بدعت'' قرار نہیں پا سکتے؟ آپؐ سے ایک اور حدیث منسوب کر دی گئی ہے کہ عورتوں کے لیے حج کے موقع پر حالت احرام میں ''قفاز'' (Hand cover) پہننا ممنوع ہے۔ تاہم اہل علم نے اس حدیث کی سند کو مشکوک قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ یہ ابن عمرؓ کی ذاتی رائے ہے جو غلطی سے حضورؐ سے منسوب ہوگئی ہے۔ اس مبینہ حدیث میں جس قفاز کا ذکر آیا ہے وہ یا تو دستانہ نما کپڑے کی تھیلی تھی جو زینت کے طور پر پہنی جاتی تھی یا روئی ڈال کر اس کو اس طرح سی دیا جاتا تھا کہ سردیوں میں ہاتھ کو گرم رکھ سکے مگر یہ ڈھیلی ڈھالی ہوتی تھی۔ لیکن کیا آج کا دستانہ جو ہاتھ کے ناپ کے مطابق بنایا جاتا ہے کہیں حسن میں اضافے کا سبب بن کر ''فتنہ'' کو قرار نہیں پا جائے گا؟ سچ ہے کہ ایک بدصورتی دوسری بدصورتی کو دعوت دیتی ہے۔

یہ ترجمہ پڑھنے والوں کو یہ تاثر ملتا ہے کہ اس کے مصنفین کی کج فہمیوں کو بخاری کی احادیث اور الطبری، القرطبی اور ابن کثیر کی تفاسیر کی حمایت حاصل ہے لیکن ایسا ہرگز نہیں ہے بخاری کی احادیث کو غلط معنے پہنائے گئے ہیں، اسی طرح یہ تفاسیر بھی ان کی فہم کی تائید نہیں کرتیں۔ ان مفسرین نے کئی قسم کے نظریات کا ذکر کیا ہے اور اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ عورتیں اپنا چہرہ، ہاتھ اور پاؤں کھلے رکھ سکتی ہیں۔ بہ الفاظ دیگر "The Noble Quran" کے مصنفین نے مذکورہ مفسرین کے حوالوں کو بے جا استعمال کیا ہے اور دو قسم کی غلطیاں کی ہیں۔ ایک یہ کہ انہوں نے کہیں تو ان تفسیروں کو پڑھنے کی زحمت ہی گوارا نہیں کی اور اگر بعض عبارتوں کو پڑھا ہے تو ان کے مفہوم کو توڑ مروڑ کر پیش کر دیا ہے۔ اس ترجمے کو اگر عبدالعزیز بن باز کے انتہا پسندانہ نظریات اور سعودی دارالافتاء کے سکالرز کے افکار کی ایک نئی شکل کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

بات بالکل واضح ہے کہ اس ترجمے کے مصنفین اور ان کے ہم خیال حضرات عورتوں کو پسند نہیں کرتے اور انہوں نے اپنے ذاتی خیالات اور تعصبات کو خدا کی کتاب اور اسلام کے عظیم ذہنی ورثے پر چسپاں کر دیا ہے۔ جدید دنیا میں مسلمانوں کی اس کسمپرسی پر نہ تو لفظوں

کے ذریعے ماتم کیا جا سکتا ہے اور نہ آنسو بہا کر دل کا غبار نکالا جا سکتا ہے۔

عورتوں کے خلاف اس جہادِ مسلسل اور نفرت کے ہتھیاروں کی کاٹ پر کیسے تبصرہ کیا جائے؟ ان لوگوں نے اپنی جہالت اور شیخی کے جذبات کی تسکین کے لیے خدا کی کتاب کو دیدہ دانستہ غلط معنی پہنا دیئے ہیں۔ سوائے یہ آیات یاد دلانے کے ہم کچھ بھی نہیں کر سکتے۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ اور اس شخص سے بڑا ظالم اور کون ہوگا جس کے ذمے اللہ کی طرف سے ایک گواہی ہو اور وہ اسے چھپائے۔ تمہاری حرکات سے اللہ غافل تو نہیں ہے۔ (سورۃ البقرۃ آیت 140)

اور سچ ہے کہ

اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِيْهِ وَبَاطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ.

یہ لوگ جس طریقہ کی پیروی کر رہے ہیں وہ تو برباد ہونے والا ہے اور جو وہ عمل کر رہے ہیں وہ سراسر باطل ہے۔ (سورۃ الاعراف آیت 139)

(جولائی 2000ء)

باب58

ایک یاددہانی

اپنے ماضی کے ورثے کوایک گراں بوجھ سمجھنے والے، اس سے اظہار لاتعلقی کر دیتے ہیں لیکن جن قوموں کی کوئی تاریخ نہیں ہوتی وہ اپنے لیے تاریخ گھڑ لیتے ہیں اور دونوں لازمی طور پر اپنے ماضی کی غلطیاں دوہراتے ہیں۔ اول الذکر قوم اپنے ماضی کو جھٹلا کر خود کو مطمئن کرنے کی کوشش کرتی ہے اور مؤخرالذکر کو اگر سچ کا آئینہ دکھایا جائے تو وہ اسے پرے پھینک دیتی ہے۔ ہم تغافل کی وجہ سے اپنی جڑوں اور اپنی شناخت سے محروم ہو جانے کے باعث ہر چیز کے عارضی ہونے کے افسانوں کی دنیا میں زندگی گزارنے لگتے ہیں جس کی سرحدیں مدھم ہو کر بالآخر منتشر ہو جاتی ہیں۔ کیا تم نہیں جانتے کہ تاریخ عالم میں محروم وطن لوگوں سے کیا سلوک ہوتا رہا ہے؟ انہیں جہاں کہیں بھی آباد ہونے کا موقع ملتا ہے وہاں وہ اپنی پشت پر غیر ملکی ہونے کی مہر لگوا کر زندگی گزارتے ہیں۔ بے لنگر جہاز کی طرح کبھی ایک لہر پر سوار ہوتے ہیں تو کبھی دوسری لہر کا سہارا لے لیتے ہیں۔ کچھ افراد فلسفے کی بے رحم گھاٹیوں میں ٹھکانہ تلاش کرتے رہ جاتے ہیں لیکن زیادہ تر لوگ سامنے دکھائی دینے والی چیز میں اپنا عکس ڈھونڈتے ہوئے اپنی ڈگمگاتی شناخت کی پرورش کرنے لگتے ہیں۔

اس ''عظیم الشان کانفرنس'' میں میری آمد اپنے اختتام کو پہنچ رہی ہے۔ میں دعا کرتا ہوں کہ مجھے اپنی کایا پلٹنے (Transformation) کی اجازت مل جائے یا مجھے کم از کم یہاں دوبارہ آنے کی دعوت مل جائے۔ یہ ''کانفرنس'' میرے لیے بہت سی دبی ہوئی یادداشتوں اور میرے احساس توازن و عزت نفس کی از سرِ نو دریافت کے درمیان ایک پل کی حیثیت اختیار کر گئی ہے۔ لیکن اب گلیوں اور بازاروں میں جو کوئی بھی دکھائی دیتا ہے، میں مسکراتے ہوئے

MashalBooks.org

اسے جا پکڑتا ہوں اور بتاتا ہوں کہ ''میں بنیادیں رکھتا ہوں، میری جڑیں ہیں اور تاریخ بھی۔ اس دھرتی پر میرا ایک وطن ہے۔ میں ذہنی استعداد رکھتا ہوں۔ میں نے اپنے دماغ کی گہرائیوں میں اتر کر اس کا جائزہ لیا ہے، اس میں جمے ہوئے گرد و غبار اور غفلت کے جالوں کی جھاڑ پونچھ کر ڈالی ہے اور یہاں آباد جن بھوتوں کو مار بھگایا ہے۔ اب میں جانتا ہوں کہ میں کون ہوں اور میں کیا بننا چاہتا ہوں؟'' اگر مجھ میں کسر نفسی اور شرمیلا پن نہ ہوتا میں بہ آواز بلند اعلان کرتا..... ''آؤ میرے گلے لگ جاؤ اور مجھے میری جڑوں پر اور میرے مضبوط ٹھکانے پر مجھے مبارکباد دو؛ میں اپنے توازن اور استحکام سے تمہیں بھی مستفید ہونے کا موقع دوں گا۔''

میں اپنی یادداشتوں کی فائلوں کی ورق گردانی کرتے ہوئے، اس واقعے پر پہنچ کر رک گیا۔ اس واقعے سے مجھ سے دوبارہ گفتگو شروع کر دی۔ کاغذ کی اس پرانی شیٹ نے مجھے وہ زمانہ یاد دلا دیا جب میں جوان تھا اور جسمانی طاقت نے میرے دل کو امنگوں سے معمور کر رکھا تھا۔ میں نے پھر اسی انداز میں بولنا شروع کر دیا جو اس دور کا خاصہ تھا۔ میں جوش بیان میں آ کر کئی بار گستاخیوں کی حدود میں داخل ہو جایا کرتا تھا۔

یہ کئی سال پہلے کی بات ہے، کہ میں ایک کانفرنس میں شریک تھا جس کا اہتمام 'اسلامک سوسائٹی آف نارتھ امریکہ' (I.S.N.A) نے کیا تھا۔ پر جوش مقررین کی ایک طویل فہرست تھی۔ میں سامعین میں بیٹھا تھا اور موضوع یہ تھا کہ ''مسجدوں کو اختلافات کے اکھاڑے بننے سے کیسے محفوظ رکھا جائے۔'' بعض مقررین لفظوں کو نچا رہے تھے، مجھے چونکہ ناچنے سے دلچسپی نہیں اس لیے میں بہت اکتا چکا تھا۔ ایک باریش نوجوان جس کی آنکھیں سبز اور جلد مصریوں جیسی تھی آخری مقرر تھا۔ اس تصنع اور لفاظی کے ماحول میں مجھے اس کے شرمیلے پن پر حیرت ہوئی اور میں نے اس کی تقریر خاصی توجہ سے سنی اس نے اپنے آبائی شہر کی مسجد میں اختلافات کا ذکر کیا اور کہا کہ وہاں وہابی، صوفی اختلافات کے علاوہ دیوبندی، بریلوی اور شیعہ سنی اختلافات بھی ہوتے رہتے تھے، پھر لڑائی جھگڑے اور مکے تھپڑ تک بات جا پہنچی۔ عدالت نے حکم امتناعی جاری کر دیا۔ اس نے بتایا کہ آخر جج نے اسی (مقرر) کو ثالث بننے کے فرائض سونپ دیئے۔ اس نے سب فرقوں کو بٹھا کر اختلافات خوش اسلوبی سے حل کرا دیئے، اس کے اپنے بیان کے مطابق اس نے قرآن کی اس آیت کے مطابق مصالحت کرائی۔ وَاَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا۔ (مسجدیں اللہ کے لیے ہیں لہٰذا ان میں اللہ

کے ساتھ کسی کو نہ پکارو۔)(سورۃ جن۔آیت18)

پھر اس نے اس مثالی نوعیت کے فیصلے کی تفصیل سنائی اور اس کے بعد وہ اس مسجد کے قواعدِ خاص(By-laws)، معاہدۂ وقف(Deed of Trust)، متحارب فریقوں کے نقطۂ نظر اور متعدد دیگر امور پر روشنی ڈالتا رہا اور میں بڑی توجہ سے سنتا رہا۔ مجھے اس کی باتوں میں کئی تضاد محسوس ہوئے مگر اس وقت کچھ بولنا ہنگامہ خیزی کا باعث ہو سکتا تھا اس لیے میں نے بعد میں اس سے گفتگو کرنے کا فیصلہ کیا، جس پر وہ رضامند ہو گیا۔

ہم آمنے سامنے آ بیٹھے، رسمی علیک سلیک کے بعد میں فوراً اصل موضوع پر پہنچ گیا۔

میں نے کہا ''بھائی صاحب آپ نے مسجد میں فرقہ وارانہ تنازعہ طے کرانے کے بارے میں جو گفتگو کی تھی، اگر میں نے آپ کی تقریر کو صحیح طور پر سمجھا ہے تو آپ نے یہ کہا تھا کہ آپ نے ثالثی کے لیے اسلامی قانون سے رہنمائی لی تھی۔ لیکن میں یہ بات پوری طرح نہیں سمجھ سکا کہ آپ نے مسئلے کے کون کون سے نقاط پیشِ نظر رکھے تھے؟''

اس نے کہا...... ''مسئلہ؟ مسئلہ یہ تھا کہ مسجد میں نماز کے لیے آنے والے مسلمان بھائیوں کے درمیان چپقلش کس طرح دور کرائی جائے۔ وہابی صوفیوں کے ساتھ نہیں رہ سکتے تھے اور صوفی وہابیوں کے ساتھ نہیں چل سکتے تھے، اختلافات بڑھتے بڑھتے مسجد میں گھونسہ بازی تک پہنچ گئے تھے اور آپ جانتے ہی ہیں کہ مسجد خدا کا گھر ہے۔ ایسا رویہ برداشت نہیں کیا جا سکتا۔''

''ٹھیک ہے ٹھیک ہے'' میں نے کہا۔ ''امریکہ کی مساجد میں تو یہ عام مسئلہ ہے۔ جھگڑے مذہبی بنیاد پر بھی ہوتے ہیں اور نسلی تعصب کی بنا پر بھی۔ لیکن میں جس بات پر آپ سے گفتگو کر رہا ہوں یہ ہے کہ آپ نے کون کون سے ''قضیے''(Premises) پیشِ نظر رکھے۔ مثلاً ہم کیسے جانیں کہ مسجد اللہ کا گھر ہوتی ہے؟''

اس نے حیرت سے میری طرف دیکھتے ہوئے مگر کسی حد تک مربیانہ انداز میں کہا ''دیکھیے بھائی آپ جانتے ہیں کہ مساجد اللہ کی ہیں، اس کے گھر میں کسی اور کی عبادت نہیں ہونی چاہیے۔ پیغمبرؐ کی سنت بھی بڑی واضح ہے کہ مسجدیں خدا کی ہیں۔''

''وہ ٹھیک ہے'' میں نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ''آپ نے متحارب فریقوں کے

درمیان جو تنازع طے کرایا تھا وہ کیا تھا اور آپ نے اسے کیسے حل کرایا؟''

''تنازع؟ میرے بھائی ہمارے سامنے مسئلہ یہ تھا کہ مسجد میں لڑنے والوں کو اس سے کیسے روکا جائے؟''

میں نے تقریباً چیختے ہوئے کہا۔

......''لیکن بھائی آپ گول مول بات کر رہے ہیں' میں یہ پوچھ رہا ہوں کہ کوئی تنازع یا مسئلہ طے کرنے کے دو طریقے ہو سکتے ہیں۔ایک معقول اور دوسرا غیر معقول طریقہ۔معقول طریقے کی بھی آگے دو قسمیں ہوتی ہیں۔مثلاً رواجی طور پر حل کرالیا جائے یا پہلے کوئی معاہدہ ہو تو اس کے تحت فریقین کی توقعات میں سے کسی کی توقعات کو معقول اور کسی کی توقعات کو غیر معقول قرار دے دیا جائے۔غیر معقول طریقہ یہ ہے کہ ٹاس کرالیا جائے۔اصول افادیت کے تحت حل کیا جائے، رائے شماری کرالی جائے یا نیلامی کرا دی جائے، مسجد سب سے بڑی بولی دینے والوں کو دے دی جائے۔ میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ آپ نے کیا طریقہ اختیار کیا تھا؟''

اب وہ میرے غبی پن پر سٹپٹا گیا۔''بھائی جیسا کہ میں بتا چکا ہوں کہ مسجدیں خدا کی ہیں اور ان کے لیے واحد معیار خدا کا قانون ہے۔ میں نے اسی قانون پر عمل درآمد کرا دیا۔''

میں نے کہا......''ٹھیک ہے، میں مان لوں گا کہ مسجدیں خدا کا گھر ہیں لیکن کیا خدا کا قانون' خدا کی املاک پر اس لیے لاگو ہونا چاہیے کہ اس سے بہترین معقول نتائج برآمد ہو سکتے ہیں یا اس لیے لاگو ہونا چاہیے کہ خدا ہمیں ایسا ہی کرنے کا حکم دیتا ہے۔ یا اس لیے لاگو ہونا چاہیے کہ فریقین تنازع اس بات پر متفق ہیں کہ خدا ہی کا قانون نافذ ہونا چاہیے؟ میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ ہم خدا کی مسجدوں پر خدا کا قانون کیوں لاگو کرنا چاہتے ہیں؟''

اس نے خود اعتمادی کا اظہار کرتے ہوئے کہا......''اولاً اس لیے کہ معقولیت کا تقاضا ہے کہ اگر مسجدیں خدا کی ہیں تو وہ اپنے گھر کے لیے خود قواعد مقرر کرتا ہے اور کر سکتا ہے۔ثانیاً اس لیے کہ فریقین نے اس پر اتفاق کیا تھا کہ مسجدیں خدا کے قانون سے کنٹرول ہونی چاہئیں اور ثالثاً اس لیے کہ اگر آپ مسلمان ہیں تو آپ کا یہ ایمان ہونا چاہیے کہ خدا کے قانون سے بہترین نتائج برآمد ہوں گے۔ اگر آپ خدا کے قانون کی معقولیت پر ایمان نہیں رکھتے تو آپ مسلمان نہیں ہیں۔''

میں نے پوچھا۔ ''اگر فریقین خدا کا قانون لاگو نہ کرنا چاہیں تو پھر کیا ہوگا؟''

''فریقین خدا کا قانون نافذ نہیں ہونے دینا چاہتے؟'' اس نے تقریباً چیختے ہوئے کہا۔

''پھر میں کہوں گا کہ انہوں نے خدا گھر غصب کر لیا ہے۔ وہ کسی ایسے گھر کے مہمانوں کی طرح ہیں جو اپنے میزبان کی خواہش کا احترام کرنے سے انکار کر دیں۔''

''چنانچہ یہ دلیل مان لینے کے بعد کہ مسجد خدا کی ہے تو معقولیت یہ ہوگی کہ خدا کے گھر میں خدا کے قوانین ہی نافذ ہوں۔''

''جی ہاں، بالکل''

میں نے پوچھا۔ ''کیا کوئی ایسی مسجد ہو سکتی ہے جو خدا کی نہ ہو؟''

وہ بولا۔ ''اگر تمام مسجدیں خدا کی ہیں تو جو جگہ خدا کی نہیں مانی جاتی وہ مسجد نہیں ہے، کیا آپ نہیں جانتے کہ خدا نے اپنی کتاب مقدس میں کہا ہے:

قُلْ اَمَرَ رَبِّی بِالْقِسْطِ وَاَقِیْمُوْا وُجُوهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ، كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ. اے نبیؐ، ان سے کہو میرے رب نے تو راستی اور انصاف کا حکم دیا ہے، اور اس کا حکم یہ ہے کہ ہر عبادت میں اپنا رخ ٹھیک رکھو اور اسی کو پکارو اپنے دین کو خالص رکھ کر۔ جس طرح اس نے تمہیں اب پیدا کیا ہے، اسی طرح تم پھر پیدا کیے جاؤ گے۔ (سورہ الاعراف آیت ۲۹)

نقطہ یہ ہے کہ خدا ہر مسجد کے اپنی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔''

میں نے اسی کے کہنے کے مطابق کہا: ''اور جس کے لیے یہ کہا جائے کہ وہ 'نجی ملکیت ہے' وہ تو مسجد نہیں ہوگی نا''؟

''میں یہ کہوں گا کہ وہ نماز کا ایریا ہے، مگر مسجد نہیں ہے۔'' وہ بولا۔

میں نے کہا...... ''بھائی صاحب، اگر میں آپ سے اتفاق نہ کرتے ہوئے یہ کہوں کہ ساری زمین خدا کی مسجد ہے اور یہ کہ کسی جگہ کے گرد چاردیواری تعمیر کر دینا غلط ہے' ہم اس تضاد کو کس طرح دور کریں گے؟ عقل کے استعمال سے؟ بہترین معقول دلیل سے؟ مسلمہ سماجی طریق کار سے؟ یا مختلف قسم کی شہادتوں کا موازنہ کر کے حل کریں گے؟''

''میں آپ سے کہے جا رہا ہوں کہ اگر آپ مسلمان ہیں تو آپ کو یہ تنازعہ خدا کی منشا کے مطابق حل کرنا ہوگا اور خدا کی منشا کا' خدا کے قانون سے پتہ چلتا ہے۔ یہ ہمارے ایمان کا

حصہ ہے، یہ بحث کی چیز نہیں۔ یہ اسی طرح ہے جس طرح ہم یہ مانتے ہیں کہ خدا، اچھا ہے، خدا منصف ہے اور وہ ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا۔ یہ حقائق محتاج ثبوت نہیں ہیں اور نہ میں اس پر کوئی دلائل دوں گا۔''

اب مجھے اندازہ ہو رہا تھا کہ اس کا پیمانہ صبر لبریز ہو رہا ہے اس لیے میں نے اپنا موقف آگے بڑھاتے ہوئے کہا...... ''ٹھیک ہے ٹھیک ہے ہمارے ایمان اور اعتقاد کا جو حصہ ہے وہ ایمان پر مبنی بنیاد (Faith-based foundation) ہے جس پر کہ ہم اور کئی عمارتیں بھی کھڑی کر سکتے ہیں۔ یہ ایک نقطہ آغاز ہے جو منطق کے قضیہ یا تمہید کی طرح ہے، یہ ایک ایسا مفروضہ ہے جو آپ اپنا تجزیہ شروع کرنے سے پہلے قائم کرتے ہیں۔ یہ اس مفروضے کی طرح ہے جیسے آپ کہتے ہیں کہ جمہوریت بہت اچھی چیز ہے۔ یا یہ کہتے ہیں کہ اذیت دینا بری بات ہے یا ظلم و استبداد غلط چیز ہے۔''

''میں مانتا ہوں کہ مسجدیں اللہ کی ہیں، مسجد کی تعریف (Definition) ایک فیصلۂ خداوندی ہے، یہ ایسا ہی ہے جیسے خدا کہے کہ 'اگر تم میرے لیے ایک گھر بناؤ گے تو اس کے لیے میرے رولز یہ ہیں۔ اگر تم ان رولز کی پابندی نہیں کر گے تو میں اپنے گھر کی ملکیت قبول نہیں کروں گا۔' میں یہ بھی تسلیم کرتا ہوں کہ اس گھر کے قواعد وضوابط گھر کا مالک ہی بناتا ہے۔ اس گھر کے لیے جو کچھ مناسب ہے وہ بھی خدا ہی طے کرے گا۔ ہم مہمان ہیں جنہیں میزبان کے مقرر کردہ آداب و قواعد کی بجا آوری کرنی ہے۔ ورنہ وہاں میری موجودگی کا کوئی جواز نہیں۔ میں یہ باتیں اس لیے نہیں کہہ رہا ہوں کہ میں آپ کی دلیل کی ساخت سے متفق ہوں، بلکہ اس لیے کہہ رہا ہوں کہ میں ایک مختلف دلیل لانا چاہتا ہوں، جو وہی نتائج پیدا کرے گی جو آپ نے اخذ کیے ہیں۔ کیا آپ میری دلیل سننا چاہتے ہیں؟''

''نہیں'' اس نے نہایت سختی سے انکار کر دیا۔

میں نے جواب دیا۔ ''برادر میں صرف یہ سمجھنے کی کوشش کر رہا ہوں کہ ہم جو کچھ کرتے ہیں وہ کیوں کرتے ہیں اور جو کرتے ہیں، اس میں معقولیت کیا ہوتی ہے؟ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آپ نے جو کچھ بھی کہا اس سے منشائے خداوندی (Divine Will) کی فوقیت کا اظہار ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہم جو کچھ بھی جانتے ہیں یا تو بذریعہ ایمان جانتے ہیں یا بذریعہ عقل جانتے ہیں۔ جہاں تک عقل کے استعمال کا تعلق ہے، میں اس میں الہام کا

شعور (Sense of intuition) بھی شامل کرتا ہوں۔ ہم ایمان یا عقل کے استعمال سے یہ بات جانتے ہیں کہ خدا کو گھر کی ضرورت نہیں ہے اور انہی کے استعمال سے یہ بھی جانتے ہیں کہ اس کائنات میں جو کچھ بھی موجود ہے اس کا مالک خدا ہے۔ خاص طور پر مساجد ہی خدا کے گھر (بیوت اللہ) کیوں قرار دی جاتی ہیں۔ ہم فرض کر سکتے ہیں کہ اس بات کو ایمان کا معاملہ سمجھ کر قبول کر لیا جانا چاہیے، کیونکہ خدا کا کہنا یہی ہے۔ یہ بات ایسی ہی ہے جیسے ہم یہ کہیں کہ مسجدیں بالکل پاک اور صاف رکھی جانی چاہئیں۔ کیوں کہ ہمیں یہ شہادت ملتی ہے کہ خدا، ایسا چاہتا ہے۔ میں اسے ''ایمان پر مبنی دلیل'' کہوں گا۔ یہ دلیل ہم پر زور دیتی ہے کہ ہم ایسا کریں یا ویسا کریں۔ ایسا نہیں کہ یہ اس لیے کریں کہ یہ ایک اچھا، معقول اور مناسب کام ہے بلکہ اس لیے کریں کہ خدا ایسا چاہتا ہے۔ ''معقولیت پر مبنی دلیل'' کہتی ہے کہ ہم ایسا یا ویسا اس لیے کریں کہ یہ اچھا، معقول اور مناسب کام ہے۔ میرے نزدیک ''ایمان پر مبنی دلیل'' وہ دلیل ہوتی ہے جو ''ایمان پر مبنی بنیاد'' پر استوار ہو۔ اس دلیل کی بنیاد انسانی سوچ یا عقل پر نہیں بلکہ ایک بنیادی عقیدے پر رکھی گئی ہوتی ہے۔ اسے سمجھنے بوجھنے یا اس کی قدر کرنے والوں کا حلقہ بہت محدود ہوتا ہے، زیادہ لوگ اس کے قائل نہیں ہوتے۔ مثال کے طور پر اگر میں کہوں کہ مسجدوں کو پاک وصاف رکھا جانا چاہیے۔ اور آپ پوچھتے ہیں کہ ''کیوں؟'' میں یہی کہہ سکوں گا کہ میری بات خدا کی منشا پر مبنی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ جواب میں آپ یہ کہہ ڈالیں کہ میں ثابت کر سکتا ہوں کہ مسجدوں کو صاف ستھری رکھنا کوئی معقول بات نہیں۔ میں کہوں گا کہ مجھے تمہاری بات سے کوئی غرض نہیں۔ آپ مجھے قائل کرنے کی کوشش کریں گے کہ خدا مسجدوں کو غیر صاف حالت میں دیکھنا چاہتا ہے۔ میں کہوں گا کہ یہ تقاضۂ ایمان یعنی ''ایمان پر مبنی دلیل'' ہے۔ مسجدوں کو صاف نہ رکھنے والوں سے پرسش ہوگی یعنی وہ جوابدہ (Accountable) ہوں گے۔ یہ دلیل انہی لوگوں کو قائل کر سکے گی جو انہی جیسا ایمان یا عقیدہ رکھتے ہوں گے۔

''اگر یہ ثابت کرنا کہ مسجد کو پاک صاف رکھا جانا چاہیے'' خدا کی منشا کے حوالے سے ہو تو یہ دلیل ایمان پر استوار ہوگی جس کی جڑیں عقیدے میں ہوتی ہیں۔ عقیدے کے لیے کہیں بھی جوابدہ نہیں ہونا پڑتا۔ مثال کے طور پر میں اپنی بات اس مفروضے سے شروع کرتا ہوں کہ میں خدا پر ایمان رکھتا ہوں اور یہ کہ میں مسلمان ہوں تو یہ ایک عقیدے کی بات ہوگی یعنی یہ ''ایمان پر مبنی بر عقیدہ'' (Faith-based foundation) ہوگا۔ اگر میں اس مفروضے

سے بھی بات شروع کروں کہ قرآن خدا کا غیر متبدل اور بالکل پاک کلام ہے تو یہ بھی ''ایمان پر مبنی عقیدہ'' ہوگا۔ اگر میں کہوں کہ چونکہ قرآن خدا کا کلام ہے، میں ایمان رکھتا ہوں کہ یہ خدا کے احکامات پر مشتمل ہے تو یہ دلیل ایمان پر مبنی ہے اور ایمان عقیدے میں سے پھوٹا ہے۔ عقل کے نقطۂ نظر سے یہ بالکل ممکن ہے کہ خدا کی کتاب تو موجود ہو مگر اس میں خدا کے احکامات موجود نہ ہوں۔ لیکن میرے لیے اس نقطۂ نظر کی کوئی اہمیت نہیں کیونکہ میں ایمان رکھتا ہوں کہ خدا کی کتاب خدا کے احکامات پر ہی مشتمل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میرا ایمان ''مبنی برعقیدہ'' کہلاتا ہے۔

''اب میں قرآن میں پڑھتا ہوں کہ مساجد' خدا کے گھر ہیں اور میں وہاں یہ بھی پڑھتا ہوں کہ ان گھروں کو پاک وصاف رکھا جانا چاہیے۔ تو مجھے یہ بات ضرور مان لینی چاہیے کیونکہ یہ معقولیت کا تقاضا ہے۔ مسجدوں کو خدا کے گھر ماننا اور انہیں صاف و پاک رکھنا، اسی عقیدے کا حصہ ہے۔ تاہم یہاں ایک اہم نقطہ ہے۔ وہ یہ کہ میں جس 'طریق عمل' (Process) سے 'خدا کی منشا' تلاش کرتا ہوں اور شہادت(Evidece) کو جانچتا ہوں یہ 'عقل پر مبنی طریق کار' (Reason-base Process) ہے۔ مثلاً میں 'پاکیزگی' کی تعریف متعین کرتا ہوں۔ پھر اس امر کا بھی تعین کرتا ہوں کہ کس ساخت کی عمارت کو مسجد قرار دیا جا سکتا ہے، یہ سب کچھ 'عقل پر مبنی طریق کار' کا حصہ ہوگا۔

''یہاں ہمیں 'عقل پر مبنی طریق کار' 'عقیدے پر مبنی طریق کار' 'عقل پر مبنی دلیل' اور 'عقیدے پر مبنی دلیل' میں فرق لازماً ملحوظ رکھنا ہوگا۔ میں سمجھتا ہوں کہ عقیدے پر مبنی دلیل بنیادی طور پر ایک وضاحت یا ایک وجوب کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ دلیل چھان بین نہیں کرتی اور نہ ہی کچھ دریافت کرتی ہے۔ یہ صرف اس امر کی نشاندہی کرتی ہے کہ نتائج، بنیادوں سے مطابقت رکھتے ہیں یا نہیں؟ میں جو اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ مسجد کو پاک اور صاف رکھنا چاہیے ناجائز ذرائع (Non-Justifiable Means) سے نہیں پہنچا بلکہ گواہی اور شہادت کے تجزیاتی طریق کار کے تحت پہنچا ہوں۔ جو ایک عقلی طریق کار ہے کیونکہ یہ طریق کار شہادتیں جمع کرنے اور پھر ان کی جانچ پڑتال (Evaluation) پر انحصار کرتا ہے۔ لیکن اگر کوئی میرے مفروضات (بنیادوں) سے اتفاق کرے تو یہ اس کے لیے بھی عقل پر مبنی طریق کار ہو گا۔ عقیدے پر مبنی طریق کار اس سے بہت مختلف ہوتا ہے کیونکہ وہ عقل طریق کار کے

لوازمات، شہادتوں یا ان کی جانچ پڑتال وغیرہ پر انحصار نہیں کرتا۔عقیدے پر مبنی طریق کار میں کسی نتیجے پر پہنچنے کے لیے مروجہ دلائل کی ضرورت محسوس نہیں کی جاتی ۔الہام، مکاشفہ، رویت اورخواب وغیرہ اسی ذیل میں آتے ہیں۔

''اب ایک نقطہ اور......آپ وہاں جوتقریر کررہے تھے وہ مسجد میں لوگوں کے طرزِ عمل کے بارے میں تھی۔اب یہ دیکھیے کہ ہم' خدا کی منشا' کے قضیئے (Premises) سے کئی استنباط کر سکتے ہیں مثلاً اگر خدا کہتا ہے: وَلاَ تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ فِي الْمَسَاجِد. (اور جب تم مسجد میں معتکف ہوتو بیویوں سے مباشرت نہ کرو۔سورۃ البقرہ آیت ۱۸۷)

ہم اس حقیقت کو بطور ایمان یعنی منشائے خداوندی کے طور پر مانتے ہیں کہ مسجدوں میں حقوق زن آشوئی قائم نہیں کرنے چاہئیں۔ ہم خدا کے اس حکم کی معقولیت کی جانچ پڑتال نہیں کرتے اور اس بات کی بھی نہیں تحقیق کرتے کہ کیا یہ حکم معمولات مسجد سے مطابقت رکھتا ہے۔لیکن اپنی عقل استعمال کر کے اس حکم کے مقصد و معنی اور مضمرات کی تحقیق کر سکتے ہیں۔ اس تحقیق کا ایک جزو اس کا خلافِ عقل (Irrational) ہونا بھی ہوسکتا ہے اور وہ اس لحاظ سے کہ جو چیز بھی ہمیں منشائے خداوندی دکھائی دی' اسے ہم نے از روئے ایمان ایک تاکیدی حکم سمجھ کر قبول کر لیا اور یہ معقول اس حد تک ہے جہاں تک یہ اعتقاد پر مبنی بنیادوں (Faith-based foundations) سے مطابقت رکھتا ہے۔اس میں معقولیت کا ایک اور جزو بھی ہے اور وہ اس امر کی تحقیق کرنا اور منشائے خداوندی سے مزید استخراجات اور نتائج اخذ کرنا ہے کہ ازدواجی تعلقات سے درحقیقت کیا مراد ہے؟ مثلاً کیا بیوی کا بوسہ لینا، اس سے بغلگیر ہونا، یا خلوت صحیحہ سے کمتر درجے کی کوئی حرکت بھی ''جنسی فعل'' شمار ہوگی۔کیا مسجد میں کھانے پینے یا ڈانس کرنے کی بھی ممانعت ہے؟ اس کے جواب کا انحصار تجزیئے کے معقول طریق کار پر ہے۔طریق کار کی معقولیت کا تقاضا ہے کہ پہلے یہ معلوم کیا جائے کہ کیا خدا ان دوسری حرکات کو پسند کرتا ہے یا ناپسند کرتا ہے۔اس کے بعد یہ سوال پوچھا جائے کہ کیا اس معاملے میں خدا کی مرضی، بندے کی مرضی کو مسترد کرتی ہے۔ میں بطور انسان اپنے ایمانی اعتقاد کے حوالے سے یہ کہتا ہوں کہ ہاں، خدا کی مرضی کو بندے کی مرضی پر فوقیت حاصل ہے۔لیکن ہماری تحقیق اسی بات پر رک نہیں جانی چاہیے۔ پھر اگلا تحقیق طلب سوال یہ ہونا

چاہیے کہ اگر خدا مسجد میں بیوی کے ساتھ دل لگی کی دوسری باتوں کو بھی ناپسند کرتا ہے تو کیا وہ ہمیں ان سے سختی کے ساتھ منع کرتا ہے۔ اگر واقعی ایسا ہے تو اگلا سوال یہ ہے کہ ہم خدا کے منشا کس طریقے سے دریافت کریں؟

جیسا کہ میں پہلے واضح کر چکا ہوں گواہیوں کو جمع کرنا اور ان کی قدر و قیمت متعین کرنا ایک عقلی طریق کار ہے لیکن اس کی بنیادیں یا قضیات (Premises) ایمانیات کا مسئلہ ہیں۔ لہٰذا عقل کو عقیدے کے تابع رہ کر آگے بڑھنا ہوگا۔ مثال کے طور پر اگر ہمارے پاس ایک حدیث ہے جو کہتی ہے کہ مسجد میں ناپاک حرکتیں نہ کرو، اس حکم کی معقولیت یا صداقت ایمان کا مسئلہ بن جائے گی جو عقیدے کی بنیاد پر استوار ہے۔ اس حکم کا اس خصوصی واقعہ سے متعلق (Relevant) ہونا، عقل کا معاملہ ہے، اس لیے مجھے اس گواہی کے مختلف اجزا کا جائزہ لے کر فیصلہ کرنا ہوگا کہ ان میں سے کون کون سا جز واس مسئلے سے ''متعلقہ'' ہے اور کونسا ''غیر متعلقہ'' ہے۔ یہ فیصلہ کرنا کہ ان میں سے کیا چیز متعلقہ ہے یا یہ فیصلہ کرنا کہ شہادتیں ہم سے کیا تقاضا کرتی ہیں، یہ عقل کا معاملہ ہوگا۔ مثال کے طور پر اس امر کا فیصلہ کرنا کہ تمام گواہیاں مسجد میں بوس و کنار کو حرام ٹھہراتی ہیں یہ عقلی پراسیس ہے اور اس امر کا فیصلہ کرنا کہ کون کون سا مخصوص کام ممانعت کی زد میں آتا ہے، یہ سب بھی عقل کا نتیجہ ہے۔ لیکن مجھے اس قانون پر لازماً عمل کرنا ہے، خواہ میری ذاتی رائے کچھ بھی ہو، یہ میرا ایک مذہبی فریضہ ہے۔

اس نے بے چینی سے پہلو بدلا، میری طرف غور سے دیکھا اور تڑخ کر بولا...... ''آپ یہ کیا مذہبی فریضہ، مذہبی فریضہ کہے جا رہے ہیں اس میں پوائنٹ کیا ہے؟ آپ جو کہنا چاہتے ہیں صاف کہیں آپ کی باتوں سے مجھے مصر کے اچار اور چٹنی فروش یاد آ رہے ہیں جو فٹ پاتھ پر ڈیرہ جمائے سبزیاں چھیل رہے ہوتے ہیں اور چھیلتے چھیلتے آخر سب کچھ ایک ڈرم میں پھینک دیتے ہیں۔''

مجھے اس بات پر جھٹکا سا لگا لیکن میں نے خود کو قابو میں رکھا۔ مجھے اچار فروشوں سے مشابہت دیئے جانے پر حیرت ہوئی۔ میں بھی مصر میں انہیں بہت حیرت سے دیکھا کرتا تھا۔ یہ بے حد محنتی ملنسار لوگ تھے۔ ان سے اپنی مشابہت قرار پانے سے میرا حوصلہ مزید بڑھ گیا۔ میں نے اپنی آواز بلند کرتے ہوتے کہا...... ''برادر، میں بحث و احتساب کے لیے قواعد وضع

کرنے کی کوشش کر رہا ہوں، ہمیں پہلے اس بات پر اتفاق کرنا چاہیے کہ جو چیز کسی ایک فریق کے مذہبی عقیدے میں داخل ہو، اسے کسی دوسرے عقیدے والا شخص بحث و احتساب کا موضوع نہیں بنا سکتا۔ ہاں اگر دونوں فریق ایک ہی مذہبی عقیدہ رکھتے ہوں تو وہ اس کے تحت بننے والے اصولوں پر نتیجہ خیز بحث کر سکتے ہیں۔ ہمیں اس بات پر بھی اتفاق کرنا چاہیے کہ صرف عقل پر مبنی عقیدے دو افراد کے درمیان بحث و احتساب کا موضوع بن سکتے ہیں۔ ان میں سے کوئی ایک بھی ''اس مشترک بنیاد'' کے پیچھے کارفرما محرکات یا وجوہ کی تحقیق کر سکتا ہے، دونوں ایک دوسرے کو معقولیت کے حوالے سے قائل کر سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر ایک شخص کہتا ہے ''میں جانتا ہوں کہ خدا کیا چاہتا ہے مجھے کشف یا الہام کے ذریعے معلوم ہوا ہے، مجھے خواب میں بتا دیا گیا ہے، میرا یہ جاننا اس لیے صحیح ہے کہ خدا مجھ سے باتیں کرتا ہے اس نے یہ مجھے بتایا ہے''

اب سننے والے کے لیے دو ہی راستے ہو سکتے ہیں۔ یا تو اس کے دعوے کو مان لے یا ماننے سے انکار کر دے۔ کیونکہ اس کی تصدیق یا بذریعہ عقل اس کی جانچ پڑتال ممکن نہیں ہوتی۔ لیکن ''عقیدے پر مبنی بنیاد'' (Faith-based foundation) عقل کے استعمال کے سارے راستوں کو مسدود نہیں کر سکتی۔ اگر میں شہادتوں کے باوزن یا بے وزن ہونے کا فیصلہ کرتا ہوں تو عقل استعمال کرتا ہوں، اسی کو استدلال یا عقلی طریق کار (Reason-based Process) کہا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر میں کہتا ہوں کہ میں اسلامی قانون پر ایمان رکھتا ہوں اور کہتا ہوں کہ میری زندگی کو اسلامی قانون کی رہنمائی حاصل ہونی چاہیے۔ میرے اس دعوے کا پہلا حصہ، بوجہ عقیدہ ہونے کے قابل قبول ہے لیکن اسلامی قانون کی تلاش اور اس کی قدر و قیمت کا تعین ایک عقلی راستہ ہے کیونکہ یہ کام شہادتوں کے مختلف اجزا اکٹھے کرنے اور ان سے نتائج اخذ کرنے پر انحصار کرتا ہے۔ لیکن میں اس سے آگے جانا چاہتا ہوں اور ایک اور دعویٰ کرتا ہوں۔ میرا دعویٰ یہ ہے کہ اگر کسی کا ''ایمان پر مبنی طریق کار'' منشائے خداوندی (عقیدے پر مبنی بنیاد) سے مطابقت نہیں رکھتا تو وہ سنگین گناہ کا مرتکب ہو رہا ہے۔ کیوں؟ اس لیے کہ ''ایمان پر مبنی طریق کار'' ''اختیارات اعلیٰ'' (Sovereignty) کے بارے میں قانون سازی کرنے کا تقاضا کرتا ہے۔ لیکن اسلام ''اختیارات اعلیٰ'' کو صرف اسی صورت میں جائز مانتا ہے جب یہ خدا کی مرضی کا تابع ہو۔ یا

کم از کم مسلمان جس طریقے پر باہمی اتفاق کر لیں، اس کے مطابق ہو۔ لیکن اس قانون سازی کے عمل میں خدا کی قانونی حاکمیت میں تجاوز کرنے یا اس حاکمیت کو غصب کرنے کا خطرہ موجود رہتا ہے۔ فرض کیجیے۔ مثال کے طور پر ایک روز میں کہتا ہوں کہ میرے ''مذہب پر مبنی عقائد'' کا ایک جزو کہتا ہے کہ مسلمانوں کو سیب نہیں کھانے چاہئیں۔ پھر ایک روز آپ میرے پاس آ کر کہتے ہیں کہ ''سیبوں کی ممانعت بڑی عجیب بات ہے میں شہادتوں کا محتاط تجزیہ کر کے ثابت کر سکتا ہوں کہ اسلام میں سیب کھانے کی اجازت ہے۔'' میں اس کا جواب دیتے ہوئے کہتا ہوں۔ ''میں نے ایمان پر مبنی طریق کار اختیار کرتے ہوئے بطور ایمانی عقیدہ سیبوں کے حرام ہونے کا یقین پیش کیا تھا۔ اس لیے مجھے آپ کی شہادتوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ خواہ یہ شہادتیں کتنی ہی وزنی ہوں یا تمہارا تجزیہ کتنا ہی درست ہو، میرا تو یہ پختہ یقین ہے۔'' اب دو صورتیں ہو سکتی ہیں، پہلی یہ کہ سیبوں کے حرام ہونے کے بارے میں میرا یقین منشائے الٰہی سے ماخوذ ہے، اور اسی پر مبنی ہے اور دوسری صورت یہ ہے کہ ایسا نہیں ہے۔ اگر واقعی ایسا نہیں ہے تو میرا یقین ایک ایسا قانون ہے جو بے جواز اور غیر مستند ہے۔ اور جو مسلمان بھی خدا کی منشا کے برتر اور اعلیٰ ترین ہونے پر ایمان رکھتا ہے، میرے دعوے کو باطل اور بے جواز ٹھہرائے گا۔ میرا یہ یقین کہ سیب حرام ہیں اگر سچ مچ منشائے خداوندی سے ماخوذ ہے تو دو آرا ہو سکتی ہیں ایک یہ کہ یہ یقین ''ایمان پر مبنی طریق'' پر استوار ہے (مجھے اس کا علم بذریعہ کشف الہام یا خواب ہوا ہے) دوسری یہ کہ یہ عقل پر مبنی ہے (میں شہادتوں کے مطالعہ سے اس نتیجے پر پہنچا ہوں۔) اگر پہلی رائے درست ہے یعنی مجھے الہام کے ذریعے یا کسی اور انوکھے طریقے سے یہ بات بتائی گئی ہے تو مجھے یہ جاننے کی ضرورت ہو گی کہ یہ منفرد الہام صرف مجھ ہی سے کیوں متعلق ہے۔ اگر مجھے یہ یقین بھی ہو جائے کہ تمہارا الہام مجھ سے تعلق رکھتا ہے تو مجھے یہ بات تسلیم کر لینی چاہیے کہ خدا اور تمہارے درمیان کوئی راز داری ہے۔ اسی بنا پر اس نے جو کچھ تم پر منکشف کیا، وہ دوسروں پر نہیں کیا۔ لیکن اس سے ہمارے لیے ایک مسئلہ پیدا ہو جاتا ہے۔ وہ ہے اسلام کا ایک بنیادی عقیدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد سلسلہ وحی بند ہو گیا ہے۔ پھر ہم خدا اور تمہارے درمیان راز داری کو کیسے مان لیں تاوقتیکہ ہم مذہبی عقائد کی از سر نو تحقیق کر لیں۔ میرا نقطۂ نظر یہ ہے کہ اگر آپ اسلامی قانون یا دیگر دینی امور کے بارے میں کوئی خاص موقف رکھتے ہیں لیکن اپنے موقف

MashaiBooks.org

کی شہادتوں، یعنی وجوہ کے بارے میں مجھ سے تبادلہ خیال کرنے پر تیار نہیں ہوتے' تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ یہ کہہ رہے ہیں کہ ''میں کسی کے لیے قابل رسائی (Accessible) نہیں ہوں اور نہ ہی کسی کے سامنے جوابدہ (Accountable) ہوں'' تو کیا مجھے اجازت ہے کہ میں آپ کے موقف کو نظر انداز کر دوں؟

جب میری بات ختم ہوئی تو میں نے دیکھا کہ وہ ادھر ادھر دیکھ رہا ہے جیسے کہ راہ فرار تلاش کر رہا ہو، جب راہ نہ ملی تو مجھ سے مخاطب ہوا ''برادر، میں صرف یہ عرض کر سکتا ہوں کہ آپ ممنوعہ باتوں پر اپنا زور کلام صرف کرتے رہے ہیں اور وہ بھی فلسفیوں کی لعنتی زبان میں۔ ان لوگوں کی زبان استعمال کرنا اور منع کردہ موضوعات پر اظہار خیال کرنا گناہ ہے۔ خدا نے ہر معاملے میں اپنی عقل کے استعمال سے منع کیا ہے۔''

میں نے ترکی بہ ترکی جواب دیتے ہوئے کہا...... ''آپ ہر معاملے میں غلطی پر ہیں۔ نمبرا، میں واضح طور پر فلسفی ہونے سے انکار کر رہا ہوں۔ میں نے فلسفے میں مہارت حاصل نہیں کی۔ البتہ مجھے جو باتیں معقول لگتی ہیں میں ان پر غور وفکر کرتا رہتا ہوں اور ان میں ایک امتیازی مقام حاصل کر لیتا ہوں۔ اگر آپ سمجھتے ہیں کہ میں نے ان باتوں میں وقت صرف کر کے کوئی غلطی کی ہے تو بتایئے مجھے اس کی بجائے کیا کرنا چاہیے تھا؟ لایئے کیا مشورہ ہے آپ کا؟ دوسری بات میں آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ میں مصری اچار فروشوں کو بہت پسند کرتا ہوں اور آپ نے جو کچھ ان کے بارے میں کہا مجھے اس پر بہت غصہ آیا تھا۔ نمبر۳، آپ کے پاس اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ خداوند تعالیٰ نے عقل کے استعمال کی ممانعت فرما دی ہے؟ یا خدا کی طرف سے آپ نے یہ خود ہی قانون سازی کر دی ہے؟ اگر ایسا ہے تو مجھے مطلع فرما دیجیے کہ کیا خدا اور آپ کے درمیان کوئی نجی تعلقات ہیں؟ میں اپنی بات میں یہ اضافہ بھی کرتا ہوں کہ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے ''ہوائے نفس'' (Whim) کو ناپسندیدہ اور معقولیت کو پسندیدہ قرار دیا ہے۔ درحقیقت اس نے عقل کے حوالے سے ہی کفار کی سوچ کو ناپسندیدہ کہا ہے۔ علاوہ ازیں آپ نے چند لمحے پہلے جو کچھ کہا ہے یہ مجھے اچھا نہیں لگا۔ کیا یہ دماغ کی ''عقلی کارکردگی'' کا ہی مظہر نہیں ہے جس کی بنیاد پر ہم قرآن کے استناد (Authenticity) کا سنت کے استناد سے موازنہ کرتے ہیں؟ اور کیا یہ بھی دماغ کی ''عقلی کارکردگی'' نہیں ہے جس کی بنا پر ہم کسی شہادت کے ''مستند'' یا ''متعلقہ'' (Relevant) ہونے کا فیصلہ کرتے

ہیں؟ اگر خدا مسجد میں ازدواجی تعلق قائم کرنے سے منع کرتا ہے تو کیا یہ دماغ ہی ''عقلی کارکردگی'' نہیں ہوگی جو ہمیں ''ازدواجی تعلق'' کو سمجھنے اور کسی عمارت کو مسجد قرار دینے کا شعور بخشے گی؟

ایمان یا عقیدہ چند ''قیاسات فرضی'' (Assumptions) کی طرح ہوتا ہے جنہیں بعد کے دلائل کے لیے فرض کر لیا گیا ہو۔ لیکن باقیماندہ سارا کام، عقل کے بل بوتے پر کرنا پڑتا ہے۔ ہم ایک عقیدے یا ایمان کے بل بوتے پر قرآن کو خدا کا کلام مانتے ہیں اور اسی کی وجہ سے قرآن کے احکامات کو واجب التعمیل اور نبی اکرمؐ کو واجب الاتباع سمجھتے ہیں۔ جس کو ہم بطور ایمان یا عقیدہ اختیار کرتے ہیں۔ اس کے پورے معنوں اور تمام مضمرات کو سمجھنے کے لیے عقل سے کام لینا پڑتا ہے۔ ایمان و عقیدے سے احکامات اخذ کرنے کے لیے بھی عقل ہی کی ضرورت پڑتی ہے۔''

''ٹھیک ہے'' اس نے بیزار ہوتے ہوئے کہا۔ ''معلوم نہیں آپ کیا کہے جا رہے ہیں؟ ان باتوں کا مسجد میں ہونے والے اختلافات کے ساتھ کیا تعلق ہے؟''

میں نے جواب دیا...... ''میرا بنیادی سوال یہ ہے، جب آپ مسجد میں پیدا ہونے والے اختلافات حل کر رہے تھے، کیا آپ اپنی مرضی پر عمل درآمد کر رہے تھے، مختلف فریقوں کی مرضی منوا رہے تھے یا خدا کی منشا کو عملی جامہ پہنا رہے تھے؟''

''میں مسلسل آپ کو یہی بتا رہا ہوں کہ مسجد، خدا کا گھر ہے اور میں خدا کی منشا پر عمل درآمد کرا رہا تھا۔''

میں شدت جذبات سے چیخ اٹھا...... ''یہ بہت گہری بات ہے بے حد گراں بار ذمہ داری ہے جو آپ نے اپنے سر لے لی۔ کیا آپ نے یہ ذمہ داری ازروئے ایمان و عقیدہ سنبھال لی تھی یا عقل اس کی متقاضی تھی؟ کیا خدا نے آپ سے ایسا کرنے کو کہا تھا کہ آپ اس کی منشا کی نمائندگی فرمائیں، یا یہ عقل و دانش کا تقاضا تھا جس نے ہمیں بتایا کہ ہم آپ کے فیصلے کو خدا کی منشا کے طور پر مان لیں۔''

اس نے خشک لہجے میں کہا...... ''مجھے عدالت نے اس کام کے لیے مقرر کیا اور متعلقہ فریقوں نے اس سے اتفاق کر لیا۔''

میں نے کہا ''تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ عقل کا تقاضا تھا، اس میں سہولت بھی تھی۔

MashalBooks.org

رضامندی کی منطق اور ادارتی تنظیم کی منطق بھی تھی کہ آپ کا یہ منصب تسلیم کرلیا گیا کہ آپ فیصلہ صادر کریں۔''

''ٹھیک ہے، مگر آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟''

''کیا آپ جانتے ہیں کہ آپ کے تقرر کے بارے میں خدا کیا سوچتا ہے؟''

''ہم صرف اندازہ ہی لگا سکتے ہیں'' اس نے کہا۔

میں نے جواب دیا ''لیکن آپ نے یہ کام اس عقیدے کے تحت کیا کہ مسجد خدا کا گھر ہے اور آپ نے اس کے گھر میں اس کا قانون نافذ کیا۔''

''جی ہاں، یہی بات ہے''

''آپ کا تقرر خدا نے نہیں کیا یہ ایک 'عقل پر مبنی طریق کار' (Process) کا نتیجہ تھا۔ مگر آپ کو اپنی عقل لاگو کرنے کے لیے مقرر نہیں کیا گیا تھا، آپ کو ''کچھ اور بات'' نافذ کرنے کے لیے کہا گیا تھا اور وہ ''کچھ بات''......'خدا کا قانون' ہے۔

''ہاں ٹھیک ہے''

''لیکن آپ کو خدا کے قانون کا کیسے علم ہوا؟ کیا آپ نے اس کے لیے عقیدے پر مبنی طریق کار استعمال کیا یا عقل پر مبنی طریق کار سے استفادہ کیا؟''

اب وہ چلا اٹھا...... ''بھائی کیا آپ پاگل ہو گئے ہیں اور سچ مچ یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ مجھے اس قانون سے خواب میں مطلع کیا گیا یا مجھ پر وحی نازل ہو گئی تھی، یہ کیا احمقانہ باتیں ہو رہی ہیں؟''

میں نے کہا ''برادر، آپ نے اپنی بات میں اس قرآنی آیت کے سوا، جس کا آپ نے حوالہ دیا ہے، کسی شہادت کا ذکر نہیں کیا، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ آپ نے متذکرہ آیت پر مبنی عقلی طریق کار کی وضاحت نہیں کی۔ مجھے ایسا لگتا ہے کہ آپ نے متعلقہ فریقوں کی رضامندی یا مخصوص قاعدے قوانین (By-laws) یا حاضرین مجلس میں سے چند لوگوں کی باہمی گفت وشنید کو سامنے رکھ کر ثالثی کر دی اور میرے خیال میں تنازعات طے کرانے کا یہی معقول طریقہ ہے۔ لیکن آپ نے اپنی دلیل میں جس منطق کا ذکر کیا تھا وہ کچھ یوں تھی۔ 'میں اس مفروضے کی بنیاد پر کام کروں گا کہ یہ خدا کا گھر ہے، میں اس مفروضے کی بنا پر بھی کام کروں گا کہ خدا نے اپنے گھر کے لیے رولز بنائے ہیں، اور یہ رولز بطور عقیدہ وایمان سب کے لیے واجب التعمیل ہیں۔ میں فرض کروں گا کہ مسجدوں میں تنازعات کے سلسلے میں خدا کی

ایک منشا ہے اور یہ کہ خدا چاہتا ہے کہ میں اس کی منشا کو عملی جامہ پہناؤں' اس کے باوجود آپ نے خدا کے قواعد پر عمل درآمد کے لیے اپنی اور دوسروں کی عقل عام (Common Sense) استعمال کی۔ آپ کا یہ عمل آپ کے قائم کردہ قضیے (Premises) یا سوچ کی بنیادوں سے مطابقت نہیں رکھتا تاوقتیکہ آپ یہ نہ سمجھتے ہوں کہ خدا کے قواعد اور آپ کی عقل عام مساوی الوسعت (Co-extensive) ہیں۔ یا خدا نے کسی طرح آپ کو بتا دیا کہ اس کے قواعد کو عقل عام کے اندر تلاش کیا جا سکتا ہے۔ اور عقل عام کی مدد سے ہی ان قواعد پر عمل درآمد ہو سکتا ہے۔ لیکن آپ نے اپنی زبانی یہ بات نہیں بتائی اور دراصل آپ نے اس تصور کو مسترد کر دیا ہے۔ پھر آپ کا طریق کار (Methodology) کیا تھا؟ یہ لگتا تھا کہ آپ یہ کہہ رہے ہیں 'میں جانتا ہوں اس لیے کہ میں ہی جانتا ہوں، یہ 'عقل پر مبنی' طریقہ نہیں ہے۔ اگر یہ عقلی راستہ نہیں ہے تو لامحالہ 'عقیدے پر مبنی طریقہ' ہو گا۔ دراصل، خدا کی منشا بالآخر آپ کی منشا ثابت ہو گئی۔ خدا کے وہی قواعد ہیں جو آپ کی رائے میں اس کے قواعد ہیں۔ اس بات کا تقاضا ہے کہ میں آپ کو خدا کا چنا ہوا آدمی سمجھوں جسے یہ اختیار مل گیا کہ خدا کے قوانین بیان فرمائے، اور یہ کہ خدا کے اور آپ کے درمیان ایک نجی تعلق قائم ہو چکا تھا۔ آپ کو کسی عقلی طریقے سے منتخب نہیں کیا گیا تھا اور نہ ہی آپ پر خدا کے قواعد تلاش کرنے کی ذمہ داری ڈالی گئی تھی۔''

اس پر وہ سخت برہم ہوا، اور چلاتے ہوئے بولا...... ''تو آپ یہ کہہ رہے ہیں کہ میں نے خدا کے قوانین پر عمل درآمد کی بجائے اپنی اور دوسرے لوگوں کی مرضی ٹھونس دی تھی۔''

میں نے جواب دیا...... ''میں دراصل یہ کہہ رہا ہوں کہ مجھے آپ کے 'طریق کار' نے الجھا دیا ہے۔ شروع میں آپ نے کہا کہ وہاں خدا کا حکم نافذ ہوا۔ میں نے اس سے یہ مطلب لیا کہ آپ نے یہ دعویٰ بطور عقیدہ کیا تھا۔ پھر آپ نے معاشرتی شواہد اور اپنے وجدان کا ذکر کیا۔ یہ بات میرے لیے صرف ایسی صورت میں قابل قبول ہو سکتی ہے جب آپ یہ تسلیم کریں کہ خدا کا قانون، علم معاشرت (Sociology) اور آپ کے وجدان کے گرد گھومتا ہے۔ یا آپ یہ دعویٰ بھی کر سکتے تھے اور ہم اسے مان بھی سکتے تھے کہ آپ خدا سے گفتگو کر سکتے ہیں۔ اگر آپ اپنے پاس ان دو دلائل میں سے ایک بھی نہیں رکھتے تو پھر آپ کو متعلقہ شہادت کا حوالہ دینا پڑے گا، یعنی وہ 'عقل پر مبنی طریق کار' بتانا ہو گا جو ایمان پر مبنی بنیاد (Foundation) سے مطابقت رکھتا ہو۔ ہمیں یہ بتانا ہو گا کہ ہم اس شہادت کو بطور عقلی

شہادت قبول کریں یا ایمانی شہادت کے طور پر مانیں۔ اگر آپ یہ موقف اختیار کریں کہ یہ شہادت مخصوص حالات ونتائج کی حامل ہے تو اس کے لیے آپ کو عقلی دلائل سے بات کرنا ہو گی۔ اور یہ ثابت کرنا ہوگا کہ یہ شہادت پیش آمدہ حقائق پر فلاں طریقے سے اثر انداز ہوتی ہے۔ اگر آپ عقیدے پر مبنی طریق کار پر چلتے ہیں تو وہ ہمارے لیے قابل رسائی نہیں ہے۔ اگر آپ کا خدا کے ساتھ کوئی نجی معاملہ ہونے کا دعویٰ نہیں تو پھر آپ سے بات کی جاسکتی ہے۔''

اس نے ایک بار پھر احتجاج کرتے ہوئے کہا...... ''میں ہر بات عقل اور دلیل سے ثابت کرسکتا ہوں، مگر بات اتنی طویل ہو جائے گی کہ کبھی ختم نہیں ہو سکے گی۔''

میں نے فوراً جواب دیا...... ''میں اس عذر پر یقین نہیں رکھتا۔ ہر بات کہنے کا ایک مختصر طریقہ بھی موجود ہے بشرطیکہ آپ جواب دینا پسند کریں۔''

''مختصر طریقہ، وہ کیا طریقہ ہوسکتا ہے؟''

میں نے جواب دیا...... ''پہلے گزرے ہوئے لوگوں کی آراء، ان کی تحقیق اور ان کے استخراجی طریقوں سے استفادہ کرنا۔ میں نوٹ کرتا رہا ہوں کہ آپ نے کسی بھی سند کا ذکر نہیں کیا اور نہ کوئی مستند حوالہ پیش کیا ہے۔ صرف اپنے آپ کا حوالہ دیتے رہے ہیں۔ فقہ کی کتابیں ان احکامات سے بھری پڑی ہیں۔ بیشتر کتابوں میں احکام المساجد کے عنوان سے بحثیں موجود ہیں۔ الزرخشی (متوفیٰ 794ھ/1392ء) نے مساجد اور ان کے انتظام وانصرام کے موضوع پر متعدد کتابیں لکھی ہیں اسلامی عہد میں ان موضوعات پر استفسارات ہوتے رہے اور ان کے جواب میں سینکڑوں کتابیں وجود میں آئیں۔ ہندوستان میں اینگلو محمڈن کورٹس نے ہزاروں فیصلے دیئے ہیں جو براہ راست ان مسائل سے تعلق رکھتے ہیں جن پر آپ نے بحث کی ہے لیکن آپ نے کسی ایک فیصلے کا ذکر بھی نہیں کیا۔''

مقلد اور غیر مقلد کی بحث

میری یہ بات سن کر اس نے قدرے اطمینان کا اظہار کیا...... ''اچھا تو میں اب سمجھا، آپ ان ''لوگوں'' (مقلدوں) میں سے ہیں۔ نہیں بھائی۔ ہم سلفی عقیدہ رکھتے ہیں۔ ہمارے لیے صرف خدا کے احکامات اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کافی ہیں۔ یعنی خدا، اس کا رسولؐ اور ہم۔ بس اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ جہاں تک دوسروں کا تعلق ہے، مشہور محاورہ

ہے ''ہم بھی آدمی ہیں اور وہ بھی آدمی تھے۔'' (ھم رجالون ونحن رجال)۔ ہم خدا کی کتاب میں سے احکامات پڑھتے ہیں اور ان پر سنت رسول کی روشنی میں عمل درآمد کرتے ہیں۔ ہم درمیانی واسطوں کو نہیں مانتے۔ ہم فقہی مکاتب اور ان مکاتب کے سربراہوں کی عبادت نہیں کرتے۔ کسی نے کیا کہا، کوئی مکتبۂ فکر کیا کہتا ہے اور کیا نہیں کہتا، ہمیں اس سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ ہم صرف خدا اور اس کے رسولؐ کو مانتے ہیں۔''

میں نے جواب دیا...... ''بھائی، مجھے معلوم نہیں کہ آپ کن لوگوں کا حوالہ دے رہے ہیں، لیکن میرے پاس آپ کی بات کے کئی جوابات ہیں۔ نمبر ایک۔ میں کافی وضاحت سے ثابت کر چکا ہوں کہ مسئلے کے حل کے سلسلے میں آپ کا طریق کار متضاد مفروضوں پر مشتمل ہے۔ آپ کہتے ہیں کہ 'نہیں وہ متضاد نہیں ہیں اور میں من مانی تعبیریں نہیں کر رہا ہوں، میں کہتا ہوں اچھا بتائیے کہ آپ ایمان، منشائے خداوندی کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں اور عقل کے استعمال کے سلسلے میں کیا موقف اختیار کرتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ آپ کھل کر اپنی رائے کا اظہار کریں تاکہ میں آپ کی دلیل کی قدر و قیمت کا تعین کر سکوں اور یہ فیصلہ کر سکوں کہ میرے لیے آپ کے عقیدے سے اشتراک کرنے یا آپ کے استدلال سے متفق ہونے کی کوئی صورت پیدا ہو سکتی ہے یا نہیں۔ اور آپ کہتے ہیں کہ 'میرے پاس وقت نہیں' جس پر میں کہتا ہوں کہ اس کے لیے ایک اور طریقہ بھی ہے...... وہ یہ ہے کہ، ان منابع اور مصادر کی تحقیق کی جائے جن پر ہم سے پہلے کے اصحاب نے اپنے موقف استوار کیے تھے۔ ان باتوں پر غور کیجیے جن سے آپ اتفاق کرتے ہیں اور ان پر بھی نئے سرے سے غور کیجیے جن سے آپ کو اختلاف ہے۔ آپ ان پر روشنی ڈالیے اور ان پر تنقید کیجیے۔ میں بھی ساتھ ساتھ آپ کے چھوڑے ہوئے خلا پورے کرتا رہوں گا۔ مثلاً ایک ریاضی دان نے اپنے دور میں ایک خاص قضیہ (Theorem) ثابت کر دیا۔ آپ آج اٹھتے ہیں اور ایک ریاضیاتی دلیل، اسی نقطے کے بارے میں لے آتے ہیں۔ لیکن آپ کے پاس اتنا وقت نہیں ہے کہ آپ تمام مراحل (Steps) میں سے گزر کا مجھ پر وہ بات ثابت کر سکیں جسے ثابت کرنے کی ضرورت ہو پھر معقولیت کا تقاضا یہی ہے کہ ماضی کے ریاضی دانوں کے کام کا حوالہ دے کر ان کے ثابت کردہ اجزا کو من و عن قبول کر لوں۔ اس کے بعد آپ مجھ پر واضح کریں کہ آپ کو کس سے اتفاق ہے اور کس سے اختلاف ہے۔ یہ ہے میرا پہلا پوائنٹ۔

میرا دوسرا پوائنٹ یہ ہے: آپ سے پہلے کے لوگوں نے آپ کے لیے شہادتوں کی وہی تحقیق کی جس کے بارے میں آج آپ دعویٰ کر رہے ہیں کہ آپ نے تحقیق کی ہے۔ میں جانتا ہوں کہ انہوں نے آپ کی بہ نسبت زیادہ مواد اکٹھا کیا اور آپ سے کہیں زیادہ تجزیہ کیا۔ انہوں نے قرآنی آیات پر بحث کی، پیغمبرؐ کے تعامل کا تجزیہ کیا، صحابہ کے نظائر کے حوالے دیئے، شریعت کے رہنما اصولوں کے حوالے دیئے اور پھر ان اصولوں کے مضمرات کی قدر و قیمت متعین کی۔ دوسری طرف آپ نے ان میں سے کوئی ایک کام بھی نہیں کیا۔ اور میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ آپ نے اس سے' محنت کے جذبے کی کمی کی وجہ سے پہلوتہی کی یا آپ کو ان اہل علم حضرات کی مساعی سے اتفاق نہیں تھا، یا آپ نے اس لیے پہلوتہی کی کہ ان حضرات نے جن منابع کو معتبر سمجھا وہ ہرگز معتبر نہیں تھے۔

''میرا تیسرا پوائنٹ یہ ہے: آپ کا دعویٰ ہے کہ آپ نے اسلامی قانون پر عمل درآمد کرایا، اس سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اسلامی قانون سے آپ کی مراد کیا ہے؟ کیا اس سے مراد قرآن وسنت کی وہ تعبیر ہے جو آپ نے اور دوسروں نے کی ہے؟ یا وہ تعبیر درست ہے جو دیگر اہل علم حضرات نے کسی دور میں یا کسی خاص جگہ پر پیش کی تھی؟ مجھ پر واضح نہیں ہے کہ آپ کسی اور کی تعبیر کو پذیرائی بخشتے ہیں یا نہیں۔ میں جب آپ کی باتیں سن رہا ہوتا ہوں تو یہ سمجھتا ہوں کہ میں آپ کے مکتب فکر اور آپ کے طرز استدلال سے آگاہی پا رہا ہوں۔ کیا میں بیک وقت آپ کے مکتب فکر اور دیگر مکاتب فکر سے بھی آگاہی حاصل کر رہا ہوں؟ کیا ہر مکتب فکر کو آپ کے مکتب فکر کے ساتھ اتفاق ہے؟ اگر ایسا نہیں ہے تو کیا میں انہیں نظرانداز کروں اور صرف آپ کی بات سنوں؟ لیکن کیوں؟ کیا اس لیے کہ آپ کا ''عقل پر مبنی طریق کار'' آپ کو زیادہ درست اور زیادہ قابل قدر ثابت کر دے گا۔ یا اس لیے کہ آپ کا ''عقیدے پر مبنی طریق کار'' آپ کو خدا کا معتبر ترین نمائندہ ثابت کر دے گا؟ میں ان تمام سوالوں کے بارے میں متفکر ہوں۔

''میرا چوتھا پوائنٹ تیسرے پوائنٹ سے ہی متصل ہے۔ آپ جس حد تک اسلامی قانون کی نمائندگی کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں، اس حد تک آپ توقع کر سکتے ہیں کہ آپ اپنے سامعین پر پوری اسلامی فقہ کی نمائندگی کا تاثر پیدا کر رہے ہیں۔ مثال کے طور پر جب میں کہتا ہوں کہ میں امریکن قانون کی توضیح کر رہا ہوں تو ایک معقول شخص مجھ سے لازماً یہ توقع کرے

گا کہ میں امریکی قانون کے منابع کے بارے میں محض اپنی منفرد رائے دینے تک محدود نہیں رہوں گا بلکہ اس سے آگے بڑھ کر بھی کچھ کہوں گا۔ مجھ سے ایسی توقع رکھنا یقیناً ایک معقول بات ہوگی اور میں اس پورے قانون کی وضاحت کرتے ہوئے دیگر قانون دانوں سے اپنے اختلاف رائے کی وجوہ پر بھی روشنی ڈالوں گا۔ اب ایک دوسری مثال دیکھیے۔ اگر میں شطرنج کے رولز کے بارے میں بات کروں تو ہر کوئی یہ توقع کرے گا کہ میں شطرنج کے قواعد میں اب تک رونما ہونے والی تبدیلیوں اور ارتقا کی تاریخ کا بھی ذکر کروں گا۔ اگر میں ان قواعد کے بارے میں کچھ منفرد رائے بھی رکھتا ہوں یا ان قواعد کی ازسرنو تعبیر کی ضرورت کا احساس دلا رہا ہوں تو پھر مجھے اپنی بات کی اچھی طرح وضاحت کرنا ہوگی۔ جب آپ اسلامی قانون کی ذیل میں آنے والے کسی نقطے پر اظہار خیال کر رہے ہوں گے تو عام مسلمان بجا طور پر آپ سے یہ توقع رکھیں گے کہ آپ قرآن اور سنت کے علاوہ قدیم و جدید فقہا کی آراء بھی پیش کریں گے لیکن اگر آپ باقی سب کی رائے کو ایک طرف رکھ کر صرف اپنے نقطہ نظر کو سب کی نمائندہ رائے کے طور پر پیش کر رہے ہیں تو ساتھ آپ کو اس کی بھی وضاحت کرنا ہوگی۔

میرا پانچواں پوائنٹ معقولیت کے رویئے کے بارے میں ہے۔ فرض کیجیے کہ میں اپنا کام کرتے ہوئے کسی مشکل فنی مسئلے سے دوچار ہوگیا ہوں اور مجھے بتایا جاتا ہے کہ فلاں آدمی کو بھی اسی قسم کی مشکل پیش آئی تھی اس نے فلاں تدبیر اختیار کر کے مسئلہ حل کر لیا تھا۔ اگر میں اس وقت کہوں کہ مجھے کسی کی مدد یا رہنمائی کی ضرورت نہیں تو کیا آپ میرے رویے کو نامعقول رویہ نہیں کہیں گے؟ بدقسمتی سے آپ بھی دوسروں سے مدد یا رہنمائی حاصل کرنے کی ضرورت سے خود کو بے نیاز سمجھتے ہیں۔ اور الٹا دوسروں سے توقع کرتے ہیں کہ وہ آپ کو اپنا رہنما یا مشیر بنا لیں گے۔ اگر ماضی کے فقہا نے اسی قسم کے حالات پیش آنے پر ان کا ایک یا متعدد حل پیش کیے ہیں اور ان کے کارناموں کے نظائر آپ کی رسائی کے دائرے میں ہیں تو ان سے رہنمائی حاصل کرنے اور ان کی گراں قدر تصانیف سے استفادہ کرنے سے انکار کوئی معقول رویہ تو نہیں ہوسکتا۔ اگر آپ یہ کہتے ہیں۔ 'دیکھو میں دوسروں سے توقع نہیں رکھتا کہ وہ میری نظیر کی پیروی کریں گے، تو پھر آپ ہمیں اختلافات دور کرنے کے اپنے تجربات کیوں بتا رہے ہیں۔ آپ ہمیں یہ بتا رہے ہیں کہ آپ کا اختیار کردہ طریق کار مستقبل میں پیدا ہونے والی صورت حال میں مفید ثابت ہوسکتا ہے تو پھر آپ پہلے گزرے ہوئے اصحاب فکر کے مشوروں کی افادیت

MashalBooks.org

سے کیوں انکار کر رہے ہیں۔ میں اس بات کو خاص طور پر اس لیے زیادہ سنجیدگی سے لے رہا ہوں کہ فقہائے کرام جنہوں نے ایسے مسائل کا حل پیش کیا تھا وہ آپ کی بہ نسبت زیادہ باشعور تھے اور وہ متعلقہ شہادتوں سے نتائج اخذ کرنے کی صلاحیت آپ سے زیادہ رکھتے تھے۔

میرا چھٹا یا آخری پوائنٹ شہادتوں کی قدر و قیمت کے تعین کے بارے میں ہے۔ میرا خیال ہے کہ آپ بھی میری طرح یہ جانتے ہوں گے کہ خدا نے مشکل مسائل کے حل کے لیے اہل علم سے رجوع کرنے کی ہدایت فرمائی ہے اور ان مسائل کو باہمی مشاورت سے طے کرنے پر زور دیا ہے، ملاحظہ کیجیے سورۃ النحل کی آیت 43، سورۃ الانبیآء کی آیت 7، سورۃ ال عمران کی آیت 59 اور سورۃ الشوریٰ کی آیت 38۔

میں نے یہ آیات پڑھ کر سنائیں اور کہا کہ خدا کے احکامات بہت واضح ہیں۔ یعنی اہل علم سے رہنمائی حاصل کرنا اور آپس میں صلاح مشورے سے معاملہ طے کرنا۔ اہل علم سے مراد فقہا ہیں خواہ وہ پہلے دور کے ہوں یا موجود دور کے۔ ماضی کے فقہا سے مراد ان کی کتابیں ہیں۔ میں اس نتیجے پر ''عقل پر مبنی طریق کار'' سے پہنچا ہوں لیکن آپ کا طریق کار' فقہا کو مشورے میں شامل کرنا نہیں بلکہ خارج کرنا ہے۔ مجھے آپ کے قرآن کو سمجھنے کا طریق کار کی سمجھ بھی نہیں آ سکی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے فریقین تنازعہ سے صلاح مشورہ کیا، آپ نے امریکن جج، اپنے دوستوں، اپنے اہل خاندان اور اپنی کمیونٹی کے انجینئروں اور میڈیکل ڈاکٹروں سے مشورہ کیا اور یہ سمجھ بیٹھے کہ قرآن نے جن اہلِ علم کا ذکر کیا ہے وہ یہی لوگ ہیں۔ گویا کسی کو مشورے میں شامل کرنا اور اس سے خارج کرنا خدا نے آپ کی انفرادی صوابدید پر چھوڑ دیا ہے۔ اس کی منشا ہے کہ فقہا کو اس عمل سے خارج کر دیا جائے اور انجنیئروں ڈاکٹروں اور آپ کے دوستوں اور ارکانِ خاندان کو شامل کر لیا جائے۔ اگر آپ یہی سمجھتے ہیں تو اس کی عقلی طریق کار کے مطابق وضاحت کیجیے۔ اگر ایسا نہیں تو یہ دعویٰ کر دیجیے کہ خدا نے آپ کو بذریعہ وحی مشورے کے یہ قواعد بتا دیئے تھے۔ میرے لیے آپ یہ طریق کار بالکل نا قابل فہم ہے۔''

اس نے نہایت غصے اور نفرت بھری نگاہوں سے مجھے دیکھا' ایسا لگتا تھا کہ وہ اب بس پھٹ پڑے گا۔ کچھ دیر کے بعد بولا...... ''اچھا تو آپ یہ کہہ رہے ہیں کہ میں چند فقہا کی کتابیں پڑھوں اور ان میں سے بتائے ہوئے طریقے پر عمل کروں۔''

''نہیں، میں نے یہ نہیں کہا، میرا خیال ہے کہ آپ نے میری باتیں توجہ سے نہیں سنیں۔

میں یہ گزارش کر رہا ہوں کہ آپ ماضی کے فقہا سے مشورہ کریں ان کی مساعی اور طریق کار کا مطالعہ کریں۔ اس کے بعد اگر آپ یہ محسوس کریں کہ آپ اپنے فرائض سے بطریق احسن عہدہ برآ ہو سکتے ہیں تو پھر فیصلہ کریں کہ ان ہدایات میں سے کس کو قابل عمل سمجھتے ہیں اور کس کو قابل ترک سمجھتے ہیں۔ جب تک آپ میں یہ خود اعتمادی پیدا نہیں ہو جاتی کہ آپ جو کچھ کر رہے ہیں یہ ایمان اور یقین کا معاملہ ہے، اور جب تک آپ ہمیں یہ دعوت نہیں دیتے کہ ہم آپ پر ایمان لے آئیں تو آپ کو ہمیں عقلی دلائل سے قائل کرنا پڑے گا کہ آپ دراصل منشائے خداوندی کو عملی جامہ پہنا رہے ہیں۔ ایسا کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ آپ ہمیں بتائیں کہ پہلے گزرے ہوئے لوگوں کی مساعی قابل عمل نہیں ہیں یا غلط ہیں یا نامکمل ہیں۔ لیکن انہیں خواہ مخواہ نظر انداز کر دینا مجھے نااہلی، سرکشی اور سنگدلی معلوم ہوتی ہے۔''

اس نے کہا......''اس سے تو مجھے صرف یہ سمجھ آ رہی ہے آپ تعقّل پسندی سے محبت کرتے ہیں اور اسلام میں تعقّل پسندی ممنوع اور مردود قرار دی گئی ہے، بھائی صاحب آپ اس بے ہودگی کو چھوڑ کر قرآن وسنت سے رہنمائی حاصل کریں جو صحیح اور سیدھا راستہ ہے، یہ ہیچ پیچ اور اگر مگر جو آپ نے اور دوسرے لوگوں نے شروع کر رکھا ہے، صحیح نہیں ہے۔''

میں نے احتجاج کرتے ہوئے کہا......''جہاں تک تعقّل پسندی (Intellectualism) کا معاملہ ہے، میں اسے سمجھنے سے قاصر ہوں۔ کیا آپ یہ کہہ رہے ہیں کہ خدا نے آپ کو ذہانت عطا نہیں فرمائی۔ یا یہ کہہ رہے ہیں کہ خدا نے آپ کو ذہانت تو دی ہے مگر آپ کو اس کے استعمال سے باز رہنے کا حکم دے دیا ہے؟ کیا آپ کا دعویٰ یہ ہے کہ تعقّل پسندی کے ممنوع ہونے کے بارے میں آپ پر وحی اتری ہے۔ کیا آپ پر اس کا نزول براہ راست ہوا ہے یا کسی صبح جب آپ نیند سے بیدار ہوئے تو آپ نے یہ بات اپنے دل میں جاگزیں پائی؟ لیکن میں آپ کا شریکِ عقیدہ کیسے ہو سکتا ہوں جب تک مجھے آپ کے جذبے تک رسائی حاصل نہیں ہو جاتی۔ یا جب تک آپ اپنی اس جذباتی کیفیت کو میرے دل کے اندر پیوست (Transplant) نہیں کر دیتے؟ غالباً آپ یہ کہہ رہے ہیں کہ آپ نے ''عقل پر مبنی طریق کار'' کے ذریعے معلوم کر لیا کہ تعقل پسندی ممنوعہ چیز ہے۔ یا آپ عقل استعمال کر کے اس نتیجے پر پہنچ گئے ہیں کہ آپ کو عقل سے کام نہیں لینا چاہیے۔ پھر آپ کو اس کے 'ممنوع ہونے کے طریق کار' کے جواز پر روشنی ڈالنی ہوگی۔ یہ ایسی ہی بات ہے جیسے 'جمہوری عمل' (Democratic Process) کو جمہوری عمل ہی

کے ذریعے ممنوع قرار دے دیا جائے۔ کیا یہ منطقی طور پر درست اور دیانت دارانہ رائے ہے؟ بہرحال اگر آپ نے تعقل پسندی کی ممانعت کے لیے 'عقل پر مبنی طریق کار' استعمال کیا تو پھر آپ کو اس قابل ہونا چاہیے کہ آپ مجھے اپنی شہادت (Evidence) میں بھی شریک کر لیں، اگر ایسا نہیں کر سکتے تو مجھے کیا پڑی ہے کہ میں آپ کے عقیدے سے اثر قبول کر لوں؟ جہاں تک 'سیدھے راستے' کا تعلق ہے، صراط مستقیم واقعی موجود ہے۔ بطور ایمانیات اس سے بہتر کوئی راستہ نہیں۔ لیکن میں سیدھا راستہ ہی تلاش کر رہا ہوں۔ اس کے لیے مجھے شہادتوں کی جانچ پڑتال اور ان کی قدر و قیمت متعین کرنی ہے اور اس امر پر غور کرنا ہے کہ کیا میں نے عقلی امور کے تمام تقاضے پورے کر لیے ہیں؟ جہاں تک میری نیت اور میرے طرز عمل کی نوعیت کا معاملہ ہے میں آپ سے یہ استفسار کرتا ہوں کہ کیا ہمیں اسلام سے متعلق آپ کے کردار (Role) اور اس کے اخذ کردہ نتائج کو عقلی طور پر مستند مان لینا چاہیے یا ایمانی طور پر؟''

اس نے کہا..... ''ٹھیک ہے بھائی، میں نے بڑے صبر سے آپ کی باتیں سنی ہیں لیکن آپ 'علم کلام' اور فلسفیانہ بے ہودگی کا مظاہر کر رہے ہیں۔ یہ انکل ٹام امریکن ازم ہے۔ میں دعا کرتا ہوں کہ خدا آپ کو راہ ہدایت دکھلا دے۔

السلام علیکم''

یہ کہتے ہوئے وہ تیزی سے باہر نکل گیا۔ لیکن اتفاقاتِ زندگی کبھی کبھی افسانے سے بھی زیادہ دلچسپ ہوتے ہیں۔ چند سال بعد مجھے اسی مصری خدوخال کے دوست کی یہ ''ای میل'' موصول ہوئی:۔

''برادر محترم، ابوالفضل

السلام علیکم۔ مجھے معلوم نہیں کہ آپ نے اب تک مجھے یاد رکھا ہوا ہوگا۔ ہم کئی سال پہلے نیویارک سٹیٹ میں ملے تھے۔ میں نے ایک مسجد میں پیدا ہونے والے تنازعے کے بارے میں گفتگو کی تھی اور آپ نے مجھ پر کڑی تنقید کی تھی۔ اس کے بعد سے بہت کچھ رونما ہوا ہے۔ میں نے لاء سکول میں داخلہ لے لیا تھا اور اب میں تھرڈ ائیر میں ہوں۔ اس ملاقات میں آپ سے جو گفتگو ہوئی اس کے بعد میں نے ویسا لیکچر کبھی نہیں دیا، مبادا کہ سامعین میں کوئی آپ جیسا موجود ہو۔ بہرحال میں نے کچھ سوچ بچار بھی کی۔ بعض باتیں بری لگیں۔

کیونکہ عقیدے پر مبنی دلائل (یا یہ عقل پر مبنی طریقہ کار ہے) دیتے ہوئے مجھے گناہ کا احساس ہونے لگا۔ میں نے یہ سمجھا کہ میں خدا کا قانون لاگو کر رہا ہوں کیونکہ میرا عقیدہ تھا کہ خدا یہی چاہتا ہے۔ میں نے یہ سوچنا شروع کر دیا کہ اگرچہ میں خدا کے قانون کو عقیدے کا معاملہ سمجھتا ہوں اور اس کے اندر پائی جانے والی معقولیت کو عقیدے کے طور پر قبول کرتا ہوں، خدا کے قانون کا صرف 'عقل پر مبنی طریق کار' سے ہی پتہ چل سکتا ہے۔ یہ طریق کار استعمال کرتے ہوئے مجھے یہ بھی محسوس ہوا کہ میں اسلامی روایات کے بارے میں گستاخی' ناشکرگزاری اور ناقدری کا مرتکب ہوا ہوں۔ سچی بات یہ ہے کہ میں نے اسلامی فقہ کی پرانی کتب کا مطالعہ کیا لیکن سمجھ نہیں سکا کہ وہ کیا کہہ رہے تھے۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ فقہا کوئی مخصوص زبان استعمال کرتے تھے۔ کیا آپ نے اپنی گفتگو میں اسی زبان کی طرف اشارہ کیا تھا۔ اگر ہم اپنی روایات کو نہ سمجھ سکیں تو پھر ہمیں کیا کرنا چاہیے؟

ایک اور سوال، اگر آپ اجازت دیں، یہ ہے کہ اپنی روایات کے اندر بندے کی جڑیں ہونے کی خواہش، اپنے تسلسل کی آرزو، نہ کہ انحرافی رویے کا مظہر ہونا، اپنے ارتقا کا احساس نہ کہ حادثاتی طور پر ابھرنا، یہ ایک قدرتی جذبہ ہے جو اسے اپنی ان جڑوں سے ملتا ہے جو ایمان یا عقل میں پیوست ہوتی ہیں۔

فقط آپ کا اسلامی بھائی۔''

میں نے جواباً اسے صرف ایک فقرہ لکھا۔

برادر محترم!

آپ کے سوال کے جواب میں عرض ہے کہ حُسن اور خدا کی تلاش کی مانند یہ ایک یاد دہانی ہو گی۔ ذٰلِکَ ذکریٰ لِلذّٰکِرِیْن۔ یہ ایک یاد دہانی ہے ان لوگوں کے لیے جو خدا کو یاد رکھنے والے ہیں۔ (سورۃ ہود آیت 114)

والسلام علیکم

اگست 2000ء

باب 59

اہل علم کی راہ

وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَكَانُوْٓا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا.........

(اور مومنوں کو تقویٰ کی بات کا پابند رکھا کہ وہ اس کے زیادہ حقدار اور اس کے اہل تھے۔)

(سورۃ الفتح آیت 26)

یہ بے چین و بے آرام جسم جو چاہتا ہے، اسے کرنے دو، میں دنیا کی طرف ہجرت کر رہا ہوں۔ دنیا کو اپنے کھیل کود کے مشاغل میں مشغول رہنے دو، بے معنی باتوں میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کے لیے تڑپنے دو۔ مجھے اپنے کام سے کام ہے، میں لفظوں کی حرمت کے لیے زندہ ہوں۔ انہیں اپنی آرائشوں اور زیب و زینت کی نمائش کرنے دو، اپنے حواس کی پوجا کرنے دو، لایعنی حرکتوں سے زمین و آسمان کے قلابے ملانے دو، میں تو اس دنیا کو چھوڑ رہا ہوں۔

قرآن میں آتا ہے:

فَذَرْهُمْ يَخُوْضُوْا وَيَلْعَبُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِي يُوْعَدُوْن (اچھا انہیں اپنے باطل خیالات میں غرق اور اپنے کھیل میں منہمک رہنے دو یہاں تک کہ یہ اپنا وہ دن دیکھ لیں جس کا انہیں خوف دلایا جا رہا ہے۔ سورۃ الزخرف۔ آیت 83)

جی ہاں! انہیں اپنی بک بک جاری رکھنے دیجئے۔ اور کھیلنے کودنے دیجئے۔ لیکن ان میں سے کچھ لوگ ان مشاغل میں بہت ہی آگے بڑھ رہے ہیں۔ انہیں اس حال میں دیکھ کر میری حیرت کی کوئی حد نہیں رہتی۔ ان کے برعکس اہل علم لفظوں ہی میں گھرے رہتے ہیں۔ جیسے کہ

MashalBooks.org

اس بات کے آغاز میں خدا نے فرمایا ہے:

وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَكَانُوْٓا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا - اور مومنوں کو تقویٰ کی بات کا پابند رکھا کہ وہ اس کے زیادہ حقدار اور اس کے اہل تھے۔ (سورۃ الفتح آیت 26)

جو لوگ ایمان نہیں لاتے وہ جہالت کی آگ میں جلتے رہتے ہیں۔ لیکن اہل ایمان کو طمانیت قلب اور استقامت عطا کر دی جاتی ہے۔ ان کے اطمینان کے لیے کہہ دیا گیا ہے:

اِنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّ لَهْوٌ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا يُؤْتِكُمْ اُجُوْرَكُمْ وَلَا يَسْئَلْكُمْ اَمْوَالَكُمْo اِنْ يَّسْئَلْكُمُوْهَا فَيُحْفِكُمْ تَبْخَلُوْا وَ يُخْرِجْ اَضْغَانَكُمْ. یہ دنیا کی زندگی تو ایک کھیل تماشا ہے۔ اگر تم ایمان رکھو اور تقویٰ کی روش پر چلتے رہو تو اللہ تمہارے اجر تم کو دے گا۔ اور وہ تمہارے مال تم سے نہ مانگے گا۔ اگر کہیں وہ تمہارے مال تم سے مانگ لے اور سب کے سب تم سے طلب کر لے تو تم بخل کرو گے اور وہ تمہارے کھوٹ ابھار لائے گا۔ (سورۃ محمد آیات 37،36)

''بخل، کھوٹ یا نفرت ابھار لانا''، یہ اس وقت ابھرتے ہیں جب ہمیں اپنی ملکیتوں، اپنے کھیلوں، عیاشیوں اور مشاغل سے ہاتھ دھونے پڑ جائیں۔ یہ ہماری اندرونی کیفیتوں کا بالکل صحیح نقشہ کھینچا گیا ہے۔ ہمارے فخر و غرور کو چیلنج کیا جائے، ہماری عیاشیوں میں خلل ڈالا جائے، ہماری جہالت کو بے نقاب کیا جائے یا ہماری بد دیانتی کو پکڑ لیا جائے تو ہم برافروختہ ہو جاتے ہیں، بحث و تکرار پر اتر آتے ہیں اور شدید مزاحمت کرتے ہیں۔

میں ماضی کے اسباق سے سکون پانے کی کوشش کرتا ہوں۔ ان لوگوں کی مثالیں سامنے رکھتا ہوں جنہوں نے حروف کو قدر و قیمت عطا کی۔ حروف کے لیے دکھ اٹھائے مصیبتیں سہیں اور مشقتیں جھیلیں۔ مجھے ان کی صعوبتوں میں سکون ملتا ہے اور میری صعوبتیں سے کسی اور کو ملے گا۔ علم کی راہ سنسان ہے لیکن جب اس کا مسافر کسی اور کے قدموں کے نشان بھی وہاں پاتا ہے۔ تو اس کے حوصلے بلند ہو جاتے ہیں۔

اس راہ پر چلتے ہوئے مجھے طلبا کی شوخیوں اور گستاخیوں، دوستوں کی چیرہ دستیوں اور دشمنوں کی بدگوئیوں اور افترا بازیوں سے جو اذیتیں پہنچیں ان سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اس سے بھی انکار نہیں ہے کہ مجھے احسان کا جواب تحقیر اور ناشکرے پن سے ملتا رہا۔ اور اس سے

MashalBooks.org

بھی انکار ممکن نہیں ہے کہ حروف کے تقدس پر وہی لوگ بار بار حملہ آور ہوتے ہیں جو عقل وفکر سے خدا واسطے کا بیر رکھتے ہیں۔ اس سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ہر فکر انگیز تصور ہزاروں طنز آمیز جملوں کا نشانہ بن رہا ہے اور حاسد تقدس کا جامہ پہن کر علم دشمنی کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔

.........اس سے بھی انکار ممکن نہیں کہ میری صعوبتیں، اس راہ پر آنے والے دوسرے راہیوں کے لیے نقش پا بن جائیں گی۔ اپنی انا کے پجاری' ذاتی منفعتوں کی خاطر علم کا پرچم اٹھانے والوں کو اذیتیں دیتے رہیں گے۔ لیکن راہ کی کٹھنائیوں کے باوجود ہم حقیقی تقویٰ کا پرچم کبھی سرنگوں نہیں ہونے دیں گے۔ ہماری تاریخ حریت فکر کے علمبرداروں اور جفا کاروں سے بھری ہوئی ہے۔ سوال صرف یہ ہے کہ ہم ان سے کس گروہ کو عزت بخشتے ہیں اور کس گروہ کو نظر انداز کرتے ہیں؟

اس راہ پر بہت سے قدموں کے نشانات ہیں جو بتاتے ہیں کہ یہاں سے گزرنے والوں نے کیا کیا دکھ اٹھائے۔ ہماری تہذیب پھولوں کی سیج پر بیٹھنے والوں کی آرام طلبیوں سے عبارت نہیں ہے اور نہ ہی یہ ڈھیٹ لوگوں کی انا پرستیوں پر تعمیر ہوئی ہے۔ یہ لفظوں کی حرمت پر جان قربان کرنے والوں کے دکھوں اور مصائب پر استوار ہوئی ہے۔ جب میں اپنے دکھوں کو یاد کرتا ہوں تو مجھے اس راہ کے راہیوں کی ایک طویل فہرست یاد آ جاتی ہے جو مجھ سے کہیں زیادہ مصائب و آلام سے دوچار ہوئے تھے۔ مجھے ابوحیّان التوحیدی (متوفیٰ 414ھ/1023ء) کے قدموں کے نشان دکھائی دیئے جس نے دنیا سے کنارہ کشی اور غربت وافلاس میں آخری دن گزارے۔ اس نے اپنی موت سے پہلے اپنی ساری کتابیں جلا دیں اور کہا ''جن لوگوں نے مجھے عمر بھر اذیتوں میں مبتلا رکھا' وہ میرے افکار کے مستحق نہیں ہیں۔'' مجھے حنبلی فقیہہ سیف الدین الامیدی (متوفیٰ 631ھ/1233ء) کے نقوش پا نظر آئے جنہیں مصر کے علمی حلقوں میں زبردست شہرت حاصل ہوئی لیکن حاسدوں نے ان پر کفر کا فتویٰ لگا دیا، اس فتوے کا اثر یہ ہوا کہ عوام الناس نے ان کا جینا دوبھر کر دیا۔ وہ بہت مایوس اور شکستہ دل ہو کر حماہ (مغربی شام) میں جا بسے، پھر دمشق منتقل ہو گئے۔ شہرت نے آپ کے قدم چومے مگر زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ حاسد تعاقب کرتے ہوئے وہاں بھی آ پہنچے اور ان پر معتزلہ ہونے کا الزام لگا دیا۔ اس الزام کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ یہ شخص اپنا دماغ رکھتا ہے اور اس سے سوچ بچار کا کام لیتا ہے۔ لیکن عوام نے جو بھیڑ چال ہوتے ہیں پروپیگنڈے کے زیر

اثر ان کا ناطقہ بند کر دیا چنانچہ انہیں مدرسہ عزیزیہ میں پیشہ ورانہ تدریس کی ذمہ داریوں سے سبکدوش کر دیا گیا۔ میں البیضاوی (متوفیٰ685ھ/1286ء) کے نقوش پا دیکھ رہا ہوں جو شیراز کے شافعی قاضی القضاۃ تھے۔ ان پر شیعہ ہونے کا الزام لگا۔ یہ بھی حسد کا شاخسانہ تھا جس کی وجہ سے انہیں بہت تکالیف اٹھانا پڑیں۔ مجھے حدیث کے سکالر البخاری (متوفیٰ256ھ/870ء) کے نقوش پا دکھائی دیئے جنہیں معتزلہ قرار دے کر جلاوطن کر دیا گیا اور وہ اپنے ایک رشتہ دار کے ہاں جا کر پناہ لینے پر مجبور ہو گئے، نہ وہ گھر بنا سکے اور نہ جیب میں کوئی پیسہ رکھتے تھے اور اسی حالت میں دنیا سے چل بسے۔ مجھے اس راہ پر مالکی فقیہہ اور جج ابن العربی (متوفیٰ543ھ/1148ء) کے قدموں کے نشانات بھی نظر آئے۔ انہیں ملازمت سے معطل کر کے پہلے جیل میں ڈالا گیا اور پھر جلاوطن کر دیا گیا۔ وہ بڑی دلیری سے اپنے عقیدے پر ڈٹے، اگر دب کر اپنے افکار سے دستبردار ہو جاتے تو ساری نعمتیں حاصل رہتیں۔ میں ابن القیم (متوفیٰ 751ھ/1350ء) اور ان کے استاد ابن تیمیہ (متوفیٰ728ھ/1328ء) کے قدموں کے نشانات دیکھتا ہوں۔ ان دونوں کو جیل میں اس لیے اذیتیں دی گئیں کہ وہ لفظوں کے تقدس پر اصرار کر رہے تھے۔

ابن تیمیہ عملاً لفظوں کے لیے زندہ رہے اور انہی کے لیے شہید ہوئے۔ وہ مصر اور شام میں اس لیے مقید رہے اور جلاوطن ہوئے کہ صاحبان اقتدار کے لیے ان کی تحریریں ناقابل برداشت تھیں۔ وہ انہیں پکڑنے کے لیے بہانے تلاش کر رہے تھے۔ اس دوران انہوں نے حکمرانوں کے خلاف ایک فتویٰ جاری کر دیا، جس پر انہیں جیل میں ڈال دیا گیا اور وہیں ان کا انتقال ہو گیا۔

مجھے حنفی فقیہہ السرخسی (متوفیٰ 483ھ/1090ء) کے نقوش قدم میں خاص طور پر راحت کا احساس ہوتا ہے۔ انہیں بھی ان کی فقہی ثقاہت و دیانت کی وجہ سے اذیتیں دی گئیں اور نظر بند کر دیا گیا۔ انہوں نے سیاسی عہدے کی مراعات اور مزے قبول کرنے سے انکار کر دیا انہیں ان کی دیانتدارانہ فقہی آراء کی بنا پر پابند سلاسل کر دیا گیا۔ انہوں نے جیل ہی میں گرانقدر کتابیں لکھیں۔ میں مالکی فقیہہ اور قاضی، ابن رشد (متوفیٰ595ھ/1198ء) کے قدموں کے نشانات کو کبھی نہیں بھول سکتا، جنہیں معتزلہ عقائد کی بنا پر زدوکوب کرنے کے بعد ملک بدر کر دیا گیا اور وہ جلاوطنی ہی میں انتہائی شکستہ خاطر ہو کر فوت ہوئے۔ میں شافعی

MashalBooks.org

فقیہہ عزالدین ابن عبدالسلام (متوفیٰ 661ھ/1262ء) کے نقوش پا بھی دیکھ رہا ہوں، انہیں قید اور ملک بدری کی سزا اس لیے دی گئی کہ انہوں نے صلیبی مسیحی دشمن کے ساتھ حکمرانوں کے حلیفانہ روابط کی مذمت کی تھی۔ شافعی فقیہہ الکیا الھر اسی (متوفیٰ 504ھ/1110ء) پر حاسدوں نے ملحدانہ رجحانات رکھنے کا الزام لگایا، انہیں بے حد تکلیفیں پہنچائی گئیں، قریب تھا کہ ان کے قتل تک نوبت آ جاتی لیکن بغداد میں چند دوستوں نے مل کر ایک عرضداشت مرتب کی اور اس پر درجنوں افراد کے دستخط لیے۔

عرضداشت میں ان کے صحیح العقیدہ ہونے کی گواہی دی گئی تب ان کی جاں بخشی ہوئی۔ مشہور محدث النسائی جن کا مجموعہ ''النسائی'' صحاح ستہ میں شمار ہوتا ہے، وہ مصر میں رہتے تھے جہاں حاسدوں نے ان کے خلاف مہم چلا دی۔ ایک بار انہیں اتنا مارا پیٹا گیا کہ انہوں نے شہر ہی چھوڑ دیا باقی ماندہ زندگی فلسطین میں گزارنے کا فیصلہ کر لیا۔ فلسطین پہنچے، شروع میں پُرجوش استقبال ہوا لیکن سیاسی مسلک بیان کیا تو لوگ مشتعل ہو گئے اور انہیں اتنا مارا کہ زخموں کی تاب نہ لا کر چل بسے۔

ممتاز مورخ اور مفسر الطبری (متوفیٰ 310ھ/923ء) علمی دیانت اور خلوص کے پیکر تھے جس کی بنا پر انہوں نے سرکاری اعزازات و مناصب قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ جہلا کی نفرت کا نشانہ بن گئے۔ جنونی حنبلیوں نے ان کا جینا دوبھر کر دیا۔ معاشرتی مقاطع تک بات جا پہنچی۔ کوئی ان سے لین دین نہیں کرتا تھا اور نہ ہی کوئی ملاقات کرنے کی جرأت کر سکتا تھا۔ ان کی تمام کتابیں جلا دی گئیں۔ جاہل مخالفین ان کی قبر کی توہین کرنے سے بھی باز نہیں رہے۔ مشہور مالکی فقیہہ قاضی عیاض (متوفیٰ 544ھ/1149ء) کو ضمیر کے راستے پر چلنے کی بھاری قیمت ادا کرنا پڑی۔ انہیں قاضی کے منصب سے سبکدوش کرنے کے بعد جلاوطن کر دیا گیا اور گھر سے دور ہی انہوں نے وفات پائی۔ مشہور شافعی فقیہہ السیوطی (متوفیٰ 911ھ/1505ء) کو کتابوں سے اتنا شغف تھا کہ انہیں ابن الکتاب (کتابوں کے بیٹے) کہا جانے لگا۔ حاسدوں نے ہمیشہ ناک میں دم کیے رکھا۔ بالآخر وہ گوشہ نشین رہنے پر مجبور ہو گئے۔ سوائے کتابوں کے کسی سے سروکار نہیں رکھتے تھے۔ میں شافعی فقیہہ النووی (متوفیٰ 676ھ/1277ء) کے نقوش پا پہ نظر جمائے کھڑا ہوں۔ وہ ظالمانہ ٹیکسوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ جس پر تدریس کے منصب سے ہٹا کر دمشق سے نکال دیئے گئے۔ مصر پہنچے تو قاضی

القضاۃ یعنی چیف جسٹس کے عہدے پر فائز ہو گئے۔ مگر حق گوئی کے ''جرم'' میں برطرف کر کے قید کر دیئے گئے۔ باقی زندگی تنگ دستی میں گزاری۔ اپنے والد کے گھر (جو دمشق کے جنوب میں ''نووا'' میں تھا) رہنے چلے گئے اور وہیں فوت ہوئے۔ ابن کثیر (متوفیٰ 774ھ /1373ء) نے حکمرانوں کی حمایت میں فتویٰ جاری کرنے سے انکار کر دیا جس پر انہیں جیل میں ڈال کر طرح طرح کی اذیتیں پہنچائی گئیں۔ پھر میں شافعی فقیہہ اور مورخ السبکی (متوفیٰ 771ھ/1370ء) کی آزمائشوں اور مصیبتوں بھری زندگی کے نقوش دیکھتا ہوں۔ وہ شام میں چیف جسٹس تھے وہ بھی جاہلوں اور حاسدوں کی سازش کا شکار ہو گئے۔ ان پر رشوت، گناہ آلود زندگی گزارنے اور کفریہ کلمات کہنے کے الزامات لگا دیئے گئے۔ اس کا نتیجہ برطرفی کی صورت میں نکلا۔ کہا جاتا ہے کہ انہیں اتنی زیادہ اذیتوں سے دوچار کیا گیا جو اس سے پہلے اسلامی تاریخ میں کسی دوسرے جج کے حصے میں نہیں آئی تھیں۔ سب سے زیادہ گہرے اور سخت نقوش قدم حنفی مورخ اور فقیہہ الجبرتی (متوفیٰ 1237ھ/1822ء) کے ہیں۔ ان کی جرأت اور دیانت کا جواب ان کی تحریروں کی پابندی کی صورت میں دیا گیا۔ پھر حملہ کر کے ان کے بیٹے کو قتل کر دیا گیا اور اس کی لاش گدھے پر ڈال کر پھرائی گئی۔

نقوش پا تو بہت ہیں کیونکہ دکھ جھیلنے والے بھی بہت تھے۔ جب میں ایک مثال کے بارے میں سوچنے لگتا ہوں تو فوراً دس اور یاد آ جاتی ہیں۔ لیکن اس راستے پر چلنے والوں میں شاید میرا سب سے زیادہ پیارا اور میرا عزیز ترین دوست فقیہہ علی ابن محمد ابوالوفاء ابن عاقل انسانی تاریخ کا ذہین ترین شخص تھا جس نے فقہ، دینیات اور تصوف پر متعدد وقیع کتابیں لکھیں۔ اس کی ''کتاب الفنون'' 200 جلدوں پر مشتمل ہے جو اسلام کی انسان نوازی، اسلام کے حسن اور عقلیت کا بے بہا خزانہ ہے۔ ابن عاقل ایک حنبلی فقیہہ تھا جس نے اپنے مکتب فکر کے علاوہ حنفیوں، شافعیوں، معتزلوں اور صوفیوں کے علمی اداروں سے بھی استفادہ کیا۔ تقی الدین ابن تیمیہ (متوفی 728ھ /1328ء) نے اسے ابوحامد الغزالی (متوفیٰ 505ھ /1111ء) سے بھی زیادہ صاحب مطالعہ شخصیت قرار دیا۔ فقیہہ السلفی (متوفیٰ 576ھ /1180ء) نے لکھا ہے ''میں نے ابوالوفاء ابن عاقل جیسا کوئی فقیہہ نہیں دیکھا، اس کے علم و دانش، وسعت مطالعہ، فصاحت و بلاغت اور قوتِ استدلال کے سامنے کوئی بھی نہیں ٹھہر سکتا تھا۔'' دوسرے اہل علم نے اسے خوبصورت، وجیہہ، خدا ترس، شفیق اور فیاض ترین شخص قرار دیا

MashalBooks.org

ہے۔اس ذہین وفطین شخصیت کے حالات زندگی کا مطالعہ کرنے سے میرے حوصلے بڑھنے لگتے ہیں، میں خود کو ہر قسم کی بندشوں سے آزاد محسوس کرتا ہوں اور اس کی ذیل کی تحریر پڑھتے ہوئے خود کو شرمندہ بھی پاتا ہوں:۔

> خدا نے جوانی میں مجھے ہر گناہ سے بچایا اور میرے دل کو صرف علم کی دولت سے مالا مال کیا۔ میں نے کبھی کھیل کود میں دلچسپی نہیں لی۔صرف اپنی طرح کے علم کے شیدائیوں سے صحبت رکھی۔اب میں اسی سال کا ہو چکا ہوں لیکن اپنے اندر علم کا ذوق و تجسس، اپنی بیس سال کی عمر کی بہ نسبت زیادہ قوی محسوس کرتا ہوں۔ اتنی عمر کا ہو جانے کے باوجود میں اپنے وجدان، اپنی فکر یا حافظے میں کوئی کمزوری نہیں پاتا۔ چھپے ہوئے ثبوت اور شہادتوں کی تلاش میں جوانی ہی کی طرح سرگرم رہتا ہوں۔البتہ میری جسمانی قوت برداشت میں کمی واقع ہوگئی ہے۔لیکن میرے نزدیک زندگی کا ایک لمحہ بھی ضائع کرنا، ناروا ہے۔اگر میری زبان محو گفتگو نہیں اور میری آنکھیں مصروف مطالعہ نہیں تب بھی میرا ذہن اٹھتے بیٹھتے اور لیٹی ہوئی حالت میں بھی مصروف کار رہتا ہے۔اگر اچانک کوئی خیال ابھر آئے تو فوراً اٹھ بیٹھتا ہوں اور لپک کر اسے لکھ لیتا ہوں۔ جی ہاں، یہ حقیقت ہے کہ اسیؔ سال کی عمر کو پہنچ کر بھی میں بیس سال کی عمر کی طرح خود علم کے لیے پر جوش اور مستعد پاتا ہوں۔"

لیکن ابن عاقل کی تشنگی علم بجھنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی، اس کے لیے وہ کلاس کلاس گھومتا اور اساتذہ کو تلاش کر کر کے ان کے پاس پہنچتا۔اس کے اساتذہ کی فہرست خاصی طویل ہے، جس میں ابوالطیب طبری (متوفیٰ 450ھ/1058ء) الخطیب البغدادی متوفیٰ (0463ھ/1071) ابواسحاق الشیر ازی (متوفیٰ476ھ/1083ء) اور ابو محمد التمیمی (متوفیٰ 488ھ/1095ء) جیسے جید علما اور دانشور بھی شامل تھے۔ یہ بات بالکل واضح ہے کہ استاد کا ذہنی رجحان یا کسی خاص مکتب فکر کے ساتھ رسمی تعلق کوئی معنی نہیں رکھتا اصل اہمیت علم کے معیار اور اس کی افادیت کی ہوتی ہے۔علم کے بارے میں ابن عاقل کی سنجیدگی اور انہاک نے ان لوگوں کو پریشان کر کے رکھ دیا جو حروف کی قدر و قیمت کو سمجھنے سے قاصر تھے۔

MashalBooks.org

جس زمانے میں ابن عاقل، قاضی ابویعلیٰ سے پڑھتا تھا، وقت کو اس طرح تقسیم کر لیتا تھا کہ معتزلہ اساتذہ کے درس میں بھی شریک ہو لیتا تھا، اس کے بعض ہم سبق ساتھیوں کو یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ ابویعلیٰ کے ایک ذہین ترین شاگرد نے معتزلہ اساتذہ سے پڑھنے کا سلسلہ ابھی تک جاری رکھا ہوا ہوگا۔ الشریف ابوجعفر (متوفیٰ 470ھ/1077ء) کے اکسانے پر چند طالب علموں نے ابن عاقل کو متنبہ کیا کہ وہ معتزلوں کے درس میں شرکت سے باز آ جائے مگر بے سود۔ ابوجعفر، ابویعلیٰ کا پرانا شاگرد اور ان کا معاون تھا۔ اپنے استاد کا خادم اور بے حد وفادار ہونے کے باوجود وہ تعلیمی اسباق میں ابن عاقل کے مقابلے میں کچھ نہ تھا۔ ابویعلیٰ نے یہ مطالبہ نہیں کیا تھا کہ ابن عاقل معتزلوں کے درس میں جانا چھوڑ دے، ان کی ابن عاقل سے ذہنی قربت بدستور موجود رہی اور ابوجعفر حسد کی آگ میں جلتا رہا۔ اس کے باوجود وہ اپنے استاد کی زندگی میں اپنے معاندانہ رویے کو کھل کر سامنے نہیں آنے دینا چاہتا تھا۔ اس امر کے کئی شواہد موجود ہیں کہ ابویعلیٰ نہ صرف اپنے اس ہونہار شاگرد سے شفقت کرتے بلکہ معتزلوں کے درس میں شرکت پر اس کی حوصلہ افزائی بھی کرتے تھے۔ ابوجعفر ایک خفیہ قوت کے طور پر ابن عاقل کے خلاف سرگرم رہا اور اس نے کئی اور طلبا کو اس دشمنی میں شریک کر لیا۔ ابن عاقل نے یہاں کی کلاسوں کے بعد معتزلوں کے درس میں شرکت نہ چھوڑی اس نے نہ جانے مشورہ دینے والوں کو صاف صاف بتا دیا کہ علم جہاں سے بھی حاصل ہو، وہ اس سے ضرور فائدہ اٹھائے گا۔ ادھر حنبلی طلبا کے مطالبے میں شدت بڑھتی رہی۔ آخر بات لڑائی جھگڑے پر آ پہنچی۔ بہت سے طلبا نے اچانک چھپ کر اس پر حملہ کر دیا اور اتنا مارا اتنا مارا کہ اس کے خون سے زمین سرخ ہوگئی۔ تاہم اس کی جان بچ گئی۔

تشدد اس کے حصول علم کے شوق کو کم نہ کر سکا۔ بلکہ اس نے مزید انہماک سے پڑھنا شروع کر دیا۔ اس طرح اس نے روایتی مکتب فکر کے ساتھ ساتھ معتزلی مباحث میں بھی مہارت حاصل کر لی۔ رفتہ رفتہ اس نے چھوٹی چھوٹی چیزوں کی مسابقت چھوڑ دی، پوزیشن حاصل کرنے، منصب پانے اور تعریف و توصیف وغیرہ سے بے نیاز ہو کر صرف علم کو اپنی سرگرمیوں کا محور بنا لیا۔ اپنے اس دور کا ذکر کرتے ہوئے وہ لکھتا ہے:

''میرے حنبلی ساتھیوں کا ہمیشہ اصرار رہا کہ میں دانشوروں کے ایک خاص گروہ

کے ساتھ اپنے روابط منقطع کر دوں، وہ مجھے ان سے استفادہ کرنے سے روکنا چاہتے تھے۔ میں نے غربت اور دیگر مشکلات برداشت کیں۔ نقل نویسی کی مشقیں جھیل کر صرف اتنا کماتا تھا جس سے روح وبدن کا رشتہ برقرار رہ سکے۔ میں نے حلقے کی کرسی (تدریس) کے لیے ہاتھ پاؤں نہیں مارے اور ایسے اعلیٰ منصب کی تمنا بھی نہیں کی جس سے میرے علمی ذوق کی آبیاری میں رکاوٹ پڑتی ہو۔''

راست بازی (Integrity) قابل تقسیم نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو علم سے محبت کرتے ہیں وہ سچائی اور حق پرستی کے بھی شیدائی ہوتے ہیں۔ حق کے شیدائی ہر معاملے میں انصاف اور حق پسندی کا بول بالا دیکھنا چاہتے ہیں۔ ابن عاقل کا کردار اس کے اسی عقیدے کا مظہر تھا۔ اور وہ زندگی کے ہر مرحلے میں قسم قسم کی آزمائشوں کے باوجود اپنے ضمیر وعقیدے پر قائم رہا۔

وہ بائیس سال کا تھا کہ اس کا سلجوقی وزیر خزانہ ابوسعد المستوفی (متوفیٰ 494ھ/1104ء) کے ساتھ امام ابوحنیفہ کے مزار کی تعمیر پر جھگڑا ہو گیا۔ المستوفی ایک حنفی سیاستدان تھا اور بیشتر مذہبی جنونیوں کی طرح وہ بھی کوئی غیر معمولی طور پر ذہین نہیں تھا۔ امام ابوحنیفہ (متوفی 150ھ/767ء) کے مزار کے گرد 436ھ (5-1044ء) میں ایک مسجد تعمیر کر دی گئی لیکن اسی قبر کے قریب ان کے کئی شاگردوں اور علما کی قبریں بھی بنا دی گئیں۔ سن 453ھ بمطابق 1061ء میں المستوفی نے مسجد کو توڑ کر ابوحنیفہ کی یاد میں ایک گنبد تعمیر کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس کے لیے مسجد کی بنیادوں کی کھدائی کی ضرورت پڑ گئی۔ کھدائی کے دوران مزدوروں کو کئی ہڈیاں ملیں جو انہوں نے قریبی کھیت میں دفن کر دیں۔ مزار کی تعمیر کے دوران وزیر موصوف نے ساگوان کی لکڑی غبن کر لی، علاوہ ازیں سامرہ کے عیسائیوں اور یہودیوں کی عبادت گاہوں کے خوبصورت دروازے بھی چوری کر لیے۔ بہت سے لوگ خاموش رہے لیکن ابن عاقل برافروختہ ہو گیا۔ اس نے وزیر کو منہ پر کہا کہ کسی چیز کو دفنانے کے لیے دوسروں کی جائداد غصب کرنا، ناجائز اقدام ہے۔ اس نے یہ بھی کہا کہ مزار کی کھدائی کے دوران عین ممکن ہے کہ امام ابوحنیفہ کی ہڈیاں بھی وہاں سے نکل گئی ہوں اور دوسری جگہ منتقل ہونے والی ہڈیوں میں وہ بھی شامل ہوں۔ بالفرض ایسا ہو گیا ہے تو پہلے والی جگہ پر مزار تعمیر

کرنے کی کیا تک ہے؟ ابن عاقل نے کہا کہ اصل بات تو یہ ہے کہ اتنے بڑے فقیہہ کے مزار کو چھیڑنے کی ضرورت ہی کیا تھی؟ ابن عاقل اگرچہ اب حنفی نہیں رہا تھا اس کے باوجود وہ ایک صاحب علم وعمل ہستی کے مزار کی بے حرمتی پر خاموش نہیں رہ سکتا تھا۔

وزیران اعتراضات کا معقول جواب نہ دے سکا اور اس نے ابن عاقل کے محسن خلیفہ ابو منصور سے شکایت کر دی اور اسے سزا دینے پر اصرار کیا۔ ابن عاقل سے کہا گیا کہ وہ وزیر پر تنقید کا سلسلہ بند کر دے، تو اس نے جواب دیا کہ ''میں نے ایک غلط کام ہوتا ہوا دیکھا ہے، میرے مذہبی جذبات اور میرے تقویٰ کا تقاضا ہے کہ میں غلط کار شخص (مستوفی) اور اس کے ہمنواؤں کی اس جاہلانہ حرکت کی نشاندہی کروں اور جس قدر ہو سکے اس کی مذمت کروں۔

بعض اوقات دیانتداری کا غیر متوقع طور پر صلہ بھی مل جاتا ہے۔ مثال کے طور پر ایک بار ابن عاقل مکہ مکرمہ میں تھا کہ اسے ایک نہایت بیش قیمت سرخ ہار گرا ہوا مل گیا۔ اس نے اس کے مالک کو بہت تلاش کیا، آخر جب پتہ چلا کہ یہ امام مسجد کا ہے۔ اس نے نشانی پوچھ کر اسے واپس لوٹا دیا۔ امام نے اسے انعام دینا چاہا لیکن اس نے وہ قبول کرنے سے سختی سے انکار کر دیا۔ کئی سال بعد جب وہ امام مسجد فوت ہو گیا تو ابن عاقل نے اس کی بیٹی سے شادی کر لی۔ بیوی نے اس وقت انکشاف کیا کہ وہ اس کی دیانتداری اور تقویٰ کی وجہ سے اسے پسند کرنے لگی تھی۔

حنبلی طلبا سے بحث مباحثہ اور وزیر سے مخالفت مول لینا ابن عاقل کے لیے آزمائشوں کا آغاز تھا۔ 458ھ/1065ء میں جب ابن عاقل اور ابو جعفر کے استاد مکرم، ابویعلیٰ وفات پا گئے تو مسجد خلیفہ منصور کے خطیب اور جامعہ کے منتظم اعلیٰ کی جگہ خالی ہو گئی۔ حنبلی مسلک والوں کے لیے یہ بہت بڑا منصب تھا، چنانچہ اس کے لیے دو ہی ممکنہ امیدوار ہو سکتے تھے۔ ابو جعفر اگرچہ مرحوم کا شاگرد ہونے کے علاوہ بیس سال تک ان کا معاون بھی رہ چکا تھا مگر کسی خاص علمی مرتبے کا حامل نہیں تھا ابن عاقل نے مرحوم سے پانچ سال تک پڑھا تھا اور سات سال تک فقہ کی تعلیم حاصل کی تھی۔ لیکن اس منصب کے لیے فقہ کی پندرہ سالہ تعلیم مطلوب تھی۔ علاوہ ازیں اس کی عمر بھی کچھ کم بنتی تھی۔ لیکن غیر معمولی علمی صلاحیتیں ہوں تو ان دو کمیوں کو نظر انداز کیا جا سکتا تھا۔ جیسا کہ امام الحرمین الجوینی (متوفی 478ھ/1085ء) اور تقی الدین ابن تیمیہ کے معاملے میں کیا گیا تھا۔ ابن عاقل کو کم عمری کے باوجود اس منصب پر فائز کر دیا گیا۔ اس طرح وہ بغداد کے حنبلی سکول کا سربراہ بن گیا۔

MashalBooks.org

اس پر ابوجعفر بہت برہم ہوا، اگر ابویعلیٰ نے اسے اپنا جانشین نامزد کر دیا ہوتا تو خلیفہ بلا شبہ اس کی جانشینی کی توثیق کر دیتا، لیکن وہ نامزدگی کیے بغیر ہی دنیا سے رخصت ہو گیا، لیکن اب کیا ہو سکتا تھا۔ ابوجعفر، ابن عاقل کی تحمل مزاجی اور معتزلوں سے رواداری کو سخت نفرت کی نگاہ سے دیکھتا تھا اور ابن عاقل کے علم و بصیرت سے بھی خار کھاتا تھا۔ سب سے زیادہ دلچسپ بات یہ تھی کہ پروفیسر بن جانے کے بعد کلاس سے فارغ ہوتے ہی ابن عاقل دیگر سکالروں کے ہمراہ تحقیقی کام کے لیے چلا جاتا، اس کے اپنے الفاظ میں۔ ''کورس پڑھانے کے بعد میں اپنے حلقے کو وہیں چھوڑ کر، آرام کیے بغیر مذہبی دانشوروں کے حلقے میں چلا جاتا تھا......'' اس سے ابوجعفر کا غصہ مزید تیز ہو جاتا اور اس کی نفرت کی شدت اور بھی بڑھ جاتی۔

اس منصب جلیلہ پر فائز ہونے کے دو سال بعد ابن عاقل کا محسن اور پشت پناہ خلیفہ منصور فوت ہو گیا۔ اس سے وہ غیر محفوظ ہو گیا۔ سوائے خدا کے اس کا اب کوئی بھی مضبوط سہارا نہ تھا۔ ابوجعفر نے وقت ضائع کیے بغیر 461ھ/1068ء میں خلیفہ کے داماد ابوالقاسم ابن رضوان سے ملاقات کی اور دونوں نے مل کر ابن عاقل کو برباد کرنے کی سازش تیار کر لی۔

ابوجعفر اور ابن رضوان نے چند طلبا کو اپنے ساتھ ملایا اور جہالت اور حسد کی آگ ملنے جلنے والے کچھ دیگر افراد کی مدد سے یہ پروپیگنڈہ مہم شروع کی کہ ابن عاقل معتزلی ہے اور کفریہ عقائد رکھتا ہے اور بغیر کسی ثبوت کے یہ افواہ بھی پھیلا دی کہ ابویعلیٰ دل میں ابن عاقل سے بہت نفرت کرتے تھے اور انہوں نے بعض افراد کو اعتماد میں لے کر بتایا تھا کہ یہ ملحد ہے، یہاں تک کہ اس کے مدعی نبوت ہونے اور کافر ہونے کی بھی افواہ پھیلا دی۔ اگر معتزلہ ہونے کا مطلب قوت فکر، عقل و تدبر اور دانش و بصیرت تھی تو ابن عاقل یقیناً ایسا ہی تھا۔ دوسرے تمام الزامات جھوٹ کا پلندہ تھے مگر حاسد لوگ ہر الزام کو درست مان رہے تھے۔

ابوجعفر اور اس کے ہمنوا ذہنی طور پر بالشتیے تھے وہ ابن عاقل کے علم و عرفان کا مقابلہ تو نہیں کر سکتے تھے مگر یہ فن جانتے تھے کہ اس کے علم ہی کو اس کے خلاف کیسے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ انہوں نے دعویٰ کیا کہ ابن عاقل اپنے علم کے ذریعے نوجوانوں کو گمراہ کر رہا ہے۔ ان پر گھڑے گھڑائے سوالات کر کے ان کے عقائد اور ایمان کو متزلزل کر رہا ہے۔ اس نے انہیں اتنا دلیر بنا دیا ہے کہ وہ اپنے بزرگوں کے رسم و رواج اور دیرینہ روایات پر اعتراضات کی بوچھاڑ کر دیتے ہیں۔ اس پروپیگنڈے کو انہوں نے یہ شکل دی کہ ''اگرچہ ابن عاقل علم رکھتا

ہے لیکن اس میں تقویٰ کی کمی ہے اور اگر وہ متقی ہے تو اس میں عقل کی کمی ہے۔ اگر اس کو نہ روکا گیا تو وہ عوام کو لیڈروں کے خلاف صف آراء کر دے گا۔''

ابن عاقل کے شاگروں نے اس کا دفاع کرنے کی کوشش کی مگر دھوکے فریب کی دنیا میں حسد، طاقتور ترین قوتوں سے ہے، جو لوگ سال ہا سال سے اسے جانتے تھے الزام لگ جانے سے خائف تھے اس لیے پیچھے ہٹ گئے گویا وہ اسے بالکل ہی نہیں جانتے۔ حتیٰ کہ چند بڑے بڑے آدمی جو اسے کبھی کبھی کھانے پر گھر بلایا کرتے تھے۔انہوں نے بھی ابن عاقل سے دور رہنا شروع کر دیا۔اسے کلاسیں لینے سے جبراً روک دیا گیا۔وہ اگر اپنی صفائی میں کچھ کہنا چاہتا تو بات سننے سے انکار کر دیا جاتا۔ حتیٰ کہ پبلشروں، ایجنٹوں، علما اور طلبا کو دھمکی دی گئی کہ وہ اس کا کوئی تحریری مواد قبول نہ کریں ورنہ ان کا حشر کر دیا جائے گا۔اس کے پیغامات لانے لے جانے سے بھی انکار کر دیا گیا۔ان باتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اپنے پیشہ ورانہ منصب سے محروم ہو گیا۔ دشمن تو دشمن تھے دوستوں نے بھی آنکھیں پھیر لیں۔ ساتھ ہی وہ سخت بیمار پڑ گیا۔اس خطرے کے پیش نظر کہ اس کی تحریروں کو کوئی نقصان پہنچ جائے گا، اس نے چند تحریریں اپنے ایک دوست طالب علم کے حوالے کر دیں اور اس نے لے کر وہ تحریریں کسی اور کے پاس نہیں بلکہ ابوجعفر کے پاس پہنچا دیں۔ گویا بغداد کے در و دیوار اس کے دشمن بن گئے اور اس کی بدقسمتی پر مہر لگ گئی۔

ابوجعفر اور اس کے ہمنواؤں نے اپنی آتش انتقام بجھانے کے لیے خلیفہ عبدالقادر عہد حکومت (381-442ھ) کے زمانے میں جاری کردہ ایک حکمنامے کو استعمال کیا۔ یہ خلیفہ قادری عقائد رکھتا تھا۔اس کے تحت معتزلی اور شیعہ واجب القتل تھے تاوقتیکہ وہ اپنے عقائد سے توبہ نہ کر لیں۔ ابن عاقل کے زمانے میں القائم خلیفہ تھا۔ جو القادر کا بیٹا تھا۔ مگر اس نے اپنے بات کے ظالمانہ حکمنامے پر عمل درآمد سے گریز کیا۔ لیکن ابوجعفر اور اس کے ہمنوا اس کے پیچھے پڑ گئے اور ایڑی چوٹی کا زور لگانا شروع کر دیا کہ وہ اپنے باپ کی خواہش کی تکمیل کرے۔ آخر اس نے مجبور ہو کر ابن عاقل کو گرفتار کر لیا اور جیل میں قید تنہائی میں ڈال کر اس کی جلاوطنی کا فیصلہ کر لیا۔ وہ مفلس و قلاش تو پہلے ہی ہو چکا تھا۔اس کی قید سے بھی ابوجعفر کے جذبات کی تسکین نہیں ہو سکی تھی۔ اس لیے اس نے اپنی کوششیں جاری رکھی ہوئی تھیں۔ تین سال بعد یعنی 465ھ/1072 عیسوی میں وہ اس پر عبدالقادر کے حکم نامے کے تحت مقدمہ چلوانے میں کامیاب ہو گیا۔ لیکن وہ اسے شہید بھی نہیں ہونے دینا چاہتا تھا۔ اس نے حکام

Mashalbooks.org

سے کہا کہ وہ ابن عاقل سے کھلے عام معافی منگوائیں اور معافی نامے پر اس سے دستخط کروائے جائیں۔ اور اسی سال 24 ستمبر (8 محرم) کو ابن عاقل اپنے بدترین حریف الشریف ابوجعفر کے کالج میں مسجد میں کھڑا اپنے عقائد سے ان الفاظ میں معافی مانگ رہا تھا:

''میں (ابن عاقل) خدا کے سامنے اپنے دل کو بدعات وخرافات کی تمام اشکال بشمول معتزلی عقائد سے پاک کرتا ہوں، اس نظریے کے خالقوں کی تکریم کرنے اور اس عقیدے کے حامل دیگر افراد سے اظہار بیزاری کرتا ہوں۔ اس عقیدے کے لوگوں کے لیے کی گئی رحمت کی دعاؤں سے توبہ کرتا ہوں اور ان کی نقل و پیروی سے بھی توبہ کرتا ہوں۔ میں نے اس نظریئے سے متعلق اب تک جو کچھ لکھا اور جو کچھ میرے ہاتھ سے لکھا ہوا پایا گیا اور میں ان سب کہی اور لکھی ہوئی چیزوں پر خدا کے سامنے توبہ کرتا ہوں۔ کیونکہ مجھے ایسی چیزیں کہنے اور لکھنے اور ان پر ایمان لانے کی اجازت نہیں تھی۔

میں اس تحریر کے ذریعے خدا سے معافی مانگتا ہوں۔ میں ان مبتدع اور ملحد لوگوں کے پاس آمد ورفت رکھنے، معتزلوں وغیرہ کی ہمنوائی کرنے ان کی عزت وتکریم کرنے اور ان کے لیے دعائے مغفرت کرنے پر اظہار پشیمانی کرتا ہوں۔ کیونکہ مسلمان کو ایسا کرنے کی ہرگز اجازت نہیں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ''جو کوئی اہل بدعت کی عزت کرے گا یا ان کے مذموم عقائد وضع میں ان کی مدد کرے گا اسلام کو تباہ کرنے کا مرتکب ہوگا۔''

خدا، شریف ابوجعفر، اس کے ساتھیوں اور آقاؤں اور میرے ان محترم بزرگوں کو اپنی حفاظت میں رکھے کیونکہ انہوں نے مجھ پر بجا الزام لگایا ہے، انہوں نے مجھ سے ان تحریروں کو سرزد ہوتے ہوئے خود دیکھا ہے، جن سے میں خدا سے معافی مانگ رہا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ میں غلطی پر تھا۔ اور حق بجانب نہیں تھا......

میں خدا اور اس کے فرشتوں اور مذہبی علوم کے ماہرین سے استدعا کرتا ہوں کہ وہ میرے اس بلاجبر واکراہ اعتراف گناہ کے گواہ بنیں۔ میرے دل کے جذبات میرے منہ سے ادا ہونے والے ان الفاظ کے عین مطابق ہیں۔ اے

خدا تو خود ہی میرے منصف بن۔ خدا کا ارشاد ہے۔

عَفَا اللّٰہُ عَمَّا سَلَفَ وَمَنْ عَادَ فَیَنْتَقِمُ اللّٰہُ مِنْہُ، وَاللّٰہُ عَزِیْزٌ ذُوْانْتِقَام.

(پہلے جو کچھ ہو چکا ہے اسے اللہ نے معاف کر دیا لیکن اب اگر کسی نے اس حرکت کا اعادہ کیا تو اس سے اللہ بدلہ لے گا، اللہ سب پر غالب ہے اور بدلہ لینے کی طاقت رکھتا ہے۔ سورۃ المآئدۃ آیت 95)

ابن عاقل کو یہ شرمناک معاف نامہ پڑھتے ہوئے کتنی اذیت ہو رہی ہو گی اس کا آسانی سے اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ سیاست، جہالت اور حسد کا ناپاک گٹھ جوڑ بالآخر ذہانت کی تذلیل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ ابن عاقل ان جاہل سازشیوں کے ہاتھوں مار کھا کر تنہائی اور جلاوطنی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہو گیا تاوقتیکہ 470ھ/1077ء میں ابوجعفر فوت ہو گیا مگر اسے وہ علمی منصب حاصل نہ ہو سکا جس کے لیے اس نے اتنے پاپڑ بیلے تھے۔ اسے کسی اور حریف نے اسی طرح کی سازش کر کے زہر کھلا دیا اور اس نے تڑپ تڑپ کر جان دے دی۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ اس نے اپنے پیچھے کوئی قابل ذکر کتاب یا فکر انگیز تحریر نہیں چھوڑی جس سے اس کے مبلغ علم کا اندازہ ہو سکتا۔

جلاوطنی کے زمانے میں ابن عاقل کی اپنی پیاری اہلیہ سے ملاقات ہوئی جس سے اللہ تعالیٰ نے اسے کئی بچوں سے نوازا۔ اس کے بیٹوں میں سے دو وفات پا گئے۔ اسے خدا نے صحت اور قوت ایمانی بخشی۔ ابوجعفر کی وفات کے بعد اس نے از سر نو کالج مسجد میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا اور بالآخر حنبلی برادری کا سربراہ بن گیا۔ اس نے بہت سی بصیرت افروز کتابیں لکھیں اور چند نامور شاگردوں کا استاد بھی بنا۔ اس نے اپنی زندگی کی اذیت ناک زمانے کے بارے میں لکھا:

> ''میں نے کتنے ہی شاہی خاندانوں کو آتے اور جاتے دیکھا ہے لیکن کسی سلطان کا رعب و دبدبہ یا کسی بے قابو ہجوم کا غیظ و غضب مجھے میرے معتقدات سے منحرف نہیں کر سکا۔ میرے دوستوں (حنبلیوں) نے مجھ پر اتنا جبر کیا کہ میرا جسم لہولہان ہو گیا۔ مجھے النظام (نظام الملک، سلجوقی حکمران از 465ھ/1072ء تا 485ھ/1092ء۔ جو امام الحرمین کا بھی سرپرست رہا) کے عہد حکومت میں قید و بند کی

صعوبتوں میں سے بھی گزرنا پڑا (میں ان سے صرف یہی کہہ سکتا ہوں) اے لوگو
جن کی خاطر میں نے اتنی قربانیاں دی ہیں، میری امیدوں پر پانی نہ پھیرنا......''

واقعی خدا نے ابن عاقل کی توقعات کو مایوسیوں میں تبدیل نہیں کیا۔ وہ جفاشعاروں کے مرجانے کے بعد بھی زندہ رہا اور اس کی اپنی طبعی موت 513ھ بمطابق 1119 عیسوی میں واقع ہوئی لیکن اس کی دانش و فراست کو کبھی موت نہیں آئے گی۔ جب وہ دنیا سے رخصت ہوا تو اس کے ہاں دنیا کی کوئی ایسی چیز نہیں پائی گئی جو کھیل کود کے طور پر کسی کے کام آتی۔ البتہ کپڑوں کے چند جوڑوں کے علاوہ وہاں بصیرت افروز کتابوں کا ایک ڈھیر پڑا ہوا تھا۔ جنازے میں ہزاروں افراد شریک تھے، ایک باخبر ذریعے کے مطابق شرکا کی تعداد تین لاکھ کے لگ بھگ تھی۔

اس نے لفظوں کا احترام کیا اور لفظوں نے اس کا وقار بڑھایا۔ اس نے شور وغل مچانے والوں اور بدتمیزی کے طوفان برپا کرنے والوں کے ہنگاموں کے باوجود صبر و توازن کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ تقویٰ اور علم کی اصل کلید یہی ہے کہ اپنے آپ کو دنیا کی دھند میں غائب نہ ہونے دیا جائے اور سچائی کے راستے پر ثابت قدمی سے اپنا سفر جاری رکھا جائے۔

اے ابن عاقل خدا تیری خوبصورت روح کو اپنی جوار رحمت میں جگہ دے۔ علم کے راستے پر تیرے قدموں کے نشانات صدیوں تک مرتسم رہیں گے۔ تو اس مشکل راہ پر چلنے والوں کے لیے روشنی بکھیرتا رہا اور ان کے پرسکون و اطمینان سفر کا ساتھی بنا رہا۔ جہاں تک تجھے اذیتوں میں مبتلا کرنے والوں کا اور میرا تعلق ہے، میں خدا کے یہ الفاظ دوہرانے کے سوا کچھ نہیں کہوں گا۔''

فَاصْفَحْ عَنْهُمْ وَقُلْ سَلٰمٌ'' فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ تو ان سے منہ پھیر لو اور سلام کہہ دو، ان کو عنقریب (انجام) معلوم ہو جائے گا۔ (سورۃ الزخرف آیت 89)

جولائی 2000ء

باب 60

ہائے مظلوم بچے

میں ''کانفرنس'' کو آواز دے رہا ہوں اور بلاوے کے جواب میں مجھے آہ و بکا سنائی دے رہی ہے۔ ''کہاں ہو تم، میری کانفرنس''...... ''اے ٹوٹے دلوں کو سہارا دینے والی' امید افزا دلبرانہ نغمگی' تم کہاں ہو؟ تمہارے لفظوں کی گونج اور انسانیت پر تمہارے یقین کی قوت کہاں ہے؟ میں تمہاری منت کرتا ہوں کہ تم کچھ تو بولو۔ میں خدا کا ایک عاجز بندہ ہوں، میں ایک باوفا بیٹا اور حسن کا شیدائی ہوں۔ مجھے مشکوک وشبہات میں مت ڈالو اور ہانپتا کانپتا نہ چھوڑو، خدا کے لیے مجھ کچھ تو امید دلاؤ۔''

میں لفظوں اور خیالات سے شغف رکھتا ہوں اور انہیں ہڑپ کر جانا چاہتا ہوں اور یہ تاثر دینا چاہتا ہوں کہ وہ واقعی قدر و قیمت رکھتے ہیں۔ میں محبت کے باغ میں ٹہلنا چاہتا ہوں اور اس کی بھی اہمیت کا تاثر دینا چاہتا ہوں۔ میں محبت کی مہک کو سانس کے ساتھ اپنے اندر لے جانا چاہتا ہوں اور یہ تاثر دینا چاہتا ہوں کہ تم ایک حقیقت رکھتی ہو۔

''میری کانفرنس، مجھ سے بات کرو۔ کیا تو نہیں جانتی کہ میں اس کی مسحور کن آنکھوں میں چھپے ہوئے ملکوتی نغمے تک رسائی پانے کے لیے کتنا بے تاب ہوں؟ میں نے اس کی دلفریب مسکراہٹ کی شیرینی کشید کر کے اس کی سچائی کے لیے ایک فلک بوس روضہ تعمیر کیا ہے۔ کیا تو نہیں جانتی کہ میں ہر رات اس روضے میں داخل ہو کر خود کو خوابوں میں لپیٹ لیتا ہوں، تب کہیں جا کر مجھے نیند نصیب ہوتی ہے۔

لیکن میں تجھے پکارتا ہوا آگے بڑھتا ہوں تو کیا دیکھتا ہوں کہ تم روضے کی دیواروں کے ساتھ لگی رو رہی ہو اور ایک باپ اور اس کے معصوم بچے کی آہ و فغان سننے میں اتنی محو ہو کہ میری پکار کا جواب دینے سے قاصر ہو۔ ہم اس منظر کو خوف اور بے یقینی کی حالت میں دیکھ

رہے ہیں۔ ہم باپ بیٹے تک کیسے پہنچیں انہیں کیسے حوصلہ دیں، ان کی چیخوں کو کیسے بند کرائیں، ان کی آنکھوں میں سے خوف کے سائے کیسے دور کریں؟

یہ بچہ جس کا نام محمد الدرہ ہے بارہ سال کا ہے۔ وہ چیخ رہا ہے اور باپ کے پیچھے چھپتے ہوئے پکار رہا ہے۔ ''ابا جی مجھے بچا لیجیے'' اس نے اپنے چھوٹے چھوٹے ہاتھوں سے باپ کی قمیض کو پیچھے سے مضبوطی سے پکڑا ہوا ہے۔ اور دل میں دعائیں مانگ رہا ہے کہ دشمن فوجیوں کی دوربینیں اور رائفل سکوپس اس کے آنسوؤں کو کسی طرح دیکھ لیں تو شائد ان کے دل پسیج جائیں۔ تقریباً 45 منٹ تک باپ بیٹا مدد کے لیے پکارتے رہے اور اپنی جاں بخشی کے لیے ہاتھ بلند کرتے رہے۔ صرف ایک گھنٹہ پہلے کی بات ہے کہ باپ نے سیکنڈ ہینڈ کاروں کی مارکیٹ جانے کا فیصلہ کیا تھا اور بیٹا ایک نئی کار کی خریداری کے امکان پر خوشی سے پھولا نہیں سما رہا تھا، اس لیے اس نے بھی ہمراہ جانے کی ضد کی۔ محمد الدرہ نے کھڑے کالر والی شرٹ، ٹینس کے جوتے اور انکل سام بلیو جینز پہن لی تھی۔ لیکن اب باپ بیٹا 45 منٹ سے دیوار کے پاس دبکے چیخ رہے ہیں کہ انہیں چھوڑ دیا جائے۔

ایک اسرائیلی سپاہی نے آگے بڑھ کر پوزیشن سنبھالی اور بیٹے پر چار گولیاں چلائیں اور باپ پر آٹھ گولیاں داغ دیں۔ بیٹے نے پہلے باپ کی گود میں پناہ لی اور پھر زمین پر ڈھیر ہو گیا۔ اپنے چھوٹے چھوٹے ہاتھوں سے منہ چھپایا اور اگلے لمحے اپنی جان جان آفرین کے سپرد کر دی۔ ایک ایمبولینس نے انہیں اٹھانے کی کوشش کی تو اس پر بھی گولیوں کی بوچھاڑ کر دی گی۔ ڈرائیور شہید اور ایمبولینس ورکر شدید زخمی ہو گیا۔

باپ شدید زخمی ہونے کے باوجود بچ گیا مگر زندگی بھر کے لیے مفلوج ہو گیا۔ ماں صدمے سے نڈھال ہے اور یہ سوچ رہی ہے کہ دوزخ آخر کیوں بنائی گئی ہے۔ وہ اس واقعہ کو قربانی کہہ رہی ہے اور میں دونوں ہاتھ گود میں دھرے احمقوں کی طرح کرسی پر بیٹھا ہوں، میرے سامنے بیکار قسم کے کاغذات، نفرت انگیز کافی اور متروک کتابیں بکھری ہوئی ہیں۔ میں ہوں اور میرے پریشان اور احمقانہ خواب بس میرے پاس یہی کچھ ہے۔

دیکھ لیجیے۔ اگر کانفرنس کچھ بولے گی تو معصوم بچہ محمد الدرہ اسے سن نہیں پائے گا۔

میرے پیارے بچے، تو قبر کی گود میں محو استراحت ہے۔ یہاں اب کوئی حسن نہیں ہے ہر سو زندگی کی بربادی اور اس کی کراہتیں اور نفرتیں ہی بکھری پڑی ہیں۔

میں تجھے فلسطین کے المیے یا اسرائیل کی مخاصمانہ جنگجوئی کی علامت تسلیم کرنے سے

انکاری ہوں۔ میں تجھے بیت المقدس یا مسجد اقصیٰ کے لیے ایک قربانی بھی نہیں مانتا۔ ہمارے بے کار وجود اور بے ثمر زندگی کی علامت بھی تسلیم نہیں کرتا۔ میں ایک متعفن اور تلخ حقیقت پر پردہ ڈالنے اور اس پر شکر کا خول چڑھانے (Sugarcoat) کی بھی کوشش نہیں کرتا۔ میرے بیٹے سچ یہ ہے کہ تجھے کسی چیز کے لیے قربانی نہیں چڑھایا گیا۔ سچ یہ ہے کہ تمہیں خوف و ہراس میں مبتلا رکھنے کے بعد بلاوجہ ذبح کر دیا گیا ہے۔

میں اپنے گیارہ سالہ بیٹے کی طرف دیکھتے ہوئے کانپ اٹھتا ہوں۔ میں اسے نشوونما پاتا ہوا اور زندگی کے مسحور کن نغمے سننے کے لیے تیار ہوتا دیکھنے کا متمنی ہوں۔ تاکہ وہ مسکراہٹوں کی شیرینی کشید کر سکے اور حسن کی سچائیوں کے شایان شان روضے کی تعمیر کر سکے۔ میں چاہتا ہوں کہ وہ زندگی کی لطافتوں اور راحتوں میں سے اپنا حصہ پائے۔ اسے سننے اور بولنے کا موقع ملے اور اتنا بڑا ہو جائے کہ یہ فیصلہ کر سکے کیا وہ کوئی علامت بننا چاہتا ہے یا ایک مقصد میں ڈھل جانا چاہتا ہے۔

میرے بیٹے محمد الدرہ میں جانتا ہوں کہ تو اس وقت افلاک کے حسن سے مسحور ہو رہا ہوگا اس تصور سے میرے دل کو بے حد سکون ملتا ہے۔ خدا کے انصاف پر میرے ایمان نے مجھے یہ قوت بخشی ہے کہ میں ''کانفرنس'' کو اپنے پاس آنے کی مسلسل دعوت دیتا رہوں۔ لیکن مجھے انسانوں کی اس بدصورتی اور بے تکے پن سے بہت اذیت پہنچتی ہے جو ایک بچے کی موت کو سیاسی رنگ دینا چاہتے ہیں۔ اور اس بات پر بھی غصہ آتا ہے کہ بعض عیاش طبع انسان اسی لمحے نفرت کا ایک الاؤ گرم کرنے کی سازش کر رہے ہیں تاکہ اس واقعے کا انتقام لیا جائے اور جواباً ایک اور بچے کو ہلاک کر دیا جائے۔ مجھے اس سے بہت صدمہ پہنچتا ہے کہ لوگ دہشت گردی کو شہریت عطا کرنا چاہتے ہیں، اسے ایک مذہب اور ایک نسل کا روپ دینا چاہتے ہیں اور ایک سفارتی مشن کی شکل دے کر اسے اخلاقی تحفظ کا مستحق قرار دینے کی کوشش کر رہے ہیں۔ یہ اخلاقیات کا کون سا جہنمی نسخہ ہے جس میں لکھا ہے کہ ایک مسلمان بچے کی موت، کسی یہودی بچے کی موت کو جائز ٹھہرا سکتی ہے یا کسی یہودی بچے کی موت کسی مسلمان بچے کی موت کا جواز بن سکتی ہے؟

انسانوں کی اس وحشیانہ منطق کی ترویج کے باوجود خدا پر اور اس کی خوبصورتی پر میرا ایمان مجھے بتاتا ہے کہ قتل شدہ بچے خواہ وہ مسلمان ہوں یا یہودی ایک جیسے ہیں اور ایک ساتھ جنت میں جائیں گے۔

اکتوبر 2000ء

MashalBooks.org

باب 61

کارگزاریٔ شب

رات، اس ''کانفرنس'' کو اپنے سینے سے لگائے آگے بڑھ رہی ہے۔ دیوار پر لگے کلاک کی سوئیاں مسلسل اپنے مرکزی کیل کے گرد گھوم رہی ہیں اور انسانوں کو زندگی کی دھند میں کھو جانے اور اس کے مغالطوں میں الجھے رہنے کے انجام سے خبردار کر رہی ہیں۔ بیٹھے بیٹھے میرا جسم اب درد کرنے لگا ہے۔ میں کتاب کے ایک صفحے کو الٹاتا ہوں تو مجھے احساس ہونے لگتا ہے کہ میں اب ایسے نقطے پر پہنچنے والا ہوں جہاں میرا یہ جسم اپنے ''اختتام'' کو پہنچ جائے گا اور اس کے ساتھ ہی میری نقل مکانی (Migration) شروع ہو جائے گی۔ میں اپنے سفر کی تمام احمقانہ باتوں اور چھوٹی چھوٹی سوچوں کو جو کبھی کبھی میرا دل بہلاتی رہتی تھیں پیچھے چھوڑ جاؤں گا۔ اور میں عنقریب اپنے رب کے سامنے سر جھکائے کھڑا ہوں گا۔ مجھ سے کئی گناہ سرزد ہوئے لیکن خدا کے حسن (Beauty) پر میرا غیر متزلزل ایمان رہا۔ میں نے یقیناً کئی بار اپنی حدود سے تجاوز کیا اور اپنے آپ سے ناانصافی کا مرتکب ہوا لیکن سفرِ زندگی کے تاریک ترین لمحات میں بھی ہدایت کی روشنی کا متمنی رہا۔ اگر کبھی دنیا کے فوائد کی لالچ میں پڑ بھی گیا تو احساسِ ندامت نے میرا دامن پکڑے رکھا۔ ملامت کرنے والے دل نے روک ٹوک جاری رکھی اور مجھے پریشان کرتا رہا۔

میں اپنے اس بوسیدہ جسم کو کسی پشیمانی کے بغیر مسترد کر دوں گا اور رسمی طور پر بھی الوداعی جملہ زبان پر نہیں لاؤں گا۔ میرے لیے کسی تحسین و آفرین کے کلمات ادا نہیں کیے جائیں گے کیونکہ میں عالمِ مادیت سے ماورائیت کی طرف سفر کر رہا ہوں اور ایک نئی زندگی شروع کر رہا ہوں۔ میں اپنی قبر پر کھڑا ہو کر اس مادی دنیا کے دھوکوں اور مغالطوں کا مذاق اڑا رہا ہوں

کیونکہ یہ دنیا انسانوں کے ڈر اور خوف سے نشوونما پاتی ہے، اس نے ایک مضطرب جسم پایا ہے اور اس پر اپنی مرضی کا خول چڑھا لیا ہے۔ لیکن میں نے وہاں سے وہ سب کچھ لے لیا ہے جو مجھے اچھا لگتا ہے، میں حسن اور الفاظ کا شیدائی ہوں اور ان کانفرنسوں میں رہتا ہوں جو کبھی ختم نہیں ہوتیں۔ میں نے ان کیڑے مکوڑوں سے کوئی تعلق واسطہ نہیں رکھا جنہیں یہ دنیا پالتی ہے۔ یہ جسم ایک بدہیئت اور بدزیب لباس ہے جس میں جگہ جگہ سوراخ ہیں اور گندگی سے بھی آلودہ ہے۔ یہ نہ سردی سے بچاتا ہے اور نہ گرمی سے محفوظ رکھ سکتا ہے۔ شاید یہ زمین کے بھنورے کی خوراک کی ضرورت ہی پوری کرے گا۔

رات کچھ اور گزرتی ہے اور میں ایک اور صفحہ پلٹ دیتا ہوں۔ الفاظ میری آنکھوں کو سہلا رہے ہیں۔ میں سر کھجاتا ہوں، کمر میں درد ہونے لگا ہے۔ پڑھتے پڑھتے جب بے خودی طاری ہونے لگتی ہے تو ذہن ایک چھلانگ لگا دیتا ہے۔ دل میں گدگدی ہو رہی ہے اگر میرا جسم کچھ سمجھ سکتا تو حقیقت یہی ہے کہ خدا جسمانیت (Physicality) کا پابند نہیں ہے۔ خدا تکمیل علم، سراپا حسن اور درجۂ کمال کو پہنچی ہوئی ایک قوت (Potentiality) ہے۔ اگر میں اپنے محبوب کے رازوں میں شرکت کا متمنی ہوں تو یہ جسم مجھے کیسے ملامت کر سکتا ہے؟ اگر میں اس کے علم تک رسائی حاصل کرنا چاہتا ہوں، اس کے حسن سے محظوظ ہونا چاہتا ہوں اور اپنی مخفی قوتوں کو جگانے کی خواہش رکھتا ہوں تو دراصل یہی سمجھتا ہوں کہ خدا کا جو بھی ''جوہر'' (Essence) ہے وہی اس کی بزم (Company) کا جوہر ہے۔ کیا ایسا نہیں ہے کہ ہم جس کسی سے بھی محبت کرتے ہوں اس کے بارے میں سب کچھ جان لینا چاہتے ہیں۔ میرا محبوب چونکہ انتہائی درجے کا دولتمند ہے اور میں انتہائی درجے کا مفلس ہوں اس لیے میں اس کی گرانقدر نعمتوں میں سے کچھ حصہ، حقیر سا حصہ پانا چاہتا ہوں جس کے لئے میں نہایت عاجزی سے اس سے درخواست کرتا رہتا ہوں۔ جب میں اپنے جسم کو کچھ آرام دیتا ہوں تو اس لیے نہیں دیتا کہ مجھے اپنے جسم سے کوئی محبت ہے بلکہ اس لیے دیتا ہوں کہ میرا خدا انصاف کو پسند کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ میں اپنے جسم کے ساتھ انصاف کا برتاؤ کروں تاکہ یہ کارآمد رہ سکے۔ جونہی جسم دوبارہ اٹھنے کے قابل ہو جاتا ہے تو میں اپنی مطلوبہ چیزوں...... علم، عقل اور حسن کی تلاش کے لیے گھڑی کی سوئیوں کے ساتھ دوڑ لگا دیتا ہوں۔

خدا کی بے شمار اور بے انتہا نعمتوں میں سے ایک نعمت ایسی بھی ہے کہ میں وہ اس سے

MashalBooks.org

نہیں لینا چاہتا۔ وہ ہے اقتدار (Power) کیونکہ میرا نحیف ونزار ذہن اس سے متعلقہ ذمہ داریوں کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ اس کے علاوہ یعنی اس کو چھوڑ کر باقی اس کی ہر اس چیز میں شریک ہونے کی دعا کر رہتا ہوں جس میں وہ میری شرکت پسند فرماتا ہے۔ میں اس کی فرمان روائی اور اس کی سلطنت میں شریک نہیں ہونا چاہتا کیونکہ اس کے تخت اقتدار میں شرکت کی خواہش رکھنا بھی سنگین ترین جرم اور عظیم ترین گناہ ہے۔ کسی انسان کا یہ سمجھ لینا کہ وہ ازخود علم، عقل اور حسن کا مالک بن سکتا ہے، صریحاً خودکشی اور اپنے آپ سے دشمنی ہے۔ البتہ ان نعمتوں کے لیے اللہ سے رجوع کرنا اور اس کے سامنے گڑگڑانے کا مطلب، اس امر کا اعتراف ہے کہ اس خزانے کا وہ تنہا مالک ہے جو اپنی خسروانہ مرضی سے جس کو جتنا چاہے عطا فرما سکتا ہے۔

رات مزید گزرتی ہے اور میں ایک اور صفحہ پلٹتا ہوں تو میری کمر کے عضلات ایسے درد کر رہے ہیں جیسے شریر بچے توجہ حاصل کرنے کی کوشش میں ایک دوسرے سے مقابلہ کر رہے ہوں۔ لیکن میں نے انہیں ڈسپلین کے پابند بنانے کی کوشش بہت پہلے ترک کر دی تھی۔ میں نافرض شناس والد کی طرح اپنی کمر کو نظرانداز کر کے مطالعے میں مصروف رہا۔ مجھے عماد الدین اصفہانی (متوفی 598ھ/1201ء) کی آواز سنائی دی:

> ''مجھے ایک کتاب ابھی مکمل کرنی ہے، اور اگلے دن پھر اسے کھول کر اس میں مزید کچھ شامل یا حذف کر دینا ہوتا ہے۔ یا ایک بالکل ہی نیا خیال شامل کر دینا ہوتا ہے یا پہلے ہی مفہوم کو مزید بہتر الفاظ میں ادا کرنا پڑتا ہے۔ یا ترمیم در ترمیم کرنا ہوتی ہے۔ مختصر یہ کہ انسانی کام، انسانی سوچیں، پہلی تحریروں پر نظر ثانی اور تبدیلیاں، ایک مسلسل عمل ہے، کوئی چیز بھی کامل یا حتمی نہیں ہوتی۔ یہ انسانی فطرت کی ایک مستقل خصوصیت ہے۔''

ان روحوں پر سلامتی ہو جو اس کانفرنس میں شامل ہوتی ہیں، اور یہاں سے موصول ہونے والے جوابات پر شبہات کا اظہار کرتی ہیں۔ جی ہاں اس لیے کہ یہ بنی نوع انسان کے معاملات ہیں، جن کی سوچ کبھی تکمیل کو نہیں پہنچتی۔ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس کا فیصلہ ہے کہ ہم اپنے سوالوں کو جامع بنائیں اور جوابات اس شخص سے لیں جو درجۂ کاملیت کو

MashalBooks.org

پہنچ چکا ہے۔ ہمارے لیے وہ لوگ سوہان روح ہیں جو وہی کچھ پڑھنا چاہتے ہیں جس کے بارے میں ان کا گمان ہے کہ وہ اسے پہلے ہی جانتے ہیں۔ ان کے لیے اسلام بازو پر باندھنے والی ڈوری سے زیادہ کوئی اہمیت نہیں رکھتا' جوان کی آستینوں کو ناپ کر بنائی گئی ہے۔ وہ اسلام کو اپنی ضرورتوں کے مطابق ڈھالتے ہیں تا کہ وہ ان کی کمزوریوں کے لیے ڈھال کا کام دیتا رہے۔ انہیں اسے اپنی مرضی کے مطابق بنانے کے لیے شواہد یا اشارات کی کوئی ضرورت نہیں۔ ضرورت صرف اس مفروضے کی ہے کہ ''ساری دنیا بہری ہے اور خدا صرف ان کے کان میں سرگوشیاں کرتا ہے۔ یہ نبی کا روپ دھارتے ہیں اور خدا کی ترجمانی کرنے لگتے ہیں۔ اگر آپ ان سے پوچھ بیٹھیں کہ تمہارے پاس اس بات کا ثبوت کیا ہے تو جواب یہ ملے گا۔ ''میں جو جانتا ہوں وہ جانتا ہوں، مجھے الجھانے کی کوشش مت کرو۔'' دراصل ان کا دعویٰ یہ ہے کہ خدا ان کے مطالبوں اور آسائشوں کے مطابق کام کرتا ہے۔ یہاں میں ایک مشہور فقیہہ قاضی خان الفرغانی (متوفیٰ 592ھ/1190ء) کا ایک قول نقل کرتا ہوں:

> ''جان لو کہ سستی اور کاہلی کا مارا ہوا اور جہالت اور ناقص دماغ کا حامل، ایسا آدمی بھی دیکھا گیا ہے جو احمقوں سے گھرا ہوا ہے وہ اس کی تعریف و توصیف کے گانے گا رہے ہیں، اس سے اس کے دماغ کا خلل مزید بڑھ جاتا ہے اور وہ منہ بھر بھر کر بڑے بڑے فضلا کی عبارتیں پڑھ پڑھ کر سنانے لگتا ہے۔ نہ وہ خود ان کے معنی و مطالب جانتا ہے اور نہ اس کے سامعین کے پلے کچھ پڑتا ہے۔ کوئی عقل مند آدمی ان لوگوں میں جا پھنسے تو اس کے لیے مناسب یہی ہے کہ وہ اپنا منہ بند رکھے۔ کیونکہ وہ جو کچھ کہے گا ان جاہلوں کے سر پر سے گزر جائے گا۔''

امریکہ میں پائے جانے والے بعض لیڈروں اور عملی اقدام کے قائلین (Activists) کی اکثریت پر یہ قول بالکل صادق آتا ہے۔ اگر آپ ان کے ذہنوں کی سہل انگاری یاد دلائیں تو وہ آپ کو کج نگاہی سے دیکھتے ہوئے کہیں گے۔ ''بھائی اسلام کے معاملے میں خدا نے عقل کے استعمال سے پرہیز کرنے کا حکم دیا ہے۔'' کتنی خوفناک دلیل ہے جس کا یہ لوگ سہارا لے رہے ہیں۔ اگر انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے تو وہ اسلام کو دنیا بھر کے احمقوں کا مذہب بنا کر رکھ دیں گے۔ اس سے زیادہ مضحکہ خیز دعویٰ کیا ہوسکتا

ہے کہ خدا نے بنی نوع انسان کو تخلیق تو کر دیا مگر اسے عقل کے استعمال سے روک دیا۔ اور حماقت ہی ان کا مقدر بنا دی۔

اب رات اپنی واپسی کا خاصا سفر طے کر چکی تھی اور فجر اپنی آمد کا اعلان کرنے ہی والی ہے۔ جسم درد بھری آہیں نکال رہا ہے۔ جیسے کہ اسے اپنے وقار کا کوئی احساس ہی نہ ہو۔ میں اٹھا، وضو کیا، نماز فجر ادا کر کے جسم کے ساتھ کچھ انصاف کا برتاؤ کیا اور بالآخر نیند کی آغوش میں چلا گیا۔ لیکن سونے سے پہلے میں نے شب گریز پاء سے سرگوشی کرتے ہوئے کہا: ''میں جانتا ہوں کہ خاتمہ اور آغاز قریب ہے، اگر خدا نے چاہا تو میں تجھ سے پھر مل سکوں گا۔ میں تیری منت کرتا ہوں کہ تو مجھے اپنی طمانیت میں شریک کر لے۔ از راہ کرم اس ذہن کو اپنے عارضی ہونے کا شعور عطا کر دے۔ اللہ کرے کہ میرے ادا کیے ہوئے الفاظ رات کے سکوت کو دلاسہ دے سکیں اور اس پرنور کی شعاعیں ڈال سکیں اور جب وقت آ جائے تو میں کانفرنس میں شرکت کر کے ایک اور بے چین جسم کو علم اور حسن سے روشناس کرا سکوں۔

جولائی 2000ء

باب 62

آخری منزل اور گوہر مقصود

میں اس بھرے پرے کمرے کو دیکھتا ہوں تو ایک عجیب سے احساس سے سرشار ہو جاتا ہوں۔ تمام شیلف کتابوں سے اٹے ہوئے ہیں اور فرش پر بھی کتابوں کے ڈھیر لگے ہیں۔ ایک پرانا گھسا ہوا ڈیسک بھی سامنے پڑا ہے جس نے 1982ء میں میرے ساتھ اپنے سفر کا آغاز کیا تھا۔ پھر میں میزوں پر پڑے ہوئے دو کمپیوٹروں، دو پرنٹروں، دو ٹیلی فون سیٹوں، چار ڈیسک لیمپوں، مسلسل ریں ریں کر کے چلنے والے تین پنکھوں، بہت سی ٹیپوں، پرانی پھٹی ہوئی چمڑے کی کرسی اور بکھرے کاغذوں پر نظر ڈالتا ہوں اور جانتا ہوں کہ میرے تقلب (Trans formation) کا وقت آ چکا ہے۔ اس کانفرنس کے ریکارڈ کو محفوظ کرنے اور اسے اس کی حقیقی زندگی دلانے کا وقت بھی آ گیا ہے اور کانفرنس کے ایک ریکارڈ کو بند کر کے بہت سے دوسرے ریکارڈوں کو وجود میں لانے کا وقت بھی آ پہنچا ہے۔ جب میں اس کمرے پر نگاہ ڈالتا ہوں تو مجھے اپنے طویل عرصے کی محنت طلب تحقیق کی باقیات صرف ایک ہی مقصد یاد دلاتی ہیں کہ میں ہر دم حسن کا متلاشی رہا ہوں۔ یہاں کے فرنیچر کا ہر پیس، ہر کتاب اور ہر کاغذ اس مقصد کے حوالے سے اہم کردار ادا کرتا رہا ہے۔

پرنسٹن (نیوجرسی) میں کتابوں سے اٹے ہوئے اس چھوٹے کمرے سے لے کر یارڈلے (پنسلوانیا) سان مارکوس (ٹیکساس) آسٹن سے لاس اینجلس تک متعدد عمارتوں میں اسلامی تہذیب کے حوالے سے کانفرنسیں منعقد ہوتی رہی ہیں۔

یہاں سامان عزت و وقار بھی تھا اور رسوا کن اعمال کا ریکارڈ بھی موجود تھا، فتوحات کے کیف آور لمحات، زیرلب دعائیں، پرزور استدعائیں اور انسانی حماقتوں سے ملنے والے سبق

آموز واقعات بھی تھے اور خدا سے کیے ہوئے وعدوں کا طویل ریکارڈ بھی موجود تھا۔ اور ڈوب ڈوب کر ابھرنے کے حوصلہ افزا واقعات کی بھی کوئی کمی نہیں تھی۔ میں راتوں میں ان سب سرگرشیوں کو سنتا رہتا تھا اور ''کانفرنس آف بکس'' مجھے مسلسل ان کی طرف متوجہ کراتی رہتی تھی۔ میں حسن کی تلاش سے متعلق سارے ریکارڈ کا امین تھا۔ میں نے کانفرنس کے سلسلے میں کئی راتیں جاگ جاگ کر گزار دیں، سوچتا رہا' سمجھتا رہا، سنتا رہا اور نہایت بے چینی کے ساتھ اپنے تقلب کا منتظر رہا۔ یعنی یہ انتظار کرتا رہا کہ وہ دن کب آئے گا کہ میں کتاب کی شکل میں ڈھل جاؤں گا۔

اب اس کمرے میں میری اعصاب شکن تھکاوٹ کے آثار جگہ جگہ بکھرے پڑے ہیں۔ تحقیقی کام کا ریکارڈ کافی بھاری ہے۔ بطور محافظ میرے لیے لفظوں کا بوجھ نا قابل برداشت ہو چکا ہے۔ میں جو کچھ جانتا ہوں اسے بیان کرنے کے لیے بے تاب ہو رہا ہوں اور جو کچھ نہیں جانتا اسے جاننے کے لیے بھی مضطرب ہوں۔ اس کمرے میں ساری میراث بکھری پڑی ہے اور میں جانتا ہوں کہ میرے تقلب کا وقت سر پر آ پہنچا ہے۔

مجھے جو اعزاز دیا گیا ہے اس پر میں حیران رہ گیا ہوں اور خدا کے حضور سجدہ شکر ادا کرنے کے لیے گر گیا ہوں، کسی معمولی مصری نژاد چھوٹے سے لڑکے کے لیے اس سے بڑا اعزاز اور کیا ہوسکتا ہے وہ حسن کے متلاشیوں میں شمار ہونے لگا ہے۔ مجھے اپنے اندر کوئی کمال نظر نہیں آیا اور نہ ہی کہیں مجھے کسی شعبے میں مرکزی حیثیت حاصل رہی۔ میں ہمیشہ کناروں پر رہا اور اپنے روح کے زخموں کو سہلاتا رہا۔ میں نے ہمیشہ ظلم و ناانصافی سے نفرت کی اور تسکین جذبات کے لیے خود کو کتب بینی اور دیگر علمی کاموں میں مصروف رکھا۔ میں نے ہمیشہ مرکز میں رہنے پر کناروں پر رہنے کو ترجیح دی اور دور رہ کر واقعات دنیا کا مشاہدہ کرتا رہا۔ لیکن اب میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ کنارہ کشی کا رویہ ترک کر کے جرأت کے ساتھ تقلب کے عمل سے گزروں گا۔

میں جانتا ہوں کہ اس ''کانفرنس'' کی طرف ہجرت عطیۂ خداوندی تھا اور یہ بھی جانتا ہوں کہ میں طلب کیے جانے پر آواز کے منبع تک پہنچا ہوں۔ میں عطیے پر اعتراض کرنے والوں میں سے نہیں ہوں اور نہ افلاک سے آنے والی آواز پر شبہ کرنے والوں میں سے ہوسکتا ہوں۔ لیکن مجھے اس بات پر ہمیشہ تعجب رہا کہ میرے دل کو حسن کی تلاش کے لیے کیسے کھولا گیا

جبکہ اس پر غموں کی کی گہری دھند اور گناہوں کے بہت سے داغ تھے؟

میں جانتا ہوں کہ کائنات حسن کی دولت سے مالا مال ہے لیکن جہاں پر حسن ناپید ہو وہاں پر اکثر بدصورتی ہی کا راج ہوتا ہے۔ بدصورتی ایک درد یا ایک مرض کی طرح دل کو مغلوب کر کے اسے مایوسیوں سے دوچار کر دیتی ہے اور مغالطوں کی دھند آنکھوں کو دیکھنے کی صلاحیت سے محروم کر دیتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ آنکھیں حسن کی لطافت کو دیکھنے کے قابل ہی نہیں رہتیں۔ میں اکثر ایک کنارے پر دبکا رہتا اور اپنے دل کو سیاہ دھند کی زد میں آنے سے بچاتا رہتا تھا۔ میں ماضی کے طویل اور کٹھن سفر کے بارے میں سوچتا رہتا ہوں اور اس بات پر متفکر رہتا ہوں کہ پتہ نہیں مجھے حسن کی لطافت دیکھنے کے قابل بننے کے لیے مزید کتنا چلنا پڑے گا۔ لیکن ''تقلب'' کے ان لمحات میں، میں خدا کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے میرے دل کو خوف پر قابو پانے کی قوت عطا فرمائی۔ مجھے وہ تمام خوبصورت لوگ اور خوبصورت تصورات یاد ہیں جنہوں نے میرے دل کو خوبصورتی کی تلاش پر آمادہ کیا اور اس کے دروازوں کو اس عظیم کام کے لیے کھول دیا۔

شاید یہ میری ماں کے لمس کی خوبصورتی تھی یا اس کے پر شفقت دل کا اعجاز تھا یا یہ اس کی آنکھوں کا کمال تھا جو ہمیشہ گھبرائی ہوئی دکھائی دینے کے باوجود غیر معمولی طور پر مطمئن اور پروقار تھی۔ وہ اکثر کہا کرتی ''وقت وہی بہتر ہے جو اپنی پریشانیوں کی بجائے دوسروں کے دکھوں کے بارے میں سوچنے پر صرف کیا جائے۔'' اور پھر تیس سال کام کرنے کے باوجود اس نے اپنا سب کچھ دوسروں کے حوالے کر دیا اور شب و روز مصلے پر ہی کھڑی رہنے کو ہی وہ اپنی دولت سمجھتی تھی اور ایک ڈالر تک اس کے نام پر نہیں ہے۔ شاید یہ اس وجہ سے ہے کہ وہ کویت میں پہلی خاتون تھی جو کار چلاتی تھی اور مردوں کو کسی توقف کے بغیر اس کے لیے بھرتی کر لیتی تھی اور دور ہٹ کر رہنے اور خلوت کا پردہ تان لینے کی شدید مخالفت کرتی تھی۔

میری ماں اکثر اہل علم کے اس قول کا ذکر کرتی تھی ''جو کوئی سلام کرنے میں پہل کرتا ہے وہ خدا اور اس کے پیغمبر کی خوبصورتی کے قریب تر ہوتا ہے۔'' اگر کبھی میرے ماتھے پر شکنیں پڑی ہوتیں تو وہ کہتی...... ''کیا تم نے نبی اکرمؐ کا ارشاد نہیں سنا کہ جب تم ایک دوسرے سے ملو تو سلام میں پہل کرنے کی کوشش کرو اور ہاتھ ملاؤ، جب رخصت ہونے لگو تو اللہ سے مغفرت طلب کرو۔'' وہ کسی کو ناشائستگی کرتے ہوئے پا کر جب غصے میں آتی تو بے حد

خوبصورت دکھائی دیتی۔ بعض مرد مصافحے کے لیے عورت کے بڑھے ہوئے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لینے سے انکار کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اور وہ اس وقت کتنی خوبصورت اور پر وقار لگ رہی تھی جب اس نے ہاتھ ملانے سے انکار کر دینے والے ایک مرد سے کہا ''اگر تمہارا یہی عقیدہ ہے تو چلو مجھ سے ہاتھ ملانے کے بعد دوبارہ وضو کر لینا۔'' اور جب میں مردانگی کے شدید تعصب (Chauvinism) میں مبتلا رہا کرتا تھا اور اپنی بہن پر رعب جمانے کی کوشش کرتا تو ماں مجھے ڈسپلن سکھانے کی ذمہ داری اسے ہی سونپ دیتی تھی اور وہ بڑی شان سے کھڑی ہو کر اعلان کرتی تھی...... ''ہمارا آقا، خدا ہے جو لوگ اس کے بندوں کو مغلوب کرنا چاہتے ہیں وہ اپنی کمزوریوں کے غلام ہیں۔''

مجھے اب بھی یاد ہے جب میری خوبصورت ماں نے میرے لیے سب سے پہلی کتاب خریدی تھی یہ مصر میں کتب فروشی کی مصروف ترین گلیوں میں سے ایک تھی جہاں وہ میرے لیے موزوں ترین کتاب تلاش کر رہی تھی، اس گلی میں آج بھی کتابیں ہی بکتی ہیں، ماں نے میرے ساتھ ایک سادہ سا معاہدہ کیا۔ ''میں تمہیں کتابیں اس شرط پر لا کر دیا کروں گی کہ تم انہیں پڑھتے رہو۔'' غالباً میرا دل کانفرنس کے لیے اس لیے کھلا ہے کہ میں نے ایک ایسے گھر میں آنکھ کھولی جہاں ہمیں ہر روز قرآن پڑھنے اور سننے کی سعادت حاصل ہوتی تھی۔ ماں ہر صبح تلاوت کرتے ہوئے ہمیں جگاتی اور ہمیں احساس دلاتی، اٹھو، نماز کا وقت ہو چکا ہے۔ غالباً انہی صبحوں کا اثر ہے اور ماں کے تلاش حسن کی برکت ہے کہ کتابوں کی یہ کانفرنس ہمیشہ جاری رہتی ہے۔

شاید یہ میرے والد کے درد و مصائب کی کہانیاں تھیں جن کی وجہ سے مجھے ظلم و تشدد انسانی تذلیل اور دھوکہ فریب سے نفرت ہوئی۔ یا اپنے کئی دوستوں کے ذبح کیے جانے کی کہانیاں تھیں اور جو مرنے سے بچ گئے وہ دوزخ نما جیلوں میں گلنے سڑنے کے لیے چھوڑ دیئے گئے تھے اور جو اس سے بھی بچ گئے وہ غربت کی دوزخ میں دھکیل دیئے گئے تھے۔ میرا والد سنایا کرتا تھا۔ ''ذلت کا ہر لمحہ روح حیات کے لیے موت کا پیغام لاتا ہے۔'' میں نے استبداد کی شیخیوں اور تشدد کی بدصورتیوں سے نفرت کرتے ہوئے زندگی کی منزلیں طے کی ہیں قطع نظر اس کے کہ ان کا نشانہ بننے والوں کا عقیدہ یا شناخت کیا تھی آخر تھے تو وہ انسان ہی۔ میرا باپ ہاتھ میں کتاب لیے ہمیشہ ایک ہی کرسی پر بیٹھا کرتا تھا جب بھی کوئی سامنے آتا وہ

اس سے قوم کے مصائب پر گفتگو کرنے لگتا اور اکثر کہا کرتا...... ''ہم بھیڑوں کی قوم ہیں جو گڈریئے کی خوشنودی کے لئے جی رہے ہیں۔ ہمارے لیڈروں نے ہمیں اس لیے سر جھکائے رکھنے کے لیے کہا ہوا ہے کہ اس طرح ہمیں کھانے کی چیزیں تلاش کرنے میں آسانی رہے گی۔ایک طرف ہم نے بھیڑوں کی قوم ہونا قبول کر رکھا ہے اور دوسری جانب ہم حیران ہوتے ہیں کہ ہمیں ایک بھی فتح نصیب نہیں ہو رہی ہے۔'' پھر وہ کہتا کہ...... ''منصف مزاج آمر کے مفروضے پر کبھی یقین نہ کرنا کہ وہ کبھی ہمارا نجات دہندہ بن کر آئے گا، اگر وہ منصف بھی ہو آمریت پھر بھی بری چیز ہے، خدا غلط راستوں کو پسند نہیں کرتا۔'' میرے والد کا یہی ورثہ خوبصورتی کے لیے میرا دل کھلنے کا باعث بنا ہے، اسی کی بدولت میں نے عزت اور وقار کے ساتھ کھڑا ہونا سیکھا ہے۔

غالباً مجھے علم کا حسن سکھانے میں میرے قابل احترام شیوخ کا بھی بہت بڑا ہاتھ ہے انہوں نے مجھے یہ بھی سکھایا ہے کہ نہ جاننے کے باوجود جاننے کا دعوٰی کرنا کفر کے مترادف ہے۔وہ اکثر کہا کرتے تھے ''خدا کے قریب پہنچانے اور عزم صمیم کے ساتھ تلاش کرو، علم کے گھمنڈ میں کبھی مبتلا نہ ہونا کیونکہ بے جا زعم خدا سے قربت کی بجائے اس سے دور دھکیل دیتا ہے۔اس کے سامنے عجز و نیاز کے ساتھ سر جھکاؤ۔کبھی یہ دعویٰ نہ کرنا کہ تم منشائے خداوندی کا قطعی اور یقینی علم رکھتے ہو۔حصول علم کو ایک جہاد سمجھو اور امام ابو حنیفہ (متوفی 150ھ/767ء) کا یہ قول دوہراتے رہو۔

مجھے یقین ہے کہ میری رائے درست ہے، لیکن امکان ہے کہ یہ غلط ہو۔تمہاری رائے غلط ہے لیکن ممکن ہے کہ وہ درست ہو۔ جان لو کہ سچائی کو تلاش کرنا ایک خوبصورت عمل ہے لیکن جب بھی تم اسے پا لینے کا دعویٰ کرنے لگو گے تو جھوٹ کے ساتھ رنگ رلیاں منا رہے ہو گے اور زعم باطل میں مبتلا ہو جاؤ گے۔''

خدا رحمت کرے میرے ان شیوخ پر جنہوں نے میرے دل میں خدا کی عظمت کا سکہ بٹھایا اور مجھے اس کے حسن بے کراں کا متلاشی بنا دیا۔

میرے دل کو جس سے کشادگی حاصل ہوئی غالباً وہ قرآن مجید ہے جو خوبصورت ترین اور عظیم ترین کتاب ہے اور پھر محبت رسول ہے جو میرے دل کو آسمانی ہدایت کے نور سے منور رکھتی ہے۔ غالباً میرے دل کو اس سے زیادہ علم کی ضرورت نہیں ہے کہ خدا بے حد خوبصورت

ہے اور یہ کہ خدا حسن سے محبت کرتا ہے۔ میں اپنے محبوب کی ملکوتی خوشبو کو اپنی سانسوں میں بسانا چاہتا ہوں۔ اور خدا مجھے جو کچھ دینا پسند فرماتا ہے اس سے بھرپور استفادہ کرنا چاہتا ہوں۔ میرے دل کو جو کشادگی عطا ہوئی وہ ان متذکرہ چیزوں میں سے یا تو کوئی ایک ہے یا یہ سب ہیں، یا یہ تحفۂ بے استحقاق ہے جو محض اس کے رحم و کرم کی وجہ سے مجھے عطا ہوا ہے۔

میں رات کے پچھلے پہر بیٹھا ہوا اپنی سوچوں میں گم ہوں اور اعتراف کرتا ہوں کہ حقیقت نفس الامری کو خدا ہی جانتا ہے۔ میں اس کمرے میں جگہ بہ جگہ پڑے ہوئے نشانات کو ان تمغوں کی مانند دیکھ رہا ہوں جو مجھے تقلب کا حکم دے رہے ہیں۔ چنانچہ میں اٹھتا ہوں اور اپنے رب کے سامنے سجدہ ریز ہوتا ہوں، اس کا شکر بجالاتا ہوں کہ اس نے مجھے ہدایت کی نعمت عطا فرمائی اور مجھے اپنے حسن لازوال کا متلاشی بنایا۔ میں اس پر بھی اس کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے مجھے حیرت انگیز محبت ذہانت اور الفاظ کے تقدس کا شعور دیا۔ اور مجھے یہ سبق بھی دیا کہ وہی ذات واحد ہے جس کے سامنے سجدہ ریز ہو کر میں اپنا سر بلند رکھ سکوں گا۔ میں اس پر بھی خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے مجھے یہ سبق دیا کہ خدا کی قدرت کاملہ (Omnipotence) اور اس کی تقلب ناپذیری (Immutability) کے معنی یہ ہیں کہ میں اس کے سامنے اپنا سر نیاز جھکا دوں۔ میں اس پر بھی اس کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے مجھے اپنی ماں، اپنے باپ، اپنے اساتذہ، اپنی کتابوں اور سکالرز کو جن سے میں استفادہ کرتا رہا ہوں، یاد رکھنا سکھایا۔

جولائی 2000ء

MashalBooks.org

محمد عبدہٗ (متوفی 1323ھ/1905ء)

تیرھویں صدی ہجری میں مصر کے مشہور اسلامی مصلح تھے۔ جامعہ از ہر میں تعلیم پائی۔ مصر سے جلا وطنی کا زمانہ پیرس میں گزارا۔ جہاں آپ نے تعلیم و تحقیق کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ جمال الدین افغانی (متوفی 1314ھ/1897ء) سے ملاقات ہوئی۔ عبدہٗ معاشرے کی تدریجی اصلاح قائل تھے جس کا آغاز تعلیمی پالیسی میں تبدیلیاں لانے سے کرنا چاہتے تھے۔ آپ اسلامی قانون کی عقلی بنیادوں پر از سر نو تدوین اور اجتہاد کی ضرورت پر زور دیتے تھے۔ آپ کو 1300ھ/1882ء میں ''بغاوت'' میں حصہ لینے کی پاداش میں مصر سے نکالا گیا لیکن سات سال بعد واپس آنے کی اجازت دے دی گئی اور ساتھ ہی مفتیِ اعظم مصر کے عہدۂ جلیلہ پر فائز کر دیئے گئے اور اسی منصب پر وفات پائی۔

عبداللہ بن ابی ابن سلول

(متوفی 9ھ/631ء)

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ میں آمد سے پہلے عبداللہ بن ابی ایک معتبر آدمی تھا اور اسے بادشاہت مدینہ کا تاج پہنانے کی تیاریاں مکمل ہو چکی تھیں۔ مگر واقعہ ہجرت کے بعد وہ منصوبہ دھرے کا دھرا رہ گیا۔ اس نے بظاہر تو اسلام قبول کر لیا، مگر دل سے بغض نہ نکال سکا

ڑ جس کی بنا پر وہ وقتاً فوقتاً مسلمانوں کو گزند پہنچاتا رہتا تھا۔ اس لیے اسے رئیس المنافقین کہا جاتا تھا۔

عبداللہ ابن عمر ابن الخطاب

(متوفی 73ھ/692ء)

عبداللہ جلیل القدر صحابی عمر ابن الخطاب کے صاحبزادے تھے۔ والد کے ساتھ ہجرت کر کے جب مدینہ پہنچے تو دس سال کے تھے۔ کئی مواقع پر ان کے خلیفہ نامزد ہونے کی تجاویز بھی سامنے آئیں مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ متعدد احادیث کے راوی ہیں اور ایک ممتاز فقیہہ مانے جاتے ہیں۔ ابن عمر ان آخری صحابہ میں سے تھے جن کا انتقال مکہ مکرمہ میں ہوا تھا۔

ابوبکر الصدیقؓ

(متوفی 22ھ/634ء)

پورا نام عبداللہ ابن عثمان ابن عامر ابن ابی قحافہ تھا۔ آپ شرفائے مکہ میں سے پہلی شخصیت تھے جو مکہ میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اور آپ سے رفاقت کا حق ادا کر دیا۔ اپنی ساری دولت کفار مکہ کے مظالم کا شکار ہونے والے مسلمانوں کو نجات دلانے پر صرف کر دی۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینے کے لیے ہجرت کی تو ابوبکرؓ آپ کے ہمراہ تھے اور یار غار کہلائے۔ نبی اکرمؐ کی وفات کے بعد پہلے خلیفہ مقرر ہوئے۔

ابوحنیفہ النعمان ابن ثابت

(متوفی 150ھ/767ء)

کوفہ کے رہنے والے تھے۔ فقہ کا حنفی مسلک آپ کے نام سے مشہور ہوا۔ اپنی زندگی میں کوفہ کے ممتاز ترین فقیہہ تھے اور آپ کے چند شاگرد بھی نامور فقہا میں شمار ہوتے تھے۔ آپ نے حکومت وقت کا ساتھ دینے سے صاف انکار کر دیا جس کی وجہ سے قید و بند کی صعوبتوں سے دوچار ہو گئے اور جیل ہی بھی وفات پائی۔

ابوحیان التوحیدی

(متوفی 414ھ/1023ء)

ایک اہم علمی و ادبی شخصیت تھے اور فلسفہ میں بڑا نام پایا۔ شافعی فقہ اور تصوف کا گہرا مطالعہ کیا۔ بہت سے ادبی اور فلسفیانہ مضامین لکھے۔ آپ کی تحریریں، تاریخ، اخلاقیات اور فلسفیانہ مسائل کے بارے میں سونے کی کان سمجھی جاتی تھیں۔ بغداد میں آپ پر ملحد ہونے کا الزام لگا جس پر آپ کو علاقہ بدر کر کے ''رے'' میں بھیج دیا گیا۔ بعد ازاں بغداد آنے کی اجازت مل گئی مگر آپ یہاں آ کر تھوڑے عرصے بعد انتہائی مفلسی کی حالت میں وفات پا گئے۔ لوگوں کے ناقدری کے رویے سے تنگ آ کر آپ نے اپنی زندگی ہی میں بیشتر کتابیں نذر آتش کر دیں، البتہ چند ایک تحریریں کسی نہ کسی طرح محفوظ رہ گئیں۔

ابوہریرہؓ

(متوفی 58ھ/678ء)

آپ کا پورا نام نام عبدالرحمٰن ابن سکر الداسی تھا اور بلیاں رکھنے کے شوق کی وجہ سے ابوہریرہ (بلیوں کا باپ) مشہور ہو گئے۔ آپ نے جنگ خیبر (7ہجری/629 عیسوی) کے اردگرد مدینہ میں اسلام قبول کیا اگرچہ آپ چار سال سے کچھ کم عرصہ نبی اکرمؐ کی صحبت میں رہے تاہم آپ نے بہت سے صحابہ سے زیادہ احادیث روایت کی ہیں۔ آپ احادیث کی کثرت سے روایت کی بنا پر تنقید کا نشانہ بھی بنے۔ مگر آپ نے اس کی وجہ یہ بتائی کہ میں اپنا بیشتر وقت نبی اکرمؐ کے پاس گزارتا تھا اس لیے مجھے آپؐ کے زیادہ ارشادات سننے کا موقع مل جاتا تھا اور میں

زیادہ سے زیادہ احادیث یاد کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ ابو ہریرہؓ نے مدینہ میں وفات پائی۔

ابو طلحہ

(متوفی 34ھ/654ء)

اصل نام زید ابن سہل ابن الاسود تھا۔ صحابی تھے اور ان انصار مدینہ میں سے تھے جنھوں نے ابتدائی دور کے بہت سے غزوات میں شرکت کی تھی اور مدینہ ہی میں فوت ہوئے۔

ابو الثور، ابراہیم ابن خالد ابن ابی الیمن

(متوفی 240ھ/854ء)

بغداد کے ممتاز محدث اور فقیہہ تھے اور وفات بھی وہیں پائی۔ مشہور فقہا محمد الشیبانی اور امام شافعی کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیے۔ آپ کے نظریات اور طریق استدلال منفرد تھا، اس لیے ایک الگ مسلک کے بانی مانے جاتے ہیں۔ آپ کے متبعین پانچویں صدی ہجری (11ویں صدی عیسوی) تک پائے جاتے تھے اس کے بعد یہ مسلک معدوم ہو گیا۔ لہٰذا آپ کی تحریریں بھی ناپید ہیں۔ وہ بھی طبری کی طرح ان چند فقہا میں سے تھے جو اس امر کے قائل تھے کہ عورت مردوں کی جماعت کی امامت کرا سکتی ہے۔

ابو یعلیٰ القاضی محمد ابن الحسین ابن الفراء

(متوفی 458ھ/1066ء)

ابو یعلیٰ بغداد کے بہت سے نامور فقہا کے استاد تھے۔ آپ کے والد ایک حنفی فقیہہ تھے۔ مگر ابو یعلیٰ نے حنبلی فقہ اختیار کر لی۔ بغداد کے اشعریوں نے آپ کو کڑی تنقید کا نشانہ بنایا کیونکہ ان کا کہنا تھا کہ ابو یعلیٰ جسد انسانی میں خدا کے حلول کرنے کے عقیدے

MashalBooks.org

(Anthropomorphism) پر ایمان رکھتے ہیں۔ ابویعلیٰ اپنے زمانے کے مشہور جج اور فقیہہ تھے اور اسی منصب پر ہوتے ہوئے فوت ہوئے۔

ابو یوسف القاضی یعقوب ابن ابراہیم الانصاری الکوفی

(متوفی 458ھ/1066ء)

امام ابوحنیفہ کے ایک نہایت قابل شاگرد، جنہوں نے فقہ حنفی کی ترویج میں نہایت اہم کردار ادا کیا۔ آپ نے مالک بن انس اور اللیث ابن سعد سے بھی پڑھا۔ ابو یوسف بغداد میں جج کے منصب پر فائز ہوئے اور اسی شہر میں عباسی خلیفہ ہارون الرشید کے عہد میں عدلیہ کے سربراہ رہے اور بغداد ہی میں وفات پائی۔

عائشہؓ بنت ابی بکرؓ

(متوفیہ 58ھ/678ء)

حضرت ابوبکر کی دختر اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ۔ آپ نے مدینہ میں نبی اکرمؐ کی زندگی میں نہایت اہم کردار ادا کیا۔ اور نبی اکرم کی وفات کے بعد خلیفہ چہارم حضرت علی کے خلاف بغاوت اور اس دور کے تنازعات میں آپ نے کافی سرگرمی سے حصہ لیا۔ جنگ جمل میں شکست کھانے کے بعد آپ نے مدینہ جا کر دوبارہ رشد و ہدایت کا سلسلہ شروع کر دیا۔ فقہ میں آپ کو بے پناہ دسترس تھی۔ آپ نے بہت سی احادیث روایت کی ہیں اور آپ کی متعدد فقہی آراء کو سند کا درجہ حاصل ہے۔

احمد بن حنبل

(متوفی 241ھ/855ء)

ممتاز محدث اور سکالر تھے، اور حنبلی مسلک کے بانی تھے۔ آپ کو معتزلہ کے "مسئلہ خلق قرآن" کو قبول کرنے سے انکار پر بے حد شہرت ملی جسے کہ عباسی خلیفہ مامون الرشید سرکاری عقیدے کا درجہ دے چکا تھا اور اس کا سب سے اصرار تھا کہ وہ اسی عقیدے کو تسلیم کریں۔ احمد بن حنبل نے ایسا کرنے سے انکار کیا تو آپ کو جیل میں ڈال دیا گیا۔ آپ دو سال جیل میں رہے مامون الرشید کے بعد المتوکل خلیفہ بنا تو حکومت نے معتزلوں کے عقیدے کو پشت پناہی ترک کر دی۔

علیؓ ابن ابی طالب

(متوفی 40ھ/661ء)

حضرت علیؓ نبی اکرمؐ کے چچازاد، داماد اور مقرّب صحابی تھے۔ آپ مکہ میں سب سے پہلے اسلام لانے والوں میں سے تھے۔ سنیوں کے نزدیک آپ چوتھے خلیفہ راشد تھے۔ آپ کے دور خلافت میں گورنر شام معاویہؓ نے آپ کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا اور لشکر لے کر دارالخلافہ کی طرف پیش قدمی شروع کر دی اس کے نتیجے میں 657ء میں جنگِ صفین ہوئی۔ ایک خارجی کے ہاتھوں حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد معاویہؓ نے خلافت سنبھال لی۔ حضرت علیؓ کے حامیوں (شیعوں) نے یہ موقف اختیار کیا کہ خلافت خاندان نبوت کا حق ہے۔ اس بنا پر بنی امیہ کے خلاف متعدد بغاوتیں ہوئیں۔ اس چپقلش نے امت کو دو فرقوں سنیوں اور شیعوں میں تقسیم کر دیا۔ حضرت علیؓ نبی اکرمؐ کی صاحبزادی حضرت فاطمہ الزہرہؓ کے شوہر اور آپؐ کے دونواسوں حسنؓ اور حسینؓ کے والد تھے۔

الامیدی سیف الدین علی ابن محمد

(متوفی 631ھ/1233ء)

پہلے حنبلی مسلک کے سکالر تھے، بعد میں شافعی فقہ کا مطالعہ کیا تو شافعی مسلک کے ممتاز فقہا میں شمار ہونے لگے۔ آپ نے "کلام" کے اصولوں کو اسلامی فقہ میں ضم کر دیا۔ جو عام روش کے منافی تھا۔ فلسفے کی طرف زیادہ رجحان کی وجہ سے آپ کو زیادہ پسند نہیں کیا جاتا تھا۔

انسؓ ابن مالکؓ

(متوفی 93ھ/712ء)

انصار مدینہ میں سے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت قریب تھے۔ نوجوانی میں ایمان لائے اور آپؐ کی وفات تک آپ کی خدمت میں رہے۔ بعد ازاں بصرہ منتقل ہو گئے اور وہیں وفات پائی اور وفات پانے والے آخری اور متعدد احادیث کے راوی تھے۔

عطاء ابن ابی رباح

(متوفی 114ھ/732ء)

مشہور فقیہہ اور ایک مسلمہ قانونی سند کی حیثیت رکھتے تھے۔ خاص طور پر حج سے متعلقہ احکام کے حوالے سے آپ کو بہت شہرت حاصل تھی۔ مکہ میں پرورش پائی، غریب خاندان میں سے تھے۔ عبداللہ ابن عمرؓ عبداللہ ابن عباس اور دیگر بڑے بڑے محدثین اور فقہا سے اکتساب فیض کیا تھا۔ مکہ میں وفات پائی۔

حسن البنّاء

(متوفی 1369ھ/1949ء)

اخوان المسلمون کے بانی تھے جس کی بنیاد 1927 میں مصر میں ڈالی گئی تھی۔ مروجہ اسلامی علوم میں مہارت حاصل کی اور تصوف کی طرف بھی رجحان رکھتے تھے۔ بنیادی طور پر مدرس تھے۔ مصر کے متعدد شہروں میں تدریسی مناصب پر فائز رہے۔ آپ کی پراثر شخصیت اور شب و روز محنت سے اخوان المسلمون ایک زبردست سیاسی قوت بن گئی۔ اسی قوت نے اہل اقتدار کو خوف اور تشویش میں مبتلا کر دیا چنانچہ قتل کرا دیئے گئے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ ان

MashalBooks.org

کے قتل کے پیچھے حکومت کا ہاتھ تھا۔

البیضاوی، عبداللہ ابن عمر

(متوفی 685ھ/1286ء)

شافعی فقیہہ تھے۔ تفسیر قرآن اور فقہی بصیرت کی وجہ سے شہرت پائی۔ شیراز (ایران) میں قاضی القضاۃ کے عہدے پر فائز رہے۔ بعض اوقات آپ پر شیعیت کی طرف میلان کا الزام لگتا رہا۔ آپ تاریخ وفات متنازعہ ہے۔ اوپر دی گئی تاریخ کے علاوہ 691ھ/1292ء، 692/1293ء حتیٰ کہ 716ھ/1316ء بھی بتائی جاتی ہے۔

بلالؓ ابن رباح

(متوفی 21-17ھ 642-638ء)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی صحابہ میں سے تھے۔ شروع میں حبشہ سے مکہ لائے گئے غلاموں میں سے تھے۔ مکہ میں ایمان لائے تو ظالم آقا نے اذیت رسانی کی حد کر دی۔ ابوبکر صدیقؓ نے آپ کو خرید کر آزاد کر دیا۔ ہجرت مدینہ کے بعد پیغمبر اسلام کے مؤذن کہلانے کا شرف حاصل ہوا۔ نبی اکرمؐ کی وفات کے بعد بلال مدینہ میں ہی رہے لیکن بعد میں اسلامی لشکر میں شامل ہو کر شام چلے گئے اور وہیں وفات پائی۔ آپ کی تاریخ وفات متنازعہ ہے۔

بن باز، ابوعبداللہ عبدعزیز ابن عبداللہ ابن عبدالرحمٰن

(متوفی 1420ھ/1999ء)

سعودی عرب کے مفتیٔ اعظم اور وہابی مکتبہ فکر کے معتبر ترجمان۔ قدامت پسندانہ افکار رکھتے تھے۔ عورتوں کے بارے میں آپ کے فتوے کے انگریزی ترجمے کے لیے دیکھیے۔

MashalBooks.org

''محمد ابن عبدالعزیز المسند۔ طبع اسلامی فتاوٰی'' ترجمہ جمال الدین ایم زرابوزو۔
(سعودی عرب، دارالسلام 1996)

البخاری، ابو عبداللہ محمد ابن اسماعیل ابن ابراہیم ابن المغیرہ ابن بردذبہ

(متوفی 256ھ/870ء)

آپ کا مجموعہ احادیث ''صحیح البخاری'' کہلاتا ہے۔ آپ نے کم عمری میں ہی احادیث کا مطالعہ شروع کر دیا تھا اور پھر احادیث جمع کرنے کے لیے مصر اور خراسان کے سفر کیے اور سولہ سال لگا تار اس عظیم کام پر صرف کر دیئے۔ آپ نے کل چھ لاکھ روایات اکٹھی کیں اور ان میں سے سات ہزار تین سو ستانوے (7397) کو اپنے مجموعے میں شامل کیا۔ اگرچہ آپ قرآن کے غیر مخلوق ہونے کا عقیدہ رکھتے تھے لیکن اس کی تلاوت کو مخلوق قرار دیتے تھے جس کے نتیجے میں آپ پر بے دینی کا الزام لگا کر آپ کو اپنے وطن نیشاپور سے نکال دیا گیا۔ آپ بخارا چلے گئے تو وہاں آپ کو اس سے بھی زیادہ سیاسی مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ اس کے نتیجے میں وہاں سے بھی نکال دیئے گئے۔ چنانچہ آپ نے باقیمانہ زندگی سمرقند کے قریب ایک گاؤں میں اپنے رشتہ داروں کے ہاں گزاری۔ امام بخاری کا مجموعہ احادیث سنیوں کے ہاں حدیث کی چھ معتبر کتابوں، صحاح ستہ میں شمار ہوتا ہے۔ جدید مسلمانوں کا خیال ہے کہ بخاری شریف میں شامل احادیث صحیح ترین ہیں اور ہر قسم کی نکتہ چینی سے بالاتر ہیں۔

فاطمۃ الزہراؓ بنت محمدؐ ابن عبداللہ

(متوفیہ 10ھ/632ء)

فاطمۃ الزہراؓ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور خدیجہؓ کی دختر تھیں، مکہ میں متولد ہوئیں اور اٹھارہ برس کی تھیں کہ ان کی حضرت علیؓ ابن ابو طالب سے شادی ہو گئی۔ پھر ہجرت کر کے

مدینہ چلی گئیں۔ان کے ہاں چار بچے (حسن، حسین، ام کلثوم اور زینب) پیدا ہوئے۔ تاریخ وفات کا آسانی سے تعین نہیں ہوسکتا۔ تاہم ایک اندازہ ہے کہ اپنے والد گرامیؐ کی رحلت سے تقریباً چھ ماہ بعد دنیا سے رخصت ہوگئی تھیں۔ آپؐ کی اولاد میں سے صرف وہ رہ گئی تھیں جو آپؐ کے بعد فوت ہوئیں۔ حضرت فاطمہؓ نے مدینہ میں مسلمانوں کی زندگی میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ آپ خواتین میں تقوٰی اور پرہیزگاری کا کامل نمونہ تھیں۔

الغزالی، ابوحامد محمد ابن محمد

(متوفی505ھ/1111ء)

الغزالی ایک شہرۂ آفاق شافعی فقیہہ ایک تبحر عالم، فلسفی اور صوفی تھے۔ ممتاز فقیہہ الجوینی کے شاگردوں میں سرکردہ تھے اور جوانی ہی میں بغداد کے مدرسہ نظامیہ میں تدریسی منصب پر فائز ہوگئے۔ فقہ اور فلسفہ میں آپ کی مہارت کا بہت جلد چرچا ہوگیا۔ لیکن شہرت کے ہاتھوں پریشان ہوکر مستعفی ہوگئے۔ تزکیۂ نفس کے لیے پہلے بیت المقدس گئے اور اس کے بعد دمشق جا پہنچے۔ یہ روحانی سفر دس سال جاری رہا۔ اس کے بعد آپ نے چند معرکتہ الآرا کتابیں لکھیں، ان میں ''الوجز'' اور ''المستصفیٰ'' فقہ شافعی کی حوالہ کی کتابیں ہیں۔ جبکہ ''احیاء العلوم الدین'' عام آدمی کو سائنسی علوم سے روشناس کرانے کے لیے لکھی گئی ہے آپ نے فقہی علوم اور روحانیت کو بھی ہم آہنگ کرنے کی کوشش کی ہے۔ اسی طرح آپ نے اپنے روحانی سفر کی روئداد ''المنقذ من الضلال'' میں قلمبند کی ہے اور فلسفیوں کے رد کے لیے تہافتہ الفلاسفہ لکھی ہے جس کا انگریزی ترجمہ بعنوان "The Incoherence of the Philosophers" کیا گیا ہے۔ آپ نے طبران میں وفات پائی۔

محمد الغزالی

(متوفی1419ھ/1998ء)

محمد غزالی دور حاضر کے عظیم ترین مسلم فقہا میں سے تھے اور متعدد کتابوں کے مصنف تھے آپ نے اسلام کے نام پر کی گئی معذرت خواہانہ اصلاحات کو چیلنج کیا اور مسلمانوں کو حقیقی مآخذ و مصادر کی طرف رجوع کرنے کی تلقین کی ہے۔ آپ نے احادیث کی ترتیب اسناد اور وہابی افکار پر کڑی نکتہ چینی کی ہے۔ یہ بے حد متنازعہ کتاب تھی جس کی وجہ سے متعدد مسلم ممالک میں ممنوع قرار دے دی گئی ہے۔

حفصہؓ بنت عمر ابن الخطاب

(متوفیہ 45ھ/665ء)

حفصہؓ حضرت عمرؓ کی صاحبزادی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ تھیں۔ آپ نے نبی اکرمؐ سے کئی روایات بیان کیں اور نبی اکرمؐ کے بارے میں بھی واقعات بیان کیے۔ قرآن کی جمع آوری میں بھی معاون ثابت ہوئیں۔ آپ کے قرآن مجید کے بعض اجزا بھی لکھے ہوئے محفوظ تھے۔ حضرت عثمان ابن عفان نے مطالعہ کے لیے آپ سے مانگی اور پھر واپس دے دی تاکہ آپ اسے بحفاظت رکھ سکیں۔

حسینؓ ابن علیؓ ابن ابی طالب

(متوفیٰ 61ھ/680ء)

حسینؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے اور ان کی صاحبزادی فاطمہؓ اور حضرت علیؓ کے بیٹے تھے۔ پیغمبر کی وفات سے قبل مدینہ میں تولد ہوئے آپ بے حد متقی و پرہیز گار تھے اور آپ نے اسلامی قانون کی ترقی و ترویج میں خاصا اہم کردار ادا کیا۔ بنی امیہ کے پہلے خلیفہ معاویہؓ (متوفیٰ 60ھ/680ء) کی وفات کے بعد الحسینؓ نے معاویہؓ کے بیٹے اور جانشین یزید کے ہاتھ پر بیعت کرنے سے انکار کر دیا۔ بعد ازاں بنی امیہ کے رویہ کے خلاف احتجاج کے

لیے کوفہ سے اپنے حامیوں سے مدد طلب کی۔ پھر حجاز سے کوفہ کے لیے روانہ ہو گئے۔ لیکن کربلا کے مقام پر یزیدی فوج نے آپ کو روک لیا، بہت سے ہمراہی ساتھ چھوڑ گئے اس معرکے میں آپ اپنے سے کئی بڑی فوج سے مقابلہ جاری نہ رکھ سکے اور شہید ہو گئے۔ شیعہ دینیات میں معرکۂ کربلا کو بے حد اہمیت حاصل ہے۔ جس کی یاد میں ایران سمیت متعدد مسلم ممالک میں ہر سال 10 محرم کو جلوس تعزیہ نکالا جاتا ہے۔

عبداللہ ابن عباس

(متوفی 68ھ/88-686ء)

عبداللہ ابن عباس پیغمبر اسلام کے چچا زاد اور جلیل القدر صحابی تھے۔ پیغمبرؐ کی ہجرت مدینہ سے تین سال قبل پیدا ہوئے تھے۔ اسلامی فقہ کے بانیوں میں سے تھے۔ مکہ اور مدینہ میں فقہی روایات کی ترویج و ترقی میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ طائف میں وفات پائی۔

ابن العربی، ابوبکر محمد المعافیری

(متوفی 543ھ/1148ء)

ابن عربی، اسلامی سپین (اندلس) کے شہر اشبیلیہ کے ایک مالکی فقیہہ تھے۔ اپنے والد کے ہمراہ پوری اسلامی دنیا کا سفر کیا اور متعدد فقہا سے اکتساب فیض کیا۔ بالآخر خود بھی بلند علمی مقام پر فائز ہو گئے۔ اشبیلیہ میں جج مقرر کر دیئے گئے۔ آپ کی چند قانونی آراء پر معاصرین نے خاصی کڑی گرفت کی تھی۔ جب المہندس برسر اقتدار آیا تو اس نے آپ کو گرفتار کر کے جلاوطن کر دیا۔

MashalBooks.org

ابن حجر العسقلانی، احمد ابن علی ابن محمد

(متوفی 852ھ/1449ء)

ابن حجر العسقلانی، حدیث کے ممتاز علما میں سے تھے۔ فلسطین سے تعلق رکھتے تھے مگر قاہرہ میں زندگی گزاری اور وہیں وفات پائی۔ علم کی تلاش میں طویل سفر کیے۔ مصر میں حدیث اور فقہ پڑھاتے رہے۔ مفتی بھی رہے اور قاضی کے منصب پر بھی فائز رہے۔ حکومت سے اختلاف کے نتیجے میں سزا بھی بھگتی۔ آپ کی بخاری شریف کی شرح فتح الباری بہت اہم کارنامہ ہے۔

ابن حزم، ابومحمد علی ابن احمد ابن سعید

(متوفی 456ھ/1064ء)

ابن حزم اندلس (سپین) کے سکالر اور فقیہہ تھے اور آپ نے اندلس میں ظاہری مکتبۂ فکر کی ترویج میں اہم کردار ادا کیا۔ جیسا کہ اس مکتب فکر کے نام سے پتہ چلتا ہے کہ ان لوگوں کا طریق کار قیاسی دلائل کی بجائے متن کے لغوی معنوں کی تحقیق پر مبنی تھا۔ ابن حزم نے فقہ کے علاوہ شاعری، محبت، گرامر، تاریخ اور منطق پر بھی کافی قابل قدر کتابیں لکھیں۔ زندگی کے آخری حصے میں جلاوطن کر دیئے گئے اور ''لابلا'' میں فوت ہوئے۔

ابن کثیر عمادالدین اسماعیل ابن عمر

(متوفی 774ھ/1373ء)

شام کے شافعی فقیہہ محدث اور مورّخ تھے۔ ابن تیمیہ اور دیگر اہل علم سے کسب فیض کیا۔ قرآن مجید کی تفسیر اور اسلامی تاریخ کی بلند پایہ تحقیق کی وجہ سے شہرت پائی۔ آپ کی تفسیر اگرچہ بہت اساسی نوعیت کی ہے تاہم جدید دور میں بھی اسے خاصی اہمیت حاصل ہو چکی

MashalBooks.org

ہے۔حکومت نے آپ کو فقہی اختلافات کی وجہ سے گرفتار کر کے اذیتوں سے دوچار کیا۔

ابن ماجہ، ابوعبداللہ محمد ابن یزید الربیع

(متوفی 273ھ/887ء)

ابن ماجہ حدیث کی چھ معتبر ترین کتابوں ''صحاح ستہ'' میں سے ایک کے مصنف تھے۔ آپ نے احادیث کی جمع آوری کے لیے وسیع سفر کیے۔ بالآخر 4000، احادیث جمع کرنے میں کامیاب ہوئے۔ بہت سے اہلسنت آپ کے مجموعے کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں تاہم شمالی افریقہ کے بعض مسلم ممالک انہیں کوئی خاص مقام دینے کے لیے تیار نہیں کیونکہ ان کے خیال کے مطابق، اس مجموعے میں ضعیف احادیث زیادہ ہیں۔

ابن مسعودؓ، عبداللہ ابن حبیب

(متوفی 32ھ/653ء)

ایک مقرب صحابی تھے اور ابتدائی دور میں اسلام قبول کرنے والوں میں سے تھے۔ پہلے حبشہ میں ہجرت کی اور بعد میں مدینہ گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں تقریباً سب جنگوں میں شریک ہوئے۔ نبی اکرمؐ کی وفات کے بعد آپ کو کوفہ کے خزانے کا نگران بنا دیا گیا۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق متعدد واقعات کے راوی تھے۔ کوفہ کے فقہی مکتب کے فروغ میں کافی اہم کردار ادا کیا تھا۔ حضرت عثمانؓ کی خلافت کے دور میں مدینہ واپس چلے گئے تھے۔ تاہم اس بارے میں اختلاف رائے موجود ہے کہ آپ نے مدینہ میں وفات پائی یا کوفہ میں۔

ابن القاسم ابوعبداللہ عبدالرحمٰن العتکی

(متوفی 191ھ/806ء)

ابن القاسم، مالک ابن انس کے ممتاز عقید تمندوں میں سے تھے۔آپ نے اپنے استاد مکرم کی آرا اور ملفوظات جمع کر کے ان میں اپنے اقوال بھی شامل کیے اور المدوّنہ نامی کتاب مرتب کر دی جو شمالی افریقہ اور اندلسیہ میں بہت مقبول ہوئی۔

ابن قیم الجوزیہ، شمس الدین ابوبکر محمد ابن ابی بکر الذریع

(متوفی 751ھ/1350ء)

دمشق کے ایک مشہور حنبلی فقیہہ اور عالم تھے۔ وہیں پیدا ہوئے اور وہیں وفات پائی۔ آپ مشہور سکالر اور فقیہہ ابن تیمیہ کے شاگرد تھے۔ابن قیم کے فقہی کام کو بہت شہرت حاصل ہوئی۔تصوف سے کافی متاثر تھے۔آپ نے علماء وقت پر کڑی تنقید کی اور خاص طور پر اشاعرہ مکتبۂ فکر کو نشانہ بنایا۔سیاسی وجوہ کی بنا پر استاد اور شاگرد، دونوں کو جیل میں نظر بند کر دیا گیا۔ جب ابن تیمیہ جیل میں فوت ہو گئے تو ابن قیم کو بھی رہائی مل گئی۔

ابن رشد الجدّ

(متوفی 520ھ/1126ء)

اسلامی سپین کے ایک عظیم مالکی فقیہہ تھے۔قرطبہ کے قاضی القضاۃ اور جامع مسجد قرطبہ کے امام بھی تھے۔آپ کے پوتے کا نام بھی ابن رشد تھا جو فلسفی تھا اور مغرب میں وہ ایویروس (Averroes) کے نام سے مشہور تھا۔(اس کا ذکر اگلے صفحات پر کہیں آئے گا۔)

ابن تیمیّہ، تقی الدین احمد ابن عبدالحلیم

(متوفی 728ھ/1328ء)

مشہور حنبلی فقیہہ اور ممتاز عالم دین تھے۔ حنبلی المسلک مدرسوں میں تعلیم پانے کے باوجود خود بھی ایک مجتہد کا درجہ رکھتے تھے۔ بغداد پر منگولوں نے حملہ کیا تو اپنے والد کے ہمراہ فرار ہو کر دمشق چلے گئے۔ والد کو مدرسہ سکاریہ میں بطور مدرس جگہ ملی تو بیٹے نے بھی وہیں تعلیمی مدارج طے کرنا شروع کر دیئے اور فارغ ہونے کے بعد انہیں بھی مدرس مقرر کر دیا گیا۔ ابن تیمیہ کے مناظروں کو شہرت ملی تو سیاسی مخالفین نے دمشق سے نکلوا دیا۔ مصر پہنچے تو ان کی شہرت بھی وہاں پہنچ گئی چنانچہ پہلے قاہرہ میں اور اس کے بعد سکندریہ میں مقید رہے۔ رہائی کے بعد دمشق جانے کی اجازت مل گئی مگر وہاں بھی بدعات اور تصوف کی مخالفت جاری رکھی۔ علاوہ ازیں حکومت کے ساتھ تعاون پر بھی آمادہ نہ ہوئے جس کی بنا پر پھر جیل چلے گئے اور وہاں اندر ہی وفات پائی۔ کہا جاتا ہے کہ جنازے میں پورے دمشق نے شرکت کی۔ آپ نے کئی کتابیں لکھیں لیکن آپ کے جملہ نظریات اور عقائد کو آپ کے لائق شاگرد ابن قیم الجازیہ نے الواسطیہ، ''العقیدہ الحمویہ'' میں محفوظ کر دیا، تاہم مخالفانہ موقف رکھنے والے اہل علم نے ان عقائد کو غیر مقلدانہ اور مسلمہ عقائد کے منافی قرار دیا ہے۔ موجودہ دور میں وہابی تحریک کے حامیوں کے پسندیدہ ترین مصنف ہیں کیونکہ ان میں تصوف کو کڑی تنقید کا نشانہ بنایا گیا ہے۔ تاہم آپ کی فقہ، وہابی عقائد سے متصادم ہے۔

ابراہیم ابن محمدؐ

(متوفی 11ھ/632ء)

آپ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے تھے اور ماریہ قبطیہ کے بطن سے تھے اور آپ کی وفات، آنحضرتؐ کی رحلت سے چند ماہ قبل ہوئی تھی۔

MashalBooks.org

عزالدین عبدالسلام

(متوفی661ھ/1262ء)

ایک شافعی فقیہہ تھے جنہیں پس مرگ، سلطان العلما کا خطاب دیا گیا۔ اپنے دور میں ممتاز حیثیت کے مالک تھے۔ آپ کی تصانیف کا قابل ذکر پہلو یہ ہے کہ آپ نے تصوف کو فقہ کے اصولوں سے ہم آہنگ کیا تھا۔ آپ دمشق سے تعلق رکھتے تھے مگر آپ کا انتقال مصر میں ہوا۔

الجوینی، ابوالمعالی عبدالملک امام الحرمین

(متوفی478ھ/1085ء)

نیشاپور کے مشہور شافعی فقیہہ تھے۔ نیشاپور ہی میں ایک مدرسہ فقہ میں استاد تھے۔ آپ کے شاگردوں میں سے ابوحامد الغزالی کو بے حد شہرت ملی۔ الجوینی اشعری مکتب فکر کے پیروکار تھے۔ جب سلجوقی وزیر عمید الملک الکندوری نے اشعریوں کو بے دین قرار دے کر ان کے خلاف کارروائی شروع کی تو الجوینی فرار ہو کر بغداد اور پھر حجاز چلے گئے۔ مکہ اور مدینہ میں فقہ پڑھاتے رہے اور امام الحرمین کا خطاب پایا۔ جب نظام الملک، سلجوق وزیر بنا تو اس نے الکندری کے احکامات منسوخ کر دیئے۔ حتیٰ کہ نظامیہ مدرسہ الجوینی کے لیے وقف کر دیا۔

خدیجہؓ بنت خویلد

(متوفیہ 3 سال قبل از ہجرت/619ء)

نبی اکرمؐ کی پہلی زوجہ اور سب سے پہلے ایمان لانے والی خاتون تھیں۔ کافی دولتمند

MashalBooks.org

تھیں آپ نے اپنے تجارتی کاروبار کے لیے نبی اکرمؐ کی خدمات حاصل کیں اور پھر شادی کی تجویز پیش کر دی۔ اپنی دولت اسلام قبول کرنے کی پاداش میں ایذاؤں کا شکار ہونے والے مسلمانوں کو آزادی دلانے پر صرف کر دی۔ اور پھر ہجرت سے پہلے ہی دنیا سے رخصت ہو گئیں۔ حضور اکرمؐ آپ سے بے حد محبت کرتے تھے اور آپؓ نے وفات سے پہلے بیس سال نبی اکرم کے ساتھ گزارے تھے۔

خنساء بنت خذام

انصار میں سے ایک صحابیہ تھیں۔ آپ کا شوہر غزوہ احد میں شہید ہوا تو والد نے آپ کی شادی جبراً ایک ایسے آدمی سے کرادی جسے آپ پسند نہیں کرتی تھیں۔ آپ نے نبی اکرمؐ سے اس کی شکایت کی تو انہوں نے وہ شادی منسوخ کر دی۔ آپ نے متعدد احادیث روایت کی ہیں۔

الخضر

ایک پراسرار شخصیت تھے۔ قرآن مجید کی سورۃ الکہف (18:65-82) میں آپ کا حوالہ ملتا ہے۔ اگرچہ نام کا ذکر نہیں ہے۔ بعدازاں مفسرین نے اس پراسرار شخصیت کو خضر کا نام دیا قرآن مجید میں حضرت موسیٰؑ سے بھی خضر کی ملاقات کا ذکر ہے مگر ان کا حوالہ صرف بطور ''عبد'' دیا گیا متن سے واضح نہیں ہوتا کہ آپؑ نبی تھے یا نہیں، لیکن انہیں ایک ایسا بتایا گیا ہے جو براہ راست خدا سے ہدایات لیتا تھا۔

مالک ابن انس

(متوفیٰ 179ھ/796ء)

مدینہ میں ابتدائی دور کے فقیہہ جنہیں امام مدینہ کہا جاتا تھا۔ مالکی مسلک آپ ہی کے نام سے جانا جاتا ہے۔ آپ کی موطاء اسلامی قانون کی اولین کتاب ہے، جس کی بنیاد پر بعد میں مالکی مسلک کی مزید کئی کتابیں وجود میں آئیں۔ مالکی طریقہ یہ تھا کہ سب سے پہلے اہل مدینہ کے عمل کا تعین کیا جائے کیونکہ آپ ان کے طرز عمل کو مستند سمجھتے تھے۔ آپ کا کہنا تھا کہ آنخضرتؐ کی سنت معلوم کرنے کے لیے نہ صرف حدیث کے الفاظ کا مفہوم صحیح طور پر سمجھنا ضروری ہے بلکہ مدینہ کے لوگوں کے رسم ورواج کو بھی دیکھنا ضروری ہے کہ انہوں نے سنت کو کس طرح پایا۔ خلیفہ نے موطاء کو سرکاری طور پر نافذ کرنے کی کوشش تو امام مالک نے خود اس کی مخالفت کر دی تھی۔ آپ کو ایک بغاوت کی حمایت کی پاداش میں کوڑے مارے گئے۔ حکومت نے بعدازاں اس کی تلافی کی کوشش کرتے ہوئے کئی مواقع پر آپ سے فقہی امور پر مشورے لیے۔ آپ نے مدینہ میں ہی وفات پائی۔

ماریہؓ

(متوفیہ 16ھ/637ء)

آپ کو ام ابراہیم کہا جاتا تھا۔ حضرت انس کی روایت ہے کہ نبی اکرمؐ آپ کو بہت چاہتے تھے۔ وہ ایک قبطی خاتون تھیں جنہیں سکندریہ کے مصری گورنر المقوقس نے 6 یا 7 ہجری (629,627) میں بطور تحفہ نبی اکرمؐ کے پاس بھجوایا گیا تھا۔ ابن عباس کی روایت ہے کہ آنخضرتؐ نے آپ کو پہلے آزاد کیا اور اس کے بعد آپ سے نکاح کیا تھا۔ آپ کے بطن سے حضورؐ کے صاحبزادے ابراہیم پیدا ہوئے جو شیر خوارگی کے زمانے ہی میں اپنے والد کی گود میں وفات پا گئے تھے۔ ایک روایت کے مطابق صحابیٔ رسول حاطب ابن ابی بلتعہ نے ماریہ کے قبولیت اسلام میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد ماریہ مدینہ میں ہی رہیں اور حضرت عمر کے دور خلافت میں فوت ہوئیں۔

MashalBooks.org

الماوردی، ابوالحسن علی ابن محمد ابن حبیب

(متوفی 450ھ/1058ء)

الماوردی ایک ممتاز شافعی فقیہہ تھے جو بصرہ اور بغداد میں قانون کی تدریس کرتے تھے پہلے نیشاپور کے قریب اسطویٰ میں قاضی القضاۃ مقرر ہوئے پھر وہاں سے نقل مکانی کر کے بغداد چلے گئے اور وہیں مستقل سکونت اختیا کر لی۔ خلیفہ القادر کے مقرب تھے اور بویحدوں کے ساتھ مذاکرات میں خلیفہ کی نمائندگی کرتے رہے۔ خلیفہ المقتدی کے زمانے میں الماوردی نے بولیہ کے نمائندے کی طرف سے خلیفہ کو شہنشاہ کا خطاب دینے پر اعتراض کیا تو خلیفہ نے برہم ہوکر آپ کو سزا دے دی۔ مخالفوں نے الماوردی کو معتزلی قرار دے دیا۔ الماوردی نے قانون کی کتابیں لکھنے کے علاوہ دیگر موضوعات پر بھی بہت کچھ لکھا لیکن وہ آپ نے اپنی زندگی میں نہ چھپنے دیا۔ البتہ آپ کی وفات کے بعد آپ کے ایک شاگرد نے سارے مسودات نکلوائے اور ان کی نوک پلک درست کر کے انہیں چھپوا دیا۔

معاویہؓ ابن ابی سفیان

(متوفی 60ھ/680ء)

معاویہؓ، ابوسفیان اور ہند کے بیٹے تھے۔ ان دونوں میاں بیوی نے بہت بعد میں اسلام قبول کیا تھا۔ بطور گورنر شام معاویہؓ نے چوتھے خلیفۂ راشد حضرت علیؓ کے خلاف بغاوت کر دی تھی۔ اور حضرت علیؓ کی وفات کے بعد بنی امیہ کے پہلے خلیفہ بنے اور دارالحکومت کو دمشق میں منتقل کر دیا۔ آپ کا اقتدار 19 سال...... 41ھ (661ء) سے لے کر 60ھ (680ء) تک رہا۔

النووی، محی الدین ابوزکریا ابن موری

(متوفی 676ھ/1277ء)

نووی ایک ممتاز شافعی فقیہہ تھے، پہلے آپ نے دمشق کے رواحیہ سکول سے طب پڑھی لیکن جلدی ہی قانون کی تعلیم کا شوق ہوا تو ہمہ تن اس میں مشغول ہو گئے۔فراغت کے بعد اشرفیہ مدرسۂ حدیث میں پروفیسر مقرر کر دیئے گئے۔لیکن جب آپ نے سلطان کے نافذ کردہ ٹیکسوں کو ناجائز قرار دیا تو ملازمت سے فارغ کر دیئے گئے اور دمشق سے بھی نکال دیئے گئے۔مصر میں قاضی القضاۃ مقرر ہوئے مگر پھر برطرف کر کے قید کر دیئے گئے۔آپ نے زندگی کے آخری ایام دمشق کے جنوب میں ''ناوا'' میں اپنے والد کے گھر میں گزارے۔ النووی نے قانون اور حدیث پر متعدد کتابیں لکھیں جو تاریخ فقہ کا ایک بڑا معتبر حوالہ ہیں۔ آپ کی اہمیت اب بھی برقرار ہے۔

النسائی، احمد ابن علی ابن شعیب ابن علی

(متوفی 303ھ/915ء)

حدیث کے ایک بہت بڑے عالم جن کا مجموعہ احادیث ''سنن النسائی'' حدیث کی چھ معتبر کتابوں میں شمار ہوتا ہے۔خراسان کے رہنے والے تھے مگر مصر میں آ کر آباد ہو گئے۔ تاہم حاسدوں نے یہاں بھی ٹکنے نہ دیا جس پر آپ فلسطین چلے گئے لوگوں کو شبہ گزرا کہ آپ خلافت پر حضرت معاویہؓ کے استحقاق کو دلی طور پر تسلیم نہیں کرتے۔انہوں نے یہ بات سوال کی شکل میں آپ سے پوچھی تو آپ نے اس کا جواب دینے سے انکار کر دیا۔جس پر مسجد میں

MashalBooks.org

ہی آپ کو شدید طور پر زدوکوب کیا گیا اور آپ نے انہی زخموں کی وجہ سے بعد میں وفات پائی۔ لیکن ایک روایت یہ بھی ہے کہ آپ حج کرتے ہوئے مکہ میں فوت ہوئے تھے۔

القرفی، شہاب الدین ابوالعباس

(متوفی684ھ/1285ء)

مالکی فقیہہ تھے اور قاہرہ کے صالحیہ سکول میں قانون پڑھاتے تھے قانون کے بلند پایہ علما میں شمار ہوتے تھے۔ آپ کی تصانیف کو قانون کا خطیر سرمایہ قرار دیا جاتا ہے۔ آپ نے قاہرہ میں ہی وفات پائی تھی۔

القرطبی، ابوعبداللہ محمد ابن احمد

(متوفی671ھ/1272ء)

مالکی فقیہہ تھے مسلم سپین میں پیدا ہوئے وہیں تعلیم پائی اور مشرق کی طرف سفر کرتے ہوئے مصر میں پہنچ کر آباد ہو گئے اور وہیں فوت ہوئے۔ آپ قرآن کے قابل ذکر مفسرین میں شمار ہوتے ہیں۔

رضا، محمد رشید

(متوفی1354ھ/1935ء)

لبنان سے تعلق رکھتے تھے۔ انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے اوائل کے ممتاز مصلحین میں سے تھے۔ شروع میں تصوف کی طرف میلان رکھتے تھے بعد میں جمال الدین افغانی کی دعوت اور تعلیمات سے متاثر ہو گئے1314ھ/1897ء میں شام سے مصر

MashalBooks.org

چلے آئے اور اپنے روحانی استاد محمد عبدہٗ سے آ ملے۔ 1898ء میں ایک رسالہ ''المنار'' جاری کیا۔ اس کی بنیاد رکھنے سے لے کر اپنی وفات تک اس کے ایڈیٹر رہے۔ ''المنار'' میں آپ قرآن مجید کی تفسیر قسط وار لکھتے تھے اور مسلمانوں کی طرف سے موصولہ استفسارات کے جواب میں فتوے بھی جاری کرتے تھے۔ آپ کے یہ فتوے بہت اہم ہیں۔ تاہم ان میں وہابی اہل قلم کی تعلیمات کا اثر نمایاں ہے۔

رقیہؓ بنت محمدؐ

(متوفیہ 2ھ/624ء)

نبی اکرم کی صاحبزادی تھیں جو حضرت خدیجہ کے بطن سے تھیں۔ آپ کی شادی حضرت عثمان بن عفان سے ہوئی جو بعد میں تیسرے خلیفہ راشد منتخب ہوئے۔ حضرت رقیہ نبی اکرم کی زندگی ہی میں فوت ہو گئی تھیں۔

سحنون، ابوسعید عبدالسلام ابن ربیعہ

(متوفیٰ 240ھ/855ء)

قیروان کے ایک مالکی فقیہہ تھے۔ آپ نے شمالی افریقہ اور مسلم سپین میں مالکی فقہ کی ترویج کے لیے بہت کام کیا۔ آپ نے اپنی ''المدوّنہ الکبریٰ'' میں ابتدائی دور کے مالکی فقہا بشمول مالک ابن انس کی آراء یکجا کیں۔ آپ کی تصنیف ابتدائی دور کے مسلمانوں کی قانونی سوجھ بوجھ اور اہل علم کی آراء کا ایک قیمتی خزانہ ہیں۔

سعید ابن جبیر الاسدی

MashalBooks.org

(متوفی 95ھ/714ء)

سعید کوفہ کے ابتدائی دور کے فقہا میں سے تھے۔مگر کافی نمایاں تھے۔آپ اگرچہ ابن عباس کے شاگرد تھے مگر ایک روایت کے مطابق وہ سعید کی علمی بصیرت کے اس حد تک قائل ہو گئے کہ موصولہ سوالات، جواب کے لیے ان کے پاس بھیج دیتے تھے۔ جب محمد ابن الاشعث نے بنی امیہ کے خلاف بغاوت کی تو آپ ان کے ہمنوا ہو گئے۔ جب بغاوت پر قابو پالیا گیا تو آپ کو مکہ سے گرفتار کر کے کوفہ پہنچایا گیا اور وہیں آپ کا سر قلم کر دیا گیا۔

السرخسی، محمد ابن احمد ابی سہل ابوبکر

(متوفی 483ھ/1090ء)

نہایت با اثر حنفی فقیہہ تھے۔اور آپ نے فقہ حنفی کو سائنسی بنیادوں پر مدون کیا۔اور اپنی قید کے زمانے میں کافی قانونی کتابیں لکھیں۔

سودہؓ بنت زمعہ بنت قیس بنت عبد شمس

(متوفیہ 54ھ/674ء)

سودہؓ ازواج مطہرات میں سے تھیں اور ابتدائی دور میں اسلام قبول کرنے والوں میں سے تھیں۔ہجرت مدینہ سے قبل حبشہ کے لیے ہجرت کرنے والوں میں بھی شامل تھیں۔حبشہ ہی میں آپ کی شادی ہوئی تاہم وہ شوہر وہیں یا مکہ واپس آتے ہی فوت ہو گیا۔اس طرح آپ کسی خاندان کے بغیر رہ گئیں، اس لیے سہارا دینے کے لیے نبی اکرمؐ نے آپ سے شادی کر لی۔البتہ یہ بات متنازعہ ہے کہ حضرت خدیجہ کی وفات کے بعد نبی اکرمؐ نے پہلے حضرت سودہ سے شادی کی تھی یا حضرت عائشہ سے؟ آپ نبی اکرم کی وفات کے بعد بھی زندہ رہیں

کئی احادیث کی راوی بھی ہیں۔اور مدینہ میں وفات پائی۔

شلتوت محمود

(متوفی 1383ھ/1963ء)

آپ 1958ء میں الازہر یونیورسٹی مصر کے ریکٹر مقرر ہوئے اور تا زندگی اس عہدے پر فائز رہے۔آپ اسلام اور اسلامی قانون پر متعدد کتابوں کے مصنف تھے اور محمد عبدہٗ کے خطوط پر اسلامی اصلاحات کے پرجوش حامی رہے۔ریکٹر کی حیثیت سے آپ نے جامعہ میں بہت سی اصلاحات کیں اور نصاب بھی ازسرنو مرتب کیا۔آپ کی اصلاحات کا ایک اہم پہلو "دعوت التقریب" تھا جس کے معنی سنیوں اور شیعوں کے مابین مصالحت اور ہم آہنگی پیدا کرنا تھا تاکہ دونوں مکاتب فکر دنیائے اسلام کو درپیش چیلنجوں کا مل کر مقابلہ کرسکیں۔تاہم بتایا جاتا ہے کہ موصوف حکومت کی طرف سے نصاب میں بار بار مداخلت پر رنجیدہ رہتے تھے۔

الشاطبی، ابواسحاق ابراہیم ابن موسیٰ

(متوفی 790ھ/1388ء)

مسلم سپین کے ایک مالکی فقیہہ تھے۔اور حالات کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ قانون میں تبدیلی کی گنجائش رکھنے کے حامی تھے اور اس سلسلے میں انہوں نے کئی قابل عمل تجاویز مرتب کی تھیں۔

سفیان ثوری ابن سعید ابن مسروق ابن حبیب ابوعبداللہ

(متوفی161ھ/778ء)

کوفہ کے دوراول کے فقہا میں سے تھے اور آپ کے مکتبہ فکر کوثور یہ کہا جاتا تھا۔ لیکن اب یہ معدوم ہو چکا ہے۔ اس مکتبہ فکر کی شہرت یہ تھی کہ منطق کی بجائے احادیث پر زیادہ انحصار کیا جائے۔ خلافت کے ساتھ ان کی ٹھنی ہی رہتی تھی۔ آپ کو جج کے عہدے کی پیش کش کی گئی مگر آپ نے مسترد کر دی۔ قید و بند کی نوبت آنے ہی والی تھی مگر آپ جلدی سے یمن چلے گئے آپ کی بہت سی تحریریں غائب ہیں البتہ آپ کی تفسیر اور چند دیگر نسخے دستیاب ہیں۔

السیوطی، جلال الدین عبدالرحمٰن ابن محمد

(متوفی911ھ/1505ء)

مصر کے ایک شافعی فقیہہ، المعروف ابن الکتب (کتابوں کا بیٹا)۔ آپ نے ممتاز فقہا سے اکتساب فیض کیا جن میں چند خواتین عالمات بھی شامل تھیں۔ متعدد پیشہ ورانہ عہدوں پر مامور رہے۔ ان میں سے ایک قاہرہ کے مدرسۂ شیخونیہ میں مدرس کا منصب بھی تھا۔ آپ پوری مسلم دنیا میں پہچانے جاتے تھے۔ آخر میں آپ نے تمام ذمہ داریوں سے الگ ہو کر صرف تصنیف و تالیف پر توجہ مرکوز کر دی۔

الطبری، محمد ابن جریر ابن یزید

(متوفی310ھ/923ء)

الطبری ممتاز فقیہہ اور مؤرخ تھے جو خود ایک مکتب فکر کے بانی تھے۔ آپ نے شافعی مسلک کے مدرسوں میں پڑھا بعد میں تحقیق و مطالعہ کے نتیجے میں خود ایک مکتبہ فکر کے علمبردار بن گئے۔ بدقسمتی سے آپ کا بہت سا تحریری سرمایہ ضائع ہو چکا ہے۔ صرف

آپ کی تفسیر اور روزنامچۂ تاریخ (Historical Chronicle) محفوظ رہ گیا ہے۔ جو سارے کا سارا انگریزی زبان میں منتقل کیا جا چکا ہے۔ حکومت نے آپ کو بارہا سرکاری مناصب کی پیش کش کی لیکن آپ قبول کرنے سے انکار کرتے رہے۔ بغداد میں جنابلہ کی آپ کے ساتھ مسلسل چپقلش رہی اور آپ نے ان کے ہاتھوں بہت اذیتیں برداشت کیں۔ ان کا خیال تھا کہ آپ کے دل میں ان کے مکتبہ فکر کے بانی امام احمد بن حنبل کا کوئی احترام نہیں ہے۔ جس کی وجہ سے انہوں نے آپ کا گھراوٗ اتنا سخت کر دیا کہ لوگ ڈر کے مارے آپ کے قریب نہیں آتے تھے۔ آخر نوبت یہاں تک پہنچی کہ جب آپ کا انتقال ہوا تو جنابلہ نے آپ کی تقریباً ساری کتابیں جلا دیں اور آپ کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ ہونے دیا۔ بالآخر آپ کو عیسائیوں کے قبرستان میں ایک بے نام ونشان قبر میں ڈال دیا گیا۔ آپ کا مکتبۂ فکر چند صدیوں کے بعد مکمل طور پر غائب ہو گیا۔ آپ ان چند فقہا میں سے ہیں جن کا فتویٰ ہے کہ عورت مردوں کی نماز کی اقتداء کر سکتی ہے۔

ثابت ابن قیس

(متوفیٰ 12ھ 633ء)

ثابتؓ ابن قیس ایک کاتب وحی تھے۔ جنگ احد اور دیگر معرکوں میں بھی شریک تھے اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت کے زمانے میں ایک جنگ کے دوران شہادت سے ہمکنار ہوئے۔

ثعبانؓ ابوعبداللہ

(متوفیٰ 54ھ/674ء)

ایک مقرب صحابی تھے جنہوں نے نبی اکرمؐ سے متعلق متعدد واقعات بیان کیے۔ آپ اصل میں غلام تھے، آپ کو حضورؐ نے خود خرید کر آزادی عطا فرمائی اور بعد میں بھی مسلسل سرپرستی کرتے رہے۔

عمرؓ ابن الخطاب

(متوفی 23ھ/644ء)

ابتدائی دور ہی میں مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ نبی اکرمؐ سے بہت قرب رہا اور مکہ سے مدینہ کے لیے ہجرت کی۔ دونوں شہروں میں سربرآوردہ شخصیت مانے جاتے تھے۔ آپ نبی اکرمؐ کی زندگی میں بھی اہم کردار ادا کرتے رہے اور وفات کے بعد بھی۔ آپ کی صاحبزادی حفصہ ازواج مطہرات میں شامل تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عمرؓ کی رائے کو بہت اہمیت دیتے تھے اور اہم معاملات میں اکثر آپ سے مشورہ کرتے تھے۔ ابوبکر صدیقؓ کی وفات کے بعد آپ خلیفہ منتخب ہوئے اور تقریباً دس سال تک اس منصب کی ذمہ داریاں پوری کرتے رہے۔ آپ نے اسلامی فقہ کو ترقی دینے میں اہم کردار ادا کیا آپ کے قانونی نظائر سے اب تک استفادہ کیا جا رہا ہے۔ نبی اکرم کے کئی ارشادات آپ کے ذریعے امت تک پہنچے۔ آخر میں ایک غیر متوازن ذہن کے غلام نے آپ کو شہید کر دیا۔

ام کلثوم بنت محمدؐ

(متوفیہ 9ھ/630ء)

ام کلثوم حضرت خدیجہ کے بطن سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دختر تھیں۔ اپنی بہن رقیہ کی وفات کے بعد آپ کا نکاح عثمان ابن عفان سے ہوا جو بعد میں تیسرے خلیفہ المسلمین منتخب ہوئے۔ آپ بھی نبی اکرم کی زندگی ہی میں فوت ہو گئی تھیں۔

MashalBooks.org

ام سلمہؓ، ہند بنت سہیل

(متوفیہ 62ھ/681ء)

ام سلمہ ازواج مطہرات میں سے ایک تھیں۔ نبی اکرمؐ سے شادی سے قبل وہ ابوسلمہ نامی ایک صحابی سے بیاہی ہوئی تھیں۔ دونوں میاں بیوی ہجرت حبشہ کرنے والوں میں شامل تھے۔ بعد میں ہجرت کر کے مدینہ آ گئے۔ مدینہ میں ابوسلمہ انتقال کر گئے تو ام سلمہ بیوہ ہو گئیں اوران پر چار بچوں کی کفالت کی ذمہ داری بھی تھی۔ جب نبی اکرمؐ نے ان سے شادی کرنے کی کوشش کی تو انہوں نے جواب دیا کہ میں ایک تو بوڑھی ہو چکی ہوں اور دوسری بات یہ ہے کہ میں حسد کی کمزوری میں مبتلا ہوں، تیسری بات چار بچوں کی ماں ہونا ہے۔ بہرحال آپ کے مطمئن کر دینے کے بعد جب شادی ہو گئی تو ام سلمہ نے مدینہ کی خواتین کی اصلاح میں بڑا اہم کردار ادا کیا۔ اور حضورؐ کی رحلت کے بعد بھی مدینہ میں رہیں اور آنے والی خواتین کو اسلامی تعلیمات سے آگاہ کرتی رہیں۔

ام سلیمؓ

(سن وفات معلوم نہیں)

ابتدائی زمانہ سے ہی صحابیہ رسول تھیں۔ جنگی معرکوں میں بھی آپؐ کے ساتھ ساتھ رہیں اور خوب لڑتی رہیں۔ جن میں غزوۂ احد اور غزوۂ حنین بھی شامل تھا۔ آپ کی صحابیٔ رسول ابوطلحہ کے ساتھ شادی ہوئی۔

العثیمین، ابوعبداللہ محمد ابن صالح

MashalBooks.org

سعودی عرب کے ایک مفتی اور شاہی خاندان کے سینئر سکالرز کمیٹی کے رکن ہیں۔ اور وہابی افکار اور طریق استدلال کے علمبردار ہیں۔ آپ کے جاری کردہ متعدد فتووں کا انگریزی میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ انگلش فتاوئ کے لیے دیکھیے "محمد ابن عبدالعزیز المسند، طبع اسلامک فتاوئ ریگارڈنگ ویمن، ترجمہ جمال الدین ایم زارابوزد۔ (سعودی عرب دارالسلام1996)

زیدؓ ابن حارثہؓ

(متوفی 8ھ/629ء)

زید ابتدائی دور میں اسلام قبول کرنے والوں میں سے تھے۔ اور آپؐ کے مقرب صحابہ میں سے تھے۔ غلام تھے اور آپ کی اہلیہ حضرت خدیجہ نے بطور تحفہ حضور اکرم کو دیئے تھے۔ لیکن آپؐ نے انہیں آزاد کر کے اپنا بیٹا بنا لیا۔ اس تعلق کی بنا پر لوگ انہیں زید ابن محمد کہہ کر پکارا کرتے تھے۔ مدینہ میں زید نے بادل نخواستہ حضرت زینب سے شادی کر لی اور بہت جلد طلاق بھی دے دی۔ جس کے بعد زینبؓ نے نبی اکرمؐ سے نکاح کر لیا۔ اس طلاق کی وجوہ کافی متنازعہ ہیں۔

زینبؓ بنت جحش

(متوفیہ 20ھ/641ء)

زینبؓ، زید بن حارثہ کی بیوی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چچازاد تھیں۔ شادی کے وقت ان کی عمر تقریباً 35 برس تھی۔ زید سے طلاق لینے کے بعد انہوں نے نبی اکرمؐ سے نکاح کر لیا۔ (زید ابن حارثہ بھی دیکھیے)۔

MashalBooks.org

زینب بنت محمدؐ

(متوفیہ 7ھ/628ء)

زینبؓ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دختر تھیں اور حضرت خدیجہؓ کے بطن سے تھیں۔ آپ کی بیٹی امامہ تھیں جنہوں نے حضرت فاطمۃ الزہرا کی وفات کے بعد حضرت علیؓ سے شادی کر لی تھی۔ زینب آنحضرتؐ کی زندگی ہی میں وفات پا گئی تھیں۔

MashalBooks.org

MashalBooks.org